اظہار الحق کا اردو ترجمہ اور شرح و تحقیق

مکتبہ دار العلوم کراچی

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ الآية

بائبل سے قرآن تک

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی کی شہرۂ آفاق تالیف

اظہار الحق

کا اردو ترجمہ اور شرح و تحقیق

ترجمہ

مولانا اکبر علی صاحب

استاذ حدیث دار العلوم کراچی

شرح و تحقیق

محمد تقی عثمانی

استاذ دار العلوم کراچی

مکتبہ دار العلوم کراچی ۱۴

باہتمام : محمد قاسم گلگتی
طبع جدید : شعبان المعظم ۱۴۳۱ھ ...... جولائی 2010ء
فون : 5042280 - 5049455
ای میل : mdukhi@cyber.net.pk

ملنے کے پتے

مکتبہ دارالعلوم احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی ﴿ناشر﴾

- ادارۃ المعارف احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی
- مکتبہ معارف القرآن احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی
- ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور
- دارالاشاعت اردو بازار کراچی
- بیت الکتب گلشن اقبال نزد اشرف المدارس کراچی

فہرست المضامین

اظہار الحق جلد سوم

تمت

چوتھی فصل

احادیث پر پادریوں کے پانچ اعتراضات

پہلا اعتراض، راوی حضورؐ کے رشتہ دار تھے

حدیث کے نقل کرنے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ہیں، اور آپؐ کے عزیز رشتہ دار یا صحابی، اس لئے اُن کی شہادت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں معتبر نہیں،

جواب

یہ اعتراض تھوڑے سے تغیر کے بعد خود معترضین پر آپڑتا ہے، کیونکہ مسیحؑ کے حالات اور ان کے اقوال جو موجودہ انجیلوں میں مذکور ہیں اُن کے نقل کرنے والے عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ہیں یا اُن کا فرضی باپ یوسف نجار یا آپ کے شاگرد، اس لئے ان لوگوں کی شہادت آپ کے حق میں معتبر نہیں ہو سکتی،

اور اگر عیسائی حضرات یہ کہیں کہ حضورؐ کے عزیزوں اور صحابہؓ کا ایمان ناقابلِ اعتماد

تھا، کیونکہ یہ لوگ دنیوی ریاست کے حصول کے لئے ایمان ظاہر کرتے تھے، تو یہ احتمال تو قطعی باطل ہے، اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ کی تیرہ سالہ زندگی کافروں کی ایذارسانی کی بناء پر نہایت کلفت اور مصائب سے بھرپور تھی، اس ساری مدت میں آپؐ کے صحابہ کو بھی کافروں کی ایذارسانی کا شکار ہونا پڑا، اور ہمیشہ مبتلاءِ مصائب رہے، یہاں تک کہ وطن عزیز کو خیرباد کہہ کر حبشہ اور مدینہ میں جاکر پناہ لینے پر مجبور ہوئے، اس عرصے میں ان کی جانب سے یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، کہ ان کو طمع دنیا یا حرصِ ریاست کا خیال آسکے،

مزید برآں یہی احتمال حوارین کی نسبت بھی تو ہوسکتا ہے، کیونکہ یہ سب نہایت تنگدست اور شکار پیشہ تھے، ان لوگوں نے یہودیوں سے بھی یہی سُن رکھا تھا کہ مسیح عظیم الشان بادشاہ ہوں گے، پھر جب عیسیٰ علیہ السلام نے یہ دعویٰ کیا کہ میں ہی مسیح موعود ہوں تو اُن پر یہ سمجھ کر ایمان لائے کہ آپ کے اتباع کرنے سے بڑے بڑے عہدے ملیں گے، اور مچھلیاں شکار کرنے والے جال کے جھنجھٹ سے چھٹکارا حاصل ہوجائے گا[1]،

نیز جب عیسیٰ علیہ السلام نے اُن سے یہ وعدہ بھی کیا کہ:

"جب ابن آدم نئی پیدائش میں اپنے جلال کے تخت پر بیٹھے گا تو تم بھی جو میرے پیچھے ہولئے ہو بارہ تختوں پر بیٹھ کر اسرائیل کے بارہ قبیلوں کا انصاف کروگے"

جیسا کہ انجیل متی کے باب ۱۹ آیت[2] میں صاف موجود ہے، نیز حضرت مسیح علیہ السلام نے ان سے یہ وعدہ بھی فرمایا تھا کہ:

---

[1] یہ غالباً جناب پطرس کی طرف اشارہ ہے جو مچھلیاں پکڑ کر گذارا کیا کرتے تھے ۱۲ تقی [2] آیت ۲۸

"ایسا کوئی نہیں جس نے گھر یا بھائیوں یا بہنوں یا ماں باپ یا بچوں یا کھیتوں کو میری خاطر اور انجیل کی خاطر چھوڑ دیا ہو اور اب اس زمانے میں سَو گنا نہ پائے"،

جیسا کہ انجیل مرقس کے باب ۱۰ میں تصریح ہے، اسی طرح مسیح نے اور بہت سی چیزوں کا وعدہ کیا، اس لئے حواریین کو یقین ہو گیا تھا کہ ہم میں سے ہر ایک صاحبِ ملک بادشاہ بن جائے گا، اور ہر ایک اسرائیل کی ایک ایک نسل پر حکمرانی کرے گا، اور اگر بالفرض یہ چیز نہ بھی حاصل ہوئی تو کم از کم اس دنیا میں آپ کے اتباع کی وجہ سے چھوڑی ہوئی چیز کا اس دنیا میں سَو گنا عوض مل جائے گا، اور یہ چیز اُن کے ذہن و دماغ میں اس قدر پختہ جم گئی تھی، کہ یعقوب و یوحنا نے جو زبدی کے بیٹے ہیں، یا اُن کی والدہ نے دونوں انجیلوں کی مختلف روایتوں کی بناء پر وزارتِ عظمیٰ کے عہدے کا مطالبہ بھی کیا، تاکہ ان میں سے ایک مسیح کے دائیں جانب اور دوسرا بائیں طرف آپ کی بادشاہت میں بیٹھا کریں، چنانچہ انجیل متی کے باب ۲۰ میں صاف طور پر مذکور ہے، اسی طرح انجیل مرقس کے باب ۱۰ میں،

مگر جب انھوں نے دیکھا کہ ہم کو ہماری خیالی سلطنت نصیب نہیں ہوئی، نہ اس دنیا میں سَو گنا عوض مل سکا، بلکہ مسیح بھی دنیوی دولت سے قطعی محروم اور جُوں کے تُوں، تنگدست اور قلاش رہے، یہودیوں کے خوف سے ڈرتے اور ایک مقام سے دوسرے مقام پر بھاگتے پھرے، انھوں نے یہ بھی دیکھا کہ یہودی مسیح کے پکڑنے اور قتل کرنے کے درپے ہیں، تب اُن کو ہوش آیا کہ ہم غلط سمجھ رہے تھے، اور مذکورہ وعدے محض سراب کے مانند تھے، جس کو پیاسا غلطی سے پانی سمجھتا ہے، ان میں سے

ل آیات ۲۹، ۳۰ ـ ۲ یہ واقعہ انجیل متی کے الفاظ میں ص ۴ ج ۲ پر گذر چکا ہے، تقی

ایک صاحب نے تو اس خیالی سلطنت اور دنیوی ترقیات کے عوض میں فقط تیس درہم لینے پر قناعت کر کے مسیح کو دشمنوں اور یہودیوں کے ہاتھوں گرفتار کرا دیا، اور اس کے صلے میں یہ قلیل رقم اُن سے وصول کی، اور باقی اصحاب مسیح کی گرفتاری کے موقع پر نہ صرف یہ کہ اُن کو چھوڑ کر بھاگ گئے، بلکہ تین مرتبہ اُن کو پہچاننے سے بھی انکار کیا، پھر ان میں جو صاحب حواریین میں سے سب سے بلند پایہ اور کلیسا کے بانی اور مسیح کے خلیفہ ہیں یعنی حضرت پطرس، انھوں نے تو صاف طور پر اپنے مسیح پر لعنت فرمائی، اور قسم کھا کر اُن کو پہچاننے سے انکار کیا[1]، غرض کہ مسیح کے سُولی دیئے جانے کے بعد حواریین انکے فرضی اور خیالی منصوبوں سے ناامید ہو گئے، پھر جب دوبارہ مسیح کو زندہ دیکھا تو انکی امیدوں میں از سرِ نو جان پڑ گئی، کہ ممکن ہے اس مرتبہ ہم سلطنت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں، چنانچہ مسیح کے آسمان پر چڑھنے کے وقت یہ سب مخلصین پھر مسیح کے گرد جمع ہو کر دریافت کرنے لگے کہ کیا اس وقت کھوئی ہوئی بادشاہت اسرائیل کو پھر ملے گی، جیسا کہ کتاب[2] اعمال کے باب اوّل میں صاف طور پر لکھا ہے،

اور آسمان پر چڑھنے کے بعد تو حواریین کے دلوں میں ایک جدید خیال نے کروٹ لی، جو اُن کے نزدیک اس خیالی سلطنت سے بھی بڑھ کر تھا، جس سے وہ لوگ مسیح کے آسمان پر جانے تک محروم رہے، وہ یہ کہ مسیح دوبارہ عنقریب آسمان سے نازل ہوں گے، اور یہ کہ قیامت بہت ہی نزدیک ہو (جیسا کہ باب اوّل کی فصل ۳ دہم میں معلوم ہو چکا ہے) اور یہ کہ نازل ہونے کے بعد دجال کو قتل کریں گے، اور شیطان کو

---

[1] متی، ۲۶: ۳۵، لوقا، ۲۲: ۳۴، مرقس، ۱۴: ۳۰، یوحنا، ۱۸: ۱۶،

[2] "اے خداوند کیا تو اسی وقت اسرائیل کو بادشاہی پھر عطا کرے گا" (اعمال ۱/۶)

ہزار سال کے لئے قید کر دیں گے، اور مسیح کے نزول کے بعد ہم لوگ تختوں پر جلوس فرما ہوں گے، اور دنیا میں اس پوری مدت میں عیش کی زندگی گذاریں گے، ..... جیسا کہ کتاب المشاہدات کے باب ۱۹ و ۲۰ سے اور کرنتھیوں کے نام پہلے خط کے باب ۶ آیت ۲ سے مفہوم ہوتا ہے، پھر قیامت ثانیہ آنے پر ان کو جنت میں دائمی اور ابدی مسرت نصیب ہوگی، اس لئے انھوں نے مسیح کے احوال بیان کرنے میں اور ان کی تعریف کرنے میں مبالغہ آمیزی کی، چنانچہ چوتھا انجیلی اپنی انجیل کے آخر میں کہتا ہے کہ:

"اور بھی بہت سے کام ہیں جو یسوع نے کئے، اگر وہ جدا جدا لکھے جاتے تو میں سمجھتا ہوں کہ جو کتابیں لکھی جاتیں ان کے لئے دنیا میں گنجائش نہ ہوتی"

حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ یہ محض جھوٹ اور شاعرانہ مبالغہ ہے، یہ لوگ اس قسم کی مبالغہ آمیز باتوں کے ذریعے جاہلوں کو اپنے جال میں پھنسایا کرتے تھے، یہاں تک کہ مر گئے، مگر اپنی مراد کو پھر بھی حاصل نہ کر سکے، اس لئے ان کی شہادت مسیح کے حق میں کیونکر قابلِ قبول ہو سکتی ہے،

یہ[1] ساری بات الزام کے طریق پر کہی جاتی ہے، خدا نخواستہ ہمارا اعتقاد ہرگز ایسا نہیں ہے جیسا کہ کئی مرتبہ صاف طور پر کہا جا چکا ہے،

پھر جس طرح یہ احتمال حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے سچے حواریوں کے حق میں غلط اور باطل ہے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی نسبت بھی باطل اور لغو ہے،

صحابۂ کرام کی نسبت شیعوں کے اقوال سے استدلال کا جواب

کبھی کبھی پادری حضرات عوام کو مغالطے میں ڈالنے کے لئے اُن کے سامنے وہ باتیں

[1] یوحنا ۲۱: ۲۵،

پیش کرتے ہیں جو شیعہ حضرات نے صحابہؓ کرامؓ کی شان میں جھوٹی اور بے بنیاد گھڑ رکھی ہیں، اس کے دو جواب ہیں، ایک الزامی اور دوسرا تحقیقی،

الزامی جواب

الزامی جواب تو یہ ہے کہ مورخ موشیم اپنی تاریخ کی جلد اوّل میں کہتا ہے کہ:

"فرقۂ ابیونیہ جو پہلی صدی میں گزرا ہے اس کا عقیدہ عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت یہ تھا کہ وہ فقط انسان تھے، جو مریمؑ اور یوسف نجار سے دوسرے عام انسانوں کی طرح معمول کے مطابق پیدا ہوئے، اور شریعت موسوی کو ماننا فقط یہودیوں کے لئے مخصوص نہیں ہے، بلکہ دوسروں پر بھی اسی طرح ضروری اور واجب ہے، اور نجات کے لئے شریعتِ موسویہ کے احکام پر عمل کرنا ضروری ہے، چونکہ پولس اس عقیدے میں ان کا ہمنوا نہ تھا، اور اس معاملے میں ان کے سخت خلاف رہا، اس لئے وہ لوگ اس کی شدید مذمت کرتے اور اس کی تحریروں کو بے حد حقیر خیال کرتے ہیں"

لارڈ نر اپنی تفسیر کی جلد ۲ صفحہ ۶، ۳ پر کہتا ہے کہ:

"متقدمین نے ہم کو خبر دی ہے کہ یہ فرقہ پولس اور اس کے خطوط کی سخت تردید کرتا ہے"

اسی طرح بل اپنی تاریخ میں اس فرقہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:

"یہ فرقہ عہد عتیق کی کتابوں میں سے صرف توریت کو تسلیم کرتا ہے، اور سلیمانؑ، داؤدؑ، ارمیاءؑ، اور حزقیال علیہم السلام سے سخت نفرت رکھتا ہے، عہد جدید کی

کتابوں میں سے صرف انجیل متی کو تسلیم کرتا ہے، اور اس میں بھی اس نے بہت سے مواقع پر تحریف کر دی ہے، یہاں تک کہ اس کے پہلے دونوں ابواب کو اس سے خارج کر دیا"

نیز بیل اپنی تاریخ میں فرقہ مارسیونیہ کے بیان میں یوں کہتا ہے کہ:

"اس فرقے کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا دو ہیں، ایک خالق خیر، دوسرا خالق شر، اور یہ بھی کہتا ہے کہ توریت اور عہد عتیق کی تمام کتابیں، خالق شر کی جانب سے ہیں، جو سب کی سب عہد جدید کی کتابوں کے مخالف ہیں"

پھر کہتا ہے:

"اس فرقہ کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ مسیحؑ اپنی موت کے بعد جہنم میں داخل ہوئے، اور وہاں پر انھوں نے قابیل اور اہل سدوم کی روحوں کو جہنم کے عذاب سے رہائی دی، کیونکہ یہ لوگ اس کے پاس حاضر رہے، اور خدائے خالق شر کی اطاعت انھوں نے نہیں کی، مگر ہابیل و نوحؑ و ابراہیمؑ اور دوسرے صالحین کی روحوں کو بدستور جہنم میں رہنے دیا، کیونکہ یہ سب فریق ان کے خلاف تھے، اُن کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ جہان کا خالق، صرف وہی خدا نہیں ہے، جس نے عیسیٰؑ کو بھیجا، اور رسول بنایا، اسی وجہ سے یہ فرقہ عہد عتیق کی کتابوں کو الہامی نہیں مانتا، اور عہد جدید کی کتابوں میں سے صرف انجیل لوقا کو تسلیم کرتا ہے، مگر اس کے پہلے دونوں بابوں کا انکار کرتا ہے، نیز پولس کے خطوط میں سے صرف دس خطوط کو تسلیم کرتا ہے لیکن جو چیز اُن کی رائے کے خلاف ہو اس کو رد کر دیتا ہے"

لارڈنر اپنی تفسیر کی جلد ۳ میں فرقہ مانی کیز کے بیان میں آگسٹائن کا قول نقل کرتا ہو کہ

"وہ خدا جس نے موسیٰؑ کو توریت دی اور اسرائیلی پیغمبروں سے کلام کیا، وہ خدا ہی نہ تھا، بلکہ ایک شیطان تھا، یہ فرقہ عہد جدید کی کتابوں کو تسلیم کرتا ہے، مگر یہ بھی اقرار کرتا ہے کہ ان کتابوں میں الحاق کیا گیا ہے، اور جس حصے کو پسند کرتا ہے، قبول کرتا ہے اور باقی کو چھوڑ دیتا ہے، اور اس کے مقابلے میں جھوٹی کتابوں کو ترجیح دیتا ہے، اور کہتا ہے کہ یہ یقیناً سچی ہیں"

پھر لارڈنر اسی جلد میں یوں کہتا ہے کہ :

اس پورے فرقے نے کسی زمانے میں بھی عہد عتیق کی مقدس کتابوں کو تسلیم نہیں کیا"

اعمال ارکلاس میں اس فرقے کا عقیدہ یہ لکھا ہے :

"شیطان نے یہودیوں کے پیغمبروں کو فریب دیا، اور شیطان ہی نے موسیٰؑ اور دوسرے پیغمبروں سے کلام کیا، یہ فرقہ انجیل یوحنا کے باب ۱۰ آیت ۸ سے استدلال[1] کرتا ہے، کہ مسیحؑ نے اُن کے بارے میں کہا ہے کہ وہ چور اور رہزن تھے، نیز اس فرقے نے عہد جدید کو نکالا"

یہی حال دوسرے فرقوں کا ہے، مگر ہم نے تثلیث کے عدد کی رعایت سے صرف ان تین فرقوں کا حال بیان کرنے پر اکتفا کیا، اب ہمارا کہنا یہ ہے کہ کیا ان فرقوں کے اقوال پروٹسٹنٹ کے علماء پر پورے پورے صادق آتے ہیں یا نہیں؟ اگر ان پر یہ اقوال پورے اُترتے ہیں تو ان کو بھی حسب ذیل دس چیزوں کو عقیدہ بنانا ہوگا،

۱۔ عیسیٰ علیہ السلام صرف انسان ہیں، جو یوسف نجار سے پیدا ہوئے تھے،

۲۔ توریت پر عمل کرنا نجات کے لئے نہایت ضروری ہے،

[1] آیت کے الفاظ یہ ہیں: "جتنے مجھ سے پہلے آئے سب چور اور ڈاکو ہیں" (یوحنا ۱۰: ۸)

۳۔ پولس بڑا شریر اور اس کے اقوال واجبُ الرّد ہیں،

۴۔ خدا صرف دوّ ہیں، ایک نیکی کا خالق، دوسرا بدی کا پیدا کرنے والا،

۵۔ قابیل اور سدّوم والوں کی روحوں کو عیسیٰؑ کی موت سے جہنّم کے عذاب سے نجات مل گئی، اور ہابیل و نوحؑ اور ابراہیمؑ کی اور متقدمین بزرگوں کی روحیں عیسیٰؑ کی موت کے بعد بھی بدستور عذاب جہنم میں مبتلا ہیں،

۶۔ یہ سب کے سب شیطان کی اطاعت کرنے والے تھے،

۷۔ توریت اور عہد عتیق کی تمام کتابیں شیطان کی جانب سے ہیں،

۸۔ موسیٰؑ اور اسرائیلی پیغمبروں سے کلام کرنیوالا خدا نہیں تھا، بلکہ شیطان تھا،

۹۔ عہد جدید کی کتابوں میں اضافہ کرکے انھیں محرف کر دیا گیا ہے،

۱۰۔ بعض جھوٹی کتابیں بھی یقیناً سچی ہیں،

اور اگر ان تینوں فرقوں کے اقوال فرقۂ پروٹسٹنٹ والوں کو تسلیم نہیں ہیں تو کبھی ایک اسلامی فرقے کا قول جمہور مسلمانوں کے مقابلے میں کیونکر حجت ہو سکتا ہے؛ بالخصوص جبکہ وہ بات قرآن اور مستند اماموں کے اقوال کے صریح مخالف ہو،

دُوسرا جوابؔ

قرآن کی حقانیت پر شیعہ عُلماء کے اقوال

تحقیقی جواب یہ ہے کہ قرآن مجید تمام اثنا عشری علماء کے نزدیک تغیّر و تبدل سے محفوظ ہے، اور اگر کوئی شخص قرآن میں کسی کمی اور نقصان کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کا قول ان علماءِ اثنا عشری کے نزدیک مردود اور ناقابلِ قبول ہے،

(۱) محمد بن علی بابویہ کی شہادت

چنانچہ شیخ صدوق ابوجعفر محمد بن علی بن بابویہ جو علمائے امامیہ اثنا عشریہ میں بڑے پایہ کے علماء میں ہیں، اپنے رسالے الاعتقادیہ میں کہتے ہیں:

"ہمارا عقیدہ قرآن کی نسبت یہ ہے کہ وہ قرآن جس کو اللہ نے اپنے پیغمبر پر نازل کیا تھا وہی موجودہ قرآن ہے، جو لوگوں کے ہاتھوں میں ہے، اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے، البتہ اس کی سورتوں کی تعداد لوگوں کے نزدیک ۱۱۴ ہے، مگر ہمارے نزدیک سورۃ والضحیٰ اور الم نشرح مجموعی طور پر ایک سورۃ ہیں، اسی طرح لایلاف اور الم ترکیف دونوں ملکر ایک سورۃ ہیں، اور جو شخص ہماری جانب یہ قول منسوب کرتا ہے کہ قرآن اس سے زائد ہے وہ جھوٹا ہے۔"

(۲) سید مرتضیٰؒ کی شہادت

تفسیر مجمع البیان جو شیعوں کی نہایت معتبر تفسیر ہے اس میں سید مرتضیٰ ذوالمجد علم الہدیٰ ابوالقاسم علی بن حسین موسوی نے ذکر کیا ہے کہ:

"قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بالکل اسی طرح جیسا کہ آج ہے مجموعے کی صورت میں موجود تھا۔"

اپنے اس دعوے پر علامہ موصوف نے یہ استدلال کیا ہے کہ قرآن اس زمانے میں پڑھا اور پڑھایا جاتا تھا، اور پورا زبانی یاد کیا جاتا تھا، یہاں تک کہ انھوں نے حفاظ صحابہؓ کی ایک پوری جماعت کی نشاں دہی کی ہے، نیز یہ کہ قرآن حضورؐ کو سنایا جاتا اور آپؐ کے سامنے دُہرایا جاتا تھا، اور صحابہؓ کی ایک بڑی جماعت نے جن میں عبداللہ بن مسعودؓ، ابی بن کعبؓ وغیرہ ہیں متعدد مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

سامنے کافی قرآن ختم کئے، یہ سب چیزیں اس امر کی شاہد ہیں کہ قرآن کریم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں باقاعدہ طور پر مجموعے کی شکل میں موجود اور مرتب تھا، متفرق اور منتشر ہرگز نہیں تھا،

یہ بھی کہتے ہیں کہ فرقۂ امامیہ[1] یا حشویہ جو اس کے خلاف کہتا ہے وہ قطعی قابلِ اعتبار نہیں ہے، کیونکہ اس خلاف کا منشاء بعض محدثین کی ضعیف روایتیں ہیں، جن کو انھوں نے صحیح سمجھ کر نقل کر دیا ہے، اس قسم کی روایتوں کی ان روایتوں کے مقابلے میں کوئی بھی حیثیت نہیں ہے جن کی صحت قطعی اور یقینی ہے،

(۳) سید مرتضیٰ ہی کی دُوسری شہادت

سید صاحب نے یہ بھی کہا ہے کہ:

"قرآن کی صحت کا علم ویقین اس درجے کا ہے جس طرح دنیا کے بڑے بڑے شہروں یا عظیم الشان حوادث اور مشہور واقعات یا اہلِ عرب کے لکھے ہوئے اشعار کا یقین، کیونکہ قرآن کی نقل و روایت کی جانب شدید توجہ کی گئی ہے، اور اس کی حفاظت کے بکثرت اسباب موجود تھے کیونکہ قرآن نبوت کا معجزہ اور علومِ شرعیۂ احکام دینیہ کا ماخذ ہے، اور مسلمان علماء نے اس کے حفظ کرنے میں اور اس کی جانب توجہ کرنے میں انتہا کر دی ہے

---

[1] فرقہ امامیہ، یہ شیعہ حضرات کا ایک بہت غالی فرقہ تھا جس کا کہنا یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی خلیفہ برحق تھے اور ان کے سوا جتنے حضرات مسندِ خلافت پر بیٹھے وہ معاذ اللہ غلط تھے، ان میں سے بعض لوگ تحریفِ قرآن کے بھی قائل تھے، اور کبار صحابہؓ کی شان میں گستاخیاں کرتے تھے،

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الملل والنحل للشہرستانی، ص ۲۶۵ تا ۲۵۹ ج اوّل)

یہاں تک کہ قرآن کی ہر ہر چیز مثلاً اس کے اعراب اور قرآتوں حروف و آیتوں تک کی پوری پوری معرفت حاصل کی، پھر اس قدر شدید اہتمام و توجہ تام کے بعد کیونکہ یہ احتمال ہوسکتا ہے کہ اس میں تغیر و تبدل ہو یا کمی بیشی ہو"

(۴) قاضی نور اللہ شوستری کی شہادت

قاضی نور اللہ شوستری جو شیعہ علماء میں ممتاز درجہ رکھتے ہیں، انھوں نے اپنی کتاب "مصائب النواصب" میں یوں کہا ہے کہ:

"فرقۂ شیعہ امامیہ کی طرف جو یہ نسبت کی جاتی ہے کہ وہ قرآن کے محرف ہونے کے قائل ہیں، سو جمہور شیعہ کی طرف اس کی نسبت ہرگز درست نہیں ہے، یہ بات ایسے قلیل التعداد نا قابلِ اعتبار لوگوں کی ہے جن کی کوئی قیمت و پوزیشن شیعوں میں نہیں ہے"

(۵) مُلّا صادق کی شہادت

ملا صادق نے کلینی[1] کی شرح میں لکھا ہے کہ:

"قرآن اُسی موجودہ ترتیب کے ساتھ بارہویں امام کے ظہور کے وقت ظاہر اور مشہور ہوگا"

---

[1] محمد یعقوب کلینی، شیعہ فرقہ کے مشہور عالم ہیں، جن کی کتاب الکافی شیعہ فقہ و حدیث کی مستند ترین کتاب ہے، تقی

(۶) عاملی کی شہادت

محمد بن حسن حر عاملی نے جو فرقہ امامیہ کے جلیل القدر محدث ہیں اپنے ایک رسالے میں بعض معاصرین کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

"جو شخص واقعات اور تواریخ کی چھان بین کرے گا وہ یقینی طور پر جان لے گا کہ قرآن تواتر کے اعلیٰ مرتبے پر پہنچا ہوا ہے، ہزاروں صحابہؓ اس کو حفظ کرتے اور نقل کرتے تھے، اور عہدِ رسالت میں وہ جمع اور مدوّن ہو چکا تھا۔"

ان گذشتہ شہادتوں سے پورے طور پر یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ محققین علماء شیعہ کا صحیح مذہب یہی ہے کہ وہ قرآن جس کو اللہ نے اپنے پیغمبر پر نازل کیا تھا وہ بالکل وہی ہے جو اس زمانے میں مجموعے کے طور پر لوگوں کے ہاتھوں میں موجود ہے، اس سے زائد بالکل نہیں ہے، اور یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور میں جمع اور مدوّن ہو گیا تھا، اور ہزاروں صحابہؓ نے اس کو یاد اور نقل کیا، صحابہؓ کی بڑی جماعت نے جن میں عبداللہ بن مسعودؓ اور ابی بن کعبؓ بھی شامل ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پورا قرآن سنایا، اور بارہویں امام کے ظہور کے وقت بھی قرآن اسی ترتیب کے ساتھ ظاہر اور مشہور ہوگا، اور جو قدرے قلیل شیعہ حضرات اس میں تغیر تبدّل و تحریف کے قائل ہیں، اُن کا قول باطل اور مردود ہے، خود شیعوں میں وہ لائق اعتبار نہیں ہیں، اور جو بعض ضعیف روایتیں تحریف کی نسبت ملتی ہیں وہ ان قطعی اور یقینی روایات کے مقابلے میں قطعی کوئی اعتبار نہیں رکھتیں، جو قرآن کے محفوظ ہونے پر دلالت کرتی ہیں،

اور یہ بات بے بھی درست، اس لئے کہ خبر واحد اگر کسی علم کی موجب ہو، لیکن یقینی دلائل میں کوئی چیز اس پر دلالت کرنے والی نہ ہو تو اس کا رد کرنا واجب ہے، چنانچہ اس کی تصریح ابن مطہر الحلی نے اپنی کتاب مبادی الوصول الی علم الاصول میں خوب اچھی طرح کی ہے، اور خود قرآنی شہادت اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ کی تفسیر میں علمار شیعہ کی سب سے معتبر تفسیر صراط مستقیم میں کہا گیا ہے کہ:

"یعنی ہم قرآن کی حفاظت کریں گے، تحریف اور تبدیل سے کمی اور بیشی سے"

جب یہ بات ناظرین کے ذہن نشین ہو گئی تو اب ہم یہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم صاف طور پر صحابہ کرامؓ کی نسبت اعلان کر رہا ہے کہ صحابہؓ سے کبھی کوئی ایسا فعل صادر نہیں ہوا جو موجب کفر اور ایمان سے خارج کر دینے والا ہو، چنانچہ حسب ذیل آیات اس کی شاہد ہیں:

صحابۂ کرامؓ کے مومن ہونیکی شہادت قرآن سے؛

پہلی شہادت (۱) سورۂ توبہ میں ارشاد ہے:

وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا	"اور مہاجرین و انصار میں سے اسلام کی طرف سبقت کرنے والے اور وہ لوگ جنھوں نے نیکی میں اُن کی پیروی کی، اللہ اُن سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے، اور اللہ نے اُن کے لئے ایسے باغات تیار کئے ہیں جن کے نیچے

اَلْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝	نہریں بہتی ہیں، یہ لوگ اُن باغات میں ہمیشہ رہنے والے ہونگے، یہ بڑی کامیابی ہے"

مہاجرین وانصار میں سب سے پہلے ایمان قبول کرنے والوں کی نسبت اس آیت میں چار صفتیں ذکر کی گئی ہیں:۔

۱۔ اللہ ان سے راضی ہو چکا ہے،

۲۔ وہ لوگ اللہ سے راضی ہو چکے ہیں،

۳۔ ان کے حق میں جنت کی خوش خبری دی گئی ہے،

۴۔ جنت کی دوامی اور ابدی رہائش کا اُن سے وعدہ فرمایا گیا ہے۔

اب ظاہر ہے کہ ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہم مہاجرین میں سے ایمان لانے والی جماعت میں سب سے مقدم اور پیش پیش ہیں، بالکل اسی طرح جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، لہٰذا اُن سب کے حق میں یہ چاروں مندرجۂ بالا صفات ثابت ہو گئیں، اور ان کی خلافت کی صحت بھی ثابت ہو گئی، اب کسی معترض اور بدگو کا ان کے حق میں طعن کرنا بالکل باطل اور مردود ہے، بالکل اسی طرح جیسا حضرت علیؓ کی شان میں عیب جوئی یا طعن غلط اور باطل ہے،

دوسری شہادت سورۂ توبہ میں دوسری جگہ یوں فرمایا گیا:

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجٰھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ اَعْظَمُ دَرَجَۃً عِنْدَ اللّٰہِ	"وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنھوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنی جانوں اور مال سے جہاد کیا، وہ لوگ اللہ کے نزدیک رُتبے کے اعتبار سے بہت عظیم ہیں

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ○ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ خَالِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ○	اور یہی لوگ کامیاب ہیں، ان کا پروردگار انھیں اپنی رحمت اور رضامندی اور ایسے باغات کی خوشخبری دیتا ہے جن میں ان کے لئے پائدار نعمتیں ہوں گی، یہ لوگ ان باغات میں ہمیشہ رہیں گے، بلاشبہ اللہ کے پاس عظیم اجر ہے "

حق تعالیٰ شانہٗ نے آیت بالا میں اُن لوگوں کی نسبت جو ایمان لائے اور جنھوں نے ہجرت کی، اللہ کی راہ میں جان و مال کی قربانی دی، چار باتوں کی شہادت دی ہے،

۱۔ ان کے مراتب و درجات خدا کے یہاں بہت بلند ہیں،

۲۔ وہ لوگ اپنی مراد و مقصد میں کامیاب ہیں

۳۔ اُن کو جنّت و رحمت اور اپنی خوشنودی کے مستحق ہو جانے کی بشارت دی گئی،

۴۔ ان کے حق میں ہمیشہ جنّت کی سکونت اور رہائش کی ضمانت دی گئی ہے،

اور اس چوتھے وعدے کو تین مختلف عبارتوں کے ساتھ مضبوط اور مؤکد فرمایا، یعنی "مقیم" "خالدین فیہا" "ابداً"۔

اور یہ بات یقینی ہے کہ خلفائے ثلٰثہ مؤمن بھی ہیں، مہاجر بھی، جان و مال کی خدا کی راہ میں قربانی دینے والے بھی، بالکل اسی طرح جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ لہٰذا ان کے لئے بھی چاروں صفات ثابت ہوئیں،

تیسری شہادت (۳) سورۂ توبہ ہی میں ایک جگہ یوں فرمایا گیا ہے کہ:۔

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ	" لیکن رسولؐ نے اور انھوں نے جو

اٰمَنُوْا مَعَهٗ جَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرَاتُ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ، اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ، خَالِدِيْنَ فِيْهَا، ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ،	جو آپؐ کے ساتھ ایمان لائے تھے، اپنی جان اور مال سے جہاد کیا، اور انہی کیلئے بھلائیاں ہیں، اور یہی فلاح پانے والے ہیں، اللہ نے اُن کے لئے ایسے باغات تیار کئے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، یہ لوگ ان باغات میں ہمیشہ رہیں گے، یہ بڑی کامیابی ہے "

اس میں بھی اللہ نے مومنین مجاہدین کے چار اوصاف ذکر فرمائے ہیں:

۱۔ دنیا و آخرت کی جملہ نعمتیں اُن کے لئے مخصوص ہیں،

۲۔ یہ لوگ فلاح و نجات کے مستحق ہیں،

۳۔ جنت کا وعدہ،

۴۔ جنت کی دوامی رہائش کی یقین دہانی،

یقینی بات ہے کہ جب خلفائے ثلاثہ مومن و مجاہد ہیں تو یہ چاروں وعدے بھی اُن کے لئے ضرور ہیں،

چوتھی شہادت (۴) سورۂ توبہ ہی میں دوسری جگہ ارشاد فرمایا کہ:۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ وَعْدًا	اللہ نے خرید لی مسلمانوں سے ان کی جان اور ان کا مال اس قیمت پر کہ ان کے لئے جنت ہو، لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں پھر مارتے ہیں اور مرتے ہیں، وعدہ

عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ، اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ النَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ، وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ،	ہوچکا اس کے ذمہ پر سچا، توریت اور انجیل اور قرآن میں، اور کون ہے قول میں پورا اللہ سے زیادہ، سو خوشیاں کرو اس معاملہ پر جو تم نے کیا ہے اس سے، اور یہی ہے بڑی کامیابی، وہ توبہ کرنے والے ہیں، بندگی کرنیوالے ہیں، شکر کرنے والے، بے تعلق رہنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، حکم کرنے والے نیک بات کا، اور منع کرنیوالے بری بات سے، اور حفاظت کرنے والے اُن حدود کی جو باندھی اللہ نے، اور خوشخبری سنا دے ایمان والوں کو"

اس سے خدائے تعالیٰ نے مومنین مجاہدین کے لئے جنّت کا پختہ وعدہ فرمایا، اور ان کے اوصاف بیان فرمائے، ثابت ہوا کہ خلفائے صحابہؓ بھی ان صفات کے ساتھ موصوف اور جنّت کے مستحق ہیں،

پانچویں شہادت سورۂ حج[(۵)] میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ، وَلِلّٰهِ	"وہ لوگ جن کو اگر ہم زمین میں جگہ عطا کریں تو نماز قائم کرتے ہیں، اور زکوٰۃ دیتے ہیں، اور نیکی کا حکم کرتے ہیں، اور برائی سے روکتے ہیں، اور اللہ ہی کے لئے تمام

کاموں کا انجام ہے۔	عَاقِبَةُ الْأُمُوْرِ،

اس میں "اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ" ماقبل کی صفت ہے، یعنی "الذین اخرجوا" کی، لامحالہ اس کا مصداق صرف مہاجرین ہی ہو سکتے ہیں، نہ کہ انصار، کیونکہ وہ لوگ اپنے وطن سے بے وطن نہیں کیے گئے، اب اللہ کا ارشاد مہاجرین کی نسبت یہ ہے کہ اگر ہم ان کو زمین کی حکومت اور بادشاہت دیدیں تو یہ لوگ چار کام ضرور انجام دیں گے، یعنی نماز کی پابندی، زکوٰۃ کی ادائیگی، نیکی کی تعلیم دینا، برائی اور بدی سے روکنا،

ادھر یہ بات طے شدہ ہے کہ اللہ نے خلفائے اربعہ کو زمین کی حکومت وسلطنت عطا فرمائی تھی، تو ضروری ہوگا کہ انھوں نے اللہ کے بیان فرمودہ چاروں کام بھی کیے ہونگے لہٰذا اُن سب کا حق پر ہونا ثابت ہوا، نیز وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْأُمُوْرِ کے الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ پہلے جو حکومت دیئے جانے کا ذکر ہوا ہے وہ یقینی طور پر واقع ہو گی لا محالہ پھر آخر میں یہ سب حکومت وسلطنت اللہ ہی کی طرف لوٹ جائے گی، جس کی بادشاہت ابدی ہے اور غیر فانی ہے،

چھٹی شہادت سورۃ حج[6] ہی میں ایک جگہ ارشاد ہے کہ:۔

"اور محنت کرو اللہ کے واسطے جیسی کہ چاہیئے اس کے واسطے محنت، اسی نے تم کو پسند کیا، اور نہیں رکھی تم پر دین میں کچھ مشکل، دین تمھارے باپ ابراہیم کا، اسی نے نام رکھا تمھارا مسلمان پہلے سے، اور اس قرآن میں تاکہ رسول ہو بتانے والا تم پر اور	وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَ

تَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ	تم ہو بتانے والے لوگوں پر، سو قائم
فَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ	رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ، اور مضبوط
وَاعْتَصِمُوا بِاللهِ هُوَ مَوْلٰكُمْ	پکڑو اللہ کو، وہ تمہارا مالک ہے، سو خوب
فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيرُ	مالک ہے اور خوب مددگار "

اس آیت میں اللہ نے صحابہ کو مسلمان کے نام سے موسوم کیا ہے،

ساتویں شہادت | سورۂ نور میں یوں فرمایا گیا ہے کہ:-

وَعَدَ اللهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا	"تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک
مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ	عمل کئے ان سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ
لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ	انھیں ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا جس
كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ	طرح ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا،
قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ	اور اُن کے لئے اس دین کو قوت عطا کریگا
دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ	جسے اُن کے لئے پسند کیا ہے، اور انھیں
وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ	ان کے خوف کے بعد امن عطا کرے گا
أَمْنًا، يَعْبُدُوْنَنِيْ وَلَا يُشْرِكُوْنَ	وہ میری عبادت کریں گے، اور میرے
بِيْ شَيْئًا، وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ	ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے، اور
ذٰلِكَ فَأُولٰئِكَ هُمُ	اس کے بعد جو شخص کفر کرے تو ایسے
الْفٰسِقُوْنَ ط	لوگ فاسق ہیں "

آیت بالا میں "مِنْكُمْ" کا "مِنْ" تبعیض کے لئے ہے، اور "كُمْ" ضمیر خطاب ہے۔ یہ دونوں چیزیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ اس کے مخاطب وہ بعض مؤمنین ہیں

جو اس سورۃ کے نازل ہونے کے وقت موجود تھے، سارے مؤمنین مراد نہیں ہیں، اور لفظ استخلاف بتا رہا ہے کہ اس وعدے کی تکمیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوگی، اُدھر یہ بھی پیش نظر رکھئے کہ چونکہ آپؐ "خاتم الانبیاءؑ" ہیں، اس لئے آپؐ کے بعد کسی نبی کے ہونے کی کوئی گنجائش نہیں ہے، لامحالہ استخلاف سے مراد امامت والا طریقہ ہی ہوسکتا ہے، اور وہ ضمیریں جو "لیستخلفنہم" سے لے کر "لایشرکون" تک پائی جا رہی ہیں سب کی سب جمع کے صیغے کے ساتھ لائی گئی ہیں، اور جمع کا اطلاق حقیقتاً تین سے کم پر نہیں آتا، تو ضروری ہوا کہ جن اماموں کے لئے یہ وعدہ ہو رہا ہے ان کی تعداد تین سے کسی طرح کم نہ ہو، اسی طرح "لیمکنن لھم" کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ اللہ نے ان کے لئے قوت و شوکت اور تنفیذِ احکام کا دنیا میں وعدہ فرمایا ہے، یہ اس امر کی دلیل ہے کہ وہ طاقت اور دبدبہ کے مالک ہوں گے، دنیا میں ان کا حکم چلے گا، اور "دینھم الذی ارتضی لھم" کے الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ ان کے مبارک دور میں جس دین کی اشاعت ہوگی وہ خدا کا پسندیدہ دین ہوگا، اسی طرح "لیبدلنھم من بعد خوفھم امناً" کے الفاظ اس امر پر دلالت کر رہے ہیں کہ اُن کو اپنے عہدِ خلافت میں کسی کا خوف نہ ہوگا، بلکہ مکمل امن و امان کا دور ہوگا، خوف و دہشت اور تغیر والی زندگی ان کی نہ ہوگی، — اور "یعبدوننی ولا یشرکون بی شیئاً" اس امر کو ثابت کرتا ہے کہ وہ اپنے دورِ خلافت میں بھی صاحبِ ایمان ہوں گے، شرک کرنے والے نہ ہوں گے،

آپ نے دیکھا کہ آیت پورے طور پر ائمۂ اربعہ کی امامت کی صحت پر بالخصوص خلفاءِ ثلاثہ ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، عثمان ذی النورینؓ کی امامت کے صحیح ہونے پر دلالت کر رہی ہے، کیونکہ بڑی بڑی فتوحات اور مضبوط حکومت، دین کا غلبہ اور جو امن و امان

اُن کے مبارک عہد میں ہوا وہ امیر المؤمنین حضرت علیؓ کے زمانے میں نہ ہوسکا، کیونکہ ان کا سارا دورآپس کی خانہ جنگی سے نبٹنے میں ختم ہوگیا، ثابت ہوگیا کہ شیعہ حضرات جو طعن و اعتراض خلفائے ثلٰثہ کے حق میں یا خوارج حضرات حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے حق میں کرتے ہیں وہ غلط اور ناقابلِ التفات ہیں،

آٹھویں شہادت سورۂ فتح[8] میں ان مہاجرین اور انصار کے حق میں جو صلح حدیبیہ کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ موجود تھے یوں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:۔

اِذْجَعَلَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ	"جب رکھی منکروں نے اپنے دلوں میں
قُلُوْبِهِمُ الْحَمِیَّةَ حَمِیَّةَ	کد، نادانی کی ضد، پھر اتارا اللہ نے اپنی
الْجَاهِلِیَّةِ، فَاَنْزَلَ اللّٰهُ	طرف سے اطمینان اپنے رسول پر اور
سَکِیْنَتَهٗ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَعَلَی	مسلمانوں پر، اور قائم رکھا ان کو ادب
الْمُؤْمِنِیْنَ وَاَلْزَمَهُمْ	کی بات پر، اور وہی تھے اس کے
کَلِمَةَ التَّقْوٰی وَکَانُوْا اَحَقَّ	لائق، اور اس کام کے، اور ہے
بِهَا وَاَهْلَهَا وَکَانَ اللّٰهُ بِکُلِّ	اللہ ہر چیز سے خبردار"
شَیْءٍ عَلِیْمًا ہ	

اس آیت میں اُن حضرات کے حق میں چار باتوں کی شہادت دی گئی ہے:۔

۱۔ یہ سب لوگ سکینہ کے نزول میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک تھے،

۲۔ وہ مؤمن ہیں،

۳۔ تقویٰ اور پرہیزگاری والا کلمہ ان کے وجود کے ساتھ ایسا لازم ہے کہ کبھی جدا نہیں ہوسکتا،

۴۔ وہ لوگ اس تقویٰ والے کلمے کے سب سے زیادہ مستحق اور لائق ہیں،

اور یہ بات یقینی ہے کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ان لوگوں میں شامل ہیں، اس لئے یہ چاروں اوصاف ان میں بھی ثابت ہوئے، اب جو شخص ان کے حق میں اس کے خلاف عقیدہ رکھتا ہے اس کا عقیدہ باطل اور قرآن کے صریح خلاف ہے،

نویں شہادت (۱) سورۂ فتح میں ...... یوں ارشاد فرمایا ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ، وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا، سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ،	محمدؐ اللہ کے رسول ہیں، اور وہ لوگ جو اُن کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں مہربان، تم ان کو رکوع کرتے اور سجدہ کرتے دیکھو گے، وہ اللہ کے فضل اور رضامندی کو تلاش کرتے ہیں، ان کی علامت اُن کے چہروں پر ہو سجدوں کے اثر سے"

اس میں صحابہؓ کی تعریف یوں فرمائی گئی ہے کہ وہ کافروں کے لئے سخت اور آپس میں بڑے مہربان اور رکوع و سجود کرنے والے، اللہ کے فضل و رضا کے طالب ہیں، اب اگر کوئی شخص اسلام کا دعویٰ رکھتے ہوئے بھی ان بزرگوں کے حق میں اس کے خلاف عقیدہ رکھے وہ خطاکار ہے،

دسویں شہادت (۱) اللہ تعالیٰ نے سورۂ حجرات میں یوں فرمایا ہے کہ:

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ	"لیکن اللہ نے ایمان کو تمھارے لئے محبوب کردیا، اور اُسے تمھارے دلوں میں مزیّن کردیا۔ اور کفر و فسوق اور نافرمانی

اَلْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ تمھارے لئے مکروہ کر دیا، یہی لوگ
اُولٰٓئِکَ ھُمُ الرَّاشِدُوْنَ، ہدایت یافتہ ہیں "

آیت بالا سے حسب ذیل امور کا انکشاف ہوا :۔

۱۔ صحابہ کرام کو ایمان محبوب تھا،

۲۔ کفر و فسق اور گناہ مبغوض و ناپسند تھا،

۳۔ یہ لوگ راہِ حق پر اور رشد و ہدایت کے ساتھ موصوف تھے،

اب ان باتوں کے خلاف اُن کے حق میں عقیدہ رکھنا سراسر خطا اور غلطی ہے،

گیارھویں شہادت

سورۂ حشر[11] میں یوں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ :۔

لِلْفُقَرَاءِ الْمُھَاجِرِیْنَ الَّذِیْنَ	"واسطے ان مفلسوں وطن چھوڑنیوالوں
اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ وَ	کے جو نکالے ہوئے آئے ہیں اپنے گھروں سے
اَمْوَالِھِمْ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ	اور اپنے مالوں سے، ڈھونڈتے آئے ہیں
اللّٰہِ وَ رِضْوَانًا، وَّیَنْصُرُوْنَ	اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی اور
اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ اُولٰٓئِکَ ھُمُ	مدد کرنے کو اللہ کی اور اس کے رسولؐ
الصّٰدِقُوْنَ، وَالَّذِیْنَ تَبَوَّؤُ	کی، وہ لوگ وہی ہیں سچے، اور جو لوگ
الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِھِمْ	جگہ پکڑ رہے ہیں اس گھر میں اور ایمان
یُحِبُّوْنَ مَنْ ھَاجَرَ اِلَیْھِمْ وَلَا	میں ان سے پہلے سے وہ محبت کرتے
یَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِھِمْ	ہیں اس سے جو وطن چھوڑ کر آئے ان کے
حَاجَۃً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَیُؤْثِرُوْنَ	پاس، اور نہیں پاتے اپنے دل میں تنگی،
عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ وَلَوْ کَانَ بِھِمْ	اس چیز سے جو مہاجرین کو دی جائے اور

خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ہ

مقدم کہتے ہیں انکو اپنی جان سے اور اگرچہ ہو اُنپر فاقہ، اور جو بچایا گیا اپنے جی کے لالچ سے سو وہی لوگ ہیں مراد پانے والے "

اس میں حق تعالیٰ شانہٗ نے مہاجرین و انصار کے چھ اوصاف بیان فرماتے ہوئے ان کی تعریف فرمائی ہے :-

۱- ان مہاجرین کی ہجرت دنیا کے لئے ہرگز نہ تھی، بلکہ محض خالص رضائے الٰہی حاصل کرنے کے لئے تھی،

۲- یہ لوگ خدا اور اس کے رسولؐ کے دین کے مددگار تھے،

۳- یہ لوگ اپنے قول و فعل میں صادق تھے،

۴- انصار اُن لوگوں سے محبت رکھتے تھے جو مدینے ہجرت کر کے آتے تھے،

۵- انصار اس وقت مسرور و خوش ہوتے ہیں جب مہاجرین کو کوئی چیز ملتی ہے،

۶- انصار اپنے مہاجر بھائیوں کو باوجود اپنی احتیاج کے اپنے اوپر ترجیح دیتے تھے،

یہ چھ صفات کمال ایمان پر دلالت کرتی ہیں، اب جو شخص اُن کے حق میں اس کے خلاف عقیدہ رکھے گا وہ سخت غلطی پر ہے، یہ فقرا، مہاجرین جن کے گذشتہ اوصاف قرآن نے بیان کئے ہیں، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان الفاظ سے خطاب کیا کرتے تھے یا خلیفۃ رسول اللہؐ، ادھر اللہ اُن کے سچے ہونے کی شہادت دے رہا ہے تو ضروری بات ہے کہ وہ اس قول میں بھی سچے ہوں، اور جب یہ بات ہے تو ان کی امامت کی صحت کا یقین کرنا ضروری ہے،

بارھویں شہادت (۱۲) سورۂ آلِ عمران میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ :-

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ،	"تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لئے نکالا گیا ہے، تم نیکی کا حکم کرتے ہو اور برائی سے روکتے ہو، اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو"

اس میں خدا نے صحابہؓ کی تین صفات بیان کیں :۔

۱۔ یہ لوگ تمام امتوں میں بہترین جماعت ہیں،

۲۔ یہ لوگ ہمیشہ نیکی کی تعلیم کرتے اور برائی سے روکتے ہیں،

۳۔ یہ لوگ اللہ پر ایمان لانے والے تھے،

غرض اس قسم کی اور دوسری آیات بھی موجود ہیں، مگر میں عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں اور بارہ اماموں کی شمار کے مطابق صرف بارہ قرآنی آیتیں پیش کر رہا ہوں، البتہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کے پانچ اقوال پنجتن کے عدد کی موافقت کرتے ہوئے نقل کرتا ہوں :۔

اہل بیت کی شہادتیں خلفائے ثلٰثہ کے حق میں

پہلی شہادت (۱) شیعوں کی نہایت ہی معتبر کتاب نہج البلاغہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی اس طرح نقل کیا گیا ہے کہ:

"فلاں شخص کتنا اچھا اور بہترین ہے، کیونکہ اس نے (۱) کجی کو سیدھا کیا، (۲) سنگین[1] بیماری کا علاج کیا (۳) سنت کو قائم اور جاری کیا، (۴) بدعت کی

[1] اصل میں لفظ یہ ہے: "وداوی العمد" عمد (رض) عمد کے معنی ہیں "بیماری کا کسی کو کمزور کر دینا" اسی مناسبت سے یہاں ترجمہ "بیماری" سے کر دیا گیا ہے، ۱۲ تقی

مخالفت کی (۵)، دنیا سے پاکدامن گیا (۶)، بہت کم عیب والا تھا (۷)، بہترین افعال کرتا رہا (۸)، برے افعال سے محترز رہا (۹)، اللہ کی فرمانبرداری کرتا رہا (۱۰) اللہ سے اس کے حقوق میں سب سے زیادہ ڈرنے والا تھا، خود تو چلا گیا، لیکن لوگوں کو منتشر اور پراگندہ چھوڑ گیا، کہ اس میں گمراہ کے لئے کوئی ہدایت حاصل کرنے کی صورت اور ہدایت یافتہ کے لئے کوئی یقین کی شکل نہیں ۔

اس کلام میں "فلاں شخص" سے مراد اکثر شارحین کے نزدیک بالخصوص شارح بحرانی کی رائے میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، اور بعض شارحین کے نزدیک اس کا مصداق عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی ہے، غرض حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوبکرؓ یا عمرؓ کے دس اوصاف اس ارشاد میں شمار کئے جن کا پایا جانا ان میں ضروری ہے۔ اور چونکہ یہ اوصاف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اقرار کے مطابق ان حضرات کی وفات کے بعد بیان کئے جا رہے ہیں، اس لئے اُن کی خلافت کے صحیح ہونے میں ذرہ برابر شک کی گنجائش نہیں رہتی ،

دوسری شہادت شیعوں کے بڑے فاضل معتمد علی بن علیٰ اردبیلی اثنا عشری کی تصنیف کشف الغمہ میں لکھا ہے کہ:

"امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے کسی شخص نے جڑاؤ تلوار کی نسبت مسئلہ پوچھا کہ اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا کہ بیشک جائز ہے، کیونکہ ابوبکر صدیقؓ نے بھی جڑاؤ تلوار استعمال فرمائی ہے۔ راوی نے کہا کہ کیا آپ اس قسم کی بات کہتے ہیں؟ یہ سنکر امام موصوف جوش میں آکر اپنی مسند سے کود ے، اور فرمایا کہ بیشک وہ صدیق ہیں، بے شک وہ صدیق ہیں، بے شک وہ صدیق ہیں، جو

اُن کو صدیق نہ مانے اللہ دنیا و آخرت میں اس کی بات نہ مانے "

امام موصوف کے اعتراف سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ ابوبکرؓ یقیناً صدیق ہیں اور ان کی اس صفت کا انکار کرنے والا دنیا و آخرت میں جھوٹا ہوگا،

تیسری شہادت حضرت علیؓ کے بعض خطوط میں جو شارحینِ نہج البلاغہ نے نقل کئے ہیں، ابوبکرؓ و عمرؓ کے حق میں یوں فرمایا گیا ہے کہ:

"مجھ کو اپنی زندگی کی قسم اسلام میں ان دونوں بزرگوں کا پایہ بہت بلند ہے، اسلام کے لئے ان دونوں کی شہادت بہت بڑا نقصان ہے، اللہ ان دونوں پر اپنی رحمت نازل فرمائے، اور ان کے بہترین اعمال کا ان کو صلہ عطا کرے "

چوتھی شہادت شیعہ اثنا عشریہ کے بہت بڑے عالم مصنّف کتاب الفصول نے امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے یوں نقل کیا ہے کہ:

" امام موصوف نے اُن لوگوں سے جو ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کی عیب جوئی اور نکتہ چینی میں مصروف تھے فرمایا کہ کیا تم مجھ کو یہ بات نہ بتاؤ گے کہ تم ان مہاجرین میں سے ہو جو اپنے گھروں اور مالوں سے محض خدا کی خوشنودی حاصل کرنے، اور اللہ اور رسول کی مدد کے لئے جدا کر دیئے گئے تھے؟ انھوں نے جواب دیا کہ نہیں ہم ان لوگوں میں داخل نہیں ہیں، فرمایا تو کیا تم اُن لوگوں میں سے ہو جو مدینہ میں مہاجرین کی آمد سے قبل مقیم چلے آتے تھے، اور ایمان لا چکے تھے، اور جو مہاجر ان کے پاس پہنچتا تھا وہ اس سے محبت کرتے تھے؟ انھوں نے کہا ہم لوگ اُن میں سے بھی نہیں ہیں، فرمایا کہ تم نے خود اعتراف کر لیا کہ تم ان دونوں جماعتوں میں داخل نہیں ہو، اور میں گواہی

دیتا ہوں کہ تم ان لوگوں میں سے بھی نہیں ہو جن کی نسبت اللہ نے فرمایا کہ:-

وَالَّذِیْنَ جَاءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ[1]

اب ظاہر ہے کہ صدیقؓ، فاروقؓ اور ذی النورینؓ کے حق میں بدگوئی کرنے والے ان تینوں جماعتوں سے خارج ہوئے، جن کی اللہ نے مدح فرمائی ہے، اور جس کی شہادت امام موصوف بھی دے رہے ہیں،

پانچویں شہادت (۴) وہ تفسیر جو امام حسن عسکری رضی اللہ عنہ کی جانب منسوب ہے اس میں یوں کہا گیا ہے کہ:

"اللہ نے آدمؑ کے پاس وحی بھیجی کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی اولاد اصحاب سے محبت رکھنے والے ہر شخص پر اتنی رحمت نازل کروں گا کہ اگر اس کو تمام مخلوق پر تقسیم کیا جائے جو ابتداء دنیا سے قیامت تک پیدا ہونے والی ہے اگرچہ وہ کافر ہی ہوں تو وہ اس رحمت کی بناء پر مومن اور نیک انجام ہو کر مستحق جنت بن جائیں گے، اور جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد یا اصحاب سے یا ان میں سے کسی ایک سے بغض و دشمنی رکھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو ایسا شدید عذاب دے گا کہ اگر اس کو ساری مخلوق پر تقسیم کیا جائے تو سب کو ہلاک کر دے"

---

[1] آیت کا ترجمہ یہ ہے:- "اور وہ لوگ جو ان کے بعد آئے کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہماری مغفرت فرما، اور ہمارے ان بھائیوں کی جو ہم سے پہلے ایمان لائے تھے، اور ہمارے دلوں میں مومنوں کی طرف سے کوئی کھوٹ نہ رکھ، اے ہمارے پروردگار! بلاشبہ آپ مہربان اور رحیم ہیں"۔ تقی

معلوم ہوا کہ محبت وہی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد اور اصحاب دونوں سے ہو، نہ کہ صرف ایک سے، اور یہ کہ اولاد یا اصحاب میں سے کسی ایک سے دشمنی اور بغض ہلاکت کے لئے کافی ہے، حق تعالیٰ شانہٗ ہم کو صحابہ کرامؓ یا اہلِ بیت عظام میں کسی اعتقاد اور بدگمانی کرنے سے بچائے، اور ہمارے قلوب میں مرتے دم تک ان کی محبت باقی رکھو۔ ان بے شمار آیاتِ قرآنیہ اور صحیح احادیث کی بنا، پر اہلِ حق نے صحابہ کرام کی تعظیم و احترام و ادب کو واجب قرار دیا ہے،

احادیث پر دُوسرا اعتراض

محدثین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت بعد پیدا ہوئے،

حدیث کی کتابوں کے مؤلفین نے خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور معجزات کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے نہیں کیا، اور نہ آپؐ سے آپ کے اقوال بلاواسطہ سُنے، بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے سو دو سو سال بعد وہ اقوال تواتر کے ساتھ سُنے اور ان کو جمع کرلیا، بلکہ ان میں سے نصف مقدار معتبر نہ ہونے کی وجہ سے حذف کردی،

جواب

یہ بات تیسری فصل میں ناظرین کو معلوم ہو چکی ہے کہ زبانی روایت جمہور اہل کتاب کے نزدیک معتبر ہے، اور اس کا معتبر ہونا اُس موجودہ انجیل سے بھی ثابت ہے جو آجکل رائج ہے، اور فرقۂ پروٹسٹنٹ تو بے شمار چیزوں میں جن کی تعداد مانی سیک اسقف کے اقرار کے مطابق چھ سو ہے، زبانی روایت کا اعتبار کرنے پر مجبور ہے، نیز یہ کہ

سفر امثال کے پورے پانچ باب حزقیاہ کے زمانے میں سلیمان علیہ السلام کی وفات سے بھی دو سو ستر سال بعد زبانی روایتوں سے جمع کئے گئے ہیں، اسی طرح انجیل مرقس اور انجیل لوقا اور کتاب الاعمال کے ۱۹ باب صرف زبانی روایتوں سے لکھے گئے ہیں،

یہ بات بھی معلوم ہو چکی ہے کہ اہم اور عظیم الشان واقعات و معاملات محفوظ بھی رہتے ہیں، اور زمانے کا امتداد بھی اُن پر اثر انداز نہیں ہوتا، اور یہ کہ تابعین حضرات نے احادیث کو کتابوں میں جمع کرنا شروع کر دیا تھا، البتہ انھوں نے فقہی ابواب کی ترتیب کے موافق اپنی کتابوں کو ترتیب نہیں دیا تھا،

ان کے بعد تبع تابعین نے فقہی ابواب کے مطابق مرتب کیا، پھر ان سب کے بعد بخاریؒ اور دوسری صحاح کے مؤلفوں نے صرف صحیح حدیثوں کے ذکر پر اکتفار کیا، اور کمزور حدیثوں کو ترک کر دیا، نیز صحاح کے ہر مؤلف نے ہر ہر حدیث کو اپنے سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پوری سند کے ساتھ نقل کیا، اسی طرح اسماء الرجال کے نام سے عظیم الشان فن قائم کیا، اور کتابیں تصنیف کیں، جس کے ذریعے حدیث کے ہر راوی اور ناقل کا پورا پورا حال بآسانی معلوم ہو سکتا ہے، نیز یہ کہ مسلمان صحیح حدیث کا کیونکر اعتبار کرتے ہیں؟

ان جملہ امور کے معلوم ہونے کے بعد مسلمانوں پر اس سلسلہ میں کوئی بھی اعتراض واقع نہیں ہو سکتا، اس طرح اُن کا یہ کہنا کہ ساری روایتیں تواتر کے ساتھ سُنی اور نصف عقدا غلط اور معتبر نہ ہونے کی وجہ سے ساقط کر دی یہ بات غلط ہے، اس لئے محدثین کسی ایسی حدیث کو جو تواتر کے ساتھ سُنی گئی ہو معتبر نہ ہونے کی وجہ سے ساقط نہیں کر سکتے، کیونکہ ایسی حدیث تو محدثین کے نزدیک واجب الاعتبار ہے، ہاں بیشک

ان ضعیف حدیثوں کو ضرور چھوڑ دیا جن کی سندیں کامل نہ تھیں اور اُن کا چھوڑنا مُضر نہیں، جیسا کہ ناظرین دوسرے باب میں آدم کلارک کی شہادت سے معلوم کر چکے ہیں، وہ کہتا ہے کہ:

"یہ بات محقق ہے کہ بہت سی جھوٹی انجیلیں عہدِ مسیحی کی ابتدائی صدیوں میں رائج تھیں، ان غیر صحیح اور جھوٹی روایات کی کثرت نے لوقا کو جدید انجیل مرتب کرنے پر آمادہ کیا، اور اس قسم کی جھوٹی انجیلوں کی تعداد ۷۰ سے زیادہ مذکور پائی جاتی ہے، اس قسم کی جھوٹی انجیلوں کے بہت سے اجزاء آج بھی باقی ہیں چنانچہ فابریسی یوس نے ان جھوٹی انجیلوں کو جمع کر کے تین جلدوں میں طبع کیا ہو"

تیسرا اعتراض

بعض احادیث خلافِ واقعہ ہیں:

یہ کہ ہر عاقل غیر متعصب جان سکتا ہے کہ اکثر حدیثوں کے معانی صادق اور واقع کے مطابق نہیں ہیں،

جَوابْ

یہ ہے کہ کوئی صحیح حدیث اس قسم کی پیش نہیں کی جاسکتی جس کا مضمون ممتنع اور عقل کے خلاف ہو، اب رہے وہ معجزات جو عادات کے خلاف ہیں یا جنت و دوزخ کے بعض حالات یا فرشتوں کے احوال جن کی نظیر اس دنیا میں موجود نہیں ہے، سو اگر وہ ان چیزوں کو اس لئے مستبعد اور بعید سمجھتے ہیں کہ وہ دلائل کی بنا پر محال ہیں، تو

عیسائی حضرات کے ذمہ اُن دلائل کا پیش کرنا ضروری ہوگا، اور ہمارے ذمے اُن کا جواب دینا بیشک لازمی ہوگا،

اور اگر وہ محض اس لئے انکار کرتے ہیں کہ یہ باتیں محض عادت کے خلاف ہیں، یا اس دنیا میں ان کی مثالیں یا نظیریں نہیں پائی جاتیں، تو یہ چیز ہمارے لئے بالکل مضر نہیں ہے، کیونکہ اگر معجزہ عادت کے موافق ہو تو وہ حقیقت میں معجزہ ہی نہیں ہو سکتا، بھلا بتائیے کہ لاٹھی کا اژدہا بن جانا، اور پھر اس کا تمام جادوگروں کے سانپوں کو نگل جانا، پھر اس کا بغیر حجم میں کمی بیشی کے اپنی پہلی حالت پر واپس ہو کر لاٹھی بن[1] جانا، اور اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کے تمام معجزے عادت کے خلاف نہیں ہیں؟ اسی طرح کیا اُس دوسرے عالم کو اس دنیا پر اور وہاں کی اشیاء کو یہاں کی چیزوں پر قیاس کرنا یہ غلط قیاس نہیں ہے! بے شک اگر کوئی قطعی دلیل ایسی موجود ہے جس سے عالمِ آخرت میں اس شے کے یقینی طور پر محال ہونے پر دلالت ہو رہی ہو تو بے شک اس حالت کو محال تسلیم کیا جا سکتا ہے، لیکن بغیر کسی قطعی دلیل کے عالمِ آخرت میں اس کے وجود سے انکار کی جرأت نہیں کی جا سکتی،

کیا ایسی موٹی بات ان لوگوں کو نظر نہیں آتی کہ دنیا کے مختلف حصوں اور اقلیموں[2] کا حال یکساں نہیں ہے، ایک چیز جو ایک اقلیم میں پائی جاتی ہے اس کا دوسری اقلیم میں نام و نشان بھی نظر نہیں آتا، اب اگر ایک اقلیم کا شخص بعض ایسی عجیب چیزوں کا حال

---

[1] دیکھئے خروج ۴: ۱ تا ۴،

[2] قدیم علمائے جغرافیہ نے زمین کو اس کی طبیعت اور مزاج کے اعتبار سے سات حصوں پر منقسم کیا تھا، ان میں سے ہر حصے کو "اقلیم" کہا جاتا ہے، تقی

سنتا ہے، جو دوسری اقلیم کے ساتھ مخصوص ہیں تو اس کو ضرور وہ مستبعد اور بعید معلوم ہوتا ہے، بلکہ بسا اوقات اس کا انکار کرنے لگتا ہے، مگر یہ بات تب ہوتی ہے جب کہ اس نے بلا تواتر یہ بات سنی ہو،

اسی طرح بعض چیزیں جو کسی ایک زمانے میں بعید معلوم ہوتی ہیں دوسرے وقت میں مستبعد نہیں معلوم ہوتیں، چنانچہ سمندری راستوں کو اس قدر تیزی کے ساتھ مشینی جہازوں کے ذریعہ یا خشکی کی مسافت کو اتنی تیزی کے ساتھ موٹروں کے ذریعے طے کر لینا جو ہمارے زمانے میں ایک عام بات ہو چکی ہے، ان جہازوں اور موٹروں کی ایجاد سے پہلے لوگوں کے نزدیک نہایت بعید اور مستبعد سمجھا جاتا تھا، اسی طرح ٹیلیگرام یا تار برقی کے ذریعے ایک ڈیڑھ سیکنڈ میں ہزاروں میل دور کی خبر کا پہونچ جانا ان آلات کی ایجاد سے پہلے یقیناً لوگوں کی نظروں میں مستبعد تھا، لیکن ان چیزوں کی ایجاد اور ان کے مشاہدہ اور امتحان کے بعد اب وہ بعید اور مستبعد نہیں رہا،

مگر انصاف کی بات یہ ہے کہ معترضین عیسائی حضرات کی یہ پرانی عام عادت ہے کہ وہ انصاف کی آنکھ بند کر کے ہر اُس چیز کی نسبت جو اُن کی نگاہ و خیال میں مستبعد معلوم ہوتی ہے محال ہونے کا حکم لگا دیتے ہیں، علمائے پروٹسٹنٹ نے یہ نامعقول عادت اپنی قوم کے ان لوگوں سے سیکھی ہے جن کو "ملحد" اور "بد دین" کہتے ہیں، مگر ان علماء پر سخت حیرت ہوتی ہے کہ خود اُن کی کتابیں بے شمار غلط چیزوں سے بھری پڑی ہیں، جن کا کچھ نمونہ باب ..... اول کی تیسری فصل میں ہم نقل کر آئے ہیں، ان معترضین کو اپنے ہم قوم لوگوں کے استبعاد سے ہوش نہ آیا، اور انھوں نے مسلمانوں کے ساتھ وہی معاملہ کیا جو اُن دہریوں نے معترضین کے ساتھ کیا تھا، حالانکہ ان ملحدوں نے عیسائیوں کے عقیدوں اور روایتوں

کو جو عقل کے خلاف سمجھا تھا وہ یقیناً زیادہ وزنی تھا، اور یہ عیسائی حضرات جو اعتراضات حدیثوں پر کرتے ہیں وہ ان کی نسبت سے بہت کمزور ہیں،

ہم نمونے کے طور پر اُن مقامات کو ذکر کرتے ہیں جن کا مذاق دہریوں اور ملحدوں نے اڑایا ہے، مثلاً

عیسائی تعلیمات پر دہریوں اور ملحدوں کا استہزاء

پہلی شہادت (۱) کتاب گنتی باب ۲۲ آیت ۲۸ میں ہے:

تب خداوند نے گدھی کی زبان کھول دی اور اس نے بلعام[1] سے کہا میں نے تیرے ساتھ کیا کیا ہے، کہ تو نے مجھے تین بار مارا؟ بلعام نے گدھی سے کہا اس لئے کہ تو نے مجھے چڑایا، کاش، میرے ہاتھ میں تلوار ہوتی تو میں تجھے ابھی مار ڈالتا، گدھی نے بلعام سے کہا، کیا میں تیری وہی گدھی نہیں ہوں جس پر تو اپنی ساری عمر آج تک سوار ہوتا آیا ہے؟ کیا میں تیرے ساتھ پہلے کبھی ایسا کرتی تھی؟ اس نے کہا نہیں "

(آیات ۲۸ تا ۳۰)

ہورن اپنی تفسیر کی جلد ۲ صفحہ ۶۳۶ میں لکھتا ہے کہ کافر لوگ کچھ دنوں سے گدھی کے بلعام سے باتیں کرنے کا انکار کرنے لگے ہیں، اور اس چیز کا مذاق اڑاتے ہیں،

---

[1] بلعام بن بعور جسے موآبیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف لڑنے کے لئے بلایا تھا، بائبل میں ہے کہ جب بلعام اُن کی دعوت پر موآب جارہا تھا، تو راستے میں اس کی گدھی خدا کے فرشتے کو دیکھ کر رُک گئی، بلعام نے اُسے مارا تو اس نے یہ بات کہی،

دوسری شہادت کتاب سلاطین اوّل کے باب ۱۷ میں ہے کہ: کوّے عرصۂ دراز تک ایلیا پیغمبر کے لئے گوشت اور روٹی لاتے رہے، اور یہ چیز ان کے ہم قوموں کے خیال میں محض ایک گپ ہے، جس پر وہ ہنستے ہیں، یہاں تک کہ ان کا مشہور محقق ہورن بھی اُن کا ہم خیال ہو گیا، اور اپنے مفسرین اور مترجمین کو تین وجوہ سے احمق اور بے وقوف قرار دیا، جیسا کہ آپ کو باب ۱ کی تیسری فصل میں معلوم ہو چکا ہے،

تیسری شہادت کتاب حزقی ایل باب ۴ آیت ۴ میں جو واقعہ ہے ہم اسے عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۴۴ء کے مطابق نقل کرتے ہیں:

"پھر تو اپنی بائیں کروٹ پر لیٹ رہ، اور بنی اسرائیل کی بدکرداری اس پر رکھ دے جتنے دنوں تک تو لیٹا رہے گا تو ان کی بدکرداری برداشت کرے گا، اور میں نے انکی بدکرداری کے برسوں کو ان دنوں کے شمار کے مطابق جو تین سو نوّے دن ہیں تجھ پر رکھا ہے، سو تو بنی اسرائیل کی بدکرداری برداشت کرے گا، اور جب تو اُن کو پورا کر چکے تو پھر اپنی داہنی کروٹ پر لیٹ رہ، اور چالیس دن تک بنی یہوداہ کی بدکرداری کو برداشت کر، میں نے تیرے لئے ایک ایک سال کے بدلے ایک ایک دن مقرر کیا ہے، پھر تو یروشلم کے محاصرے کی طرف مُنہ کر، اور اپنا بازو ننگا کر، اور اس کے خلاف نبوّت کر، اور دیکھ میں تجھ پر بندھن ڈالوں گا کہ تو کروٹ نہ لے سکے، جب تک اپنے محاصرے کے دنوں کو پورا نہ کرلے۔

ف ۱ دیکھئے صفحہ ۴۱۸ جلد اول،

ف ۲ یہ بائبل کے بقول حضرت حزقی ایل علیہ السلام کو اللہ کی طرف سے حکم سنایا جا رہا ہے،

اور تو اپنے لئے گیہوں اور جو اور باقلا[1] اور مسور اور چنا اور باجرا لے، اور اُن کو ایک ہی برتن میں رکھ، اور ان کی اتنی روٹیاں پکا جتنے دنوں تک تو پہلی کروٹ پر لیٹا رہے گا، تو تین سو نوّے دنوں تک اُن کو کھانا، اور تیرا کھانا وزن کرکے بیس مثقال روزانہ ہوگا جو تو کھائے گا، تو گاہے گاہے کھانا، تو پانی بھی ناپ کر ایک ہین کا چھٹا حصہ پیئے گا، تو گاہے گاہے پینا، اور تو جَو کے پھُلکے کھانا اور تو اُن کی آنکھوں کے سامنے انسان کی نجاست سے اُن کو لتھیڑنا[2]" (آیات ۹ تا ۱۲)

اس میں اللہ تعالیٰ نے حزقیال علیہ السلام کو تین حکم دیئے

۱۔ اپنی بائیں کروٹ پر تین سو نوے دن تک سوتے رہیں، اور اولادِ اسرائیل کے گناہوں کو برداشت کریں، پھر داہنی کروٹ پر چالیس دن تک سوئیں، اور یہوداہ کی اولاد کے گناہ اپنے اوپر لادیں،

۲۔ اور شلیم کے محاصرے کے وقت سامنے کی جانب منہ رکھیں اس حالت میں کہ ہاتھ بندھے ہوں، اور جب تک محاصرے کی مدت پوری نہ ہو ایک جانب سے دوسری جانب متوجہ نہ ہوں،

۳۔ ۳۹۰ دن تک روزانہ ایک روٹی کو انسان کا پاخانہ لگاکر کھاتے رہیں،

ان کے ہم قوم ان احکام کا مذاق اڑاتے ہیں، اور اُن احکام کے منجانب اللہ

---

[1] یعنی لوبیہ۔

[2] اظہار الحق میں ایسا ہی ہے: (تلطخه بزبل يخرج من الانسان) لیکن موجودہ اردو اور انگریزی ترجموں میں اس کی جگہ یہ الفاظ ہیں "انسان کی نجاست سے اُن کو پکانا" جس سے مفہوم بالکل ہی بدل جاتا ہے۔ تقی

ہونے کو مستبعد سمجھتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ باتیں واہیات اور عقل کے خلاف ہیں، اللہ تو اپنے کسی مقدس پیغمبر کو یہ حکم ہرگز نہیں دے سکتا کہ تین سو نوّے دن تک روزانہ ایک روٹی انسان کی غلاظت لگا کر کھاتا رہے، کیا سوائے اس ترکاری کے کوئی اور سالن موجود نہ رہا تھا؟ ہاں بے شک ایک صورت ممکن ہے کہ یہ کہا جائے کہ پاک لوگوں کے لئے پاخانہ بھی پاک بنا دیا گیا ہے، چنانچہ ان کے مقدس پولس کے کلام سے بظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے، چنانچہ طِطُس کے نام اس کے خط کے باب اوّل آیت ۱۵ میں صاف طور پر موجود ہے[1]،

اس کے علاوہ ایک بات یہ ہے کہ کتاب حزقی ایل ہی کے باب ۱۸ آیت ۲۰ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت حزقیلؑ کے واسطے سے ہمیں یہ بتلایا ہے کہ:

"بیٹا باپ کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا، اور نہ باپ بیٹے کے گناہ کا بوجھ، صادق کی صداقت اسی کے لئے ہوگی اور شریر کی شرارت شریر کے لئے"

پھر اس کے بعد خود حضرت حزقیلؑ ہی کو چار سو تیس دن تک اسرائیل اور یہوداہ کے گناہوں کا بوجھ اٹھانے کا حکم کیسے دیا جا سکتا ہے؟

چوتھی شہادت کتاب یسعیاہ کے باب (۲۰) میں ہے کہ اللہ نے اُن کو حکم دیا تھا کہ تین سال تک ننگے بدن اور ننگے پاؤں رہو، اور اسی حالت میں چلو پھرو[2]، عیسائیوں کے ہم قوم اس حکم کا بھی مذاق اڑاتے ہیں، اور استہزاء کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کیا اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو جو صحیح العقل ہے، مجنون بھی نہیں ہے، ایسا حکم دے رہا ہے کہ وہ تین برس تک

---

[1] "پاک لوگوں کے لئے سب چیزیں پاک ہیں" (طِطُس ۱: ۱۵)
[2] "جس طرح میرا بندہ یسعیاہ تین برس تک برہنہ اور ننگے پاؤں پھرا کیا (یسعیاہ ۲۰: ۳)

تمام مردوں عورتوں کے سامنے مادر زاد ننگا پھرتا رہے؟

پانچویں شہادت | ہوسیع[۵] کی کتاب کے باب اوّل میں لکھا ہے کہ:

"جا، ایک بدکار بیوی اور بدکار کی اولاد اپنے لئے لے[۱]"

پھر اسی کتاب کے باب[۲] میں ہے کہ:

"جا، اُس عورت سے جو اپنے یار کی پیاری اور بدکار ہے محبت رکھ"

دوسری طرف کتاب احبار کے باب ۲۱ آیت ۱۳ میں کاہن کے اوصاف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

"اور وہ کنواری عورت سے بیاہ کرے جو بیوہ یا مطلقہ یا ناپاک عورت یا فاحشہ ہو ان سے وہ بیاہ نہ کرے، بلکہ وہ اپنی ہی قوم کی کنواری کو بیاہ لے"

اور انجیل متی کے باب ۵ میں ہے کہ:

"جس کسی نے بُری خواہش سے کسی عورت پر نگاہ کی وہ اپنے دل میں اس کے ساتھ زنا کر چکا[۳]"

پھر کیسے ممکن ہے کہ اللہ نے اپنے نبی کو مذکورہ باتوں کا حکم دیدیا ہو!

اسی قسم کی اور بھی مستبعد باتیں ہیں، اگر کوئی صاحب دیکھنا چاہیں تو عیسائیوں کے ہم قوموں کی کتابوں میں دیکھ سکتے ہیں،

ف۱ آیت ۲، ف۲ آیت ۱،

ف۳ متی ۵: ۲۸،

چوتھا اعتراض

حدیثیں قرآن کے مخالف ہیں

اکثر حدیثیں قرآن کے مخالف ہیں، کیونکہ قرآن شہادت دیتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی معجزہ ظاہر نہیں ہوا، اور حدیثیں اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ آپ سے بے شمار معجزے ظاہر ہوئے، قرآن یہ بھی کہتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم گنہگار تھے، اور حدیثیں دعویٰ کرتی ہیں کہ آپ معصوم تھے، قرآن اعلان کرتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ابتداء میں گمراہی اور جہالت میں مبتلا تھے، (نعوذ باللہ) جیساکہ سورۂ والضحیٰ میں وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى[1] یا سورۂ شوریٰ میں مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا[2] میں یہ بات صاف طور پر موجود ہے، اس کے برعکس حدیثیں یوں کہتی ہیں کہ آپ خلقی اور پیدائشی طور پر ایمان کے ساتھ موصوف تھے، اور اسی لئے آپ سے بہت سے معجزے ظاہر ہوئے، قرآن و حدیث کے درمیان تعارض اور مخالفت ثابت کرنے کے لئے عیسائیوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر یہ ثبوت بہم پہونچایا ہے،

جواب

پہلی دو چیزیں چونکہ ان بڑے مطاعن اور عیوب میں عیسائیوں کے نزدیک

---

[1] "اور اللہ نے آپ کو بے راہ پایا پھر ہدایت دی" (ضحیٰ : ۷)

[2] "آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے، اور نہ یہ کہ ایمان کیا ہے، لیکن ہم نے اُسے ایک نور بنادیا جس کے ذریعے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں" (شوریٰ : ۵۲)

شمار کی جاتی ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں نکالے جاتے ہیں، اس لئے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ان دونوں چیزوں سے باب ۶ میں بحث کریں، جو مطاعن کے لئے مخصوص کیا گیا ہے، اُسی موقع پر دونوں کا جواب دیا جائے گا،

وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى کی تفسیر

البتہ تیسری بات کا جواب یہ ہے کہ پہلی آیت میں "ضال" سے مراد "ضال[1] عن الایمان" نہیں ہے کہ کافر کے معنی میں ہو سکے، اور عیسائیوں کے لئے موجب اعتراض بنے، بلکہ اس آیت کی چند تفسیریں ہیں،

اوّل مرفوع روایت میں منقول ہے "کہ میں بچپن میں اپنے دادا عبد المطلب سے راستہ بھول کر الگ ہو گیا تھا، قریب تھا کہ شدّتِ بھوک سے جان جاتی رہے کہ اللہ نے صحیح راستے پر ڈال دیا، اور میں دادا کے پاس پہونچ[2] گیا"

دوسرے مطلب یہ ہے کہ ہم نے آپ کو اپنی شریعت سے ناواقف پایا، یعنی آپ کو اپنی شریعت کا علم الہامِ الٰہی کے بعد ہوا، یا وحی کے ذریعے، غرض خدا نے ہی شریعت کی جانب کبھی وحیِ جلی کے ذریعے اور کبھی وحیِ خفی کے ذریعے سے آپ کی رہنمائی کی، جلالین اور بیضاوی دونوں کتابوں میں لکھا ہے کہ آپ کو حکم و احکام کے علم سے ناواقف پایا، پس خدا نے آپ کی رہنمائی کی اور وحی کے ذریعے حکم و احکام کی تعلیم دی، اور غور و فکر کی توفیق عطا فرمائی، اسی قسم کا ارشاد موسیٰ علیہ السلام کے حق

---

[1] یعنی ایمان سے بھٹکا ہوا،

[2] قلت لم اجدہ مرفوعًا فیما قلّبت ونظرت وانما رواہ ابن عباسؓ بطریق وکعبؓ بطریق آخر کما ذکرہ القرطبیؒ وابن کثیرؒ والبغویؒ (راجع تفسیر القرطبی ص ۹۷ و ۹۸ ج ۲۰ وتفسیر ابن کثیر ص ۵۲۳، ج ۴)۔

یں آیت ذیل میں فرمایا گیا ہے: "فعلتها اذا وانا من الضالین"

تیسرے یہ کہ عربی کا اس قسم کا محاورہ ہے، جیسے کہا جاتا ہے: "ضَلَّ الْمَاءُ فِي اللَّبَنِ" "یعنی پانی دودھ میں گھل مل گیا"۔ لہٰذا آیت کا مطلب یہ ہے کہ پہلے آپؐ مکہ کے کافروں میں گھلے ملے تھے، اور ممتاز و نمایاں اور ان سے الگ نہ تھے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو طاقت ور بنا دیا جس سے آپؐ نے خدا کے دین کو چمکا دیا، اسی معنی میں آیتِ ذیل میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے: "ءَ إِذَا ضَلَلْنَا فِي الْأَرْضِ أَإِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ"[1]

چوتھے اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپؐ کو اس سے قبل نبوت کے ملنے کی کوئی توقع یا امکان نظر نہ آتا تھا، بلکہ اس کا تصور و خیال بھی آپؐ کو نہ ہوا تھا، کیونکہ یہود و نصاریٰ میں یہ بات عام طور پر مشہور چلی آتی تھی کہ نبوت صرف اسرائیل کی اولاد کے ساتھ مخصوص ہے، پس ہم نے آپؐ کے لئے نبوت کی راہ کھول دی جس کی آپؐ کو کچھ بھی توقع نہ تھی،

پانچویں یہ کہ آپ اس سے پہلے ہجرت اور ترکِ وطن کے مجاز نہ تھے، نہ آپؐ کو اس کا علم تھا نہ اس کی توقع کہ وطن چھوڑنے کی اجازت اور حکم ہوگا، پس اللہ تعالیٰ نے اذن و اجازت کے ساتھ ہجرت کی راہ کھول دی،

چھٹے یہ کہ اہلِ عرب ایسے درخت کو جو کسی چٹیل میدان میں یکہ و تنہا پایا جائے "ضالّۃ" کہا کرتے تھے، اب آیت شریفہ کے معنی یہ ہوئے کہ گویا حق تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ وہ عرب کا علاقہ اس چٹیل بیابان کی طرح تھا جس میں کوئی ایسا درخت جس پر ایمان کا پھل آتا ہو سوائے آپؐ کی ذات گرامی کے کوئی نہ تھا، گویا آپؐ جہل و ضلالت کے

[1] اس آیت میں ہے کہ کیا جب ہم زمین میں گھل مل جائیں گے تو کیا پھر نئی پیدائش میں ہوں گے؟ (سجدہ: ۱۰)

صحرا میں پائے جانے والے یکتا ایمان کے درخت تھے، پس ہم نے آپ کے ذریعے مخلوق کی رہنمائی کی، اسکی مثال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں ملتی ہے، چنانچہ فرمایا: "اَلْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ" [1]

ساتویں یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ آپ قبلہ کی نسبت متحیر و حیران تھے، کیونکہ آپ کی پرانی آرزو تھی کہ کعبۃ اللہ کو قبلہ بنایا جائے، لیکن آپ کو پتہ نہ تھا کہ یہ آرزو پوری ہوگی یا نہیں؟ اس تحیر کو ضلال کے لفظ سے تعبیر فرمایا گیا، پھر اللہ نے اس کا پتہ آپ کو اس ارشاد سے کر دیا کہ "فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا" [2]

آٹھویں ضلال کے معنیٰ عربی زبان میں محبت کے بھی آتے ہیں، چنانچہ آیت اِنَّكَ لَفِيْ ضَلَالِكَ الْقَدِيْمِ [3] میں محبت ہی کے معنی مراد ہیں، اب مطلب یہ ہوا کہ آپ محب اور اللہ کے عاشق تھے، پس ہم نے آپ کی رہنمائی ان احکام شرعیہ کی جانب کی جن کے ذریعے آپ کو اپنے محبوب کے تقرب کی دولت نصیب ہو جائے،

نویں یہ مطلب ہے کہ ہم نے آپ کو اپنی قوم میں کس مپرسی کی حالت میں پایا کہ وہ لوگ آپ کو اذیتیں دیتے چلے جاتے تھے، اور آپ کی شخصیت کا قطعی احترام و لحاظ نہ کرتے تھے، پس آپ کے مشن اور تحریک کو طاقتور بنا کر آپ کو ان کا حاکم اور والی بنا دیا

---

[1] "حکمت کی بات مومن کی گم شدہ چیز ہے" رواہ الترمذیؒ و ابن ماجہ عن ابی ہریرۃؓ بسند فیہ وہن ولفظہ "الکلمۃ الحکمۃ ضالۃ المؤمن" ذکرہ التبریزی فی کتاب العلم من مشکوٰۃ المصابیح، ص ۳۴، طبع کراچی،

[2] "ہم آپ کو ایسا قبلہ دیدیں گے جو آپ کو پسند ہوگا" (البقرۃ)

[3] "بلاشبہ تم اپنی پرانی گمراہی میں ہو" (یوسف) یہ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے حضرت یعقوبؑ سے کہا تھا، اور یہاں ظاہر ہے کہ ضلال سے مراد محبت ہے، تقی

دسویں یہ کہ اس سے قبل آپ کو آسمانی راستوں اور راہوں کا پتہ نہ تھا، شبِ معراج کے ذریعہ ہم نے آپ کی رہنمائی آسمانی راستوں کی جانب فرمائی،

گیارہویں یہ کہ ہم نے آپ کو بھولنے والا پایا، پس آپ کو یاد دلا دیا، یعنی شبِ معراج میں حضوری کے وقت اللہ کی ہیبت اور خشیت کی وجہ سے اس موقع پر دربارِ شاہی کے آداب کے تحت جو کچھ آپ کو عرض کرنا چاہئے تھا وہ آپ بھول گئے تھے، اللہ نے آپ کو خدا کی حمد و ثناء کا مضمون یاد دلا دیا، چنانچہ آپ نے فرمایا کہ "لا احصی ثناء علیك"، اس معنی کے لئے اس آیت میں ضلال کا لفظ استعمال ہوا ہے، " ان تضل احدٰھما فتذکر احدٰھما الاخریٰ"[1]

بارہویں حضرت جنیدؒ کا ارشاد ہے کہ آپ کو احکامِ قرآنی کے بیان و توضیح میں متحیر اور حیران پایا، پس آپ کو اس کی توضیح و تفسیر کا طریقہ بتا دیا، آیت ذیل اس پر شاہد ہے:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ[2]

نیز آیت ذیل بھی اس مضمون کی تائید کرتی ہے: لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ[3]

---

[1] گواہ عورتیں دو کیوں ہونی چاہئیں؟ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے سورۂ بقرہ میں ہے "کہ اگر ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلائے"

[2] "اور ہم نے آپ کی طرف ذکر (قرآن) اُتارا تاکہ آپ لوگوں کے سامنے کھول کھول کر وہ باتیں بیان فرمادیں جو اُن کے لئے اُتاری گئی ہیں" (نحل)

[3] روایات میں ہے کہ نزولِ قرآن کے وقت آپ قرآنی آیات کو یاد کرنے کے لئے انھیں ساتھ ساتھ دُہراتے تھے کہ بھول نہ جائیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی "اپنی زبان کو اس (قرآن) کے ساتھ حرکت مت دو تاکہ تم اس کے ساتھ جلدی کرو، بلاشبہ ہمارے ذمہ اس کا جمع کرنا اور پڑھنا ہے، پھر جب ہم اسے پڑھ لیں تو آپ اس کے پڑھنے کی اتباع کیجئے، پھر اس کی تشریح و تبیین بھی ہمارے ذمے ہے" (قیامہ)

بِهٖ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ، اسی طرح آیت ذیل، وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا[1]،

غرض کسی صورت میں بھی اس آیت سے عیسائیوں کا استدلال اپنے دعوے پر صحیح نہیں ہے، آیت مذکور کی تفسیر ان مذکورہ صورتوں میں سے کسی ایک طریق سے کرنا ضروری ہے، یا پھر اُن معانی کے ساتھ جن کو مفسرین نے آیت ذیل کی تفسیر میں ذکر کیا ہو "مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى[2]" کیونکہ اس سے بلاشبہ دینی امور میں ضلالت اور غوایت کی نفی مقصود ہے، مطلب یہ ہو کہ نہ آپ سے کفر کا صدور ہوا اور نہ اس سے کم چیز، یعنی فسق کا،

دوسری آیت[3] میں کتاب سے مراد قرآن اور ایمان سے مراد احکام شرعیہ کی تفصیلات ہیں، مطلب یہ ہے کہ قرآن کے نازل ہونے سے پہلے اس کے پڑھنے .... اور جملہ فرائض و احکام کی تفصیلات کا علم آپ کو نہ تھا، یہ بات قطعی صحیح ہے، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وحی کے نازل ہونے سے قبل توحید پر اجمالی طور پر ایمان رکھتے تھے، اسکی اور جملہ احکام شرعیہ کی تفصیلات کا حال آپ کو معلوم نہ تھا، جو آپ کو نزولِ وحی کے بعد حاصل ہوا،

---

[1] "اور آپ قرآن (کو پڑھنے) میں جلدی نہ کیجئے، قبل اس کے کہ اس کی وحی آپ پر پوری ہو جائے، اور یہ کہو کہ اے میرے پروردگار علم کے اعتبار سے مجھ میں اضافہ فرمائیے" (طٰہٰ، ۱۱۴)

[2] "نہ تمہارے ساتھی (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) بھٹکے، نہ گمراہ ہوئے" (النجم)

[3] یعنی ما کنت تدری ما الکتاب الخ میں، ت

یا پھر ایمان سے مراد نماز ہے جیسا کہ آیت ذیل وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ اِيْمَانَكُمْ[1] میں ایمان سے مراد نماز ہے، اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ آپ قرآن اور نماز سے واقف نہ تھے، اور یہ بات یقینی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت سے قبل اس نماز کی کیفیت کا جو بعد کو آپ کی شریعت میں مشروع ہوئی ہے علم نہیں تھا، یا پھر ایمان سے مضاف محذوف ہونے کی بناء پر اہلِ ایمان مراد ہیں، یعنی آپ کو قرآن اور اہلِ ایمان کا علم نہ تھا، کہ کون لوگ آپ پر ایمان لائیں گے، اور مضاف کا محذوف ہونا کتب مقدسہ میں بکثرت موجود ہے چنانچہ :-

مُضاف محذوف ہونیکی شہادت کتب مقدسہ سے

زبور نمبر ۸، آیت نمبر ۲۲[2] میں ہے :

"پس خداوند یہ سُنکر غضبناک ہوا، اور یعقوب کے خلاف آگ بھڑک اٹھی، اور اسرائیل پر قہر ٹوٹ پڑا"

اور کتاب یسعیاہ باب نمبر ۱۷، آیت نمبر ۴ میں ہے :

"اور اس وقت یوں ہوگا کہ یعقوب کی حشمت گھٹ جائیگی، اور اس کا چربی دار بدن دُبلا ہو جائے گا"

اور یسعیاہ باب ۴۳ آیت ۲۲ میں ہے :

"تو بھی اے یعقوب! تو نے مجھے نہ پکارا بلکہ اے اسرائیل! تو مجھ سے تنگ آ گیا"

---

[1] "اور اللہ تمھارے ایمان کو ضائع کرنے والا نہیں ہے" (البقرہ : ع ۱۷)

[2] موجودہ زبور ۷۸ : ۲۱ ،

اور آیت ۲۸ میں ہے:

"اس لئے میں نے مقدس کے امیروں کو ناپاک ٹھہرادیا، اور یعقوب کو لعنت اور اسرائیل کو طعنہ زنی کے حوالے کیا"

اور کتاب یرمیاہ باب نمبر ۳ آیت نمبر ۶ میں ہے:

"اور یوسیاہ بادشاہ کے ایام میں خداوند نے مجھ سے فرمایا کہ کیا تو نے دیکھا برگشتہ اسرائیل نے کیا کیا ہے؟ وہ ہر ایک اونچے پہاڑ پر اور ہر ایک درخت کے نیچے گئی اور وہاں بدکاری کی، اور جب وہ یہ سب کچھ کر چکی تو میں نے کہا وہ میری طرف واپس آئے گی، پر وہ نہ آئی، اور اس کی بے وفا بہن یہوداہ نے یہ حال دیکھا، پھر میں نے دیکھا کہ جب برگشتہ اسرائیل کی زناکاری کے سبب سے میں نے اس کو طلاق دیدی اور اسے طلاق نامہ لکھ دیا، تو بھی اس کی بے وفا بہن یہوداہ نہ ڈری، بلکہ اس نے بھی جاکر بدکاری کی،...... اور خداوند فرماتا ہے کہ باوجود اس سب کے اس کی بے وفا بہن یہوداہ سچے دل سے میری طرف نہ پھری، بلکہ ریاکاری سے.... اے برگشتہ اسرائیل واپس آ" (آیات ۶ تا ۱۲)

اور کتاب ہوسیع باب نمبر ۴ آیت نمبر ۱۵ میں ہے:

"اے اسرائیل! اگرچہ تو بدکاری کرے تو بھی ایسا نہ ہو کہ یہوداہ بھی گنہگار ہو،.... کیونکہ اسرائیل نے سرکش بچھیا کی مانند سرکشی کی ہے،...... افرائیم بتوں سے مل گیا ہے" (آیات ۱۵ تا ۱۷)

اور ہوسیع باب نمبر ۸ میں ہے:

"اسرائیل نے بھلائی کو ترک کردیا"...... "اسرائیل نگلا گیا، اب وہ

قوموں کے درمیان ناپسندیدہ برتن کے مانند ہوں گے ...... افرائیم نے گنہگاری کے لئے بہت سی قربان گاہیں بنائیں .... اسرائیل نے اپنے خالق کو فراموش کر کے بُت خانے بنائے ہیں": (علی الترتیب آیات ۳، ۸، ۱۱، ۱۴)

اب اِن عبارتوں میں مضاف کا حذف ماننا نہایت ضروری ہے، ورنہ خدا کی پناہ یہ لازم آئے گا کہ یعقوب علیہ السلام مغضوب علیہ اور کم بزرگی والے اور خدا کی طرف دعوت نہ دینے والے اور قاتل و ناشکرے اور ان کی نافرمان بیوی ہر درخت کے نیچے زنا کرنے والی تھی، اور وہ خدا کی طرف رجوع کرنے والے نہ تھے، اور سرکش بچھیا کی طرح تھے، اور نیکی کو حقیر سمجھنے والے تھے، اور ناپاک برتن کی مانند اور خدا کو بھُولے ہوئے تھے،

پانچواں اعتراض

حدیثوں میں تعارض و اختلاف

حدیثوں میں اختلاف و تعارض پایا جاتا ہے،

جواب

ہمارے نزدیک معتبر حدیثیں وہ ہیں جو کتبِ صحاح میں منقول ہیں، اور جو حدیثیں ان کے علاوہ دوسری کتابوں میں پائی جاتی ہیں نہ وہ ہمارے نزدیک معتبر ہیں، اور نہ صحیح حدیثوں سے ان کا تعارض ممکن ہے، بالکل اسی طرح جیسا کہ ابتدائی صدیوں میں ستر سے زیادہ پائی جانے والی انجیلیں عیسائی حضرات کے نزدیک موجودہ چار انجیلوں کی

معارض نہیں ہو سکتیں[1]،

اور صحیح حدیثوں میں اگر کہیں تعارض بظاہر نظر آتا ہے تو وہ عموماً معمولی تامل کے بعد دور ہو جاتا ہے، اور پھر بھی یہ اختلاف اتنا شدید نہیں ہو سکتا جس قدر ان کی مقدس کتابوں کی روایتوں میں آج تک چلا آرہا ہے، چنانچہ پہلے باب میں اس کے ۱۲۴ نمونے آپ دیکھ چکے ہیں، اور اگر ہم ان کی مقبول کتابوں میں سے ایسے اختلاف نقل کرنے لگیں جس قسم کے عیسائی لوگ بعض صحیح حدیثوں میں ثابت کرتے ہیں تو کوئی باب بھی اس قسم کے اختلاف سے خالی نہیں ملے گا،

جن لوگوں کو علمائے پروٹسٹنٹ ملحد اور بد دین کہتے ہیں انھوں نے اس قسم کے اختلافات بہت کچھ نقل کئے ہیں، اور ان کا خوب مذاق اڑایا ہے، اگر کوئی صاحب دیکھنے کا شوق رکھتے ہوں تو وہ ان کتابوں کو ملاحظہ فرمائیں، ہم بھی بطور نمونے کے جان کلارک کی کتاب مطبوعہ ۱۸۳۹ء لندن سے اور کتاب اکیہومو مطبوعہ لندن ۱۸۱۳ء وغیرہ سے ۲۵ اختلافات جو اللہ کی ذات وصفات کے بارے میں ہیں دونوں عہدوں کی کتابوں سے نقل کرتے ہیں، اور صرف اختلافات کے نقل کرنے پر اس لئے اکتفاء کرتے ہیں کہ معترضین (خدا ان کو ہدایت دے) نے اگرچہ ان اختلافات پر تبصرہ کرتے ہوئے ادب کے حدود سے تجاوز کیا ہے، مگر یہ تجاوز اس گستاخی اور بے ادبی سے پھر بھی کم ہے، جو اُن کے کلام میں

---

[1] نصاریٰ تسلیم کرتے ہیں کہ ابتداء میں بہت سے لوگوں نے انجیلیں لکھی تھیں، ان انجیلوں میں بہت سی باتیں اناجیل اربعہ کے خلاف بھی ہیں لیکن وہ لوگ چار انجیلوں کی بات کو درست قرار دیکر باقی تمام روایات کو رد کر دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اناجیلِ اربعہ سنداً قوی ہیں، اور باقی انجیلیں ان کے مقابلے میں کمزور، اس لئے کوئی تعارض نہیں،

انبیاء علیہم السلام پر طعن و تشنیع کرتے وقت بالخصوص مریمؑ اور عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر کے وقت کی جاتی ہے، چنانچہ اختلاف نمبر ۲۴ میں جو قول ہم ضمناً نقل کریں گے اس سے آپ کو یہ بات واضح ہو جائے گی، اور یہ اعتراضات ہم نے صرف ناظرین کی بصیرت میں اضافہ کرنے کی غرض سے نقل کئے ہیں، تاکہ معلوم ہو جائے کہ علمائے پروٹسٹنٹ جس قسم کے اعتراضات صحیح حدیثوں پر کرتے ہیں وہ ان اعتراضات سے بہت ہی خفیف اور ہلکے ہیں جس قسم کے اعتراض ان کے ہم قوم مقدس کتابوں کے مضامین پر کرتے ہیں، میں نے اُن اعتراضات کو اس لئے نقل نہیں کیا کہ ہمارے نزدیک وہ ٹھیک اور مناسب ہیں، بلکہ ہم تو دونوں فریق کی لغویات سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں، اور پناہ مانگتے ہیں، مگر نقلِ کفر کفر نباشد کے ماتحت بیان کئے جاتے ہیں،

مقدس کتابوں کے اختلافات جو ملحدین نے بیان کئے ہیں

اختلاف نمبر ۱ :-

زبور نمبر ۱۴۵ کی آیت ۸ میں ہے :

"خداوند رحیم و کریم ہے، وہ قہر کرنے میں دھیما اور شفقت میں غنی ہے، خداوند سب پر مہربان ہے" (آیات ۸ و ۹)

اور کتاب سموئیل اوّل باب نمبر ۶ آیت نمبر ۱۹ میں ہے :

"اور اس نے (یعنی خدا نے) بیت شمس کے لوگوں کو مارا، اس لئے کہ انھوں نے خداوند کے صندوق کے اندر جھانکا تھا، سو اُس نے اُن کے پچاس ہزار اور ستر آدمی مار ڈالے"

ذرا خدا کی بیشمار "رحیمی" اور "بردباری" ملاحظہ کیجئے، کہ خاص اپنی قوم کے پچاس ہزار ستر انسانوں کو کس بیدردی کے ساتھ معمولی خطا پر قتل کر ڈالا ؟

اختلاف نمبر ۲:-

کتاب استثناء باب نمبر ۳۲ آیت نمبر ۱۰ میں ہے:

"وہ خداوند کو ویرانے اور سونے ہولناک بیابان میں ملا[1]، خداوند اس کے چوگرد رہا اس نے اس کی خبر لی اور اسے اپنی آنکھ کی پتلی کی طرح رکھا"

اور کتاب گنتی باب نمبر ۲۵ آیت نمبر ۲ میں ہے:

"تب خداوند کا قہر بنی اسرائیل پر بھڑکا، اور خداوند نے موسیٰ سے کہا قوم کے سب سرداروں کو پکڑ کر خداوند کے حضور دھوپ میں ٹانگ دے[2]، تاکہ خداوند کا شدید قہر اسرائیل پر سے ٹل جائے"

پھر اسی باب کی آیت نمبر ۹ میں ہے:

"اور جتنے اُس وبا سے مرے اُن کا شمار چوبیس ہزار تھا"

ذرا ملاحظہ کیجئے اپنی قوم کی کس طرح اپنی آنکھوں کے برابر حفاظت کی ہے کہ موسیٰ کو حکم دیدیا کہ قوم کے سارے رئیسوں کو پھانسی چڑھا دو، اور چوبیس ہزار انسان ہلاک کر دیئے،

اختلاف نمبر ۳:-

کتاب استثناء کے باب نمبر ۸ آیت نمبر ۵ میں ہے:

"اور تو اپنے دل میں خیال رکھنا کہ جس طرح آدمی اپنے بیٹے کو تنبیہ کرتا ہے ویسے ہی خداوند تیرا خدا تجھ کو تنبیہ کرتا ہے"

---

[1] بائبل کے بیان کے مطابق یہ حضرت موسیٰ کا کلام ہے جس میں وہ بنی اسرائیل پر خدا کی شفقتوں کا ذکر فرمارہے ہیں کہ اللہ نے ان کی کیسی خبر گیری فرمائی،

[2] یعنی سُولی دے دے،

اور کتاب گنتی باب نمبر ۱۱ آیت ۳۳ میں ہے:

"اور اُن کا گوشت انھوں نے دانتوں سے کاٹا ہی تھا اور اُسے چبانے بھی نہ پائے تھے، کہ خداوند کا قہر ان لوگوں پر بھڑک اُٹھا، اور خداوند نے ان کو بڑی سخت وبا سے مارا۔"

کیا کہنے ہیں باپ کی طرح سزا دینے کے، وہ بیچارے بھوکے فاقہ مست لوگ جب اُن کو گوشت نصیب ہوا تو ابھی انھوں نے کھانا ہی شروع کیا تھا کہ ایک دم غریبوں پر اتنی سخت مار پڑی،

اختلاف نمبر ۴:-

کتاب میکاہ کے باب نمبر ۷ کی آیت نمبر ۱۸ میں اللہ کی نسبت یوں فرمایا گیا ہے:

"وہ شفقت کرنا پسند کرتا ہے۔"

اور کتاب استثناء کے باب نمبر ۷ آیت نمبر ۲ میں یوں کہا گیا ہے:

"اور جب خداوند تیرا خدا ان کو تیرے آگے شکست دلائے اور تو ان کو مار لے تو تُو ان کو بالکل نابود کر ڈالنا، تو ان سے کوئی عہد نہ باندھنا اور نہ اُن پر رحم کرنا۔"

اور اسی باب کی آیت نمبر ۱۶ میں ہے:

"اور تو ان سب قوموں کو جن کو خداوند تیرا خدا تیرے قابو میں کر دے گا نابود کر ڈالنا، تو اُن پر ترس نہ کھانا۔"

ذرا دیکھیے اللہ کو کہ کس قدر رحم و کرم کو پسند فرما رہا ہے کہ بنی اسرائیل کے سات عظیم الشان قبیلوں کے قتل کا حکم دے رہا ہے، اور ان پر قطعی رحم نہ کرنے کا اور معاف نہ کرنے کا،

اختلاف نمبر ۵:-

رسالہ یعقوب کے باب نمبر ۵ آیت نمبر ۱۱ میں یوں کہا گیا ہے کہ:-

"اور خداوند کی طرف سے اس کا جو انجام ہوا اسے بھی معلوم کر لیا جس سے خداوند کا

بہت ترس اور رحم ظاہر ہوتا ہے "

اور کتاب ہوسیع کے باب نمبر ۱۳ آیت نمبر ۱۶ میں یوں ہے کہ:

"سامریہ اپنے جرم کی سزا پائے گا، کیونکہ اس نے اپنے خدا سے بغاوت کی ہے، وہ تلوار سے گر جائیں گے، ان کے بچے پارہ پارہ ہوں گے، اور باردار عورتوں کے پیٹ چاک کئے جائیں گے "

معصوم بچوں اور حاملہ عورتوں کے حق میں کتنی شفقت اور رحم کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے[1]،

اختلاف نمبر ۶:

نوحۂ یرمیاہ کے باب نمبر ۳ آیت نمبر ۳۳ میں یوں ہے کہ:

"کیونکہ وہ بنی آدم پر خوشی سے دُکھ اور مصیبت نہیں بھیجتا "

لیکن اُس کا بنی آدم پر دُکھ، مصیبت نہ بھیجنا اس درجے کا ہے کہ اس نے

---

[1] واضح رہے کہ اسلام نے دشمن کے ساتھ کبھی اس قسم کی بدسلوکی کو روا نہیں رکھا، اسلام کے اصولِ جنگ کا پہلا سبق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے:

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا بَعَثَ جَیْشًا قَالَ اِنْطَلِقُوْا بِسْمِ اللّٰهِ وَلَا تَقْتُلُوْا شَیْخًا فَانِیًا وَلَا طِفْلًا صَغِیْرًا وَلَا امْرَأَۃً وَلَا تَغُلُّوْا وَضُمُّوْا غَنَائِمَکُمْ وَاَصْلِحُوْا وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ،

رواہ ابوداؤد (جمع الفوائد، ص ۸ ج ۲)

ترجمہ:- حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوئی لشکر روانہ فرماتے تو (ان سے) فرماتے کہ اللہ کے نام پر جاؤ، اور نہ کسی بہت عمر رسیدہ بوڑھے کو قتل کرنا، نہ کسی چھوٹے بچے کو اور نہ کسی عورت کو، اور مالِ غنیمت میں خیانت نہ کرنا، اور اپنے مالِ غنیمت کو جمع کرنا، اور اصلاح کرنا اور اچھا سلوک کرنا، بلاشبہ اللہ نکوکاروں کو پسند کرتا ہے "

(جمع الفوائد، صفحہ ۸، جلد ۲)

اشدودیین[1] کو بواسیر میں مبتلا کر کے ہلاک کر دیا چنانچہ اس کی تصریح سفر سموئیل اول کے باب ۵ میں موجود ہے[2]، اسی طرح پانچوں بادشاہوں کے لشکر کے ہزاروں انسانوں کو آسمان سے بڑے بڑے پتھر برسا کر ہلاک کر ڈالا جن کی تعداد ان مقتولین کی تعداد سے کہیں زیادہ ہے، جن کو بنی اسرائیل نے تلوار سے قتل کیا جیسا کہ کتاب یوشع کے باب نمبر ۱۰[3] میں صاف طور پر لکھا ہے، اسی طرح بے شمار بنی اسرائیل کو سانپوں اور اژدہوں کو بھیج کر ہلاک کر دیا، جیسا کہ کتاب گنتی کے باب نمبر ۲۱[4] میں مصرح ہے،

اختلاف نمبر ۷:-

کتاب تواریخ اوّل کے باب ۱۶ آیت ۴۱ میں ہے:

"کیونکہ اس کی یعنی خدا کی شفقت ابدی ہے"

اور زبور نمبر ۱۴۵ کی آیت ۹ میں اس طرح ہے:

"خداوند سب پر مہربان ہے، اور اس کی رحمت اس کی ساری مخلوق پر ہے"

مگر اس کی دائمی مہربانی اور عام شفقت ساری مخلوق پر اس درجہ کی ہے کہ اس نے نوح علیہ السلام کے عہد میں سوائے کشتی والوں کے سارے حیوانات اور انسانوں کو طوفان کے

---

[1] اشدودیین، فلسطین کے شہر اشدود (Ashdod) کی طرف منسوب ہیں، ایک زمانے میں صندوق شہادت اس شہر میں لایا گیا تھا جس کی بنا پر یہاں کے باشندوں کو دبائے عام میں گرفتار کیا گیا (کتاب یشوع، باب ۵)

[2] "اس شہر کے لوگوں کو چھوٹے سے بڑے تک مارا اور ان کے گلٹیاں نکلنے لگیں" (۱۔ سموئیل ۵: ۹)

[3] یشوع ۱۰: ۱۱،

[4] گنتی ۲۱: ۶،

ذریعے ہلاک کر ڈالا، اور سدوم اور عامورہ اور اس کے علاقے کے تمام باشندوں کو آسمان سے آگ اور گندھک کی بارش برسا کر ہلاک کر دیا، جیسا کہ کتاب پیدائش کے باب ۱۸ و ۱۹ میں اس کی تصریح موجود ہے،

اختلاف نمبر ۸

کتاب استثناء کے باب ۲۴ آیت ۱۶ میں ہے :

"بیٹوں کے بدلے باپ مارے نہ جائیں، نہ باپ کے بدلے بیٹے مارے جائیں، ہر ایک اپنے ہی گناہ کے سبب مارا جائے"

اور کتاب سموئیل ثانی کے باب ۲۱ میں یوں لکھا ہے کہ داؤد علیہ السلام نے شاؤل کی اولاد میں سے سات آدمیوں کو خدا کے حکم سے جبعون والوں کے حوالے کر دیا تاکہ وہ شاؤل کے جرم کے بدلے میں ان کو قتل کر ڈالیں، چنانچہ انھوں نے ان ساتوں کو سولی دیدی[۱]، حالانکہ داؤد علیہ السلام نے شاؤل سے عہد کیا تھا اور قسم کھا کر کہا تھا کہ اس کے مرنے کے بعد اس کی اولاد کو ہلاک نہیں کیا جائے گا، جیسا کہ کتاب سموئیل اوّل کے باب ۲۴ میں صاف[۲] لکھا ہے، ملاحظہ کیجئے خدا کے حکم سے عہد شکنی کی جا رہی ہے،

اختلاف نمبر ۹
باپ دادوں کا گناہ بیٹوں پر

کتاب خروج باب ۲۰ آیت ۵ میں کہا گیا ہے کہ :

"باپ دادا کے گناہ کی سزا اُن کے بیٹوں اور پوتوں کو تیسری اور چوتھی پشت تک دیتا ہے"

---

[۱] ۲ سموئیل، ۲۱ : ۹ ،

[۲] "سو اب مجھ سے خداوند کی قسم کھا کہ تو میرے بعد میری نسل کو ہلاک نہیں کرے گا .... سو داؤدؑ نے شاؤل سے قسم کھائی" (۱۔ سموئیل ۲۴ : ۲۱ و ۲۲) ،

اور کتاب حزقی ایل باب ۱۸ آیت ۲۰ میں ہے کہ:

"جو جان گناہ کرتی ہے وہی مرے گی، بیٹا باپ کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا، اور نہ باپ بیٹے کے گناہ کا بوجھ، صادق کی صداقت اسی کے لئے ہوگی اور شریر کی شرارت شریر کے لئے"۔

معلوم ہوا کہ بیٹے باپ کے قصور کے ذمے دار ایک پشت میں بھی نہیں ہیں، چہ جائیکہ چار پشتوں تک، اور یہ بوجھ لادنا اگر چار پشتوں تک ہی رہتا تب بھی غنیمت تھا، لیکن خدائے معبود نے اس حکم کو توڑ ڈالا، اور حکم دے ڈالا کہ باپوں کے جرم کے بدلے میں پشتہا پشت تک ان کی اولاد ذمہ دار ہوگی، اور باپ دادوں کے گناہ کا بوجھ اٹھائے گی، چنانچہ سفر سموئیل اول کے باب ۱۵ میں لکھا ہے کہ:

"رب الافواج یوں فرماتا ہے کہ مجھے اس کا خیال ہے کہ عمالیق[1] نے اسرائیل سے کیا کیا، اور جب یہ مصر سے نکل آئے تو وہ راہ میں ان کا مخالف ہو کر آیا، سو اب تو جا، اور عمالیق کو مار، اور جو کچھ ان کا ہے سب کو بالکل نابود کر دے، اور ان پر رحم مت کر، بلکہ مرد اور عورت

---

[1] عمالیق یا عمالقہ (Amalek) ایک قوی ہیکل قوم جو جنوبی فلسطین پر قابض ہو گئی تھی، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو مصر سے نکال کر لائے تھے تو اس نے ان کا راستہ روکا تھا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حکم سے حضرت یوشعؑ نے ان کا مقابلہ کر کے انھیں شکست دی تھی، (خروج ۱۷: ۸ تا ۱۳) اس وجہ سے ان کے خلاف دائمی اعلانِ جنگ کر دیا گیا (خروج ۱۷: ۱۶ و استثناء ۲۵: ۱۷) پھر طالوت یا شاؤل نے ان سے جہاد کیا (۱۔سموئیل ۱۴: ۴۸، ۱۵: ۸) اور حضرت داؤد علیہ السلام نے ان کے سردار جالوت کو قتل کر دیا (۱۔سموئیل ۲۷: ۹ و ۳۰: ۱۷)، اس واقعہ کے بعض اجزاء کی تصدیق قرآن کریم نے بھی سورۂ بقرہ میں کی ہے، تقی

ننھے بچے اور شیر خوار، گائے بیل اور بھیڑ بکریاں، اونٹ اور گدھے سب کو قتل کر ڈال"

(آیات ۲ و ۳)

ملاحظہ کیجئے خدا کو اپنی قوتِ حافظہ پر زور دے کر چار سو سال پیچھے یاد آیا، کہ عمالقہ نے بنی اسرائیل پر کیا کیا مظالم کئے تھے، اب اس قدر طویل مدت گذرنے کے بعد ان کی اولاد سے انتقام لینے اور ان کے مرد و عورت اور چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں اور گائے، بکری، اور گدھوں کے قتل کا حکم دے رہا ہے، اور چونکہ شاؤل نے اس خدائی فرمان پر عمل نہ کیا تو خدا اس کو بادشاہ بنانے پر پشیمان ہوا[ل]،

اور اکلوتا بیٹا جو معبود ثانی بھی ہے وہ تو چار قدم اور آگے بڑھ گیا، اور اس نے چار ہزار سال بعد باپ دادوں کے گناہ اولاد پر ڈالنے کا حکم دیا، چنانچہ انجیل متی کے باب ۲۳ میں یوں ہے کہ:

"تاکہ سب راست بازوں کا خون جو زمین پر بہایا گیا تم پر آئے، راست باز ھابل کے خون سے لیکر برکیاہ کے بیٹے زکریاہ کے خون تک جسے تم نے مقدس اور قربانگاہ کے درمیان قتل کیا، میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ یہ سب کچھ اس زمانے کے لوگوں پر آئے گا" (آیات ۳۵، ۳۶)

پھر باپ جو معبود اوّل ہے، وہ اور چار قدم آگے بڑھتا ہے، اور سوچتا ہے کہ آدم کا گناہ موجودہ عہد تک کی تمام اولاد کو اٹھانا چاہئے، حالانکہ اس واقعہ کو چار ہزار تین سال سے زیادہ ہو چکے ہیں، اور آدم سے مسیح تک ستر پشتیں گزر چکی ہیں (جیسا کہ لوقا کی

ل یہ بائبل کی اس عبارت کی طرف اشارہ ہے "تب خداوند کا کلام سموئیل کو پہونچا کہ مجھے افسوس ہے کہ میں نے شاؤل کو بادشاہ ہونے کیلئے مقرر کیا، کیونکہ وہ میری پیروی سے پھر گیا" (۱۔سموئیل ۱۵: ۱۱)

انجیل کے باب ۲۷ میں اس کی تصریح ہے، اور یہ رائے قائم کی کہ اگر آدمؑ کے اس گناہ کا کوئی عمدہ کفارہ نہ ہوا تو اولاد آدمؑ سب کی سب جہنم کی مستحق ہے، پھر اس کے سوا اور کوئی شکل نظر نہیں آئی کہ اپنے بیٹے کو جو معبود ثانی ہے اور کفارے کے لئے اس سے بہتر اور لائق نہیں ہو دنیا کے کمینے انسانوں یعنی یہودیوں کے ہاتھوں سُولی دلائی جائے، اس کے سوا اولادِ آدم کی نجات کی اور کوئی صورت خدا کی سمجھ میں نہیں آئی چنانچہ اس کو سُولی دیئے جانے کا حکم صادر کر دیا، اور دشمنوں کے ہاتھوں میں ڈال کر تکلیف کے وقت اس کی فریاد بھی سُنکر نہ دی، اور غریب بیٹا شدّتِ تکلیف سے چلّا چلّا کر باپ کو یہ کہکر پکارتا رہا کہ اے میرے معبود تو نے مجھ کو کیوں چھوڑ دیا؟ پھر دوبارہ چلّایا اور مر گیا، پھر مرنے کے بعد ملعون ہو کر جہنم میں داخل ہو گیا[1] (نعوذ باللہ منہ)

زکریاہ بن برکیاہ کا قتل، انجیل متّی کی ایک اور تحریف،

اس کے علاوہ عہد عتیق کی کسی کتاب سے یہ ثابت نہیں ہوتا[2] کہ زکریاہ بن برکیاہ عبادت گاہ اور قربان گاہ کے درمیان قتل کئے گئے ہوں، البتہ کتاب تواریخ ثانی کے باب ۲۴ میں تصریح کی ہے کہ زکریاہ بن یہویدع کاہن خدا کے گھر کے صحن میں یوآش بادشاہ کے عہد میں قتل کیا گیا[3]، پھر بادشاہ کے غلاموں نے اس کو زکریاہ کے خون کے عوض میں قتل کر دیا[4]،

---

[1] ملاحظہ ہو انجیل متّی ۲۷ ؛ ۳۳ تا ۵۱، لوقا ۱۵ ؛ ۲۲، ۳۸، ۴۴، ۴۶، مرقس ۱۵ : ۲۲ تا ۳۸، یوحنا ۱۹ ؛ ۱۷ تا ۱۹،

[2] دیکھئے کتاب ہذا صفحہ ۹۳۰ جلد ۲ ،

[3] ۲ تواریخ ۲۴ ؛ ۲۱ ،

[4] ۲ تواریخ ۲۴ : ۲۵ ،

پس انجیل نے یہویدع کو برکیاہ سے بدل کر تحریف کر دی[1]، اسی لئے لوقا نے اپنی انجیل کے باب ۱۱ میں صرف زکریا کے نام پر اکتفا کیا ہے، اور باپ کا نام ذکر نہیں کیا، اب آپ ان مذکورہ

---

[1] یعنی واقعہ تو زکریاہ بن یہویدع کا تھا، انجیل متی میں اسے زکریاہ بن برکیاہ کی طرف منسوب کر دیا گیا، بائبل کے شراح اس مقام پر اس کی توجیہ میں حیران ہیں، اور اس غلطی کی عجیب تاویلیں کرتے ہیں، آر اے ناکس تفسیر عہد نامہ جدید میں لکھتا ہے:

"لوقا کے برخلاف متی میں یہاں زکریاہ کو برکیاہ کا بیٹا کہا گیا ہے، حالانکہ درحقیقت جس شخص کو خدا کے گھر میں قتل کیا گیا وہ زکریاہ بن یہویدع تھا، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ برکیاہ یہویدع ہی کا کوئی دور دراز کا جدِ امجد ہوگا جس کی طرف زکریاہ کو منسوب کر دیا گیا، کیونکہ دو اور مقامات پر بھی زکریاہ کو بن برکیاہ کہا گیا ہے، حالانکہ خاندان ایک ہی ہے، (دیکھئے یسعیاہ ۸: ۲ اور زکریاہ ۱: ۱) لیکن اس کے بعد مزید تحقیق کی گئی تو اسی جیسا ایک اور واقعہ تاریخ میں ملا، اور وہ یہ کہ زکریاہ بن بارک نامی ایک شخص کو بھی اسی طرح ظلماً قتل کیا گیا اور یہ واقعہ ۶۸ء میں یروشلم کی تباہی سے بہت پہلے کا نہیں ہے، جیسا کہ مورخ یوسیفس نے ذکر کیا ہے، اس لئے یہ بات قرینِ قیاس ہے کہ انجیل متی کے کسی بہت ہی پرجوش ناقل نے غلطی سے یہاں اپنی طرف سے ابن برکیاہ بڑھا دیا ہو اور یہ خیال کیا ہو کہ اگرچہ واقعہ ہمارے خداوند کے بعد کا ہے مگر ہمارے خداوند نے پہلے ہی اس واقعہ کو معلوم کر لیا ہوگا جو ۶۸ء میں"

ناکس صاحب نے مندرجہ بالا عبارت میں جو دو تاویلیں کی ہیں ان میں سے دوسری تو نہ صرف یہ کہ انتہائی دور از کار مضحکہ خیز اور انجیل متی کے سیاق و سباق کے بالکل خلاف ہے (کیونکہ متی میں ماضی میں ہونے والے قتل کا تذکرہ ہے مستقبل کا نہیں) بلکہ خود انجیل کے نقل کرنے والوں کی جلد بازی اور بے احتیاطی کا کھلا ثبوت ہے، رہا یہ کہنا کہ زکریاہ بن یہویدع کا کوئی دور دراز کا باپ برکیاہ ہوگا، سو اس کی کوئی دلیل نہیں ہے، اور یسعیاہ و زکریاہ کے جو حوالے انھوں نے پیش کئے ہیں وہ اس لئے غلط ہیں کہ جس زکریاہ بن برکیاہ کا وہاں ذکر ہے وہ بالکل دوسرے ہیں، اُن کے قتل کا واقعہ بائبل میں نہیں ہے، چنانچہ مونسگر ناکس نے ترجمۂ بائبل کے حاشیے پر اس کا اعتراف کیا ہے کہ اس مقام پر یسعیاہ ۸: ۲ اور زکریاہ ۱: ۱ کا حوالہ نہیں دیا جا سکتا،

(کیتھولک بائبل متی ۲۳: ۳۵) ۱۲ تقی

نمونوں کو ملاحظہ فرما کر نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ ان سے اللہ کی بے شمار رحمت اپنی مخلوق پر کس طرح ثابت ہوئی؟

اختلاف نمبر ۱۰:-

زبور نمبر ۳۰ آیت ۵ میں یوں ہے کہ:

"کیونکہ اس کا قہر دم بھر کا ہے"

اور کتاب گنتی کے باب ۳۲ آیت ۱۳ میں یوں ہے کہ:

"سو خداوند کا قہر اسرائیل پر بھڑکا، اور اُس نے ان کو بیابان میں چالیس برس تک آوارہ پھرایا، جب تک کہ اس پشت کے سب لوگ جنھوں نے خداوند کے روبرو گناہ کیا تھا نابود نہ ہوگئے"

ذرا دیکھنے کے لائق ہے یہ ایک گھڑی کا غضب کہ بنی اسرائیل کے ساتھ کیسا معاملہ کیا؟

اختلاف نمبر ۱۱:-

کتاب پیدائش کے باب ۱۷ آیت اوّل میں یوں ہے کہ:

"میں خدائے قادر ہوں"

اور کتاب القضاۃ کے باب ۱ آیت ۱۹ میں یوں ہے:

"اور خداوند یہوداہ کے ساتھ تھا، سو اُس نے کوہستانیوں کو نکال دیا، پر وادی کے باشندوں کو نکال نہ سکا، کیونکہ اس کے پاس لوہے کے رتھ تھے"

خدا کی قدرت کا اندازہ دیکھئے کہ وہ بیچارا اس وادی کے رہنے والوں کو محض اس لئے ہلاک نہ کرسکا کہ ان کے پاس بے شمار لوہے کی بنی ہوئی سواریاں تھیں،

اختلاف نمبر ۱۲:-

کتاب استثنار کے باب ۱۰ آیت ۱۷ میں ہے کہ:-

"کیونکہ خداوند تمہارا خدا الٰہوں کا الٰہ خداوندوں کا خداوند ہے، وہ بزرگوار اور قادر اور مہیب خدا ہے"

اور کتاب عاموس کے باب ۲ آیت ۱۳ ترجمہ عربی ۱۸۴۴ء میں یوں ہے کہ:

"یاد رکھو[۱]! میں تمہارے نیچے ایسا چپکا ہوں جیسے پُولوں سے لدی ہوئی گاڑی چپکی ہوتی ہے"

ترجمہ فارسی ۱۸۳۸ء میں لکھا ہے:

"اینک من در زیر شما چسپیدہ شدہ ام چنانچہ ارابہ پُر از اقد چسپیدہ می شود"

ملاحظہ فرمائیے کہ اللہ اپنی تمام عظمت وجباریت کے باوجود بنی اسرائیل کے ساتھ کیسا چپکا ہوا ہے،

اختلاف نمبر ۱۳

کتاب یسعیاہ کے باب ۴۰ آیت ۲۸ میں ہے کہ:

"خداوند خدائے ابدی وتمام زمین کا خالق تھکتا نہیں اور ماندہ نہیں ہوتا"

اور کتاب القضاۃ کے باب ۵ آیت ۲۳ میں یوں ہے کہ:

"خداوند کے فرشتے نے کہا تم میروز پر لعنت کرو، اس کے باشندوں پر سخت لعنت کرو، کیونکہ وہ خداوند کی کمک کو زور آوروں کے مقابل خداوند کی کمک کو نہ آئے"

غور کیجئے: خدا کی طاقت وقوت کا عالم کیسا نرالا ہے؟ اور اس کا کمزور وضعیف نہ ہونا کیسا کچھ نظر آرہا ہے، کہ وہ زبردستوں کے مقابلے میں امداد کا محتاج تھا، اور جو اس کی مدد کو نہیں پہنچا،

---

[۱] یہ عربی سے ترجمہ ہے، موجودہ اردو ترجمے کی عبارت اس کے خلاف یہ ہے: "میں تم کو ایسا دباؤں گا جیسے پُولوں سے لدی ہوئی گاڑی دباتی ہے"

اس پر لعنت کرتا ہے،

کتاب ملاکی کے باب ۳ کی آیت ۹ میں یوں ہے کہ:

"پس تم سخت ملعون ہوئے کیونکہ تم نے بلکہ تمام قوم نے مجھے ٹھگا"

یہ بھی اس امر پر دلالت کر رہا ہے کہ بنی اسرائیل نے اپنے خدا کو لوٹ لیا تھا، اور وہ ان پر لعنت برساتا تھا، ان چاروں مثالوں سے اللہ کی بیان کردہ قدرت کا حال پورے طور پر منکشف ہو رہا ہے،

اختلاف نمبر ۱۴:۔

کتاب امثال کے باب ۱۵ آیت ۳ میں یوں ہے کہ:۔

"خداوند کی آنکھیں ہر جگہ ہیں، اور نیکوں اور بدوں کے نگراں ہیں"

اور کتاب پیدائش کے باب ۳ آیت ۹ میں اس طرح ہے کہ:۔

"تب خداوند خدا نے آدم کو پکارا اور اس سے کہا کہ تو کہاں ہے؟"

ذرا دیکھئے: خدا کے ہر جگہ آنکھوں سے دیکھنے کی کیفیت، کہ اس کو آدم سے جب کہ وہ جنت کے درخت کے درمیان جا کر چھپ گئے تھے پوچھنے کی ضرورت پیش آئی کہ آپ کہاں تھے؟

اختلاف نمبر ۱۵:۔

کتاب تواریخ ثانی کے باب ۱۶ آیت ۹ میں ہے کہ:

"خداوند کی آنکھیں ساری زمین پر پھرتی ہیں"

اور کتاب پیدائش کے باب ۱۱ آیت ۵ میں یوں ہے کہ:

"اور خداوند اس شہر اور بُرج کو جسے بنی آدم بنانے لگے دیکھنے کے لئے گیا"

کیا کہنے ہیں، خداوند کے تمام زمین کو اپنی نگاہ میں رکھنے کے کہ اس کو اُترنے اور دیکھنے کی

ضرورت پیش آرہی ہو، تاکہ شہر اور برج کا حال معلوم کرے،

اختلاف نمبر ۱۶ :-

زبور نمبر ۱۳۹ کی آیت ۲ میں اس طرح ہے کہ :-

"تو میرا اٹھنا بیٹھنا جانتا ہے، تو میرے خیال کو دور سے سمجھ لیتا ہے"

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ بندوں کے تمام طریقوں کو جانتا ہے، اور ان کے افعال سے باخبر ہے،

اور کتاب پیدائش باب ۱۸ آیت ۲۰ میں ہے:

"پھر خداوند نے فرمایا چونکہ سدوم اور عمورہ کا شور بڑھ گیا، اور ان کا جرم نہایت سنگین ہو گیا ہے، اس لئے میں اب جا کر دیکھوں گا کہ کیا انھوں نے سراسر ویسا ہی کیا ہے جیسا شور میرے کان تک پہونچا ہے اور اگر نہیں کیا تو میں معلوم کروں گا"

(آیات ۲۰ و ۲۱)

ذرا ملاحظہ ہو کہ اللہ کو کس قدر اپنے بندوں کے اعمال و افعال سے واقفیت حاصل ہے، کہ وہ یہ بھی جاننے کے لئے کہ سدوم و عمورہ کے باشندوں کے بارے میں جو شور ہے وہ واقعی ہے، اور وہ کام بھی ایسے ہی کر رہے ہیں یا محض مصنوعی اور جھوٹا ہے، زمین پر اُترنے اور دیکھنے کا محتاج ہو رہا ہے،

اختلاف نمبر ۱۷ :-

زبور مذکور کی آیت[1] ۵ میں یوں ہے کہ :

"یہ عرفان میرے لئے نہایت عجیب ہے، یہ بلند ہے، میں اس تک نہیں پہونچ سکتا"

---

[1] اظہار الحق میں ایسا ہی ہے، مگر موجودہ زبور میں یہ آیت نمبر ۶ ہے، تقی

اور کتاب خروج باب ۳۳ آیت ۵ میں ہے:

"سو تو اپنے زیور اُتار ڈال تاکہ مجھے معلوم ہو کہ تیرے ساتھ کیا کرنا چاہتے"

ماشاء اللہ خدا کا علم کیسا عظیم الشان ہے کہ جو اس کی فہم سمجھ سے خارج ہے، اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اُن کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے، جب تک وہ اپنے لباس نہ اتار دیں،

اور کتاب خروج باب ۱۶ آیت ۴ میں ہے:

"تب خداوند نے موسیٰؑ سے کہا میں آسمان سے تم لوگوں کے لئے روٹیاں برساؤں گا سو یہ لوگ نکل نکل کر فقط ایک دن کا حصہ ہر روز بٹور لیا کریں کہ اس سے میں اُن کی آزمائش کروں گا کہ وہ میری شریعت پر چلیں گے یا نہیں"

اور کتاب استثناء باب ۸ آیت ۲ میں ہے:[1]

"اور تو اس سارے طریق کو یاد رکھنا جس پر ان چالیس برسوں میں خداوند تیرے خدا نے تجھ کو اس بیابان میں چلایا تاکہ وہ تجھ کو عاجز کر کے آزمائے، اور تیرے دل کی بات دریافت کرے کہ تو اس کے حکموں کو مانے گا یا نہیں؟"

تو گویا خدائے تعالیٰ ان کے دلوں کی باتوں کے جاننے کے لئے امتحان کے محتاج ہیں، اس لئے اُن پر روٹیاں برسا کر اور چالیس سال چٹیل میدان میں سزا دے کر ان کا امتحان کیا، ان چھ مثالوں سے خدا کے عالم الغیب ہونے کا حال خوب اچھی طرح معلوم ہو گیا،

اختلاف نمبر ۱۸ :-

کتاب ملاکی باب ۳ آیت ۶ میں ہے:

---

[1] اظہار الحق میں یہ حوالہ ایسا ہی ہے، مگر ہمیں یہ عبارت باب آیت ۲ میں ملی، غالباً اصل نسخے میں یہاں کتابت کی غلطی ہے،

"کیونکہ میں خداوند لاتبدیل ہوں"

اور کتاب گنتی کے باب ۲۲ آیت ۲۰ میں ہے:

"اور خدا[1] نے رات کو بلعام کے پاس آکر اسے کہا کہ اگر یہ آدمی تجھے بلانے کو آئے ہوئے ہیں تو تُو اُٹھ کر ان کے ساتھ جا، مگر جو بات تجھ سے کہوں اسی پر عمل کرنا، سو بلعام صبح کو اٹھا اور اپنی گدھی پر زین رکھ کر موآب کے امراء کے ہمراہ چلا اور اس کے جانے کے سبب سے خدا کا غضب بھڑکا۔"

ملاحظہ کیجئے خدا کے عدم تغیر کو کہ وہ رات کے وقت بلعام کے پاس آتا ہے، اور اس کو موآب کے بڑے لوگوں کے ہمراہ جانے کا حکم دیتا ہے، پھر جب بلعام اس حکم کی تعمیل کرتا ہے تو خدا ناراض ہوتا ہے،

اختلاف نمبر ۱۹:

رسالہ یعقوب کے باب کی آیت ۱۷ میں خدا کے بارے میں ہے کہ:

"جس میں نہ کوئی تبدیلی ہو سکتی ہے اور نہ گردش کے سبب سے اس پر سایہ پڑتا ہے"

نیز اس نے عہد عتیق کی کتابوں کے اکثر مقامات میں سبت کی محافظت کا حکم دیا، اور کہہ دیا کہ یہ حکم ابدی ہے جس کی تصریح ان مقدس کتابوں میں ہے[2]، مگر پادریوں نے شنبہ کو یکشنبہ کے ساتھ بدل ڈالا، پس عیسائیوں کو اقرار کرنا ضروری ہوا کہ اس میں تغیر ہوا،

---

[1] اس عبارت کا مطلب پوری طرح سمجھنے کے لئے دیکھئے ص ۱۲۷ جلد ۲ کا حاشیہ، ت

[2] دیکھئے خروج ۳۱: ۱۳ تا ۳۵: ۲ و گنتی ۱۵: ۳۲ تا ۳۶ و پیدائش ۲: ۳ و احبار ۱۹: ۳ و ۲۳: ۳ و استثناء ۵: ۱۲ تا ۱۵ و یرمیاہ باب ۱۷ و یسعیاہ باب ۵۶ و نحمیاہ باب ۹ و حزقی ایل باب ۲۰،

اختلاف نمبر ۲۰:-

کتاب پیدائش کے باب ۱ آیت ۳۱ میں آسمان، اور ستاروں اور حیوانات کی نسبت کہا گیا ہے کہ "یہ خوب صورت اور اچھے ہیں"، اور پھر کتاب ایوب کے باب ۱۵ کی آیت ۱۵ میں کہا گیا ہے کہ:"آسمان بھی اس کی نظر میں پاک نہیں"

اور باب ۲۵ آیت ۵ میں یوں ہے:

"اور تارے اس کی نظر میں پاک نہیں"

نیز کتاب احبار کے باب ۱۱ میں بہت سے جانور پرندوں اور کیڑے مکوڑوں کی نسبت یہ کہا گیا ہے: کہ "وہ قبیح اور حرام ہیں"

اختلاف نمبر ۲۱
عیسوٗ کے ساتھ کھلی ناانصافی

کتاب حزقی ایل باب ۱۸ آیت ۲۵ میں ہے:

"اے بنی اسرائیل سنو تو! کیا میری روش راست نہیں، کیا تمھاری روش ناراست نہیں؟"

اور کتاب ملاکی باب اوّل آیت ۲ میں ہے:

"میں نے تم سے محبت رکھی تو بھی تم کہتے ہو تو نے کس بات میں ہم سے محبت ظاہر کی؟ خداوند فرماتا ہے کیا عیسوٗ[۱] یعقوب کا بھائی نہ تھا، لیکن میں نے یعقوب سے محبت

---

[۱] عیسوٗ (Esau) حضرت اسحٰق علیہ السلام کے سب سے بڑے صاحبزادے (پیدائش ۲۵: ۲۵) اور ادومیوں کے جدامجد ہیں (پیدائش ۳۶: ۴۳) بائبل میں اُن کے بارے میں ایک عجیب غیر منصفانہ واقعہ بیان کیا گیا ہے، بائبل کا بیان ہے کہ تورات اور اس سے پہلے کے قانون میں سب سے بڑی اولاد (پہلوٹھی) کو کچھ مخصوص حقوق حاصل ہوتے تھے (استثنا ۲۱: ۱۵ و عبرانیوں ۱۲: ۱۶) جو عیسوٗ کو پہلوٹھا ہونے کی بنا پر حاصل تھے، لیکن ایک دن وہ جنگل سے تھکے ہوئے آئے، بھوک بہت لگ رہی تھی، اُن کے بھائی یعقوب علیہ السلام نے دال پکائی ہوئی تھی، عیسوٗ نے اُن سے دال مانگی، تو حضرت یعقوبؑ (باقی برصفحہ ۶۷)

رکھی، اور عیسو سے عداوت رکھی، اور اس کے پہاڑوں کو ویران کیا، اور اس کی میراث بیابان کے گیدڑوں کو دی۔" (آیات ۲ و ۳)

ذرا خدا کے راستے کی استقامت ملاحظہ فرمائیے کہ عیسو سے ناحق دشمنی کرتا ہے اس کے پہاڑوں کو چٹیل میدان اور اس کی میراث جنگل کے گیدڑوں کے لئے تجویز کرتا ہے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۶) نے اس شرط پر دال کھلانے کا وعدہ کر دیا کہ عیسو پہلوٹھے کے حقوق سے ان کے حق میں دستبردار ہو جائیں، عیسو نے سخت بھوک کی وجہ سے یہ منظور کر لیا، اور اس طرح اُن کا حق حضرت یعقوبؑ کو مل گیا، (پیدائش ۲۶: ۲۹ تا ۳۴) پھر جب حضرت اسحٰقؑ ضعیف اور نابینا ہو گئے تو ایک دن انھوں نے عیسو سے کہا کہ تم میرے لئے جنگل سے شکار لاؤ، اور میری حسب منشاء مجھے پکا کر کھلاؤ، میں تمھیں برکت کی بہت دعاء دوں گا، عیسو اس حکم کی تعمیل کرنے جنگل چلے گئے، حضرت اسحٰقؑ کی بیوی ربقہ کو حضرت یعقوبؑ سے زیادہ محبت تھی، جب عیسو جنگل چلے گئے تو انھوں نے یہ چال چلی کہ دو بکری کے اچھے اچھے بچے لے کر انھیں بہت عمدہ طریقے سے پکایا، اور حضرت یعقوبؑ سے کہا کہ تم یہ کھانا لے کر حضرت اسحٰقؑ کو کھلا دو اور ان پر یہ ظاہر کرو کہ تم ہی عیسو ہو، اور جنگل سے شکار مار کر لائے ہو، حضرت یعقوبؑ نے ایسا ہی کیا، اور (معاذ اللہ) جھوٹ بول کر اپنے آپ کو عیسو ظاہر کیا، حضرت اسحٰقؑ چونکہ نابینا تھے، اس لئے انھوں نے حضرت یعقوبؑ کے ہاتھ کو ٹٹول کر دیکھا، کیونکہ عیسو کی علامت یہ تھی کہ اُن کے ہاتھ پر بڑے بڑے بال تھے، مگر ربقہ نے پہلے ہی یعقوب علیہ السلام کو بکری کی کھال پہنا دی تھی، اس لئے وہ دھوکا کھا گئے، اور برکت کی تمام دعائیں بھی انھیں دیں اور انہی کو اپنا جانشین بنایا، جب عیسو جنگل سے آئے اور یہ ماجرا دیکھا تو بہت رنجیدہ ہوئے، حضرت اسحٰقؑ نے بھی اس پر صرف تعجب کا اظہار کیا، اور کہا کہ اب میں برکت کی تمام دعائیں یعقوب کو دے چکا ہوں (کتاب پیدائش ۲۷: ۱ تا ۴۰)

یہ تھا بیچارے عیسو کا قصور، جس کی بناء پر کتاب ملاکی میں کہا جا رہا ہے کہ خدا کو اس سے عداوت ہو گئی، اور جس کی وجہ سے "پولس مقدس" صاحب اسے "بددین" کا خطاب دیتے ہیں (عبرانیوں ۱۲: ۱۶)

غور فرمائیے! کہ اس قسم کے قصے خدا کے عدل و انصاف اور انبیاء علیہم السلام کے کردار کے بارے میں کیا تصور پیش کرتے ہیں؟ اس پر بھی یہ اصرار ہے کہ انھیں الہامی مانو اور سماوی یقین کرو، سبحان اللہ، ہذا بہتان عظیم ۱۲ تقی

اختلاف نمبر ۲۲ :-

مکاشفہ کے باب ۱۵ آیت ۳ میں ہے کہ :

"اے خداوند خدا قادرِ مطلق. تیرے کام بڑے اور عجیب ہیں "

کتاب حزقیال باب ۲۰ آیت ۲۵ میں ہے کہ :

"سو میں نے اُن کو بُرے آئین اور ایسے احکام دیئے جن سے وہ زندہ نہ رہیں "

اختلاف نمبر ۲۳ :-

زبور نمبر ۱۱۹ کی آیت ۶۸ میں کہا گیا ہے کہ :

"تو بھلا ہے اور بھلائی کرتا ہے، مجھے اپنے آئین سکھا "

باب ۹ آیت ۲۳ میں یوں ہے کہ :

"تب خدا نے ابی ملک اور سکم کے لوگوں کے درمیان ایک بُری رُوح بھیجی ، اور اہلِ سکم ابی ملک سے دغابازی کرنے لگے "

ملاحظہ ہو خدا کی نیکی اور اصلاح پسندی کا ریکارڈ کہ محض فتنہ انگیزی کے واسطے ایک کمین رُوح کو مسلّط کر دیا،

اختلاف نمبر ۲۴ :-

اکثر آیتوں میں زنا کی حرمت ثابت[1] ہے، اور اگر پادری صاحبان کو ان کے قول میں سچا مانا جائے .... پھر تو لازم آئے گا کہ خود خدا نے یوسف نجار کی بیوی سے زنا کیا، اور وہ اس زنا سے حاملہ بھی ہوئی ، (خدا کی پناہ) اس مقام پر ملحدین تو

[1] دیکھئے خروج ۲۰: ۱۴ ، استثناء ۵: ۱۸ ، متی ۱۹ : ۱۸ ، رومیوں ۱۳ : ۹ ، گلتیوں ۵ : ۱۹ ، وغیرہ ،

حد سے تجاوز کر جاتے ہیں، اور اتنا فحش استہزاء کرتے ہیں کہ ایمان والوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، میں صرف ناظرین کی آگاہی کے لئے صرف صاحب اکسیہو مو کا قول نقل کرتا ہوں، اور اس کے استہزاء سے قطع نظر کرتا ہوں، یہ ملحد اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۱۳ء کے صفحہ ۴۴ میں کہتا ہے:

"اس انجیل میں جس کا نام ٹی ٹی اور ٹی آف میری ہے اور جس کا شمار اس دور میں جھوٹی انجیلوں میں کیا جاتا ہے لکھا ہے کہ مریم علیہا السلام کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے آزاد اور وقف کر دیا گیا تھا، اور وہ سولہ برس تک وہاں رہیں، اس قول کو فادر جیروم زلدیر نے قبول اور پسند کیا ہے، اور وہ اس کی صحت کا معتقد ہے لہٰذا اس صورت میں کہ مریم بیت المقدس کے کسی کاہن سے حاملہ ہوئی ہوں، اور اس کاہن نے مریمؑ کو یہ ترکیب سکھائی ہو، کہ تم یہ کہہ دینا کہ میں روح القدس سے حاملہ ہوں"

اس کے بعد اس ملحد نے لوقا کی تحریر کا شدید مذاق اڑایا ہے، اور کہا ہے:

"یہ واقعہ یہودیوں کے نزدیک بالکل اسی طرح ثابت ہے کہ ایک سپاہی کا لڑکا مریمؑ کا عاشق ہو گیا تھا، اور اسی کی شنیع حرکت سے عیسائیوں کا مسیح پیدا ہوا، اسی بنا پر مریمؑ پر یوسف نجار بگڑا، اور غضبناک ہو کر اپنی اس خائن بیوی کو چھوڑ دیا، اور بابل چلا گیا، اِدھر مریمؑ یسوع کو لے کر مصر چلی گئیں، وہاں رہتے ہوئے یسوع نے جادو کا علم[1] سیکھا، اور سیکھ کر یہودیہ آگیا تاکہ لوگوں کو دکھائے"

---

[1] اظہار الحق میں اصل یہ ہے کہ "تعلم یسوع هناك النیرنجات" اس کا ترجمہ ہم نے اندازہ سے "جادو کا علم" کیا ہے، انگریزی مترجم نے بھی یہی ترجمہ کیا ہے "النیرنجات" کے صحیح اور یقینی معنی ہمیں معلوم نہیں ہو سکے ۱۲ تقی

پھر کہتا ہے کہ:۔

"بت پرستوں میں اس قسم کی بے شمار بیہودہ اور واہیات روایتیں مشہور اور رائج ہیں مثلاً یہ کہ ان کا اعتقاد ہے کہ ان کا معبود منروا[1] ہے جو جیوپیٹر[2] کے دماغ سے پیدا ہوا، اور بیکس جیوپیٹر کی ران میں تھا، اور جو چین والوں کا معبود ہے، ایک کنواری عورت سے پیدا ہوا جو سورج کی شعاع سے حاملہ ہوئی تھی"

اس مقام کے مناسب وہ واقعہ ہے جس کو جان ملٹر نے اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۳۸ء میں نقل کیا ہے کہ:۔

"جونا ساؤتھ کاٹ نے اب سے کچھ مدت پہلے الہام کا دعویٰ کیا اور کہا کہ میں وہی عورت ہوں جس کی نسبت خدا نے سفر تکوین کے باب ۳ آیت ۱۵ میں فرمایا ہے، "یہ مستحق ہے تیرے سر[3] کی" اور اسی کے حق میں مکاشفہ کے باب ۱۲ میں یوں ہے کہ "پھر آسمان پر ایک

---

[1] منروا (Minerva) عہد قبل مسیح میں اسے اطالوی باشندے اپنی دیوی (goddess) مانتے تھے، اطالوی زبان میں "منس" کے معنی دماغ کے ہیں، اور چونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ منروا جیوپٹر کے دماغ سے پیدا ہوئی اس لئے اس کا نام منروا رکھا، ۲۰۷ ق م تک روم میں اس کے نام کا ایک بڑا مندر موجود تھا، جہاں ۱۹ مارچ کو منروا کا مقدس دن منایا جاتا تھا (برٹانیکا، ص ۵۳۳ ج ۱۵)

[2] جیوپیٹر (   ) رومیوں اور اطالویوں کا سب سے بڑا دیوتا جسے وہ آسمانی دیوتا سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ قحط کے ایام میں بارش وہی برساتا ہے، روم کے بعض علاقوں میں اس کے نام کے بعض قدیم مندر اب بھی موجود ہیں، یہ لوگ دنیا میں سب سے مقدس شخص کو اس کا خلیفہ مانتے تھے، ۱۳ ستمبر کو اس کی پوجا کا جشن منایا جاتا تھا، منروا اور جونو اس دیوتا کے ماتحت سمجھے جاتے تھے (برٹانیکا، ص ۸۷، ۱۸۸ ج ۱۳)

[3] اظہار الحق میں ایسا ہی ہے "وَهِيَ تَسْتَحِقُّ رَأْسَكَ" اور موجودہ اردو ترجمے کی عبارت یہ ہے:۔ "وہ تیرے سر کو کچلے گا"

بڑا نشان دکھائی دیا، یعنی ایک عورت نظر آئی جو آفتاب کو اوڑھے ہوئے تھی، اور چاند اس کے پاؤں کے نیچے تھا، اور بارہ ستاروں کا تاج اس کے سر پر، وہ حاملہ تھی، اور درد زہ میں چلاتی تھی، اور بچہ جننے کی تکلیف میں تھی " اور مجھ کو عیسیٰ کا حمل ہوا، بہت سے مسیحی اس کے تابع ہو گئے، اور اس حمل سے ان کو بے حد خوشی ہوئی، اور سونے چاندی کے برتن بنائے "

مگر ہم نے آج تک کسی سے نہیں سنا کہ اس کے اس حمل سے برکت والا بچہ پیدا بھی ہوا یا نہیں؟ اور اگر پیدا ہوا تو اس کو بھی باپ کی طرح الوہیت اور خدائی کا مرتبہ ملا یا نہیں؟ اور اگر ملا ہو تو کیا اس نے اپنے معتقدوں کے عقیدۂ تثلیث کو تربیع سے بدلا یا نہیں؟ اور کیا اس نے اللہ کا لقب یعنی باپ کو "دادا" کے لقب سے تبدیل کیا نہیں؟

اختلاف نمبر ۲۵:

کتاب گنتی کے باب ۲۳ آیت ۹ میں ہے کہ:۔

"خدا انسان نہیں کہ جھوٹ بولے، اور نہ وہ آدم زاد ہے، کہ (شرمندہ ہو)[1] "

اور کتاب پیدائش باب ۶ آیت ۶ میں ہے:

"تب خداوند زمین پر انسان کو پیدا کرنے سے ملول ہوا اور دل میں غم کیا، اور خداوند نے کہا کہ میں انسان کو جسے میں نے پیدا کیا روئے زمین پر سے مٹا ڈالوں گا، انسان سے لے کر حیوان اور رینگنے والے جاندار اور ہوا کے پرندوں تک، کیونکہ میں اُن کے بنانے سے ملول ہوں "

---

[1] اظہار الحق میں ایسا ہی ہے، لیکن موجودہ اردو ترجمے میں اس کی جگہ یہ لفظ ہیں: "اپنا ارادہ بدلے "

اختلاف نمبر ۲۶ خدا پچھتاتا ہے،

کتاب سموئیل اوّل باب ۱۵ آیت ۲۹ میں ہے:

"اور جو اسرائیل کی قوت ہے وہ نہ تو جھوٹ بولتا ہے، اور نہ پچھتاتا ہے، کیونکہ وہ انسان نہیں ہے کہ پچھتائے"

اور اسی باب کی آیت ۱۰ میں ہے:

"اور خداوند کا کلام سموئیل کو پہنچا، کہ مجھے افسوس ہے کہ میں نے ساؤل کو بادشاہ ہونے کے لئے مقرر کیا، کیونکہ وہ میری پیروی سے پھر گیا ہے" (آیات ۱۰ و ۱۱)

اور آیت ۳۵ میں ہے:

"اور خداوند ساؤل کو بنی اسرائیل کا بادشاہ کر کے ملول ہوا"

اختلاف نمبر ۲۷:-

کتاب امثال باب ۱۲ آیت ۲۲ میں ہے:

"جھوٹے لبوں سے خداوند کو نفرت ہے"

اور کتاب خروج باب ۳ آیت ۱۷ میں ہے:

"اور میں نے کہا ہے کہ میں تم کو مصر کے دُکھ میں نکال کر کنعانیوں اور حتیوں اور اموریوں اور فرزیوں اور حوّیوں اور یبوسیوں کے ملک میں لے چلوں گا، جہاں دودھ اور شہد بہتا ہے، اور وہ تیری بات مانیں گے، اور تو اسرائیلی بزرگوں کو ساتھ لے کر مصر کے بادشاہ کے پاس جانا، اور اس سے کہنا کہ خداوند عبرانیوں کے خدا کی ہم سے ملاقات ہوئی، اب تو ہم کو تین دن کی منزل تک بیابان میں جانے دے تاکہ ہم خداوند اپنے خدا کے لئے قربانی کریں"

اور اسی کتاب کے باب ۵ آیت ۳ میں ہے:

"تب انھوں نے کہا کہ عبرانیوں کا خدا ہم سے ملا ہے، سو ہم کو اجازت دے کہ ہم تین دن کی منزل بیابان میں جا کر خداوند اپنے خدا کے لئے قربانی کریں تا نہ ہو کہ وہ ہم میں وبا بھیج دے، یا ہم کو تلوار سے مروا دے"

اور اسی کتاب کے باب ۱۱ آیت ۲ میں حضرت موسیٰؑ سے خطاب کرتے ہوئے باری تعالیٰ کا ارشاد اس طرح مذکور ہے:

"سو اب تو لوگوں کے کان میں یہ بات ڈال دے کہ ان میں سے ہر شخص اپنے پڑوسی اور ہر عورت اپنی پڑوسن سے سونے چاندی کے زیور لے"

اور خروج باب ۱۲ آیت ۳۵ میں ہے کہ:

اور بنی اسرائیل نے موسیٰؑ کے کہنے کے موافق یہ بھی کیا کہ مصریوں سے سونے چاندی کے زیور اور کپڑے مانگ لئے"

ملاحظہ ہو خدا کی جھوٹ سے نفرت کی کتنی عمدہ تصویر پیش کی گئی ہے، کہ اس نے موسیٰؑ اور ہارونؑ دونوں کو فرعون کے سامنے جھوٹ بولنے کا حکم دیا، چنانچہ ان دونوں نے جھوٹ بولا، اسی طرح بنی اسرائیل کے ہر مرد و عورت نے جھوٹ بولا، فریب دہی اور دھوکہ بازی سے پڑوسیوں کا مال لینے اور اس میں تصرف کرنے کا حکم دیا، حالانکہ توریت کے بہت سے مقامات پر پڑوسی کے حقوق کی ادائیگی کی تاکید پائی جاتی ہے، کیا حقوق کی ادائیگی کا طریقہ ایسا ہی ہوا کرتا ہے؟ جس کا حکم ان کو مصر سے نکلنے کے وقت دیا گیا، اور کیا خدا کے لئے یہ زیبا ہے کہ ان کو خیانت اور بدعہدی کی تعلیم دے؟

اور کتاب سموئیل اوّل کے باب ۱۶ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سموئیل علیہ السلام سے فرمایا:

"تو اپنے سینگ میں تیل بھر اور جا، میں تجھے بیت لحمی یسّی کے پاس بھیجتا ہوں، کیونکہ میں نے اس کے بیٹوں میں سے ایک اپنی طرف سے بادشاہ چُنا ہے، سموئیل نے کہا میں کیونکر جاؤں؟ اگر ساؤل سن لے گا تو مجھے مار ہی ڈالے گا، خداوند نے کہا ایک بچھیا اپنے ساتھ لے جا، اور کہنا کہ میں خداوند کے لئے قربانی کو آیا ہوں......

اور سموئیل نے وہی جو خداوند نے کہا تھا کیا اور بیت لحم میں آیا" (آیات ۱تا۴)

تو گویا اللہ نے سموئیل کو حکم دیا کہ جھوٹ بولے، کیونکہ اس کو تو داؤد کے چھونے اور اس کو بادشاہ بنانے کے لئے بھیجا تھا، نہ کہ قربانی کے لئے،

اس سے قبل تیسرے اعتراض کے جواب کے سلسلے میں اسی باب کی دوسری فصل میں معلوم ہو چکا ہے[۲]، کہ اللہ نے گمراہی کی روح کو چھوڑ دیا، تاکہ وہ چار سو پیغمبروں کے منہ میں جھوٹ ڈالے، اور ان کو گمراہ کرے، پھر وہ جھوٹے ہیں،

ان چاروں مثالوں سے خدا کے جھوٹے ہونٹوں سے نفرت کرنے کی حقیقت کا پول اچھی طرح کھل گیا ہوگا۔

اختلاف نمبر ۲۸ خدا عورتوں کو برہنہ کرتا ہے

سفر خروج کے باب ۲۰ آیت ۲۶ میں یوں ہے کہ:-

"اور تو میری قربان گاہ پر سیڑھیوں سے نہ چڑھنا، تا نہ ہو کہ تیری برہنگی اس پر ظاہر ہو۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کو مرد کا پوشیدہ حصہ کھلنا ناپسند ہے، چہ جائیکہ عورت کا پوشیدہ حصہ۔

---

[۱] یسّی حضرت داؤد علیہ السلام کے والد کا نام ہے، اور ان کے جس بیٹے کو بادشاہ بنانے کا تذکرہ یہاں کیا گیا ہے، ان سے مراد بھی حضرت داؤد علیہ السلام ہیں،

[۲] دیکھئے ص ج ۲،

اب ملاحظہ کیجئے کتاب اشعیاء کے باب ۳ آیت ۱۷ میں یوں کہا گیا ہے کہ :

"خداوند[1] صیون کی بیٹیوں کی پردہ دری کرے گا"

اور کتاب یسعیاہ باب ۴۷ آیت ۲ میں ہے :

---

[1] اظہار الحق میں بائبل کے جس عربی ترجمے سے عبارت نقل کی گئی ہے، یہ اس کا ترجمہ ہے، عربی الفاظ یہ ہیں: ویقلع الرب عورات بنات صیھون" لیکن ہمارے پاس بائبل کے جتنے تراجم ہیں ان میں سے ہر ایک کی عبارت دوسرے سے مختلف ہے، اردو ترجمہ میں ہے "خداوند صیون کی بیٹیوں کے سر گنجے اور یہوواہ ان کے بدن بے پردہ کرے گا" اور عربی ترجمے مطبوعہ ۱۸۶۵ء میں ہے "یُصلع السیّد ھامۃ بنات صیھون و یعرّی الرّب عوراتھن" یعنی "آقا صیون کی بیٹیوں کے سر گنجا کرے گا، اور خدا ان کے بدن بے پردہ کرے گا" اور انگریزی ترجمہ (کنگ جیمس ورژن) میں ہے،

" Lord Will Smite with a scate the crown of daughters of Zion and the lord will discover their secret parts".

یعنی "خداوند کھنڈ کی ایک سخت ضرب کے ذریعے صیون کی بیٹیوں کے سر کا تاج اتار دے گا، اور خداوند اُن کے پوشیدہ مقامات کو برہنہ کردے گا" ـــــ اور کیتھولک بائبل (ناکس ورژن) میں یہ آیت نمبر ۱۶ ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں:

"Ay! but the lord has his doom ready for them, bald of head and teem of temples the women of sion shall known".

یعنی "سنو! کہ مگر خداوند نے ان (صیون کی بیٹیوں) کے لئے بڑا انجام تیار کرلیا ہے، صیون کی بیٹیاں اپنی حرکتوں کو گنجے سر اور ننگی کنپٹیوں کے ساتھ جائیں گی"

ان میں سے ہر ترجمے کی عبارت دوسرے سے کس قدر مختلف ہے؟

"چکی لے اور آٹا پیں، اپنا نقاب اُتار اور دامن سمیٹ لے، ٹانگیں ننگی کر کے ندیوں کو عبور کر، تیرا بدن بے پردہ کیا جائے گا، بلکہ تیرا ستر بھی دیکھا جائے گا، میں بدلہ لوں گا، اور کسی پہ شفقت نہ کروں گا" (آیات ۲ و ۳)[1]

اور کتاب پیدائش باب ۲۰ آیت ۱۸ میں ہے:

"کیونکہ خداوند نے ابرہام کی بیوی سارہ کے سبب ابی ملک کے خاندان کے سب رحم بند کر دیے تھے"

اور باب ۲۹ آیت ۳۱ میں ہے:

"اور جب خداوند نے دیکھا کہ لیاہ سے نفرت کی گئی تو اس نے اس کا رحم کھولا، مگر راخل بانجھ رہی"

اور باب ۳۰ آیت ۲۲ میں ہے:

"اور خدا نے راخل کو یاد کیا، اور خدا نے اس کی سُنکر اس کے رحم کو کھولا"

ذرا خدا کی مردوں کے کشف عورت سے نفرت ملاحظہ فرمائیے، اور پھر عورتوں کے عیبوں کی پردہ دری، ان کو برہنہ کرنا، ان کے رحموں کو کھول دینا اور بند کر دینا[2] پیش نظر رکھئے،

اختلاف نمبر ۲۹
خدا صادقوں پر بھی تلوار چلاتا ہے

کتاب یرمیاہ کے باب ۹ آیت ۲۴ میں ہے کہ:

"میں ہی خداوند ہوں، جو دنیا میں شفقت، عدل اور راستبازی کو عمل میں لاتا ہوں"

---

[1] یہ خدا کا دختر بابل کو خطاب ہے۔

[2] رحم کو کھولنے اور بند کرنے سے مراد چونکہ بچہ پیدا کرنا اور بانجھ بنانا ہے، اس لئے یہ اعتراض ہماری ناقص رائے میں درست نہیں ہے، تقی

حالانکہ اس کے رحم وشفقت کو پسند کرنے اور سچائی سے خوش ہونے کا حال تو آپ معلوم ہی کر چکے ہیں، اب اس کے عدل و انصاف کو ملاحظہ فرمائیں، کتاب حزقیال کے باب ۲۱ آیت ۳ میں یوں ہے کہ:

"اور اس سے خداوند یوں فرماتا ہے کہ دیکھ میں تیرا مخالف ہوں، اور اپنی تلوار میان سے نکالوں گا، اور تیرے صادقوں اور تیرے شریروں کو تیرے درمیان سے کاٹ ڈالوں گا، اور چونکہ میں تیرے صادقوں اور شریروں کو کاٹ ڈالوں گا اس لئے میری تلوار اپنے میاں سے نکل کر جنوب سے شمال تک تمام بشر پر چلے گی۔"

پھر اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ شریر کا قتل علمائے پروٹسٹنٹ کے نزدیک عین انصاف ہے، مگر نیک کا قتل کیونکر عدل بن سکتا ہے!

اور کتاب یرمیاہ باب ۱۳ آیت ۱۳ میں ہے کہ:۔

"تب تو ان سے کہنا خداوند یوں فرماتا ہے کہ دیکھو! میں اس ملک کے سب باشندوں کو، ہاں ان بادشاہوں کو جو داؤد کے تخت پر بیٹھتے ہیں، اور کاہنوں اور نبیوں اور یروشلم کے سب باشندوں کو مستی سے بھر دوں گا، اور میں ان کو ایک دوسرے پر یہاں تک کہ باپ بیٹوں پر دے ماروں گا، خداوند فرماتا ہے میں نہ شفقت کروں گا، نہ رعایت اور نہ رحم کروں گا کہ ان کو ہلاک نہ کروں۔"

پہلے سارے ملک کے باشندوں کو مستی سے بھر دینا اور پھر ان کو قتل کرنا کونسا نرالا انصاف ہے؟

اور کتاب خروج باب ۱۲ آیت ۲۹ میں ہے:

"اور آدھی رات کو خداوند نے ملک مصر کے سب پہلوٹھوں کو فرعون جو اپنے تخت پر بیٹھا تھا اس کے پہلوٹھے سے لے کر وہ قیدی جو قید خانے میں تھا اس کے پہلوٹھے

تک بلکہ چوپاؤں کے پہلوٹھوں کو بھی ہلاک کردیا۔

مصر کے تمام پہلوٹھوں کو اور چوپاؤں کو قتل کردینا کہاں کا انصاف ہو سکتا ہے، کیونکہ مصر کے پہلوٹھوں میں ہزاروں چھوٹی عمر کے معصوم بچے بھی ہیں، اور اسی طرح چھوٹی عمر کے چوپائے بھی سب بے گناہ ہیں،

اختلاف نمبر ۳۰

کتاب حزقی ایل باب ۱۸ آیت ۲۳ میں ہے:

"خداوند خدا فرماتا ہے کیا شریر کی موت میں میری خوشی ہے، اور اس میں نہیں کہ وہ اپنی روش سے باز آئے اور زندہ رہے؟"

اور باب ۳۳ آیت ۱۱ میں ہے:

"تو ان سے کہہ خداوند خدا فرماتا ہے مجھے اپنی حیات کی قسم شریر کے مرنے میں مجھے کچھ خوشی نہیں، بلکہ اس میں ہے کہ شریر اپنی راہ سے باز آئے اور زندہ رہے"

دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ شریر کی موت کو پسند نہیں کرتا، بلکہ یہ چاہتا ہے کہ وہ توبہ کرے اور نجات پائے، لیکن کتاب یوشع کے باب ۱۱ کی آیت ۲۰ میں یوں ہے کہ:

"کیونکہ یہ خداوند ہی کی طرف سے تھا کہ ان کے دلوں کو سخت کردیا، اور انھیں ہلاک کر ڈالا"[1]

اختلاف نمبر ۳۱

تیمتھیس کے نام پہلے خط کے باب ۲ آیت ۴ میں ہے:

[1] یہ اظہار الحق کی عربی عبارت کا ترجمہ ہے۔ موجودہ اردو اور انگریزی ترجموں میں عبارت یوں ہے کہ: کیونکہ خداوند ہی کی طرف سے تھا کہ ان کے دلوں کو ایسا سخت کردے کہ وہ جنگ میں اسرائیل کا مقابلہ کریں تاکہ وہ ان کو بالکل

"وہ چاہتا ہے کہ سب آدمی نجات پائیں اور سچائی کی پہچان تک پہونچیں"۔

اور تھسلنیکیوں کے نام دوسرے خط کے باب ۲ آیت ۱۱ میں ہے کہ:

"اسی سبب سے خدا اُن کے پاس گمراہ کرنے والی تاثیر بھیجے گا، تاکہ وہ جھوٹ کو سچ جانیں، اور جتنے لوگ حق کا یقین نہیں کرتے بلکہ ناراستی کو پسند کرتے ہیں وہ سب سزا پائیں"

اختلاف نمبر ۳۲
کفارہ کون ہے؟

کتاب امثال باب ۲۱ آیت ۱۸ میں ہے:

"شریر صادق کا فدیہ ہوگا، اور دغاباز راستبازوں کے بدلہ میں دیا جائے گا"

اور یوحنا کے پہلے خط باب ۲ آیت ۲ میں ہے:

"اور وہی[1] ہمارے گناہوں کا کفارہ ہے، اور نہ صرف ہمارے ہی گناہوں کا بلکہ تمام دنیا کے گناہوں کا بھی"

پہلی آیت سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ بدکار لوگ نیکوکاروں کا کفارہ بنیں گے، اور دوسری آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ مسیح علیہ السلام جو عیسائیوں کے نزدیک معصوم ہیں وہ بدکاروں کے لئے کفارہ بن گئے،

فائدہ

بعض پادری حضرات جو دعویٰ کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو کوئی عمدہ قسم کا کفارہ نصیب نہیں یہ بات اس لئے غلط ہے کہ اگر امثال کی عبارتوں کے حکم میں غور کریں، اور بنی نوع انسان کے مختلف طبقات کو پیشِ نظر رکھیں تو ہم کو یہ چیز صاف طور پر ملتی ہے

[1] یعنی حضرت مسیح علیہ السلام؛

کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منکرین کے متعدد کفارے مسلمان کے ہر ہر فرد کے لئے کارآمد اور مفید ہیں، اس کے علاوہ جب مسیح تمام عالم کے انسانوں کے لئے ان کے گناہوں کا کفارہ ہیں جیسا کہ یوحنا کا اقرار ہے تو ان مسلمانوں کے گناہوں کا کفارہ کیونکر نہ ہوں گے، جو خدا کی توحید اور مسیحؑ کی نبوت، اُن کی سچائی، اُن کی والدہ کی سچائی اور پاکدامنی کے معتقد ہیں، بلکہ اگر کوئی شخص انصاف سے کام لے تو سمجھ سکتا ہے کہ ابدی زندگی کے مستحق صرف مسلمان ہی ہو سکتے ہیں، نہ کہ اور کوئی، جیسا کہ باب چہارم سے معلوم ہو چکا ہے،

اختلاف نمبر ۳۳ :-

کتاب خروج باب ۲۰ میں ہے کہ :

"تو خون نہ کرنا، تو زنا نہ کرنا"

اور کتاب زکریاہ باب ۱۴ آیت ۲ میں ہے :

"میں سب قوموں کو فراہم کروں گا کہ یروشلم سے جنگ کریں، اور شہر لے لیا جائیگا اور گھر لُوٹے جائیں گے، اور عورتیں بے حرمت کی جائیں گی"

دیکھئے خدا وعدہ کرتا ہے کہ تمام قوموں کو اس لئے جمع کرے گا کہ وہ خاص اس کی قوم کو قتل کریں، اُن کی عورتوں کو رُسوا کریں اور ان کے ساتھ زنا کریں، اور پہلی آیت میں اس کے برعکس ہے،

اختلاف نمبر ۳۴ :-

کتاب حبقوق باب[1] آیت ۱۳ میں ہے :

"تیری آنکھیں ایسی پاک ہیں کہ تو بدی کو نہیں دیکھ سکتا، اور کج رفتاری پر نگاہ نہیں کر سکتا"

---

[1] آیات ۱۳ و ۱۴،

اور کتاب یسعیاہ باب ۴۵ آیت ۷ میں ہے:

میں ہی روشنی کا موجد اور تاریکی کا خالق ہوں، میں سلامتی کا بانی اور بلا کو پیدا کرنے والا ہوں، میں ہی خداوند یہ سب کچھ کرنے والا ہوں"

اختلاف نمبر ۳۵:

زبور نمبر ۳۴ کی آیت ۱۵ میں ہے:

"خداوند کی نگاہ صادقوں پر ہے، اور اس کے کان ان کی فریاد پر لگے رہتے ہیں ..... صادق چلّائے اور خداوند نے سُنا اور ان کو ان کے سب دُکھوں سے چھڑادیا، خداوند شکستہ دلوں کے نزدیک ہے، اور خستہ جانوں کو بچاتا ہے" (آیات ۱۵ تا ۱۷)

اور زبور نمبر ۲۲ آیت ۱ میں ہے:

"اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھ کو کیوں چھوڑ دیا؟ تو میری مدد اور میرے نالہ و فریاد سے کیوں دور رہتا ہے؟ اے میرے خدا! میں دن کو پکارتا ہوں پر تو جواب نہیں دیتا، اور رات کو بھی اور خاموش نہیں ہوتا"

اور انجیل متی باب ۲۷ آیت ۴۶ میں ہے:

"اور (نو بجے[1]) کے قریب یسوع نے بڑی آواز سے چلّا کر کہا، ایلی، ایلی لما شبقتنی؟ اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟"

کوئی بتائے کہ کیا داؤد علیہ السلام و مسیح علیہ السلام نیکوں میں شامل نہیں ہیں؟ اور شکستہ دل اور متواضع جان والوں میں داخل نہیں ہیں؟ پھر خداوند نے اُن کو کیوں

---

[1] موجودہ اردو ترجمے میں یہاں "نو بجے" کے بجائے "تیسرے پہر" کا لفظ ہے، اس اختلاف کی تفصیل پیچھے صفحہ ۴۱۹ ج ۱ پر نمبر ۸۶ کے تحت گزر چکی ہے، تقی

چھوڑ دیا! اور ان کی چیخ و پکار اور فریاد کیوں نہیں سنی!

اختلاف نمبر ۳۶:-

کتاب یرمیاہ کے باب ۲۹ آیت ۱۳ میں ہے:

"تم مجھے ڈھونڈھو گے، اور پاؤ گے، جب پورے دل سے میرے طالب ہو گے"

اور کتاب ایوب باب ۲۳ آیت ۳ میں ہے:

"کاش کہ مجھے معلوم ہوتا کہ وہ مجھے کہاں مل سکتا ہے؟ تاکہ میں عین اس کی مسند تک پہنچ جاتا"

حالانکہ ایوب علیہ السلام کے حق میں خدا نے شہادت دی تھی، کہ وہ نیک اور راہ راست پر ہیں، اللہ سے ڈرنے والے اور بدی سے دور ہیں، جیسا کہ ان کی کتاب کے باب ۱ درس میں تصریح ہے[1]، اس کے باوجود اس مقدس کو اللہ کے پانے کے راستے کا علم نصیب نہیں ہوا، چہ جائیکہ خدا کا پانا،

اختلاف نمبر ۳۷

کتاب خروج باب ۲۰ آیت ۴ میں ہے:

"تو اپنے لئے کوئی تراشی ہوئی مورت نہ بنانا، نہ کسی چیز کی صورت بنانا، جو اوپر آسمان میں یا نیچے زمین پر یا زمین کے نیچے پانی میں ہے"

اور اسی کتاب کے باب ۲۵ آیت ۱۸ میں ہے:

"اور سونے کے دو کروبی سرپوش کے دونوں سروں پر ....

---

[1] "عوض کی سرزمین میں ایوب نام ایک شخص تھا۔ وہ شخص کامل اور راستباز تھا، اور خدا سے ڈرتا اور بدی سے دور رہتا تھا" (ایوب ۱:۱)

گھڑ کر بنانا[1]"

اختلاف نمبر ۳۸

یہوداہ کے خط کی آیت ۶ میں ہے کہ :

"اور جن فرشتوں نے اپنی حکومت کو قائم نہ رکھا، بلکہ اپنے خاص مقام کو چھوڑ دیا اس نے ان کو دائمی قید میں تاریکی کے اندر روز عظیم کی عدالت تک رکھا ہے"

معلوم ہوا کہ شیاطین بڑی بڑی زنجیروں میں قیامت تک کے لئے مقید کر دیئے گئے ہیں، حالانکہ کتاب ایوب کے باب ۱ اور ۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان مقید نہیں ہے، بلکہ آزاد ہے اور خدا کے پاس حاضر رہتا ہے[2]،

اختلاف نمبر ۳۹ :-

پطرس کے دوسرے خط کے باب ۲ آیت ۴ میں ہے کہ :

"خدا نے گناہ کرنے والے فرشتوں کو نہ چھوڑا، بلکہ جہنم میں بھیج کر تاریک غاروں میں ڈال دیا تاکہ عدالت کے دن تک حراست میں رہیں"

---

[1] اس آیت میں صندوقِ شہادت بنانے کا طریقہ بتلایا جا رہا ہے، اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ صندوق کے دونوں سروں پر دو فرشتوں کی مورتیں بنانا، پہلی آیت میں مورت بنانے کو قطعی ناجائز کہا گیا تھا، اس میں باقاعدہ حکم دیا جا رہا ہے، تقی

[2] "اور ایک دن خدا کے بیٹے آئے کہ خداوند کے حضور حاضر ہوں، اور ان کے درمیان شیطان بھی آیا" (ایوب ۱: ۶، ۲: ۱)

اور انجیل متی کے باب ۴ میں ہے کہ:

"شیطان نے عیسیٰ علیہ السلام کو آزمایا"

اختلاف نمبر ۴۰:-

زبور نمبر ۹۰ آیت ۴ میں ہے کہ،

"کیونکہ تیری نظر میں ہزار برس ایسے ہیں جیسے کل کا دن جو گذر گیا، اور جیسے رات کا ایک پہر"

اور پطرس کے دوسرے خط کے باب ۳ آیت ۸ میں ہے:

"خداوند کے نزدیک ایک دن ہزار برس کے برابر ہے، اور ہزار برس ایک دن کے برابر"

اس کے باوجود کتاب پیدائش باب ۹ آیت ۱۶ میں کہا گیا ہے کہ:

"اور کمان بادل میں ہوگی، اور میں اس پر نگاہ کروں گا، تاکہ اس ابدی عہد کو یاد کروں جو خدا کے اور زمین کے سب طرح کے جاندار کے درمیان ہے[1]"

قوس کا کسی عہد کے لئے علامت ہونا کوئی صحیح بات نہیں ہے، کیونکہ قوس ہر بادل میں نہیں ہوتی، بلکہ جب بادل رقیق ہو اس وقت ہوتی ہے، اور یہ وقت اتنی کثرت سے بارش ہونے کا نہیں ہوتا، جس سے طوفان کا خطرہ ہوسکے، لہٰذا ضرورت کے وقت یہ

---

[1] کتاب پیدائش میں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی اولاد سے یہ عہد کیا تھا کہ جیسا طوفان ہمارے زمانے میں آگیا ویسا آئندہ کبھی نہ آئے گا، اس عہد کی نشانی یہ مقرر کی کہ آسمان پر بادل کے اندر قوسِ قزح (دھنک) ظاہر ہوگی، اور یہ اُس عہد کے تازہ رہنے کی علامت ہوگی، تقی

چیز علامت نہیں ہوگی، بلکہ بعد از ضرورت بے موقع واقع ہوگی[۱]"

کیا خدا کو دیکھنا ممکن ہے
اختلاف نمبر ۱۴۱

کتاب خروج باب ۳۳ آیت ۲۰ میں ہے کہ اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا:

"تو میرا چہرہ نہیں دیکھ سکتا، کیونکہ انسان مجھے دیکھ کر زندہ نہیں رہے گا"

لیکن کتاب پیدائش باب ۳۲ آیت ۳۰ میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا ارشاد اس طرح مذکور ہے:

"میں نے خدا کو رو برو دیکھا، پھر بھی میری جان بچی رہی"

معلوم ہوا کہ یعقوب علیہ السلام نے خدا کو آمنے سامنے دیکھا، اور پھر بھی زندہ رہے، اور جس قصے میں یہ قول واقع ہوا ہے اس میں کچھ اور بھی ناقابلِ بیان باتیں ہیں، اوّل یہ کہ اللہ اور یعقوبؑ کے درمیان باقاعدہ کشتی ہوئی، دوسرے یہ کہ کشتی اور مقابلہ صبح تک جاری رہا، تیسرے یہ کہ اس مقابلے میں کوئی کسی پر غالب نہ آسکا، بلکہ کشتی برابر رہی، چوتھے یہ کہ خدا خود سے اپنے آپ کو نہ چھڑا سکا، بلکہ یہ کہا کہ مجھ کو چھوڑ دے، پانچویں یہ کہ یعقوبؑ نے خدا کو بغیر معاوضہ لئے ہوئے نہ چھوڑا، اور معاوضہ یہ لیا کہ خدا نے انھیں برکت دی، چھٹے خدا نے یعقوبؑ سے اُن کا نام دریافت کیا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کو ان کا نام معلوم نہ تھا[۲]

---

[۱] مطلب یہ ہو کہ طوفان کے نہ ہونے کے عہد کو تو اس وقت تازہ کرنا چاہئے جب طوفان کا خطرہ ہو، اور جب آسمان پر قوس قزح ظاہر ہوتی ہے تو طوفان کا خطرہ نہیں ہوتا، اُس وقت اس عہد کو تازہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تقی

[۲] یہ پورا واقعہ بائبل کی زبانی ص ۸۶۶ ج دوم پر گذر چکا ہے، تقی

اختلاف نمبر ۴۲ :

یوحنا کے پہلے خط کے باب ۴ آیت ۱۲ میں ہے کہ :

"خدا کو کبھی کسی نے نہیں دیکھا"

اور سفر خروج کے باب ۲۴ آیت ۹ میں یوں ہے کہ :

"تب موسیٰ اور ہارون اور ندب اور ابیہو اور بنی اسرائیل کے ستر بزرگ اوپر گئے، اور انھوں نے اسرائیل کے خدا کو دیکھا، اور اس کے پاؤں کے نیچے نیلم کے پتھر کا چبوترا سا تھا جو آسمان کے مانند شفاف تھا، اور اس نے بنی اسرائیل کے شرفاء پر اپنا ہاتھ نہ بڑھایا، سو انھوں نے خدا کو دیکھا، اور کھایا اور پیا"

معلوم ہوا کہ موسیٰؑ اور ہارونؑ نیز ستر مشائخ بنی اسرائیل نے نہ صرف خدا کو دیکھا، بلکہ اللہ کے ساتھ دعوت بھی اڑائی، اور خوب کھایا پیا،

ہم گذارش کریں گے کہ اوّل تو آخری جملہ بظاہر اس امر پر دلالت کر رہا ہے کہ انھوں نے خدا ہی کو کھایا پیا تھا، لیکن مقصود غالباً وہی ہے جو معترضین نے سمجھا ہے، دوسرے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کا خدا نعوذ باللہ ہندوستان کے مشرکین کے خداؤں مثل رامچندر اور کرشن کی شکل و صورت کا ہے، کیونکہ ان کے خداؤں کا رنگ جیسا کہ ان کی کتابوں میں تصریح ہے آسمانی رنگ ہے،

اختلاف نمبر ۴۳ :-

تیمتھیس کے نام پہلے خط کے باب ۶ آیت ۱۶ میں ہے کہ :

"نہ اسے کسی انسان نے دیکھا اور نہ دیکھ سکتا ہے"

اور مکاشفہ کے باب ۴ میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ :

یوحنا نے آسمان پر خدا کو سنگِ یشب اور عقیق کے مشابہ شکل میں دیکھا تھا، کہ وہ عرش پر بیٹھا ہوا ہے[1]۔

اختلاف نمبر ۴۴:-

انجیل یوحنا کے باب ۵ آیت ۳۷ میں یسوع کا قول یہودیوں سے خطاب کرتے ہوئے یوں ہے کہ:-

"تم نے نہ کبھی اس کی آواز سنی ہے اور نہ اس کی صورت دیکھی"

حالانکہ ابھی ابھی گزشتہ امثال میں آپ خدا کے دیکھے جانے کا حال سن چکے ہیں، اب رہا اس کی آواز سننے کا معاملہ سو سفر استثنار کے باب۵ آیت ۲۴ میں یوں ہے کہ:

"خداوند ہمارے خدا نے اپنی شوکت اور عظمت ہم کو دکھائی، اور ہم نے اس کی آواز آگ میں سے آتی سنی"

اختلاف نمبر ۴۵:-

انجیل یوحنا کے باب۴ آیت ۲۴ میں ہے کہ:-

"خدا روح ہے"

اور انجیل لوقا کے باب ۲۴ آیت ۳۹ میں اس طرح ہے کہ:

"روح کے گوشت اور ہڈی نہیں ہوتی"

ان دونوں عبارتوں سے معلوم ہوا کہ خدا کے نہ گوشت ہے، اور نہ ہڈی، حالانکہ عیسائیوں کی کتابوں سے ثابت ہے کہ خدا کے تمام اعضاء سر سے پاؤں تک ہیں، انھوں نے ان اعضاء کو ثابت کرنے کے لئے بہت سی مثالیں پیش کی ہیں، جو آپ کو چوتھے باب کے مقدمہ

---

[1] دیکھئے مکاشفہ ۴: ۲ تا ۴۔

میں معلوم ہو چکی ہیں[۱]

پھر اس کے بعد خود ہی مذاق اڑاتے ہوئے یہ بھی کہا ہے کہ آج تک یہ معلوم نہ ہو سکا کہ خدا یا باغبان ہے؟ یا معمار؟ یا کمہار؟ یا درزی؟ یا جرّاح؟ یا نائی؟ یا دائی؟ یا قصائی؟ یا کاشتکار یا دوکاندار؟ وغیرہ، کیونکہ اس معاملہ میں ان کی کتابوں کے اقوال میں بہت کچھ اختلاف ہے،

کتاب پیدائش کے باب ۲ آیت ۸ میں یوں ہے کہ:

"خداوند خدا نے مشرق کی طرف عدن میں ایک باغ لگایا"

اس سے معلوم ہوا کہ خدا باغبان ہے، اس کی تائید کتاب اشعیاء کے باب ۴۱ آیت ۱۹ سے بھی ہوتی ہے، مگر کتاب سموئیل اوّل کے باب ۲ آیت ۳۵ میں ہے کہ:

"میں اُس کے لئے ایک پائیدار گھر بناؤں گا"

اس کی تائید کتاب سموئیل ثانی کے باب ۷ آیت ۱۱ و نمبر ۲۷ اور سفر ملوک اوّل باب ۲ آیت ۳۸ سے اور زبور نمبر ۱۲۷ کی آیت ۱ سے بھی ہوتی ہے، ان تمام روایتوں سے پتہ چلا کہ خدا معمار ہے، مگر کتاب یسعیاہ کے باب ۶۴ آیت ۸ میں یوں ہے کہ:

"تو بھی اے خداوند! تو ہمارا باپ ہے، ہم مٹی ہیں، اور تو ہمارا کمہار ہے، اور سب کے سب تیری دستکاری ہیں"

اس سے معلوم ہوا کہ خدا کمہار ہے، مگر کتاب پیدائش باب ۳ آیت ۲۱ میں ہے کہ:

"اور خداوند خدا نے آدم اور اس کی بیوی کے واسطے چمڑے کے کرتے بنا کر اُن کو پہنائے"

---

[۱] دیکھئے ص ۸۵۶ جلد دوم، مقدمہ امر سوم

اس سے معلوم ہوا کہ خدا خیاط ہے، لیکن کتاب یرمیاہ باب ۳۰ آیت ۱۷ میں یوں ہے کہ:

"تیرے زخموں سے شفا بخشوں گا"۔ اس سے معلوم ہوا کہ خدا جراح ہے،

مگر کتاب اشعیاء باب ۷ آیت ۲۰ میں اس طرح ہے کہ:

"اسی روز خداوند اس استرے سے جو دریائے فرات کے پار سے کرایہ پر لیا، یعنی اسور کے بادشاہ سے سر اور پاؤں کے بال مونڈے گا، اور اس سے ڈاڑھی بھی کھرچی جائے گی"

اس سے معلوم ہوا کہ خدا (نعوذ باللہ) حجام ہے، لیکن کتاب پیدائش باب ۲۹ آیت ۳۱ سے اور باب ۳۰ آیت ۲۲ میں لکھا ہے کہ "خدا نرس اور دائی ہے"۔ یہ دونوں چیزیں ابھی ابھی اختلاف نمبر ۲۸ میں گذر چکی ہیں[1]،

لیکن کتاب یسعیاہ باب ۳۴ آیت ۶ میں ہے کہ:

"خداوند کی تلوار خون آلودہ ہے، وہ چربی اور برّوں اور بکروں کے لہو سے اور مینڈھوں کے گردوں کی چربی سے چکنا گئی ہے"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ (معاذ اللہ) خدا قصّاب ہے، لیکن کتاب یسعیاہ باب ۴۱ آیت ۱۵ میں ہے:

"دیکھ میں تجھے گھاٹی کا نیا اور تیز دندانے دار آلہ بناؤں گا، تو پہاڑوں کو کوٹے گا، اور ان کو ریزہ ریزہ کرے گا، اور ٹیلوں کو بھوسے کی مانند بنائے گا"

اس سے معلوم ہوا کہ خدا کاشتکار ہے، مگر کتاب یوایل باب ۳ آیت ۸ میں ہے کہ:

"تمہارے بیٹے بیٹیوں کو بنی یہوداہ کے ہاتھ بیچوں گا"

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خدا دکاندار ہے، لیکن کتاب یسعیاہ باب ۴۵ آیت ۱۳ میں ہے:

[1] دیکھئے ص ۱۲۲۴ جلد ہذا،

"اور تیرے سب فرزند خداوند سے تعلیم پائیں گے"،

اس سے پتہ چلتا ہے کہ خدا معلّم ہے، لیکن کتاب پیدائش باب ۳۲[1] سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا پہلوان ہے،

اختلاف نمبر ۴۶ :-

سفر سموئیل ثانی باب ۲۲ آیت ۹ میں یوں ہے کہ :

"اس کے نتھنوں سے دُھواں اٹھا، اور اس کے مُنہ سے آگ نکل کر بھسم کرنے لگی، کوئلے اس سے دہک اُٹھے"

اور کتاب ایوب باب ۳۷ آیت ۱۰ میں یوں ہے کہ :

"خدا کے دم سے برف جم جاتی ہے، اور پانی کا پھیلاؤ تنگ ہو جاتا ہے"

اختلاف نمبر ۴۷ :-

کتاب ہوسیع باب ۵ آیت ۱۲ میں یوں ہے کہ :

"میں افرائیم کے لئے کیڑا ہوں گا، اور یہوداہ کے گھرانے کے لئے گُھن"

اور اسی کتاب کے باب ۱۳ آیت ۷ میں یوں ہے کہ :

"میں اُن کے لئے شیر ببر کی مانند ہوا، چیتے کی مانند راہ میں اُن کی گھات میں بیٹھوں گا"

سبحان اللہ! کبھی تو خدا اتنا کمزور اور ضعیف الخلقت اور نحیف الجسم کہ کیڑے اور گُھن کی طرح، یا پھر دوسرے وقت شیر اور چیتے جیسا طاقتور شہنشاہِ حیوانات،

اختلاف نمبر ۴۸ :-

مراثی ارمیاہ باب ۳ آیت ۱۰ میں یوں ہے کہ :-

---

[1] اس باب میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا خدا کے ساتھ کُشتی لڑنے کا قصہ مذکور ہے جو ص۹۶۶ ج ۲ میں گزر چکا ہے

"وہ میرے لئے گھات میں بیٹھا ہوا ریچھ اور کمینگاہ کا شیر ببر ہے"

اور کتاب اشعیاہ باب ۴۰ آیت ۱۱ میں یوں ہے کہ:-

"وہ چوپان کی مانند اپنا گلہ چرائے گا"

خدا بھی عجیب ہے کبھی شیر اور درندہ ہوتا ہے اور کبھی محافظ چرواہا،

اختلاف نمبر ۴۹:-

سفر خروج باب ۱۵ آیت ۳ میں یوں ہے کہ: "خداوند صاحبِ جنگ ہے"

اور عبرانیوں کے نام باب ۱۳ آیت ۲۰ میں یوں ہے کہ: "خدا اطمینان کا چشمہ ہے"

اختلاف نمبر ۵۰:-

یوحنا[1] کے باب ۴ آیت ۸ میں یوں ہے کہ: "خدا محبت ہے"

اور کتاب یرمیاہ باب ۲۱ آیت ۵ میں ہے کہ:

"میں آپ اپنے بڑھائے ہوئے ہاتھ سے اور قوتِ بازو سے تمہارے خلاف لڑوں گا"

چونکہ پچاس اختلافات[2] نقل کئے جا چکے ہیں، اس لئے ہم تطویل کے اندیشے سے اتنی

---

[1] اظہار الحق میں ایسا ہی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ انجیل یوحنا کی عبارت ہے، لیکن یہ درست نہیں، یہ عبارت یوحنا کے پہلے خط کی ہے، غالباً یہاں کاتب سے سہو ہوا ہے۔

[2] یہاں ایک بار پھر یہ تنبیہ کر دینا ضروری ہے کہ ان پچاس اعتراضات میں سے بعض ہمارے نزدیک غلط بلکہ لغو بیہودہ اور مہمل ہیں، اور بہت سے درست بھی ہیں لیکن ان کو نقل کرنے کا منشا صرف یہ ہے کہ جس قسم کے اعتراضات نصاریٰ احادیث پر کرتے ہیں اسی قسم کے اعتراضات انہی کے ملحدین اور آزاد خیال ( ) لوگوں نے بائبل پر کئے ہیں، پادری حضرات ان اعتراضات کو غلط قرار دیتے ہیں، مگر پھر اسی قسم کے اعتراض احادیث پر کرتے ہیں، تقی،

مقدار پر اکتفار کرتے ہیں، اگر کسی صاحب کو مزید شوق ہو تو معترضین عیسائیوں کی کتابوں کی چھان بین سے اس قسم کے بے شمار اختلافات اس کو مل جائیں گے۔

تعدّدِ ازواج، غلامی اور اختصار بائبل کی نظر میں؛

کتاب استثناء باب ۲۱ آیت ۱۵ میں ہے:

"اگر کسی مرد کی دو بیویاں ہوں، اور ایک محبوبہ اور دوسری غیر محبوبہ الخ"

اور کتاب یشوع باب ۹ آیت ۲۷ میں ہے:

"اور یشوع نے اسی دن اُن کو جماعت کے لئے اور اس مقام پر جسے خداوند خود چُنے اس کے مذبح کے لئے لکڑہارے اور پانی بھرنے والے مقرر کیا"

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حضرت یوشعؑ نے اہلِ جبعون کو غلام بنالیا تھا[1]، اور کتاب یسعیاہ باب ۵۶ میں ہے:

"خداوند یوں فرماتا ہے کہ وہ خوجے[2] جو میرے سبتوں کو مانتے ہیں اور ان کاموں کو جو مجھے پسند ہیں اختیار کرتے ہیں، اور میرے عہد پر قائم رہتے ہیں میں ان کو اپنے گھر میں اپنی چار دیواری کے اندر ایسا نام و نشان بخشوں گا جو بیٹوں اور بیٹیوں سے بھی بڑھکر ہوگا، میں ہر ایک کو ایک ابدی نام دوں گا جو مٹایا نہ جائے گا"

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ اللہ نے تعدّدِ ازدواج کو جائز فرمایا ہے، اور غلامی کو بھی جائز قرار دیا ہے، اور وہ خصّی لوگوں سے بھی راضی ہے، حالانکہ یہ سب چیزیں انگریزوں کے نزدیک

---

[1] اس لئے کہ اس سے پہلی آیات میں تصریح ہے کہ اہلِ جبعون حضرت یوشعؑ کے ہاتھ میں جنگی قیدی تھے، جنھیں انھوں نے قتل کرنے کی بجائے غلام بنالیا۔

[2] خوجے یعنی خصّی لوگ۔

مذموم اور معیوب ہیں، یا شرعی نقطہ نگاہ سے یا عقلی فیصلہ کی بنا پر،

کرنتھیوں کے نام پہلے خط کے باب اوّل آیت ۲۵ میں ہے :

"کیونکہ خدا کی بیوقوفی آدمیوں کی حکمت سے زیادہ حکمت والی ہے"

اور کتاب حزقی ایل باب ۱۴ آیت ۹ میں ہے :

"اور اگر نبی فریب کھا کر کچھ کہے تو میں خداوند نے اس نبی کو فریب دیا"

ان دونوں آیتوں سے اللہ کی بیوقوفی اور انبیاء کو گمراہ کرنے کا اندازہ کیا جا سکتا ہے (نعوذ باللہ منہ)

جان کلارک ملحد ان بعض اقوال مذکورہ کو نقل کرنے کے بعد کہتا ہے کہ :-

"بنی اسرائیل کا یہ خدا نہ صرف قاتل، ظالم، جھوٹا اور احمق ہی ہے، بلکہ وہ جلانے والی آگ بھی ہے، جیسا کہ پولس نے رسالہ عبرانیہ کے باب ۱۲، آیت ۲۹ میں کہا کہ "ہمارا خدا بھسم کرنے والی آگ ہے" اور اس معبود کے ہاتھوں پڑ جانا خوفناک ہے، جیسا کہ پولس رسالہ عبرانیہ کے باب ۱۰ آیت ۳۱ میں کہتا ہے کہ: "زندہ خدا کے ہاتھوں میں پڑنا ہولناک بات ہے" لہٰذا اس قسم کے خدا کی غلامی سے جس قدر ممکن ہو عجلت کے ساتھ آزادی میسر ہو جائے تو بہتر ہے، کیونکہ جب اس سے اس کا اکلوتا اور چہیتا بیٹا بھی نہ بچ سکا تو اور کون ہے، جس کو اس کی رحمت کی توقع ہو سکے؟ اور یہ خدا جس کی نسبت یہ کتابیں اس کے خدا ہونے کا فیصلہ کرتی ہیں، قابلِ اعتماد خدا نہیں ہو سکتا، بلکہ وہ ایک ایسی ہستی ہے جس کی کوئی حقیقت ثابت نہیں، اور اضغاث و اوہام کا مجموعہ یا پیغمبروں کو گمراہ کرنے والا ہے"

دیکھ لیا آپ نے ان پادری صاحبان کے ہم قوم لوگوں کے خیالات کو کہ انکی نوبت کہاں تک جا پہونچی،

یہ بات واضح رہے کہ عیسائی حضرات کے اعتراضات انگریزی وغیرہ ترجموں کے مطابق ہیں، اس لئے اگر ناظرین کسی آیت کے عدد میں، یا بعض مضامین عربی ترجمے کے خلاف پائیں تو اس کا سبب ترجموں کا اختلاف ہوگا ؞

باب ششم

محمد رسول اللہؐ

باب ششم

محمد رسول اللہ

پہلی فصل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اثبات

اس فصل میں چھ مسلک[1] ہیں

پہلا مسلک، معجزات!

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں بے شمار معجزات صادر ہوئے۔ ہم اس مسلک میں قرآن اور صحیح حدیثوں سے حذف اسناد کے بعد نمونے کے طور پر تھوڑے سے ذکر کرتے ہیں، جن کو ہم دو قسموں میں بیان کریں گے،

باب پنجم کی فصل نمبر ۳ میں ہم پوری تفصیل کے ساتھ یہ چیز ثابت کرچکے ہیں[2] کہ زبانی

---

[1] یعنی چھ مختلف طریقوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو ثابت کیا گیا ہے۔

[2] دیکھئے ص ۱۱۱۵ ج ۲،

روایتوں کا اعتبار کرنا عقلی اور نقلی دونوں لحاظ سے کوئی قباحت نہیں رکھتا، بشرطیکہ اُن شرائط کے مطابق ہوں جو ہمارے علماء نے روایت کے اعتبار کے لئے مقرر کی ہیں،

پہلی قسم

ماضی یا مستقبل کی صحیح خبریں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی خبریں زمانہ ماضی یا آئندہ سے متعلق ہیں، مثلاً انبیاء علیہم السلام کے واقعات، گزشتہ امتوں کے قصے، جن کو نہ آپ نے کسی سے سُنا اور نہ کسی کتاب کے ذریعہ وہ آپ کو حاصل ہوئے، چنانچہ باب پنجم کی فصل ۱ کے امر رابع سے آپ کو معلوم ہو چکا ہے۔ انہی واقعات کی طرف اللہ نے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا ہے:

تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هَٰذَا ،	"یہ منجملہ اُن غیبی خبروں کے ہے جنھیں ہم بذریعے وحی آپ پر اُتارتے ہیں، اس سے پہلے نہ آپ اُن خبروں سے واقف تھے اور نہ آپ کی قوم"۔

رہا وہ اختلاف جو بعض واقعات کی نسبت قرآن کریم اور اہلِ کتاب کی کتابوں میں پایا جاتا ہے، اس کا جواب دوسرے اعتراض کے جواب کے سلسلے میں باب نمبر ۵ فصل نمبر ۲ میں دیا جا چکا ہے[۲]،

آنحضرتؐ کی پیشین گوئیاں

آئندہ پیش آنے والے واقعات کے سلسلے میں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خبریں دی ہیں، وہ بھی بیشمار ہیں، مثلاً:

---

[۱] دیکھئے صفحہ ۱۰۱۸ جلد ۲ [۲] دیکھئے ص ۱۰۶۶ ج ۲،

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے بیان کیا:

قَامَ فِینَا مَقَامًا فَمَا تَرَكَ شَیْئًا یَكُونُ فِی مَقَامِهٖ ذٰلِكَ اِلٰی قِیَامِ السَّاعَةِ اِلَّا حَدَّثَهٗ حَفِظَهٗ مَنْ حفظه وَنَسِیَهٗ مَنْ نسیه، قَدْ عَلِمَهٗ اَصْحَابِیْ هٰؤُلَاءِ وَاِنَّهٗ لَیَكُونُ مِنْهُ الشَّیْءُ فَاَعْرِفُهٗ وَاَذْكُرُهٗ كَمَا یَذْكُرُ الرَّجُلُ وَجْهَ الرَّجُلِ اِذَا غَابَ عنه ثُمَّ اِذَا رَاٰه عرفه،

(رواه البخاریؒ ومسلمؒ)[1]

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مدت تک ہمارے پاس تشریف فرما رہے، آپؐ نے اپنے زمانے سے لے کر قیامت تک پیش آنے والا کوئی واقعہ ایسا نہیں چھوڑا جسے بیان نہ فرمایا ہو جس کو یاد رکھنا تھا اس نے اسکو یاد رکھا، اور جس نے بھلانا تھا اس نے بھلا دیا، میرے یہ ساتھی سب اس چیز کو جانتے ہیں، جب اُن واقعات میں سے کوئی واقعہ پیش آتا ہے، تو میں فوراً اس کو پہچان لیتا ہوں، اور وہ مجھے اس طرح یاد آجاتا ہے جس طرح ایک بار دیکھے ہوئے انسان کی صورت ایک عرصہ غائب رہنے کے بعد دوبارہ سامنے آنے پر پہچانی جاتی ہے" (بخاری و مسلم)

باب پنجم فصل ۱ امر ۳ کے ذیل میں آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ قرآن کریم میں اس نوع کی دی ہوئی خبریں ۲۲ ہیں، اور حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

---

[1] للشیخینؒ وابی داؤدؒ، کذا فی جمع الفوائد رص ۱۹۰ ج ۲، کتاب المناقب' باب من اخباره صلی اللہ علیہ وسلم بالمغیبات،

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاۗءُ وَالضَّرَّاۗءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ، اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ،	"کیا تم کو یہ خیال ہے کہ جنت میں چلے جاؤگے حالانکہ تم پر نہیں گذرے حالات ان لوگوں جیسے جو ہو چکے تم سے پہلے کہ پہنچی ان کو سختی اور تکلیف اور جھڑ جھڑائے گئے یہاں تک کہ کہنے لگا رسول اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے، کب آوے گی اللہ کی مدد، سُن رکھو! اللہ کی مدد قریب ہے"

اللہ نے اس آیت میں مسلمانوں سے وعدہ کیا ہے کہ تم کو خوب جھنجوڑا جائے گا، اس حد تک کہ خدا سے مدد اور نصرت کے طالب ہو گے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ:

"قبائلِ عرب کے تم پر ہجوم کرنے اور حملہ آور ہونے کی وجہ سے تم سخت مشقت میں ڈالے جاؤ گے، مگر انجام کار فتح تم کو ہی ہوگی"

نیز فرمایا:

"متعدد گروہ حملہ آوروں کے تمھاری سمت آنے والے ہیں"

اللہ اور اس کے رسولؐ کے وعدے کے موافق وہ گروہ حملہ آور ہوئے جو دس ہزار کی تعداد میں[1] تھے، جنھوں نے مسلمانوں کا محاصرہ کرلیا، ایک ماہ تک شدید لڑائی جاری رہی، مسلمان بیچارے سخت تنگی اور پریشانی نیز مرعوبیت کا شکار تھے، مگر کہا تو

---

[1] یعنی غزوۂ احزاب کے موقع پر،

یہی کہا کہ " یہ وہی چیز ہے جس کا ہم سے خدا اور اس کے رسول نے وعدہ کیا تھا، اور خدا اور اس کا رسول سچے ہیں، اس چیز نے اُن کے یقین و ایمان، اطاعت و انقیاد میں اور ترقی کردی "[1]

ائمہ حدیث نے روایاتِ ذیل نقل کی ہیں[2]:

۱۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو مکہ[3]، بیت المقدس[4]، یمن، شام و عراق کی فتوحات کی خبر دی[5]،

۲۔ امن و امان کی پیشنگوئی کی کہ اس حد تک ہو جائے گا کہ تن تنہا ایک عورت حیرہ سے مکہ تک اس طور پر سفر کرے گی کہ خدا کے سوا اس کو اور کسی کا

---

[1] صحابہؓ کا یہ قول خود قرآن کریم نے سورۂ احزاب میں نقل فرمایا ہے،

[2] مصنفؒ نے ان احادیث کے ماخذ بیان نہیں فرمائے۔ ہم حاشیے پر روایات کے الفاظ اور ان کے مآخذ دے رہے ہیں، اس میں اس بات کی کوشش کریں گے کہ جن الفاظ کے ساتھ مصنف نے روایت نقل کی ہو اسی کی تخریج کی جائے، تاہم بعض جگہوں پر مجبوراً معنی کی رعایت کی گئی ہے ۱۲ تقی

[3] فتح مکہ کی پیشنگوئی کئی روایات میں ہے، غالباً سب سے پہلے پیشنگوئی آپ نے کعبے کے کلید بردار عثمان بن طلحہؓ کے سامنے ہجرت سے بھی پہلے فرمادی تھی، اخرجہ ابن سعدؒ عن الواقدیؒ (الخصائص الکبریٰ ص ۲۶۷ ج اول)

[4] اخرج البخاریؒ والحاکمؒ وصححہ عن عوف بن مالک الاشجعیؓ قال قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعدد ستاً بین یدی الساعۃ موتی ثم فتح بیت المقدس الحدیث (الخصائص الکبریٰ للسیوطیؒ ص ۱۱۰ ج ۲)

[5] اخرج الشیخانؒ عن سفیان بن ابی ہبیرۃؓ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول تفتح الیمن فیأتی قوم یبسون ...... ثم تفتح الشام فیأتی قوم یبسون ...... ثم تفتح العراق الحدیث (ایضاً ص ۱۱۰ ج ۲)

ڈر نہ ہوگا،[1]

۳۔ خیبر کی نسبت اطلاع دی کہ کل آئندہ حضرت علیؓ کے ہاتھ پر فتح ہوجائے گا۔[2]

۴۔ روم اور فارس کی نسبت پیشینگوئی فرمائی کہ دونوں سلطنتوں کے خزانے مسلمان تقسیم کریں گے،[3]

۵۔ فارس کی لڑکیاں مسلمانوں کی خادمہ بنیں گی،[4] یہ تمام خبریں آپ کی بتائی ہوئی تفصیل کے مطابق صحابہ ہی کے زمانے میں بعینہٖ واقع ہوئیں،

۶۔ میری امت تہتر فرقوں پر بٹ جائے گی،[5]

۷۔ اہلِ فارس سے ایک یا دو لڑائیاں ہوں گی، پھر کبھی قیامت تک اُن کو سلطنت نصیب نہ ہوگی، اور رومیوں کی سلطنت چند صدیوں تک جاری رہے گی،

لہ اخرجہ الطبرانی وعبدالرزاق عن جابر بن سمرۃ یوشک ان تخرج الظعینۃ من المدینۃ الی الحیرۃ لاتخاف احداً الا اللہ (کنز العمال ص ۹۴، ج ۶) والحدیث لہ طرق اخریٰ ورویٰ عدی بن حاتم ترحل من الحیرۃ حتی تطوف بالبیت (کنز العمال)

ٹہ اخرج الشیخانؒ عن سلمۃ بن الاکوع فی حدیث طویل قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاعطین الرایۃ غداً رجلاً یحبہ اللہ ورسولہ یفتح اللہ علیہ فاذا نحن بعلیؓ وما نرجوہ فقالوا ہذا علیؓ فاعطاہ الرایۃ ففتح اللہ علیہ (الخصائص الکبریٰ ص ۲۵۲ ج اول)

ٹہ اخرج الطبرانی والحاکم وغیر واحد عن عبداللہ بن حوالۃ فی حدیث مرفوع "لتفتحن لکم الشام والروم وفارس" حتی یکون لاحدکم من الابل کذا وکذا الحدیث (کنز العمال کتاب الفضائل ص ۹۳ ج ۶ برمز حم طب ک ق عن)

ٹہ ان اللہ تعالیٰ وعدنی فارس ثم الروم نساؤہم وابناؤہم الحدیث اخرجہ نعیم بن حماد فی الفتن عن صفوان بن عمیر مرسلاً (کنز العمال ص ۹۳ ج ۶)

ٹہ تفترق امتی علی ثلث وسبعین فرقۃ اخرجہ الحاکم والبیہقی عن ابی ہریرۃؓ ومعاویۃؓ (الخصائص ص ۱۳۶، ج ۲)

ہر قرن کے خاتمے پر دوسرا اس کی جگہ لے لے گا۔[۱]

رومیوں سے مراد اہل یورپ اور عیسائی ہیں، حضورؐ کی دی ہوئی خبر کے مطابق فارس کی سلطنت کا نام ونشان مٹ گیا، اس کے برعکس رومیوں کی سلطنت اگرچہ دورِ فاروقی میں ملکِ شام سے مٹ گئی، اور ہرقل شکست کھا کر شام سے فرار ہوگیا، اور اپنی سلطنت کے آخری حصّے میں پناہ گزین ہوا، مگر ان کی سلطنت پورے طور پر نہیں مٹی۔ بلکہ ایک قرن کے خاتمے پر دوسرا قرن اس کی جگہ لیتا چلا گیا۔

۸۔ خدا نے میرے لئے زمین کی طنابیں کھینچ دی ہیں، اور سمیٹ دیا ہے، جس سے میں نے اس کے مشرق اور مغرب کو دیکھ لیا، میری امت کی بادشاہت اُن تمام علاقوں تک پہنچے گی جو میرے لئے سمیٹ دیئے گئے ہیں۔[۲]

مطلب یہ ہے کہ خدا نے میرے لئے تمام زمین کو سمیٹ دیا ہے، اور اس کے دور دراز علاقوں کو قریب کر دیا ہے، یہاں تک کہ میں انکے تمام حالات پر مطلع ہو گیا ہوں، اور میری امت اس تمام علاقے کو رفتہ رفتہ تدریجاً فتح کرتی جائے گی، یہاں تک کہ اس تمام زمین کی مالک بن جائے گی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرق ومغرب کے دونوں حصوں کے ساتھ فتوحات کو مقید کر دیا، اس وجہ سے آپؐ کی امت مشرق ومغرب میں پھیل گئی، یعنی سرزمینِ ہند

---

[۱] الفارس نطحہ او نطحتان ثم لا فارس بعد ہذا ابداً والروم ذوات القرون کلما ہلک قرن خلفہ قرنٌ اخرجہ الحارث ابن ابی اسامۃ عن ابن محیریز (الخصائص ص ۱۱۳ ج ۲)

[۲] ان اللہ تعالیٰ زوی لی الارض فرأیتُ مشارقہا ومغاربہا وان ملک امتی سیبلغ ما زوی لی منہا۔ فی حدیث طویل اخرجہ کثیر من المحدثین منہم الامام مسلم وابوداؤد والترمذی عن ثوبان (کنز العمال ص ۹۲ ج ۶ کتاب الفضائل)

سے لے کر جو مشرق کا آخری سرا ہے، بحر ظلمات تک جو مغرب کا آخری حصہ ہے، مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا، جنوب و شمال میں مسلمانوں کا عمل دخل اس شان و کیفیت سے نہیں ہوا جیسا کہ مغرب و مشرق میں ہوا، شاید "مشارق" صیغۂ جمع لانے میں اور اس کو ذکراً مقدم رکھنے میں اشارہ ان واقعات کی جانب ہے جو وہاں پیش آنے والے ہیں، نیز اس طرف بھی کہ وہاں دوسرے ملکوں کی نسبت علماء زیادہ ہوں گے، چنانچہ مشرق کے علماء مغرب کے علماء سے کماً و کیفاً زیادہ ہوئے ہیں،

۹۔ "مغرب کے باشندے حق پر غالب رہیں گے، قیامت تک"[1] ایک دوسری روایت میں جو ابو امامہؓ سے منقول ہے یوں ہے کہ: "میری اُمت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم اور غالب رہے گا، یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے (یعنی قیامت تک) وہ اسی حالت پر رہیں گے، پوچھا گیا کہ یا رسول اللہؐ وہ لوگ کہاں کے ہوں گے؟ فرمایا کہ بیت المقدس کے"[2]

جمہور علماء کے نزدیک اہلِ مغرب سے مراد شام کے لوگ ہیں، اس لئے کہ وہ ملک حجاز سے مغرب کی سمت ہے، کیونکہ بعض روایتوں میں یہ ہے کہ وہ شام کے باشندے ہوں گے،

۱۰۔ "یہ کہ جب تک عمر رضی اللہ عنہ زندہ ہیں، فتنے اپنا سر نہیں اٹھائیں گے"[3]

اور ایسا ہی ہوا بھی، کہ عمر فاروقؓ کی ذات گرامی فتنوں کے باب کے لئے دیوار بنی رہی،

---

[1] اخرجہ مسلم عن سعد مرفوعاً "لایزال اہل الغرب ظاہرین علی الحق حتی تقوم الساعۃ" (جمع الفوائد ص ۲۳۹ ج ۲ فضائل ہذہ الامۃ)

[2] اما الروایۃ فمعروفۃ عند البخاریؒ وغیرہ عن المغیرۃ بن شعبہؓ "ولیس فیہا زیادۃ اہل بیت المقدس ولم اجد ہذہ الزیادۃ فیما بحثت،

[3] عن ابی ذرؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تصیبنکم فتنۃ ما دام ہذا فیکم یعنی عمرؓ. اخرجہ الطبرانی فی الاوسط و ر فی الباب عن حذیفہؓ وعثمان بن مظعون (الخصائص الکبریٰ ص ۱۳۵ ج ۲)

۱۱۔ امام مہدی ظاہر ہوں گے[1]،

۱۲۔ عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے،

۱۳۔ دجّال نکلے گا، یہ تینوں چیزیں انشاء اللہ اپنے وقت پر ظاہر ہوں گی.

۱۴۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تلاوتِ قرآن کرتے ہوئے شہید کئے جائیں گے[2]؛

۱۵۔ بدترین انسان وہ ہوگا جو اُس کو اس سے رنگ دے گا، یعنی حضرت علیؓ کی ریش مبارک کو ان کے سر کے خون میں لتھیڑے گا، یعنی شہید کرے گا[3].

یہ دونوں بزرگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشینگوئی کے مطابق شہید کئے گئے،

۱۶۔ اور یہ کہ حضرت عمارؓ کو باغی گروہ شہید کرے گا[4]، چنانچہ اُن کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت نے شہید کیا،

۱۷۔ "میرے بعد میری امت میں خلافت تیس سال تک رہے گی، اس کے بعد دنیوی[5]

---

[1] اس بارے میں احادیث معنیً متواتر ہیں، واوضح شیٔ فی ہذا الباب حدیث النواس بن سمعان الطویل وفیہ ذکر المہدی وعیسیٰ والدجال، اخرجہ الشیخان (جمع الفوائد ص ۲۹۴ ج ۲)

[2] شہادت کی خبر تو حضرت انسؓ وغیرہ سے کئی روایتوں میں مروی ہے (کنز، ص ۳۸۱ ج ۶ برمز ابن عساکرؒ) لیکن اس میں تلاوتِ قرآن کا ذکر نہیں ہے، کنز اور جمع الفوائد میں بلیغ جستجو کے باوجود ہم اسے نہیں پا سکے واللہ اعلم ۱۲ تقی

[3] "الا احدثکم باشقی الرجلین احیمر ثمود الذی عقر الناقۃ والذی یضربک یا علیّ علیٰ ہذہ حتی یبل ھذہ" اخرجہ الطبرانی فی الکبیر عن عمار بن یاسرؓ وعن صہیبؓ بلفظ آخر (کنز العمال ص ۳۰۵ ج ۶ وجمع الفوائد، ص ۲۱۲ ج ۲)

[4] "ویح عمار تقتلہ الفئۃ الباغیۃ" اخرجہ احمدؒ عن ابی سعیدؓ (کنز، ص ۱۴۷ ، ج ۶)

[5] "الخلافۃ فی امتی ثلثون عاماً ثم یکون ملکاً" اخرجہ ابو داؤد والترمذی وحسنہ والنسائی والحاکم والبیہقی وابو نعیم عن سفینۃؓ (الخصائص الکبریٰ، ص ۱۱۶ ج ۲)

سلطنت میں تبدیل ہو جائے گی"

چنانچہ اسی طرح پر ہوا، کیونکہ خلافتِ حقہ کا خاتمہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت پر ختم ہو جاتا ہے، یعنی ابو بکر صدیقؓ کے عہدِ خلافت کی مدت دو سال تین ماہ بیس روز ہے اور عمر فاروقؓ کی خلافت کا زمانہ دس سال چھ ماہ چار دن ہے، پھر خلافتِ عثمانؓ کی مدت گیارہ سال گیارہ ماہ اٹھارہ یوم ہے، پھر حضرت علیؓ کا زمانۂ خلافت چار سال دس ماہ یا نو ماہ ہے، اور اس کے خاتمے پر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت ہے جس کو شامل کرنے کے بعد تیس سال کی مدت پوری ہو جاتی ہے۔

۱۸۔ "میری امت کی ہلاکت، قریش کے چند لڑکوں کے ذریعے ہوگی"[۱] جس کا مصداق یزید اور بنی مروان ہیں۔

۱۹۔ "انصار کی تعداد گھٹتی چلی جائے گی، یہاں تک کہ جو تناسب کھانے میں نمک کا ہوتا ہو اسی نسبت سے مسلمانوں میں ان کی تعداد رہ جائے گی، اور ان کی پراگندگی اسی طرح رہے گی کہ اُن کی کوئی قابلِ ذکر جماعت باقی نہ رہے گی"[۲] چنانچہ اسی طرح واقع ہوا۔

۲۰۔ "قبیلۂ ثقیف میں ایک کذاب اور دوسرا ہلاکت برسانے والا پیدا ہوگا"[۳] جس کا

---

[۱] "ہلاک امتی علی یدی اُغیلمۃ من قریش" اخرجہ الشیخان عن ابی ہریرۃؓ (الخصائص، ص ۱۳۸ ج ۲)

[۲] "یقل الانصار حتی یکونوا فی الناس بمنزلۃ الملح فی الطعام" الحدیث اخرجہ البخاری والطبرانی واحمد وابن سعد عن ابن عباسؓ (کنز العمال ص ۱۹۳ و ۱۹۴ و ۱۹۵ ج ۶ و جمع الفوائد، ص ۲۳۷ ج ۲)

[۳] "اِنّ فی ثقیف کذاباً و مبیراً" اخرجہ مسلم عن اسماءؓ، اسی حدیث میں ہے کہ حضرت اسماءؓ نے یہ حدیث حجاج بن یوسف کو سنائی اور کہا کہ کذاب کو تو ہم نے دیکھ لیا (غالباً مسیلمۃ الکذاب مراد ہے) رہا ہلاک کرنے والا سو میرے خیال میں وہ تیرے سوا کوئی اور نہیں، واخرج البیہقی عن ابن عمر مرفوعاً مثلہ۔ الخصائص الکبریٰ، ص ۱۳۲ ج ۲)

مصداق اُن کے نزدیک حجاج اور مختار ہیں،

۲۱۔ "دو موتیں یعنی وبا۔ اور طاعون بیت المقدس کی فتح کے بعد واقع ہوں گی" چنانچہ یہ وبا۔ دورِ فاروقی میں بیت المقدس کی بستی عمواس میں پھیلی جہاں پر حضرت عمرؓ کا لشکر مقیم تھا، یہ سب سے پہلا طاعون ہے جو اسلام میں واقع ہوا، جس میں مرنے والوں کی تعداد تین دن میں ستر ہزار بیان کی جاتی ہے،

۲۲۔ "مسلمان سمندروں میں جہاد کریں گے اس طرح جس طرح دنیا کے سلاطین تختوں پر" صحیحین کی روایت میں آتا ہے کہ:-

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک تھا کہ آپ گاہے گاہے اپنی رضاعی خالہ حضرت ام حرامؓ بنت ملحان کے یہاں تشریف لیجایا کرتے تھے، جو بعد میں حضرت عبادہ بن صامتؓ کی اہلیہ بنیں، حسب معمول حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے یہاں تشریف لے گئے، انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانا کھلایا، پھر آپ کے سرِ مبارک میں جوئیں دیکھنے لگیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی حالت میں سو گئے، پھر ہنستے ہوئے بیدار ہوئے، اُم حرامؓ نے پوچھا کہ آپ کس بنا پر ہنسنے لگے؟ فرمایا کہ کچھ لوگ میری امّت کے جو خدا کی راہ میں جہاد کے لئے نکلیں گے میرے سامنے پیش کئے گئے جو اس سمندر کے بڑے بڑے حصّوں میں تخت نشین بادشاہوں کی طرح سفر کریں گے، اُم حرامؓ نے عرض کیا اللہ سے دعاء کر دیجئے کہ مجھے بھی اُن میں شامل فرمادے، فرمایا تم اُن میں سے پہلی جماعت میں ہوگی، چنانچہ حضرت معاویہؓ

لے "فناء امتی بالطعن والطاعون" اخرجہ احمد والطبرانی والبزار ابو یعلی والحاکم وابن خزیمۃ والبیہقی عن ابی موسیٰؓ (الخصائص، ص ۱۳۴ ج ۲)

کے عہدِ خلافت میں جو مجاہدین کا لشکر بحری سفر کو روانہ ہوا اس میں حضرت اُم حرامؓ بھی تھیں، سمندری سفر کے اختتام کے بعد خشکی میں اپنی سواری پر بیٹھتے ہوئے گر پڑیں، اور وفات پاگئیں۔[1]"

۲۳۔ "اگر ایمان ستارۂ ثریا میں لٹکا ہوا ہو تب بھی اہلِ فارس کی اولاد وہاں سے اس کو حاصل کرے گی۔[2]" اس میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی جانب بھی اشارہ پایا جاتا ہے،

۲۴۔ "اہلِ بیت میں سے سب سے پہلے آپ کی وفات کے بعد آپ سے ملنے والی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہوں گی۔[3]" اس پیشینگوئی کے مطابق حضرت فاطمہؓ کی وفات رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے چھ ماہ بعد واقع ہوئی،

۲۵۔ "اور بیشک یہ میرا بیٹا (یعنی حضرت حسنؓ) سردار ہے، عنقریب اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کروا دے گا۔[4]" آپ کی دی ہوئی خبر کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اُن کے ذریعے ان کے ماننے والوں اور اہل شام کے درمیان صلح کرادی،

۲۶۔ "ابوذر رضی اللہ عنہ تاحیات بے تعلقی کی زندگی گزاریں گے، اور اسی حالت

---

[1] اخرجہ الشیخان عن انس والبخاری عن عمیر بن الاسود عن ام حرامؓ بتغیر یسیر (الخصائص، ص ۱۱۱ ج ۲)

[2] "لو کان الایمان عند الثریا لذهب به رجل من ابناء فارس حتی یتناوله" اخرجہ مسلم عن ابی ھریرۃؓ (کنز العمال ص ۲۶۴ ج ۶)

[3] "اول من یلحقنی من اهلی انت یا فاطمۃ" الحدیث اخرجہ ابن عساکر عن واثلۃؓ (کنز، ص ۲۱۹ ج ۶)

[4] "ان ابنی هذا سید ولعل اللہ ان یصلح به بین فئتین عظیمتین من المسلمین" اخرجہ البخاری عن ابی بکرۃؓ (الخصائص ص ۱۳۳ ج ۲)،

میں اُن کی وفات ہوگی[1]۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا،

۲۷۔ "وفات کے بعد بیویوں میں سب سے پہلی مجھ سے ملنے والی بیوی وہ ہوگی جس کے ہاتھ سب سے لانبے ہیں[2]"، چنانچہ سب سے پہلے زینب بنت جحشؓ کا انتقال ہوا کیونکہ وہ صدقہ وخیرات کرنے میں طویل الید تھیں،

۲۸۔ "حضرت حسین رضی اللہ عنہ مقام طف میں شہید ہوں گے[3]"، یہ وہی مقام ہے جو کوفہ کے علاقے میں دریائے فرات کے کنارے پر واقع ہے [illegible] کربلا کے نام سے مشہور ہے، اس پیشینگوئی کے موافق حضرت [illegible] ہوئے،

۲۹۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سراقہ بن جعشمؓ سے فرمایا کہ: "تمھارا کیا حال ہوگا اس وقت جب تم کو کسریٰ کے کنگن پہنائے جائیں گے"؛ حضرت عمرؓ کے زمانے میں جب وہ کنگن اُن کی خدمت میں لائے گئے تو آپ نے سراقہؓ کو پہناکر فرمایا کہ خدا کا شکر ہے جس نے کسریٰ سے چھینکر یہ کنگن سراقہ کو پہنائے[4]،

---

[1] "لیموتن رجل منکم بفلاۃ من الارض" قال ابوذرؓ "فانا ذلک الرجل" اخرجہ الحاکم وابونعیم عن اُم ذرعن ابی ذر وفی الباب روایات کثیرۃ اخریٰ (راجع الخصائص الکبریٰ ص ۱۳۰ و ۱۳۱ ج ۲)

[2] "اسرعکن لحوقابی اطولکن یداً" "قالت عائشہؓ فکانت زینب اطول یداً لانہا کانت تعمل بیدہا وتتصدق، اخرجہ مسلم عن عائشہؓ والبیہقی عن الشعبیؒ (الخصائص الکبریٰ ص ۱۲۹ ج ۲)

[3] اخرج البیہقی عن ابی سلمۃ بن عبدالرحمٰن ان الحسینؓ دخل علی النبیؐ وعندہ جبریل فی مشربۃ عائشہؓ وقال لہ جبریل ستقتلہ امتک وان شئت اخبرتک بالارض التی یقتل فیہا واشار جبریل بیدہٖ الی الطف (الخصائص ۱۲۵ ج ۲)

[4] اخرج البیہقی عن الحسنؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال السراقۃ بن مالکؓ کیف بک اذا لبست سوارَی کسریٰ؟" قال فلما اتی عمرؓ بسوارَی کسریٰ دعا سراقۃ فالبسہٗ وقال قل الحمد للہ الذی سلبہا کسریٰ بن ہرمز والبسہا سراقۃ الاعرابیؓ" (الخصائص الکبریٰ، ص ۱۱۳ ج ۲)

۳۰۔ جس وقت حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو اکیدر کے پاس روانہ کیا اور فرمایا کہ "تم اس کو گائے کا شکار کرتے ہوئے پاؤ گے"[1] چنانچہ اسی طرح واقع ہوا۔

۳۱۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں جس کو شیخین نے نقل کیا ہے: "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت .... قائم نہ ہوگی جب تک ملکِ حجاز میں ایک ایسی آگ روشن ہوگی جس کی روشنی میں بصریٰ کے اونٹوں [illegible] گردنیں [illegible] نظر آئیں گی"[2]

[illegible] پیشگوئی [illegible] مطابق مدینہ سے ایک منزل کے فاصلے پر بڑی زبردست [illegible] یکشنبہ [illegible] یکم جمادی الاخریٰ ۶۵۴ھ میں ہوئی[3] جو منگل کے دن تک معمولی رہی پھر تو اس قدر نمایاں ہوئی کہ خاص و عام ہر شخص نے اس کا مشاہدہ کر لیا، گو منگل کے دن تک چونکہ وہ خوب نمایاں نہیں ہوئی تھی اس لئے بعض لوگوں کو پتہ نہ چلا، بدھ کے دن اس قدر شدت اختیار کر گئی کہ زمین ہلنے لگی، اور لوگوں کی چیخ پکار سے آسمان گونج اٹھا، زمین کی مسلسل جنبش اور زلزلوں سے اہلِ مدینہ کو ہلاکت کا یقین ہو گیا

---

[1] "کنت فی جیش خالد بن الولیدؓ حین بعثہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی الاکیدر ملک دومۃ الجندل فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انک تجدہ یصید البقر" اخرجہ ابونعیم وابومندۃ وابن عساکر عن بجیر بن بجیرۃؓ (کنز العمال ص ۳۱۵، ج ۵ کتاب الغزوات) واخرج ابن اسحاق مثلہ عن یزید بن رومان وعبد اللہ بن ابی بکر (البدایۃ و النہایۃ، ص ۱۷ ج ۵)

[2] "لاتقوم الساعۃ حتی تخرج نار بارض الحجاز یضئ منہا اعناق الابل ببصریٰ" اخرج الحاکم عن ابی ہریرۃؓ وعن ابی ذرؓ بمثلہ (الخصائص ص ۱۵۰ ج ۲)

[3] علامہ جلال الدین سیوطیؒ تحریر فرماتے ہیں: "قلت قد خرجت ہذہ النار سنۃ اربع وخمسین وستمائۃ" (الخصائص الکبریٰ ص ۱۵۱ ج ۲)

جمعہ کے روز نصف النہار کے وقت فضا میں ایسا دھواں بلند ہوا جو تہہ بہ تہہ اور عظیم الشان تھا، پھر وہ آگ بلند ہوئی اور پھیلتی چلی گئی، یہاں تک کہ آنکھیں خیرہ ہوگئیں، اور تنعیم کے میدان قریظہ کے قریب حرہ کی جانب ٹھہر گئی، اور ایک بڑے شہر کی صورت میں نظر آتی تھی، جس کو ایک شہر پناہ نے گھیر رکھا ہو، اور اس پر ایسے کنگرے تھے جیسے قلعوں کے ہوتے ہیں، اور بہت سے بُرج اور منارے بھی تھے، بہت سے لوگ دکھائی دیتے تھے جو اس آگ کو ہنکار رہے تھے، جس پہاڑ سے اس کا گزر ہوتا اس کو ریزہ ریزہ کر دیتی، اور پگھلا دیتی، اور ان سب چیزوں کے مجموعہ سے ایک سُرخ نہر اور دوسری نیلی نظر آتی تھی، بادل کی کڑک کی طرح اس سے آواز نکلتی تھی، اس قدر قریب ہونے کے باوجود مدینہ طیبہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے ٹھنڈی ہوائیں چلتی رہیں، ۲۷ رجب یعنی شب معراج میں یہ آگ بجھی،

شیخ قطب الدین عسقلانیؒ نے اس آگ کے حالات میں ایک رسالہ تالیف کیا ہے جس کا نام حل الایجاز فی الاعجاز بنار الحجاز رکھا ہے،

غرض یہ پیشگوئی بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم الشان پیشینگوئیوں میں سے ہے، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آگ کے ظہور سے تقریباً چھ سو پچاس سال پہلے اس کے ظہور کی خبر دی تھی، صحیح بخاری میں اس کے ظہور سے چار سو سال قبل یہ روایت لکھی ہوئی موجود تھی، اور صحیح بخاری اپنی تالیف کے زمانے سے لے کر موجودہ زمانے تک مقبول چلی آتی ہے، جس کی سند براہِ راست امام بخاریؒ سے اُن کی حیات میں نوے ہزار افراد نے لی ہے، اس لئے کسی معاند اور ہٹ دھرم کے لئے اس سچی صریح خبر کی تردید و تکذیب یا انکار کی مجال نہیں ہے،

۳۲۔ امام مسلم نے کتاب الفتن میں عبداللہ بن مسعودؓ سے دجال کے احوال میں نقل کیا ہے، اُن کے شاگرد یسیر بن جابرؓ کہتے ہیں:

"ایک سُرخ آندھی کوفے میں چلی، پس ایک شخص جس کے آنے کی عادت نہ تھی، ابن مسعودؓ کی خدمت میں آیا، اور کہنے لگا قیامت آگئی، راوی کہتا ہے کہ یہ سُنکر ابن مسعودؓ جو تکیہ لگائے بیٹھے تھے، سیدھے بیٹھ گئے، اور فرمایا کہ قیامت ہرگز اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ میراث ناقابلِ تقسیم نہ ہو، اور مالِ غنیمت پر خوشی منانے والا کوئی نہ ہو، پھر اپنے ہاتھ سے شام کی جانب اشارہ کیا اور کہا کہ شام والوں کے دشمن اور اہل شام ایک دوسرے کے لئے جمع ہوں گے، میں نے کہا رومی لوگ؟ کہا کہ ہاں، اور اس لڑائی میں سخت قسم کی شکست ہوگی مسلمانوں کی ایک جماعت موت کا عہد کرے گی کہ بغیر غلبہ کے واپس نہیں ہوں گے، پھر فریقین میں بڑے زور کی جنگ ہوگی، یہاں تک کہ دونوں کے درمیان رات حائل ہو جائے گی، اور کسی فریق کو بھی غلبہ حاصل نہ ہوگا، اور اس روز لڑنیوالی پوری جماعت ختم ہو جائے گی، پھر اگلے روز اسی طرح موت کی شرط کرکے ایک جماعت جنگ کرے گی، اور شام تک شدید جنگ جاری رہے گی، اور کوئی فریق دوسرے پر غلبہ حاصل نہ کر سکے گا، اور وہ جماعت ختم ہو جائے گی، پھر چوتھے روز بقایا مسلمان رومیوں کے مقابلے میں آکر لڑیں گے، اور اللہ تعالیٰ رومیوں کو ہلاک کردے گا، اور رومیوں کے مقتولین کی تعداد اس قدر ہوگی جس کی کوئی نظیر کبھی دیکھنے میں آئی ہوگی، یہاں تک کہ ایک پرندہ اگر ان مقتولین کی نعشوں کو پار کرنا چاہے گا تو چلتا چلتا تھک کر گر پڑے گا، اور مر جائے گا، پس ایک باپ کی اولاد جو اگر سو کی تعداد

میں تھے، سوائے ایک کے سب ہلاک ہو گئے ہوں گے، اس حال میں مالِ غنیمت کو لے کر خوش ہونے والا کون ملے گا؟ اور کونسی میراث ہو سکتی ہے، جس کی تقسیم عمل میں آئے؟ ابھی لوگ اسی حالت میں ہوں گے کہ شور برپا ہو گا کہ ان کے پیچھے دجّال اُن کے گھروں میں گھس آیا ہے، یہ سُنکر مجاہدین سب کچھ چھوڑ کر اپنے گھروں کی جانب متوجہ ہوں گے"[1]

ناظرینِ کتاب کی بصیرت کے لئے یہ بات عرض کرنا ضروری ہے کہ علماءِ پروٹسٹنٹ اپنی پُرانی عادت کے مطابق ناسمجھ عوام کے سامنے قرآن و حدیث میں دی جانے والی خبروں اور پیشینگوئیوں پر غلط اعتراض کر کے ان کو دھوکے اور مغالطے میں ڈالتے ہیں، اس لئے ہم نمونے کے طور پر کچھ پیشینگوئیاں جو اسرائیلی پیغمبروں کی طرف منسوب کی جاتی ہیں، اُن کی مقدس کتابوں سے نقل کرتے ہیں، صرف اس غرض سے کہ مخاطبین کو معلوم ہو جائے کہ ان کے اعتراضات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی خبروں کی نسبت قطعی غلط اور بے جا ہیں، ورنہ ہماری نیت خدانخواستہ انبیاء علیہم السلام کے اقوال کے بارے میں ہرگز بُری نہیں ہے، کیونکہ ان روایتوں کی کوئی صحیح سند پیغمبروں تک موجود نہیں ہے، اس لئے کہ ان کا درجہ ان کمزور ضعیف روایتوں کا ہے، جو احاد کے طور پر منقول ہوں، اب جو اُن میں غلط ہوں گی وہ یقیناً ان پیغمبروں کا قول نہیں ہو سکتا، اس لئے اس پر اعتراض درست ہوگا، اب سنئے:

(مقدس کتابوں کی پیشینگوئیاں اگلے صفحہ پر)

---

[1] دیکھئے "صحیح مسلم مطبوعہ "اصح المطابع" کراچی ص ۳۹۲ ج ۲ ،

مقدس کتابوں کی بیان کردہ پیشینگوئیاں جو غلط نکلیں؛

پہلی وہ پیشگوئی جو کتاب پیدائش کے باب ۶ میں منقول ہے، دوسری وہ جو کتاب اشعیاء کے باب ۷ آیت ۸ میں منقول ہے، تیسری وہ خبر جو کتاب ارمیاء کے باب ۲۹ میں منقول ہے، چوتھے وہ خبر جو کتاب حزقیال کے باب ۲۶ میں اور پانچویں وہ خبر جو کتاب دانیال کے باب ۸ میں مندرج ہے، چھٹے وہ خبر جو کتاب مذکور کے باب ۹ میں منقول ہے، ساتویں وہ خبر جو کتاب مذکور کے باب ۱۲ میں ہے، آٹھویں وہ خبر جو سفر سموئیل ثانی باب ۷ میں ہے، نویں وہ خبر جو انجیل متی کے باب ۱۲ آیت ۳۹ و ۴۰ میں ہے، دسویں وہ خبر جو انجیل متی کے باب ۱۶ آیت ۲۷ و ۲۸ میں ہے، گیارہویں وہ خبر جو انجیل متی کے باب ۲۴ میں ہے، بارہویں وہ خبر جو انجیل متی کے باب ۱ میں مذکور ہے،

یہ تمام پیشینگوئیاں غلط اور جھوٹی ثابت ہوئیں، جیسا کہ باب اول سے معلوم ہو چکا ہے[1] اب اگر کوئی عیسائی معترض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ پیشینگوئیوں پر جو آئندہ پیش آنے والے امور کی نسبت آپ نے کی ہیں اعتراض کرنے کی جرأت کرے تو اس کے لئے ضروری ہوگا کہ پہلے اُن مذکورہ پیشینگوئیوں کی سچائی ثابت کرے، جو کہ اُن کی مقدس کتابوں میں موجود ہیں، تب اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشینگوئیوں پر اعتراض کرنے کا حق ہو سکتا ہے،

---

[1] ان پیشگوئیوں کے غلط ہونے کی تفصیل بحث جلد اول، ص ۴۵۷ سے لے کر ص ۴۸۱ اور ص ۵۰۳ سے لے کر ص ۵۳۱ تک گزر چکی ہے

دوسری قسم

عملی معجزات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو معجزات صادر ہوئے ان کی تعداد ایک ہزار سے بھی زیادہ ہے، ان میں سے چالیس[1] ہم یہاں پر ذکر کرتے ہیں:

پہلا معجزہ، معراج

سورۂ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی الَّذِیْ بَارَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیَاتِنَا،

"پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے گئی جس کے اردگرد ہم نے برکتیں نازل کی ہیں، تاکہ ہم اُسے اپنی نشانیوں میں سے کچھ دکھائیں۔"

یہ آیت اور دوسری صحیح احادیث اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بحالت بیداری معراج جسمانی ہوئی، حدیثوں سے تو بہت ہی واضح طور پر دلالت

ہوتی ہے، نیز آیت شریفہ میں لفظ "عبد" ایسا لفظ ہے جو قطعی طور پر معراج کے جسمانی ہونے ..... پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ اس کا استعمال جسم و روح کے مجموعے کے لئے ہوتا ہے، جیساکہ آیتِ ذیل میں ہے:

اَرَءَيْتَ الَّذِي يَنْهٰى عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ،	"کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جو ایک بندہ کو نماز پڑھتے وقت روکتا ہے"

نیز سورۂ جن میں فرمایا:

وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ،	"اور یہ کہ جب کھڑا ہوا اللہ کا بندہ کہ اس کو پکارے، لوگوں کو بندھنے لگتا ہو اس پر ٹھٹھ"

بلاشبہ دونوں آیتوں میں عبد کا مصداق جسم اور روح دونوں کا مجموعہ ہے، اسی طرح یہاں بھی یہی مراد ہوگا،

دوسری دلیل یہ ہے کہ کافروں نے اس واقعے کو مستبعد قرار دیا اور انکار کیا، اور بعض کمزور عقیدے کے مسلمان بھی اس کو سنکر مرتد ہوگئے، اب اگر یہ معراج جسمانی نہ تھی، اور بیداری میں بھی نہیں ہوئی تھی، تو پھر اُن کے مستبعد قرار دینے اور انکار کرنے کی کوئی وجہ اور کمزور اعتقاد والے مسلمانوں کے مرتد ہونے اور فتنے میں پڑنے کا کوئی سبب سمجھ میں نہیں آتا، کیونکہ خواب میں اس قسم کے واقعات کا دیکھنا کسی کے نزدیک بھی محال نہیں ہے، اور نہ ایسے خوابوں کو کوئی مستبعد سمجھتا ہے، نہ انکار کرتا ہے، مثلاً کوئی شخص دعویٰ کرے کہ میں نے خواب میں اپنی جگہ لیٹے لیٹے ایک بار مشرق کا اور دوبارہ مغرب کا چکر لگایا ہے، اور میری کسی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، تو اس خواب کو نہ کوئی مستبعد قرار دے گا، اور نہ انکار کرے گا، نہ اس میں عقلی یا نقلی طور پر کوئی استحالہ

پایا جاتا ہے، عقلاً تو اس لئے کہ عالم کا پیدا کرنے والا ہر ممکن شے پر قادر ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک میں اتنی تیز حرکت کا پیدا ہو جانا ممکن ہے[1]، لہٰذا اس پر خدا کا قادر ہونا بھی ممکن ہوا، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایسا ہونا خلاف عادت ہے، مگر یہ ہمارے حق میں مفید ہوگا، کیونکہ معجزات انہی کاموں کو کہا جاتا ہے جو عادت کے خلاف صادر ہوں، اور نقلی طور پر اس لئے کہ جسم عنصری کا آسمانوں تک چڑھ جانا اہلِ کتاب کے نزدیک محال نہیں ہے،

معراج جسمانی کے بارے میں دلیم اسمتھ کی رائے

پادری ولیم اسمتھ اپنی کتاب طریق الاولیاء میں حنوک علیہ السلام کے حالات بیان کرتے ہوئے جو مسیح علیہ السلام کی ولادت سے تین ہزار تین سو بیاسی سال قبل گذرے ہیں، یہ کہتا ہے:

"اللہ نے اُن کو آسمان پر زندہ اٹھا لیا، تاکہ وہ موت کو نہ دیکھے، جیسا کہ لکھا ہی کہ وہ گم ہو گئے، کیونکہ ان کو خدا نے زمین سے آسمان کی طرف منتقل کر دیا، پس انھوں نے دنیا کو بغیر بیماری یا درد و تکلیف اور موت کے چھوڑ دیا، اور جسم سمیت آسمانی بادشاہت میں داخل ہو گئے"

اس میں "جیسا کہ لکھا ہی" کے الفاظ سے کتاب پیدائش کے باب ۵ آیت ۲۴ کی جانب اشارہ کیا گیا ہی[2]،

---

[1] جوں جوں سائنس ترقی کرتی جاتی ہے اس حقیقت کا مزید انکشاف ہوتا جاتا ہے، حال ہی میں ایک خلائی مسافر مصنوعی سیارے کے ذریعے خلا میں پہنچا تھا، تو اس نے خلا کے مدار سے صرف بیس منٹ میں پوری دنیا کا چکر لگا لیا تھا، اور جدید سائنس دانوں کا تو یہ کہنا ہے کہ "تیز رفتاری" ایک ایسی صفت ہی جس کی کوئی حد مقرر نہیں کی جا سکتی، تقی

[2] "حنوک خدا کے ساتھ ساتھ چلتا رہا، اور وہ غائب ہو گیا، کیونکہ خدا نے اسے اٹھا لیا" (پیدائش ۵: ۲۴)،

عروج آسمانی بائبل کی نظر میں

اور کتاب سلاطین ثانی باب۲ آیت ا میں ہے:

"اور جب خداوند ایلیاہ کو بگولے میں آسمان پر اٹھا لینے کو تھا تو ایسا ہوا کہ ایلیاہ الیشع کو ساتھ لے کر جلجال سے چلا" آیت نمبر ۱۱"
اور وہ آگے چلتے اور باتیں کرتے جاتے تھے، کہ دیکھو ایک آتشی رتھ اور آتشی گھوڑوں نے ان دونوں کو جدا کر دیا، اور ایلیاہ بگولے میں آسمان پر چلا گیا"

مشہور مفسر آدم کلارک اس مقام کی شرح کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:

"بلاشبہ ایلیاہ زندہ آسمان پر چڑھائے گئے"

اور انجیل مرقس باب ۱۶ آیت ۱۹ میں ہے:

"غرض خداوند یسوع ان سے..... کلام کرنے کے بعد آسمان پر اٹھا لیا گیا، اور خدا کی داہنی جانب بٹھایا گیا"

پولس، کرنتھیوں کے نام دوسرے خط کے باب نمبر ۱۲ میں اُن کے آسمان پر چڑھنے کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"میں مسیح میں ایک شخص کو جانتا ہوں، چودہ برس ہوئے کہ وہ یکایک تیسرے آسمان پر اٹھا لیا گیا، نہ مجھے یہ معلوم کہ بدن سمیت نہ یہ معلوم کہ بغیر بدن کے، یہ خدا کو معلوم ہے، اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس شخص نے (بدن سمیت یا بغیر بدن کے یہ مجھے معلوم نہیں خدا کو معلوم ہے) یکایک فردوس میں پہنچ کر ایسی باتیں سنیں جو کہنے کی نہیں، اور جن کا کہنا آدمی کو روا نہیں"

اور یوحنا اپنے مکاشفہ کے باب ۴ آیت ا میں کہتا ہے:

"ان باتوں کے بعد جو میں نے نگاہ کی تو کیا دیکھتا ہوں کہ آسمان میں ایک دروازہ

کھلا ہوا ہے، اور جس کو میں نے پیشتر نرسنگے کی سی آواز سے اپنے ساتھ باتیں کرتے سنا تھا وہی فرماتا ہے کہ یہاں اوپر آجا، میں تجھے وہ باتیں دکھاؤں گا جن کا ان باتوں کے بعد ہونا ضروری ہے۔ فوراً میں روح میں آگیا، اور کیا دیکھتا ہوں کہ آسمان پر ایک تخت رکھا ہے اور اس تخت پر کوئی بیٹھا ہے "

یہ تمام چیزیں عیسائیوں کو تسلیم ہیں، اس لئے عیسائیوں کی مجال نہیں ہے کہ وہ عقلاً یا نقلاً کسی طریقہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج پر لب کشائی یا اعتراض کر سکیں، البتہ خود عیسائیوں پر یہ سخت اعتراض واقع ہوگا کہ جدید ہیئت کے فیصلے کے مطابق آسمانوں کا کوئی وجود ثابت نہیں ہے، پھر یہ بات کیسے صحیح اور درست مانی جاسکتی ہے کہ ایلیاہ اور حنوک یا مسیح علیہ السلام آسمان پر چڑھائے گئے؟ اور مسیح خدا کے دائیں جانب بیٹھے، اور ان کا مقدس تیسرے آسمان اور فردوس کی طرف اُچک لیا گیا،

ہم کو پاپاؤں کی "طہارت گاہ" اور ان کا جہنم تو معلوم ہوگیا جیسا کہ باب ۵ فصل[1] نمبر ۲ میں گذرا، مگر ابھی تک عیسائیوں کی "فردوس" کو نہیں پہچان سکے کہ کیا وہ بھی اسی تیسرے آسمان پر ہے جس کا وجود جنگلی بھوتوں کے مانند ان کے نزدیک محض وہمی ہے، یا اس سے اوپر ہے؟ یا اس کا مصداق جہنم ہے، جیسا کہ انجیل اور عیسائیوں کے عقائد کی کتابوں سے سمجھا جاتا ہے، کیونکہ مسیح نے اس چور سے جس کو ان کے ساتھ سولی دی گئی، فرمایا تھا کہ

"آج تو ہی میرے ساتھ فردوس میں[2] ہوگا "

---

[1] دیکھئے، ص ۱۰۵۶ ج ۲

[2] لوقا ۲۳: ۴۳ میں ہے کہ: حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ دو چوروں کو پھانسی دی گئی تھی، اور ان میں سے ایک سے حضرت مسیح نے کہا تھا کہ "آج تو ہی میرے ساتھ فردوس میں ہوگا" مصنف فرماتے ہیں کہ عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت مسیح (معاذ اللہ) اس کے بعد جہنم میں داخل ہوئے (دیکھئے کتاب ہذا ص ۳۹۰ ج ۲) تو شاید فردوس سے مراد ان کے نزدیک جہنم ہے، ت

اور عیسائی حضرات اپنے تیسرے عقیدے میں تصریح کرتے ہیں کہ مسیح جہنم میں داخل ہوا، اب ان دونوں چیزوں کو اگر ہم ملائیں تو معلوم ہو جاتا ہے کہ اُن کے نزدیک فردوس کا مصداق جہنم ہے، جوادبن ساباط اپنی کتاب کے دوسرے مقالے میں دلیل نمبر ۱۱ کے ذیل میں لکھتا ہے کہ:

"پادری کیارڈس نے مترجموں کی موجودگی میں مجھ سے پوچھا کہ مسلمانوں کا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کے بارے میں کیا خیال ہے؟ میں نے جواب دیا کہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ مکہ سے اورشلیم تک اور پھر وہاں سے آسمان [illegible] کہنے لگا کہ کسی جسم کا آسمان پر چڑھانا ممکن ہے؟ میں نے جواب دیا کہ میں نے بعض مسلمانوں سے اس کی نسبت پوچھا تھا، اُن کا جواب یہ ہے کہ بالکل اسی طرح ممکن ہو جس طرح عیسیٰ علیہ السلام کے جسم کے لئے ممکن ہے، کہنے لگا تم نے یہ دلیل کیوں نہیں پیش کی کہ آسمان کا پھٹنا اور جڑنا محال ہے، میں نے کہا کہ میں نے یہ دلیل پیش کی تھی جس کا جواب اُس مسلمان نے یہ دیا کہ یہ دونوں باتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس طرح ممکن ہیں جس طرح عیسیٰ علیہ السلام کیلئے ممکن ہیں، کہنے لگا کہ تم نے یہ دلیل کیوں نہیں پیش کی کہ عیسیٰ تو خدا ہیں اس کو اپنی مخلوقات میں ہر طرح کے تصرف کا اختیار و قدرت ہے، تو میں نے کہا کہ میں نے یہی جواب دیا تھا، مگر اس مسلمان نے کہا کہ عیسیٰؑ کی الوہیت باطل ہے، کیونکہ خدا کے لئے عاجزی کی صفتیں جیسے پٹنا اور سولی پر چڑھایا جانا اور مرنا دفن ہونا سب محال ہیں۔"

بعض دوستوں نے بیان کیا کہ بنارس کے ایک پادری نے کسی مجمع میں مسلمان دیہاتیوں کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ تم لوگ معراج کے کیونکر معتقد ہو جبکہ یہ بات

مستبعد ہے، جس کا جواب ایک ہندوستانی مجوسی نے یہ دیا کہ معراج کا معاملہ اس قدر مستبعد نہیں ہے جس قدر ایک کنواری لڑکی کا بغیر شوہر کے حاملہ ہو جانا مستبعد ہے،

اب اگر کسی فعل کا مستبعد ہونا اس کے غلط اور کاذب ہونے کو مستلزم ہے تو یہ بھی جھوٹ اور غلط ہوگا، پھر ایسی صورت میں عیسائی اس کے کس طرح معتقد ہیں ؟

اس جواب کے بعد پادری حیران اور لاجواب ہو گیا،

معجزہ ۲ ، شق القمر

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے :

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝	"پاس آ لگی قیامت، اور پھٹ گیا چاند اور وہ دیکھیں کوئی نشانی تو ٹلا جائیں اور کہیں یہ جادو ہے پہلے سے چلا آتا ہے"

اللہ نے اس آیت میں چاند کے ٹکڑے ہونے کی خبر ماضی کے صیغے سے دی ہے، اس لئے اس کا ماضی میں واقع ہونا ضروری ہے، اس کو زمانۂ آئندہ پر محمول کرنا[1] چار وجوہ سے بعید ہے:

اوّل اس لئے کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ کی قرات "وَقَدِ انْشَقَّ الْقَمَرُ" ہے، جو زمانۂ

---

[1] بعض لوگوں نے کہا ہے کہ قرآن میں اگرچہ "چاند پھٹ گیا" کا لفظ ماضی کے صیغے سے تعبیر کیا گیا ہے مگر یہ ماضی مستقبل کے معنی میں ہے، اور مراد یہ ہے کہ "قیامت کے وقت چاند پھٹ جائے گا" مصنف رح یہاں سے اس قول کا رد فرما رہے ہیں، تقی

گزشتہ پر صراحت کے ساتھ دلالت کرتی ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ دونوں قرائتیں مفہوم میں متحد ہوں[1]،

دوسرے یہ کہ اللہ نے ساتھ ہی یہ بھی خبر دی ہے کہ کافر خدا کی آیتوں اور نشانیوں سے اعراض کرتے ہیں، اور کسی خبر سے حقیقتاً اعراض جب ہی ممکن ہے جب وہ واقع ہو گئی ہو

تیسرے مفسرین نے تصریح کی ہے کہ "انشق" اپنے حقیقی معنی میں استعمال ہوا ہے نہ کہ مستقبل کے معنی میں، اور جن لوگوں نے ایسا کہا ان کی تردید کی ہے،

چوتھے صحیح حدیثیں اس کے واقع ہونے پر یقینی اور قطعی طور پر دلالت کر رہی ہیں، اسی بناء پر شارح مواقف نے کہا ہے کہ:

"یہ متواتر ہے، جس کو صحابہ کی بڑی تعداد نے (اور وہ بھی ابن مسعودؓ جیسے حضرات) نے روایت کیا ہے"

علامہ ابو نصر عبدالوہاب بن امام علی بن عبدالکافی بن تمام الانصاری سبکیؒ اپنی مختصر ابن حاجب کی شرح اصول میں کہا ہے کہ:

"میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ شق قمر متواتر اور قرآن میں منصوص اور صحیحین اور دوسری کتابوں میں منقول ہے"

منکرین کے اعتراضات

بڑا معرکۃ الآراء اعتراض منکرین کا یہ ہے کہ اجرام علویہ میں خرق والتیام

---

[1] یعنی قرآن کریم کی مختلف قراٴتوں میں یہ ناممکن ہے کہ مفہوم و معنی کے اعتبار سے ایک قرأت دوسری کے ساتھ متضاد ہو، تقی

ممکن نہیں، دوسرے اگر ایسا واقعہ پیش آیا ہوتا تو روئے زمین کے رہنے والے تمام انسانوں سے اس کا پوشیدہ ہونا غیر ممکن تھا، اور ایسے عظیم الشان واقعہ کو دنیا کے مورخین ضرور نقل کرتے،

معترضین کے اعتراض کا جواب

یہ اعتراض عقلی اور نقلی دونوں حیثیت سے بہت ہی کمزور ہے، نقلی حیثیت سے سات وجوہ کی بناء پر ضعیف ہے،

پہلی وجہ اوّل اس لئے کہ طوفانِ نوحؑ کا عظیم الشان حادثہ پورے ایک سال تک جاری اور واقع ہوتا رہا، جس میں ہر جاندار خواہ پرندے ہوں یا چوپائے، خواہ حشرات الارض ہوں یا انسان، غرض تمام مخلوق سوائے کشتی نشین لوگوں کے فنا ہوگئی، اور سوائے آٹھ انسانوں کے کوئی بھی نہیں بچ سکا، جیسا کہ کتاب پیدائش باب ۷ و ۸ میں تصریح ہے، اور پطرس کے پہلے خط باب ۳ آیت ۲۰ میں ہے:

"جب خدا نوحؑ کے وقت میں تحمل کر کے ٹھہرا رہا تھا، اور وہ کشتی تیار ہو رہی تھی جس پر سوار ہو کر تھوڑے سے آدمی یعنی آٹھ جانیں پانی کے وسیلے سے بچیں"

ؔ یہ قدیم یونانی فلاسفہ کا نظریہ تھا کہ آسمان کا پھٹنا اور پھر جڑنا محال ہے، اس نظریئے کی بنیاد پر معراج اور معجزۂ شقِ قمر پر اعتراضات کئے جاتے تھے، کہ آسمان کے پھٹے اور جڑے بغیر نہ تو معراج ہو سکتی ہے، اور نہ شقِ قمر اس لئے کہ یونانی فلاسفہ کا نظریہ یہ تھا کہ چاند آسمان میں جڑا ہوا ہے، مسلمان فلاسفہ نے ناقابلِ انکار دلائل سے اس نظریئے کو یکسر باطل قرار دیا ہے، اور اس سلسلے میں فلاسفۂ یونان کے تمام اعتراضات کا منہ توڑ جواب دیا ہے، علم کلام کی کتابیں اس بحث سے بھری پڑی ہیں،

اور دوسرے خط کے باب۲ آیت ۵ میں ہے:

"اور نہ پہلی دنیا کو چھوڑا، بلکہ بے دین دنیا پر طوفان بھیج کر راستبازی کے منادی کرنے والے نوح کو مع اور سات آدمیوں کے بچا لیا"

اس حادثے کو آج تک اہلِ کتاب کے نظریے کے مطابق چارہزار دو سو بارہ سال شمسی گزرے ہیں، مگر اس واقعہ کا کوئی ذکر تذکرہ مشرکینِ ہندوستان کی کتابوں اور تاریخوں میں موجود نہیں ہے، وہ لوگ اس واقعہ کا نہ صرف یہ کہ شدت سے انکار کرتے ہیں، بلکہ اُن کے تمام علماء اس کا مذاق اڑاتے ہیں، اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر گزشتہ دور سے قطع نظر بھی کرلی جائے اور کرشن اوتار کے زمانے کو جو اس دن سے اُن کی کتابوں کی شہادت کے مطابق چارہزار نوسو ساٹھ سال مقدم ہے، پیش نظر رکھا جائے تو بھی اس عمومی حادثے کی صحت کی کوئی ممکن صورت نہیں، کیونکہ بڑی بڑی عظیم الشان بارشیں اُس عہد سے لے کر اس زمانے تک جو ہوئی ہیں تاریخیں ان کے ذکر سے بھری پڑی ہیں، اُن کی تواریخ کی شہادت سے یہ بات ثابت ہے کہ عہدِ کرشن سے اس بیان کردہ طوفان کے زمانے تک صرف ہندوستان کے ملک میں ہر زمانے میں بے شمار ملین بارشیں ہوتی رہیں، اُن کا دعویٰ ہے کہ کرشن کے زمانے کا حال تواریخ کی کثرت کی بناء پر ایسا ہے گویا کل گزشتہ کی بات ہے۔

ابن خلدون اپنی تاریخ کی جلد ۲ میں کہتا ہے کہ:

"فارس اور ہندوستان کے لوگ طوفان سے واقف نہیں ہیں، صرف کچھ اہلِ فارس کی رائے ہے کہ طوفان بابل کے علاقے تک محدود رہا"

علامہ تقی الدین احمد بن علی بن عبدالقادر بن محمد المعروف بالمقریزیؒ اپنی کتاب مسمّٰی کتاب المواعظ والاعتبار میں نقوش و آثار کے ذکر میں لکھتے ہیں:

"اہلِ فارس اور آتش پرست اور کلدانی اہل بابل، اور ہندوستان کے لوگ چین کے باشندے اور بہت سی مشرقی قومیں طوفان کے منکر ہیں، اگرچہ بعض اہلِ فارس نے طوفان کا اعتراف کیا ہے، مگر ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ وہ طوفان ملکِ شام اور مغرب میں نہیں پھیلا، اور نہ تمام آبادیوں کو اس نے اپنی لپیٹ میں لیا، اور نہ عمومی طور پر غرق واقع ہوا، بلکہ صرف کچھ لوگ غرق ہوئے، اور حلوان کی گھاٹی سے آگے نہیں بڑھا، اور نہ مشرقی ممالک تک پہنچ سکا"

خود پادریوں کے ہم قوم حضرات اس طوفان کے منکر ہیں، اور اس کا مذاق اڑاتے ہیں، ہم جان کلارک ملحد کا قول اس کے رسالے نمبر ۳ سے جو اس کی کتاب مطبوعہ ۱۸۳۹ء میں شامل ہے، نقل کرتے ہیں، وہ صفحہ ۴۳ ۵ پر کہتا ہے:

"یہ یعنی طوفان والی بات فلاسفہ کی شہادت کی بنا پر درست نہیں ہو سکتی، اور مجھکو تعجب ہو کر کیا اس طوفان کے پانی میں مچھلیاں بھی ...... مر گئی تھیں؟ اور جب سفر تکوین باب ۶ آیت ۵ کے فیصلے کے مطابق انسان کے دلوں کے خیالات خراب اور گندے ہو چکے تھے، پھر خدا نے کس لئے آٹھ افراد کو باقی رکھا؟ اور کیوں نہ سب کو ہلاک کرنے کے بعد انسان کو دوبارہ پیدا کیا؟ اور کیوں گزشتہ سرمایہ اور ذخیرے کو جس کے سبب سے گندے اور خراب افکار و خیالات باقی رہیں باقی رہنے دیا؟ کیونکہ یہ بات واضح ہو کہ خراب درخت سے عمدہ پھل کبھی بھی پیدا نہیں ہو سکتا؟ جیسا کہ انجیل متی باب ۷ آیت ۱۶ میں کہا گیا ہے کہ "کیا جھاڑیوں سے انگور ..... یا اونٹ کٹاروں سے انجیر توڑتے ہیں" اور نوح علیہ السلام (نعوذ باللہ) خود شرابی اور چوپائے اور ظالم تھے، جیسا کہ کتاب پیدائش کے باب ۹ آیت ۲۱ و ۲۵ سے ثابت

ہو، تو پھر اُن سے یہ کیونکر امید کی جا سکتی ہے کہ ان کی نسل صالح اور نیک ہوگی، چنانچہ ملاحظہ کیجئے کہ ایسا نہیں ہوا، اور صالح اولاد نہ ہوئی، جیساکہ افسیوں کے نام پولس کے خط کے باب ۲ آیت ۲ سے اور ططس کے نام خط کے باب ۳ آیت ۳ سے اور پطرس کے خط نمبر ا باب ۴ آیت ۳ سے اور زبور نمبر ۱۵ کی آیت نمبر ۵ سے ثابت ہے "

پھر جان کلارک نے صفحہ ۹۳ پر بے شمار مذاق اڑایا ہے، جو بے ادبی کا شاہکار ہے، اس لئے ہم ایسے قبیح کلام کے نقل کرنے کی جسارت نہیں کرتے[1]،

دُوسری وجہ کتاب یشوع (ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۴۴ء کے مطابق) کے باب نمبر ۱۰ آیت ۱۲ میں ہے:

"اور اس دن جب خداوند نے اموریوں کو بنی اسرائیل کے قابو میں کر دیا، یشوع نے خداوند کے حضور بنی اسرائیل کے سامنے یہ کہا اے سورج! تو جبعون پر اور اے چاند! تو وادیِ ایالون پر ٹھہرا رہ، اور سورج ٹھہر گیا، اور چاند تھما رہا، جب تک قوم نے اپنے دشمنوں سے اپنا انتقام نہ لے لیا، کیا یہ آشر کی کتاب میں نہیں لکھا ہے[2]؟ اور سورج آسمانوں کے بیچوں بیچ ٹھہرا رہا، اور تقریباً سارے دن ڈوبنے میں جلدی نہ کی" (آیات ۱۲ و ۱۳)

---

[1] اس جواب کا حاصل یہ ہوا کہ مورخین کا کسی واقعہ کو نقل نہ کرنا اس کے حقیقتاً نہ ہونے کی دلیل نہیں ہے، ورنہ طوفانِ نوح جو مسلمان اور عیسائیوں میں متفقہ طور پر مسلّم ہے کہ اس کا مؤرخین کے یہاں تذکرہ نہیں ملتا، اور دنیا کی بہت سی قومیں اس کا انکار کرتی ہیں،

[1] موجودہ اردو ترجمہ اس کے مطابق ہے، اس لئے ہم نے یہ عبارت وہیں سے نقل کی ہے،

[2] اظہار الحق میں اس کی جگہ "سفر الابرار" کا لفظ ہے، تقی

اور کتاب تحقیق الدین الحق مطبوعہ ۱۸۴۶ء حصہ نمبر ۳ کے باب ۱۲ صفحہ ۳۶۲ میں یوں ہے کہ :
"یوشع کی دعا سے سورج چوبیس گھنٹے کھڑا رہا "
ظاہر ہے کہ یہ حادثہ بڑا عظیم الشان تھا، اور عیسائی نظریے کے مطابق مسیح کی پیدائش سے ایک ہزار چار سو پچاس سال قبل پیش آیا، اگر یہ واقعہ صحیح ہوتا تو اس کا علم روئے زمین کے تمام انسانوں کو ہونا ضروری تھا، بڑے سے بڑا بادل بھی اس کے علم سے مانع نہیں ہوسکتا تھا، اور نہ افق کا اختلاف اس میں مزاحم، اس لئے کہ اگر ہم یہ بھی تسلیم کرلیں کہ بعض مقامات پر اس وقت رات تھی تب بھی اس کا ظاہر ہونا اس لئے ضروری تھا کہ ان کی رات اس دن چوبیس گھنٹے رہی ہو، نیز یہ زبردست حادثہ نہ تو ہندوستان کی تواریخ میں کہیں موجود ہے، نہ اہلِ چین و اہلِ فارس کی کتابوں میں کہیں اس کا تذکرہ ہے ہم نے خود مشرکینِ ہندوستان کے علماء سے اس کی تکذیب سنی ہے، اور ان کو اس کے غلط ہونے کا یقین کامل ہے، خود عیسائیوں کے ہم قوم اس کی تکذیب کرتے ہیں، اور اس کا مذاق اڑاتے ہیں، بلکہ چند اعتراض بھی کرتے ہیں جو حسب ذیل ہیں :
اوّل یہ کہ یوشع کا یہ کہنا کہ "اے سورج! تو حرکت مت کیجئے" اور پھر یہ بات کہ سورج رُک گیا اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ سورج متحرک اور زمین ساکن ہے، اگر یہ بات نہ ہوتی تو ان کو یوں کہنا چاہئے تھا کہ "اے زمین تو حرکت مت کر، پھر یہ کہ زمین رُک گئی" اور یہ بات جدید علمِ ہیئت کے قطعی خلاف ہے، جس پر اس زمانے کے تمام اہلِ یورپ کو اعتماد ہے، کیونکہ ان کا خیال اور عقیدہ یہ ہے کہ یہ قدیم قول سورج کی حرکت کا باطل ہے[1]، شاید یوشع کو

---

[1] یہ خود قدیم اہلِ یورپ کا اعتراض ہے جو ہماری نظر میں درست نہیں ہے جدید سائنس کی تحقیقات سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ زمین کی طرح سورج بھی حرکت کرتا ہے،

اس حالت کا پتہ نہیں تھا، یا پھر یہ قصہ ہی سرے سے جھوٹا ہے:

دوسرا اعتراض یہ کہ یہ کہنا کہ "سورج آسمان کے بیچ میں کھڑا ہوگیا" بتا رہا ہے کہ وہ ٹھیک دوپہر کا وقت تھا، یہ بات بھی چند وجوہ سے کمزور اور بودی ہے:

اوّل تو اس لئے کہ بنی اسرائیل اپنے ہزاروں مخالفین کو قتل کر چکے تھے، اور پوری شکست دے چکے تھے، اور پھر جب وہ لوگ بھاگنے لگے تو خدا نے مزید آسمان سے بڑے بڑے پتھر برسا کر ان کو ڈھیر کر دیا، چنانچہ ان پتھروں سے مقتول ہونے والوں کی تعداد بنی اسرائیل کے ہاتھوں مارے جانے والوں سے بہت زیادہ تھی، اور یہ سب کام نصف النہار سے پہلے انجام پاچکا تھا، جیسا کہ اس باب میں اس کی تصریح موجود ہے، ایسی صورت میں پھر یوشع کے اس قدر اضطراب کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی، کیونکہ فاتح بنی اسرائیل بہت زیادہ اور باقی رہ جانے والے مخالفین بہت قلیل التعداد تھے، اور ابھی آدھا دن باقی تھا جس میں بڑی آسانی سے ان کا قتل کیا جانا ممکن تھا،

دوسرے اس لئے کہ جب وہ وقت دوپہر کا تھا تو اس وقت ان لوگوں نے چاند کو کیسے دیکھ لیا؟ پھر اس کا ٹھیرنا بھی فلسفہ کے قواعد کے بموجب غلط ہے،

تیسرے اس لئے کہ جب وہ نصف النہار کا وقت تھا، اور بنی اسرائیل لڑائی اور بھاگ دوڑ میں مشغول تھے، اور ان کو بقیہ دن کے حصے میں کوئی شک بھی نہ تھا، اور نہ اُن کے پاس اُس زمانے میں گھڑیاں موجود تھیں، تو ان کو یہ بات کیونکر معلوم ہوئی کہ سورج ٹھیک نصف النہار کے دائرے میں بقدر ۱۲ گھنٹے کے کھڑا ہے، اور اس وقت تک مغرب کی طرف مائل نہیں ہوا، تیسرا اعتراض یہ کہ جان کلارک کہتا ہے کہ اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ دنیا کے تمام ایام خواہ بیج کا زمانہ ہو یا کھیتی کاٹنے کا، سردی ہو یا گرمی، دن ہو یا رات، غرض کوئی وقت ہو وہ کبھی کسی نہیں ہوگا نہ ٹھہرے گا جیسا کہ کتاب پیدائش کے باب

آیت ۲۲ میں صاف طور پر لکھا ہے، پھر جب اس مذکورہ مدت تک سورج غروب نہیں ہوا، تو گویا اس وقت میں رات ٹھہر گئی، اور ساکن ہو گئی،

تیسری وجہ کتاب اشعیاء باب ۳۸ آیت ۸ میں حضرت اشعیاء کے معجزے رجوعِ شمس کے سلسلہ میں یوں کہا گیا ہے کہ :-

"چنانچہ آسمان جن درجوں سے ڈھل گیا تھا، ان میں کے دس درجے پھر لوٹ گیا"

یہ حادثہ بھی بڑا عظیم الشان ہے، اور چونکہ دن میں پیش آیا تھا اس لئے ضروری ہے کہ دنیا کے اکثر انسانوں کو اس کا علم ہو، مسیح کی ولادت سے سات سو تیرہ سال شمسی قبل واقع ہوا، مگر نہ تو اس کا کوئی تذکرہ ہندوستانیوں کی تاریخوں میں پایا جاتا ہے، اور نہ اہلِ چین اور اہلِ فارس کی کتابوں میں اس کا کوئی نشان ملتا ہے، نیز اس سے سورج کا حرکت کرنا اور زمین کا ساکن ہونا مفہوم ہو رہا ہے، جو جدید ہیئت کے فیصلے کی بنا پر بالکل غلط ہے،

پھر اگر ہم اس سے بھی قطع نظر کرلیں تو بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہاں تین احتمال ہو سکتے ہیں، یا تو دن صرف دس درجے کی مقدار لوٹا ہو، یا اسی مقدار میں آسمان پر سورج لوٹا ..... جیسا کہ ان کے کلام سے بظاہر معلوم ہوتا ہے، یا زمین کی حرکت مشرق سے مغرب کی سمت میں اتنی مقدار میں لوٹی ہو، اور یہ تینوں احتمالات فلسفہ کے حکم کے مطابق باطل ہیں،

یہ تینوں مشہور حادثے یہودیوں اور عیسائیوں دونوں کے نزدیک مسلّم ہیں، اور باقی حوادث جن کو ہم ذکر کرنے والے ہیں، وہ عیسائیوں کے ساتھ مخصوص ہیں،

ل "جب تک زمین قائم ہے، بیج بونا اور فصل کاٹنا، سردی اور تپش، گرمی اور جاڑا، دن اور رات موقوف نہ ہوں گے" (پیدائش ۸: ۲۲)

چوتھی وجہ

انجیل متی باب ۲۷ آیت ۵۱ میں ہے:

"اور مقدس کا پردہ اوپر سے نیچے تک پھٹ کر دو ٹکڑے ہوگیا، اور زمین لرزی اور چٹانیں تڑک گئیں، اور قبریں کھل گئیں، اور بہت سے جسم ان مقدسوں کے جو سو گئے تھے جی اٹھے اور اس کے جی اٹھنے کے بعد قبروں سے نکل کر مقدس شہر میں گئے، اور بہتوں کو دکھائی دیئے" (آیات ۵۱ تا ۵۳)

یہ واقعہ یقیناً جھوٹا اور من گھڑت ہے[1] جیساکہ آپ کو باب فصل نمبر ۳ سے معلوم ہو چکا ہے[2]، نیز مخالفین یعنی رومانیوں اور یہودیوں کی قدیم کتابوں میں اس کا کوئی ذکر نہیں ملتا، اور نہ مرقس یا لوقا نے پتھروں کا پھٹنا اور قبروں کا کھلنا، اور بہت سے قدیس لوگوں کے اجسام کا قبروں سے برآمد ہو کر شہر میں داخل ہونا بیان کیا ہے، حالانکہ ان واقعات کا ذکر عیسیٰ ؑ کی چیخ پکار کے ذکر سے زیادہ ضروری تھا، جو مرتے وقت انھوں نے کی تھی، اور جس کے ذکر پر سب کا اتفاق ہے، اور پھر پتھروں کا پھٹ جانا تو اس قسم کا واقعہ ہے کہ جس کا اثر ونشان وقوع کے بعد بھی رہتا ہے،

تعجب یہ ہے کہ متی نے یہ ذکر نہیں کیا کہ یہ مُردے زندہ ہونے کے بعد کن لوگوں کو نظر آئے تھے؟ مناسب تو یہ تھا کہ یہودیوں کو نظر آتے، اور پیلاطس کو دکھائی دیتے، تاکہ وہ عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آتے، جیساکہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے بھی یہی مناسب تھا کہ وہ مُردوں کے درمیان سے کھڑے ہونے کے بعد ان مخالفین کو نظر آتے تاکہ اشتباہ دور ہو جاتا، اور یہودیوں کو یہ کہنے کی مجال نہ ہوتی، کہ ان کے شاگرد رات

---

[1] انجیل متی میں یہ واقعہ اس وقت بیان کیا گیا ہے جب (بقول متی) حضرت مسیح کو (معاذ اللہ) سولی دی گئی،

[2] دیکھئے صفحہ ۵۰۰ ج اول غلطی نمبر ۵۹،

کی تاریکی میں آئے اور ان کی نعش جُرا کرلے گئے،

اسی طرح اس نے یہ بھی ذکر نہ کیا کہ جو مُردے زندہ ہوگئے تھے پھر واپس اپنی قبروں میں چلے گئے، یا زندہ باقی رہے؟ کسی ظریف نے خوب کہا ہے کہ "شاید متی نے یہ تمام باتیں خواب میں دیکھی ہوں گی"

اس کے علاوہ لوقا کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ ہیکل کے پردے کا پھٹنا عیسیٰؑ کی وفات سے قبل پیش آیا ہے جو متی اور مرقس کے بیان کے قطعی خلاف ہے،

پانچویں وجہ انجیل متی اور مرقس و لوقا میں مسیحؑ کے سُولی دیئے جانے کے بیان میں لکھا ہے، چھ بجے سے نو بجے تک پورے چار گھنٹے کامل تمام روئے زمین پر اس واقعے سے تاریکی اور اندھیری مسلط رہی، چونکہ یہ حادثہ دن میں پیش آیا اور سارے روئے زمین تک ممتد رہا، اور تھوڑی دیر بھی نہیں بلکہ پورے چار گھنٹے، اس لئے یہ ناممکن ہے کہ دنیا کے اکثر لوگ اس سے واقف نہ ہوں، حالانکہ اس کا کوئی ذکر اہلِ ہند و فارس و چین کی تواریخ میں نہیں ملتا،

چھٹی وجہ انجیل متی نے بچوں کے قتل کا واقعہ باب ۲ میں ذکر کیا ہے، مگر کسی دوسری انجیل یا تاریخ میں اس کا کوئی نام و نشان نہیں[1] ملتا،

ساتویں وجہ انجیل متی اور لوقا کے باب ۳ اور انجیل مرقس کے باب ۱ میں یوں لکھا ہے کہ،

---

[1] انجیل متی میں ہے کہ جب ہیرودیس کو حضرت مسیحؑ کی ولادت کی خبر ہوئی تو اس نے: "بیت لحم اور اس کی سب سرحدوں کے اندر کے ان سب لڑکوں کو قتل کروا دیا جو دو دو برس کے یا اس سے چھوٹے تھے" (متی ۲: ۱۶) لیکن اس واقعہ کا تذکرہ کہیں اور نہیں ملتا، چنانچہ آر اے ناکس تفسیر عہد نامۂ جدید میں لکھتا ہے: "معصوم بچوں کے قتل کا واقعہ کسی غیر عیسائی مصنف کی تحریر میں نہیں ملتا" (ص ۳ و ۴ ج اول)

"اور جب[1] وہ پانی سے نکل کر اوپر آیا تو فی الفور اس نے آسمان کو پھٹتے ..... اور روح کو کبوتر کی مانند اپنے اوپر اترتے دیکھا، اور آسمان سے آواز آئی کہ تو میرا پیارا بیٹا ہے، تجھ سے میں خوش ہوں"

یہ مرقس کے الفاظ ہیں، چونکہ آسمانوں کا پھٹنا دن میں واقع ہوا تو ضروری ہو کہ دنیا کے رہنے والے بیشتر انسانوں سے مخفی نہ ہو، اسی طرح کبوتر کا نظر آنا اور آسمانوں سے اس آواز کا سُنا جانا، حاضرین میں سے کسی ایک فرد کے ساتھ مخصوص نہ ہونا چاہئے، حالانکہ اس .... واقعہ کو انجیل والوں کے سوا اور کوئی بھی ذکر نہیں کرتا، جان کلارک اس قصہ کا مذاق اڑاتے ہوئے کہتا ہے کہ:

"متی نے ہم کو اس عظیم الشان اطلاع سے محروم بنادیا اور صاف طور پر نہیں بتایا کہ آسمان کے کون سے دروازے کھلے تھے؟ بڑے دروازے؟ یا متوسط دروازے؟ یا چھوٹے؟ اور کیا یہ دروازے سورج کی اس جانب میں تھے یا دوسری سمت میں؟ اس بڑی بھول کی وجہ سے بھلے غریب پادری سمت کی تعیین میں حیرانی کے ساتھ سر پھوڑتے ہیں، اور نہ یہ اطلاع دی کہ اُس منزل من اللہ کبوتری کا ..... کیا حشر ہوا؟ کیا اس کو کسی نے پکڑ کر پنجرے میں بند کیا؟ یا آسمان کی طرف واپس ہوتی ہوئی دیکھی گئی؟ اور اگر لوٹتی ہوئی دیکھی تو ضروری ہے کہ اتنی دیر تک آسمانوں کے دروازے کھلے رہے ہوں؟ اور سب لوگوں نے آسمانوں کے اندرونی احوال کا اچھی طرح مشاہدہ کر لیا ہوگا کیونکہ یہ پتہ نہیں چلتا کہ پطرس کے اس مقام پر پہنچنے تک ان دروازوں پر کوئی سنتری یا سپاہی موجود ہو، شاید یہ کبوتری کوئی جن ہو"؟

---

[1] یہ حضرت مسیحؑ پر روح القدس کے اترنے کا قصہ ہو جو پہلے کئی بار گذر چکا ہے،

اِس اعتراض کے عقلی جوابات

اس اعتراض کا عقلی طور پر باطل ہونا آٹھ وجوہات کی بنا پر ثابت ہے:

پہلی وجہ شق قمر کا واقعہ رات کے وقت پیش آیا جو غفلت اور نیند کا وقت ہوتا ہے راستوں اور سڑکوں پر سکون اور آمد و رفت بند ہو جاتی ہے، بالخصوص سردی کے زمانے میں لوگ گھروں اور کمروں کے اندر دروازے بند کر کے سوتے ہیں اور آرام کرتے ہیں، ایسی صورت میں آسمان سے تعلق رکھنے والی کسی جدید بات کا علم اطلاع سوائے ان لوگوں کے کسی کو نہیں ہوتی جو پہلے سے اس کے منتظر ہوں، اور چاند گرہن اس کی واضح مثال موجود ہے، کہ وہ اکثر پیش آتا ہے، مگر بہت سے لوگوں کو اس کا علم صبح ہونے اور دوسروں کے اطلاع دینے پر ہوتا ہے، سوتے ہوئے لوگوں کو گرہن کی اطلاع نہیں ہوتی،

دُوسری وجہ یہ حادثہ زیادہ دیر تک ممتد اور مسلسل نہیں رہا، دیکھنے والوں کے لئے بھی اس کے امکانات کم تھے کہ جو لوگ اس مقام سے کافی دُور ہیں، ان کو اس کی اطلاع کریں، یا سونے والوں کو جگائیں اور دکھائیں،

تیسری وجہ پہلے سے اس قسم کا کوئی پروگرام نہ تھا کہ لوگوں کو اس کی اطلاع ہوتی اور وہ دیکھنے کا اہتمام کرتے جس قسم کا اہتمام وقت معینہ پر رمضان و عیدین ... اور سورج گرہن یا چاند گرہن دیکھنے کا لوگ کیا کرتے ہیں، محض اس لئے کہ اس کے دیکھے جانے کے قوی امکانات ہوتے ہیں، پھر ہر شخص کی نگاہ ہر وقت آسمان کی جانب تو دن کے اوقات میں بھی لگی نہیں رہتی، چہ جائیکہ رات کے وقت، اس لئے صرف اُن لوگوں نے دیکھا جو معجزے کے طالب تھے، یا جن لوگوں کی نگاہ اتفاقیہ اس وقت آسمان

کی طرف اُٹھ گئی، جیسا کہ صحیح حدیثوں میں آتا ہے، کہ جب کفارِ مکہ نے اس واقعہ کو دیکھا تو کہنے لگے غالباً ابن ابی کبشہ[1] نے تمھاری نظر بند کر دی ہے، ابوجہل نے بھی یہی بلکہ کہی کہ یہ محض جادو اور نظر بندی ہے، اس لئے لوگوں کو تحقیق کے لئے مختلف اطراف و جوانب میں بھیجو کہ وہ معلوم کریں کہ وہاں کے لوگوں نے چاند کو دو ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھا یا نہیں ؟ سب نے بالاتفاق تصدیق کی کہ ہم نے اسی حالت میں دیکھا ہے[2]، کیونکہ اہل عرب عموماً رات میں سفر اور دن کو قیام کرتے ہیں، پھر کفار نے مل کر کہا کہ یہ تو جادو ہے، جو مٹنے والا ہے،

نیز تاریخ فرشتہ کے مقالہ نمبر ۱۱ میں لکھا ہے کہ ملیبار کے لوگوں نے بھی .... جو ہندوستان کا علاقہ ہے اس واقعہ کا مشاہدہ کیا ہے، اور اس علاقے کا راجہ جو بت پرست تھا، اس معجزے کو دیکھ کر مسلمان ہو گیا[3]، حافظ مزی رحمہ نے ابن تیمیہؒ سے نقل کیا ہے کہ ایک مسافر کا بیان ہے کہ میں نے ہندوستان کے ایک شہر میں ایک پرانی عمارت دیکھی، جس پر عمارت کی تاریخ تعمیر کے سلسلے میں لکھا تھا کہ "یہ عمارت شق قمر والی رات میں بنائی گئی"

---

[1] "ابن ابی کبشہ" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ہے، آپ کے جد امجد وہب بن عبد مناف کا اور آپ کے رضاعی والد (یعنی حضرت حلیمہؓ کے شوہر) کا لقب ابو کبشہ بھی تھا، اسی مناسبت سے آپ کو ابن ابی کبشہ کہا جاتا ہے۔

[2] رواہ الترمذیؒ عن جبیر بن مطعمؓ (جمع الفوائد، ص ۲۰۰ ج ۲)

[3] اظہار الحق کے گجراتی مترجم جناب غلام محمد صاحب بن حاجی فقط صادق صاحبؒ نے اس جگہ حاشیے پر لکھا ہے کہ "ہندوؤں کی مشہور کتاب مہابھارت میں بھی چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے" (غلام محمد صاحب کا یہ ذیلی حاشیہ اظہار الحق کے انگریزی ترجمے کے حاشیے پر نقل کیا گیا ہے، دیکھئے اظہار الحق انگریزی ترجمہ ص ۱۴۵ ج ۲)

چوتھی وجہ کبھی کبھی بعض مقامات اور بعض اوقات میں دیکھنے والے اور چاند کے درمیان ایک گہرا اور غلیظ بادل یا پہاڑ حائل ہو جاتا ہے، بعض اوقات تو ان علاقوں میں جن میں کثرت سے بارشیں ہوتی ہیں اتنا زبردست تفاوت پایا جاتا ہے کہ ایک جگہ بادل بھی بہت گہرا اور بارش بھی کافی زوردار ہو رہی ہے کہ دیکھنے والوں کو دن میں سورج اور نیلگوں آسمان کا اصلی رنگ مسلسل گھنٹوں تک دکھائی نہیں دیتا، اسی طرح رات کے وقت چاند اور ستاروں کی کوئی جھلک نظر نہیں آتی، مگر دوسرے مقام پر نہ کسی بادل کا پتہ ہے نہ بارش کا کوئی اثر، حالانکہ دونوں مقامات میں کچھ زیادہ قابلِ ذکر فاصلہ بھی نہیں ہوتا، شمالی علاقوں کے باشندے روم اور یورپ کے لوگ برف باری اور بارش کے دنوں میں مسلسل کئی کئی دن تک سورج کے دیکھنے کو ترستے رہتے ہیں، چہ جائیکہ چاند کو،

پانچویں وجہ چاند اپنے مطالع کے اختلاف کی وجہ سے تمام روئے زمین والوں کے لئے کسی ایک حد پر نہیں ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آج جن لوگوں پر طلوع ہوتا ہے دوسرے ملک یا علاقے کے باشندے اُس وقت اُس کی جھلک دیکھنے سے محروم ہوتے ہیں، کسی ایک افق اور منزل پر نمایاں ہونے پر بعض ملکوں کے لوگ اس کا مشاہدہ کرتے ہیں، اس وقت دُوسرے مقام کے لوگ اس کی جھلک سے قطعی محروم رہتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ چاند گرہن عام نہیں ہوتا، بعض علاقوں میں کامل ہوتا ہے، بعض میں بالکل نہیں ہوتا، یا ناقص طور پر ہوتا ہے، اور بعض مقامات پر اس کی پہچان و شناخت صرف ان لوگوں کو ہوتی ہے جو علمِ نجوم کے ماہر ہیں،

اکثر قابلِ اعتماد علماءِ ہیئت ایسے عجائبات بیان کرتے ہیں جن کا مشاہدہ اُن کو

بڑے بڑے ستاروں اور ان کی روشنیوں سے ہوتا ہے، جو رات کے کسی حصے میں ظاہر ہوتے ہیں، اُن کے سوا دوسرے لوگوں کو ان کا قطعی کوئی علم نہیں ہوتا،

چھٹی وجہ اس قسم کے نادر الوقوع واقعات دیکھنے والوں کی تعداد عام طور پر اس قدر نہیں ہوتی، جو یقین کے لئے مفید ہو، ادھر مورخین کے یہاں بڑے اور اہم واقعات کے بارے میں بعض عوام کی بیان کردہ خبریں قابلِ اعتماد نہیں ہوتیں، البتہ ایسے واقعات کی نسبت اُن کے بیانات مان لئے جاتے ہیں کہ جن کے وقوع کے بعد ان کے آثار اور نشانیاں باقی رہ جائیں، جیسے سخت آندھی، بے شمار برف باری، یا ژالہ باری، سخت سردی وغیرہ، اس لئے عین ممکن ہے، اور بعید از قیاس نہیں ہے کہ کسی ملک کے مورخین نے اس حادثے کی نسبت بعض عوام کی بیان کردہ روایت پر وثوق نہ کرتے ہوئے اس کو دیکھنے والوں کی نگاہ کا قصور قرار دیا ہو، اور اس واقعہ کو چاند گرہن کی قسم کا سمجھ کر نظر انداز کر دیا ہو،

ساتویں وجہ مورخین بالعموم زمینی حوادث کو تاریخ کے اوراق میں جگہ دیتے ہیں، اور آسمانی واقعات وحوادث سے شاذ ونادر ہی تعرض کرتے ہیں، خاصکر قدیم مورخین کا تو یہ عام شیوہ ہے، پھر یہ چیز بھی قابلِ لحاظ ہونا چاہئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں انگلستان وفرانس میں جہالت عروج پر تھی، اور علوم وفنون کی جو کچھ داغ بیل اور بنیاد یورپ کے ملکوں میں پڑی اور اشاعت ہوئی، وہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے دَورِ مسعود کے کافی طویل عرصے کے بعد ہوئی ہے، ان حالات میں ان کے یہاں تاریخ نویسی کا کوئی اہتمام اور اس جانب التفات ہی کب ہوسکتا تھا؟

آٹھویں وجہ منکر کو جب یہ بات معلوم ہوجائے کہ فلاں معجزہ یا کرامت اس شخص

کی ہے جس کا وہ منکر ہے، تو وہ ضرور اس کے اخفاء اور چھپانے کی کوشش کیا کرتا ہے، اور کبھی بھی اس کے ذکر یا کیے جانے پر راضی نہیں ہوتا، جیسا کہ انجیل یوحنا کے باب ۱۱ اور کتاب الاعمال کے باب ۴ و ۵ کے مطالعہ کرنے والوں سے یہ چیز مخفی نہیں ہوسکتی

ان وجوہات کی بناء پر ثابت ہوا کہ "معجزۂ شق القمر" پر عقلی یا نقلی غرض کسی طور سے اعتراض درست نہیں ہوسکتا،

مُصنّف "میزان الحق" کے اعتراضات

مصنف میزان الحق نے نسخۂ مطبوعہ ۱۸۴۳ء مرزاپور میں لکھا ہے کہ:

"آیت کے معنی تفسیر کے قاعدے کے بموجب منسوب ہیں یوم قیامت کی طرف کیونکہ لفظ "الساعۃ" معرّف باللام واقع ہوا ہے، جس سے مراد ساعتِ معلومہ اور وقت متعین ہے، یعنی قیامت، جیسا کہ یہ لفظ اسی سورۃ کے آخر میں اس معنی میں استعمال کیا گیا ہے، اسی لئے اس کی تفسیر بعض مفسّرین نے جن میں قاضی بیضاویؒ بھی ہیں قیامت کے معنی کے ساتھ کی ہے، اور کہا ہے کہ آیت کے بموجب علاماتِ قیامت میں سے یہ علامت بھی ہے کہ چاند زمانۂ آئندہ میں شق ہوگا"

اس میں پادری مذکور نے دو دعوے کئے ہیں، اوّل یہ کہ تفسیر کے قاعدے کے مطابق صحیح یہ ہے کہ اِنْشَقَّ معنی میں سَیَنْشَقُّ کے ہے، دوسرے یہ کہ بعض مفسرین نے جن میں قاضی بیضاویؒ بھی شامل ہیں، اس کی تفسیر اسی طرح کی ہے، حالانکہ یہ دونوں باتیں قطعی غلط ہیں،

پہلی بات تو اس لئے کہ اِنْشَقَّ ماضی کا صیغہ ہے اس کو سَیَنْشَقُّ کے معنی میں لینا یقیناً مجاز ہے، اور قانون یہ ہے کہ مجازی معنی مراد لینے کی اُس وقت تک بالکل

اجازت نہیں، جب تک اس لفظ کے معنی حقیقی مراد لینا محال نہ ہو جائے، اور یہاں معنی حقیقی مراد لینے میں کوئی بھی دشواری نہیں ہے، اس لئے معنی حقیقی مراد لیا جانا واجب اور ضروری ہے،

رہی دوسری بات تو اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ یہ قاضی بیضاویؒ پر صریح بہتان اور تہمت ہے، کیونکہ انھوں نے ماضی کے صیغے کی تفسیر مستقبل کے ساتھ ہرگز نہیں کی، بلکہ ماضی کے معنی کے ساتھ کی ہے، البتہ تفسیر کرنے کے بعد کمزور الفاظ میں بعض لوگوں کا قول نقل کر کے اس کی تردید کر دی ہے، لہٰذا یہ قول اُن کے نزدیک بھی مردود ہے،

پھر جب صاحب استفسار نے میزان الحق کے مصنف کی اس عبارت پر اعتراض کیا اور کہا کہ "پادری مذکور یا تو خود غلطی میں مبتلا ہے یا پھر عوام کو غلطی میں ڈالنا چاہتا ہے"، تو میزان الحق کے مصنف کو ہوش آیا، اور جدید نسخہ فارسی مطبوعہ ۱۸۴۹ء میں اور اردو نسخہ مطبوعہ ۱۸۵۰ء میں اس عبارت کو بدل دیا اور یوں کہا کہ:

"قرآن کریم میں جس مقام پر بھی لفظ "الساعۃ" معرف باللام اور معرد کی صورت میں واقع ہوا ہے، وہاں یوم قیامت کے معنی مراد ہیں، اور اِنْشَقَّ الْقَمَرُ والا جملہ واوِ عطف کی بنا پر اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ والے جملے کے ساتھ ملحق ہے، اور دونوں میں ماضی کا صیغہ ہے، لہٰذا جس طرح پہلا فعل "اقتربت" مستقبل کے معنی میں ہے، یعنی "سیجیئ یوم القیٰمۃ" اسی طرح دوسرا فعل "انشق" بھی معنی میں "سَیَنْشَقُّ" کے ہوگا، یعنی جب قیامت آئے گی تو چاند بھی دو ٹکڑے ہو جائے گا، اور بعض مفسرین نے بھی جیسا کہ زمخشریؒ اور بیضاویؒ ہیں اِس طرح تفسیر کی ہے اگرچہ یہ دونوں اپنی تفسیروں میں اس امر کے معتقد ہیں کہ یہ نشانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے، مگر انھوں نے اس طرح بھی تصریح کی ہے کہ: وَعَنْ بَعْضِ النَّاسِ أَنَّ مَعْنَاهُ سَيَنْشَقُّ يَوْمَ

اَلْقِيَامَةِ[1] اور حذیفہ رضی اللہ عنہ کی قراءت میں "وَقَدِ انْشَقَّ الْقَمَرُ" پایا جاتا ہے، یعنی قیامت قریب آگئی ہے، اور اس کے قریب ہونے کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ چاند ٹکڑے ہوگیا، اور بیضاوی نے کہا ہے کہ وَقِيْلَ مَعْنَاهُ سَيَنْشَقُّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ "

غرض پادری صاحب کو پتہ چل گیا اور انھوں نے عبارت کو بدل ڈالا، مگر انھوں نے کشاف کی عبارت کے خلاصہ کرنے میں کمال کر دیا، یعنی کچھ حصہ سمجھ کر حذف کر دیا کہ یہ غیر مفید ہے، اور صاحب کشاف کا یہ قول نقل کر دیا کہ "حذیفہؓ کی قرأت میں "قد انشق" ہے" حالانکہ یہ مقصود کے قطعی مناسب نہیں ہے، کیونکہ حذیفہؓ کی قرأت تو اس کے معجزہ ہونے میں نص ہے[2]۔

اگر یہ کہا جائے کہ یہ قول صرف ضمناً ذکر کر دیا گیا ہے، تو کہا جائے گا کہ پھر عبارت کے کچھ حصے کو حذف کرنے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟ کشاف[3] کی اصل عبارت یوں ہے کہ:

وَعن بعض الناس ان معناہ ينشق يوم القيامة وقوله وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ، يردہ	"بعض لوگوں نے اس آیت کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ چاند قیامت کے دن دو ٹکڑے ہو جائے گا، لیکن آگے باری تعالیٰ کا ارشاد وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً الخ

[1] یعنی بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ "قیامت کے دن چاند دو ٹکڑے ہو جائے گا" (کشاف، ص ۱۴۳۱، ج ۴ و تفسیر بیضاوی مصری ص　ج)

[2] اس لئے کہ اس میں لفظ "قد" استعمال کیا گیا ہے جس کے ہوتے ہوئے مستقبل کے معنی کا کوئی احتمال باقی نہیں رہتا،

[3] تفسیر کشاف، ص ۴۳۱ ج ۴ مطبعۃ الاستقامۃ بالقاہرۃ ۱۳۶۵ھ،

وَكفىٰ به ردّاً قراءة حذيفة قد انشقّ القمر اى وقد حصل من آيات اقترابها انّ القمر قد انشقّ كما تقول اقبل الامير وقد جاءَ البشير لقدومه وعن حذيفة رض[1] انه خطب بالمدائن ثمّ قال الا إنّ الساعة قد اقتربت ان القمر انشق على عهد نبيّكم،

(یعنی یہ کافر جب کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو اعراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ چلتا جادو ہے) اس قول کی تردید کرتا ہے، اس کے علاوہ حضرت حذیفہ رض کی قرأت بھی اس کی تردید کرتی ہے، جس میں قَدِ انْشَقَّ الْقَمَرُ کے الفاظ ہیں، اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ قیامت قریب آگئی، اور قربِ قیامت کی نشانیوں میں سے یعنی شقِ قمر ظاہر ہوگئی، باری تعالیٰ کا یہ ارشاد ایسا ہی ہے جیسے تم کہو کہ "امیر آرہا ہے" حالانکہ اس کا پیامبر آرہا ہو نیز حضرت حذیفہ رض سے روایت ہے کہ انھوں نے مدائن میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ سُن لو! قیامت قریب آگئی، اور چاند خود تمھارے نبیؐ کے عہدِ مبارک میں دو ٹکڑے ہوگیا ۔

رہا پادری صاحب کا یہ کہنا کہ لفظ "السَّاعَةُ" معرّف باللام ہے، اسی طرح یہ کہنا کہ جملہ انشق القمر بسبب واوِ عطف کے ماقبل سے ملحق ہے، سو ان دونوں چیزوں سے ان کا مقصود قطعی حاصل نہیں ہوتا، غالباً وہ یہ سمجھے کہ لفظ "الساعۃ" کے معنی چونکہ

---

[1] قال الحافظ ابن حجر رح "اخرجه الحاكم والطبراني وابو نعيم عن ابن عبد الرحمٰن بهذا واتمّ" (الكافي الشاف على هامش الكشاف)

قیامت کے ہیں، اور شقِ قمر اس کی علامات میں سے ہے، اس لئے اس کا اس کے ساتھ متصل ہونا اور اسی روز واقع ہونا ضروری ہے، اس غلط فہمی کا منشا محض تأمل اور غور نہ کرنا ہے،

سورۂ محمدؐ میں باری تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً فَقَدْ جَاءَ أَشْرَاطُهَا،	"اب یہی انتظار کرتے ہیں قیامت کا کہ آکھڑی ہو ان پر اچانک، سو آچکی ہیں اس کی نشانیاں"

س میں "فقد جاء اشراطها" کے الفاظ اس امر پر دلالت کر رہے ہیں کہ اسکی علامات واقع ہو چکی ہیں، کیونکہ لفظ "قد" جب فعل ماضی پر داخل ہوتا ہے تو وہ صاف اس امر کی ضمانت ہوتا ہے کہ یہ فعل زمانۂ ماضی میں واقع ہو چکا ہے، جو حال کے قریب ہو، اس لئے مفسرین نے اس قول کی تفسیر اس طرح پر کی ہے:-

بیضاوی میں ہے کہ:

"کیونکہ اس کی علامات ظاہر ہو چکی ہیں، جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت، اور انشقاق قمر"

اور تفسیر کبیر میں ہے کہ:

"اشراط سے مراد علامات ہیں، مفسرین کہتے ہیں کہ جیسے شقِ قمر اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت"

اور جلالین میں ہے کہ:

"یعنی قیامت کی علامتیں جن میں آپؐ کی بعثت اور شقِ قمر اور دخان ہے"

اور حسینی کی عبارت بھی بیضاوی کی طرح ہے،

پادری صاحب کا یہ کہنا کہ "جس طرح پہلا فعل اقتربت الساعۃ مستقبل کے معنی میں ہو الخ"

یہ بھی غلط ہے، کیونکہ وہ بھی ماضی ہی کے معنی میں ہے، اور فارسی میں اس کا یہ ترجمہ کرنا کہ

"روزِ قیامت خواہد آمد[1]" درست نہیں ہے، اور بعض لوگوں کا یہ قول مفسرین کے نزدیک

باطل اور مردود ہے، پھر پادری صاحب کہتے ہیں کہ:

"اور اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ شقِ قمر واقع ہوا تب بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا

معجزہ ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ نہ تو اس آیت میں نہ کسی دوسری آیت میں یہ تصریح

موجود ہے کہ یہ معجزہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں پر ظاہر ہوا"

جواباً ہم گذارش کریں گے کہ دوسری آیت اور صحیح احادیث اس کے معجزہ ہونے پر

دلالت کرتی ہیں، ان روایات کی صحت عقلی ضابطے کے مطابق ان محرّف اور اغلاط و

اختلافات سے بھری ہوئی انجیلوں سے کہیں زیادہ ہے، جن کی روایتیں آحاد کے ذریعے

اور وہ بھی بغیر سند متصل کے مروی ہیں، جیسا کہ آپ کو باب نمبر ۱ و ۲ سے معلوم ہو چکا ہے،

پھر پادری صاحب کہتے ہیں کہ:

دوسری آیت کا پہلی آیت[2] سے تعلق یہ ہے کہ منکرین آخری زمانے میں قیامت کی

علامتوں کو دیکھیں گے، مگر ان پر ایمان نہ لائیں گے، گزشتہ کافروں کی عادت کے مطابق

کہیں گے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے اور کچھ بھی نہیں"

---

[1] یعنی قیامت آئے گی

[2] اس عبارت میں پادری صاحب مفسرین کی اس دلیل کا جواب دینے کی کوشش کر رہے ہیں جس میں انھوں نے کہا تھا کہ اگر شقِ قمر کا معجزہ واقع نہیں ہوا تو اگلی آیت وَاِنْ یَّرَوْا اٰیَۃً الخ کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟

یہ بات بھی دو وجہ سے غلط ہے، اوّل تو اس لئے کہ منکر عناد کی بناء پر انکار اسی وقت کیا کرتا ہے، اور کافر کسی خلاف عادت واقع ہونے والے کام کو جادو جب ہی کہا کرتا ہے جب کہ کوئی شخص اس خلافِ عادت صادر ہونے والے کام کی نسبت یہ دعویٰ کرتا ہے کہ یہ میرا معجزہ یا کرامت ہے، پھر جب آخری زمانے میں قیامت کی علامتیں بغیر اس دعوے کے پائی جائیں گی تو پھر منکرین کو انکار کی کیا ضرورت ہے، اور یہ کہنے سے کیا حاصل کہ یہ کھلا ہوا جادو ہے، ؟

دوسرے یہ کہ شقِ قمر زمانۂ مستقبل میں قیامت ہی کے روز ہو سکتا ہے، پھر عین قیامت کے روز جب کافر اپنی آنکھوں سے قیامت کا مشاہدہ کر چکے ہوں گے، اس وقت یہ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ یہ کھلا جادو ہے، ہاں یہ ممکن ہے کہ ان میں سے کوئی شخص پادری صاحب کی طرح عاقل معاند ہو تو شاید وہ اپنے زعم کی بناء پر ایسی بات کہہ دے، یا خود پادری صاحب اور ان جیسے دوسرے علماء پروٹسٹنٹ اپنی قبروں سے زندہ نکلنے کے بعد یہ اعتراض کر دیں، کیونکہ ان کے دلوں میں دینِ محمدی کا بغض و عناد کوٹ کوٹ بھرا ہے، پھر پادری صاحب لکھتے ہیں:

"اور اگر یہ معجزہ آپ کے ہاتھوں ظاہر ہوا ہوتا تو آپ اُن مخالفین و معاندین کو اطلاع دیتے جو آپ سے معجزے کے طالب تھے کہ دیکھو میں نے فلاں وقت چاند کے دو ٹکڑے کر دیئے، اس لئے اب تم کو کفر سے باز آجانا چاہئے"

اس کے مکمل جواب کے لئے ناظرین کو فصل دوم کے انتظار کی زحمت گوارا کرنی پڑے گی، انشاء اللہ وہاں اس کا تفصیلی جواب دیا جائے گا۔

ایک اور پادری صاحب کے اعتراضات

مصنف وجہۃ الایمان نے اس معجزے کا انکار کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

"بہت سے مفسرین جیسے زمخشری اور بیضاوی نے اس مقام پر یہ تفسیر کی ہے کہ چاند قیامت کے روز شق ہوگا، اور اگر یہ واقعہ واقع ہو چکا ہوتا تو سارے جہان میں اس کی شہرت عام ہوتی، کسی ایک ملک میں اس کے مشہور ہونے کے کوئی معنی نہیں"

ہمارے پچھلے بیان سے معلوم ہو چکا ہے کہ دونوں باتیں یقینی طور پر غلط ہیں، یہ پادری صاحب میزان الحق کے مصنف سے بھی بہت آگے بڑھ گئے ہیں، کہ انھوں نے عقلی اور نقلی دلیل بھی پیش کر ڈالی، اور کشاف کے نام کی تصریح بھی کردی، شاید انھوں نے میزان الحق کے پرانے نسخے کو دیکھ لیا ہوگا، جس میں کالبیضاوی وغیرہ لکھا ہو اور یہ سمجھا کہ وغیرہ سے مراد کشاف ہے، کیونکہ بیضاوی کو بمقابلہ دوسری تفسیروں کے کشاف سے بہت زیادہ مناسبت ہو، اس لئے کشاف کی تصریح کردی، تاکہ میزان الحق کے مصنف سے ان کی فضیلت بڑھ جائے، حالانکہ صاحبِ کشاف نے اس سورۃ کی تفسیر کے شروع میں کہا ہے کہ:

"انشقاقِ قمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نشانیوں اور آپؐ کے روشن معجزات میں سے ہے"

اور اس رسالے کے مصنف نے جو مولانا نعمت علی ہندی کے مکتوب کے جواب میں تالیف کیا گیا ہے اس معجزے پر اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

"اس آیت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ یہ معجزہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر ہوا، اور نہ تفسیروں سے یہ امر ثابت ہوتا ہے"

سبحان اللہ! یہ صاحب تو اپنے دونوں پیشروؤں سے چار قدم آگے بڑھ گئے، ان صاحب کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ بات کسی تفسیر سے ثابت نہیں ہوتی، غالباً پہلے پادری صاحب کے متعلق انھوں نے یہ قیاس کیا کہ پہلے پادری صاحبان نے جو کہا تھا کہ "بیضاوی وغیرہ کی طرح مفسرین نے یہی لکھا ہے" تو انھوں نے اسے سچ سمجھ لیا، پھر ان دونوں تفسیروں پر تمام تفسیروں کو قیاس کر ڈالا، اور دعویٰ کر دیا کہ کسی تفسیر سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی، تاکہ دونوں پیشروں پر اس کی فوقیت ثابت ہو جائے، اور اپنی قوم کے سامنے اس کا تبحر ظاہر ہو کہ ماشاء اللہ انھوں نے تمام تفسیروں کا مطالعہ کر لیا ہے،

غرض ہر پیچھے آنے والے نے اپنے پیشرو سے کچھ نہ کچھ اضافہ ہی کیا، مگر یہ بات عیسائیوں کی عادت مستمرہ سے کوئی عجیب نہیں ہے، کیونکہ قرن اول میں عیسائیوں کے یہاں یہ طریقہ عام رہا ہے، جیسا کہ حواریوں کے رسالہ جات کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے اور قرن ثانی عیسوی میں یہ چیز مستحسن قرار پا گئی تھی، جیسا کہ مورخ موشیم دوسری صدی کے علماء کی حالت بیان کرتے ہوئے اپنی تاریخ مطبوعہ ۱۸۳۲ء جلد اوّل صفحہ ۶۵ میں کہتا ہے کہ:

"افلاطون اور فیثاغورس کے ماننے والوں میں یہ مقولہ مشہور ہے، کہ جھوٹ اور فریب سچائی کے بڑھانے اور اللہ کی عبادت کے لئے نہ صرف جائز ہیں بلکہ قابلِ تحسین ہیں، سب سے پہلے مصر کے یہودیوں نے مسیح سے قبل یہ مقولہ ان سے سیکھا، چنانچہ قدیم کتابوں سے یقینی طور پر یہ امر واضح ہوتا ہے، پھر اس ناپاک اور مہلک وبا کا اثر عیسائیوں میں داخل ہوا، جیسا کہ اُن کی بہت سی کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے جو بڑے لوگوں کی جانب جھوٹ منسوب کی گئی ہیں،

آدم کلارک اپنی تفسیر کی جلد ۶ میں گلتیوں کے نام پولس کے خط کے باب کی شرح میں کہتا ہے کہ:

"یہ چیز محقق ہے کہ بہت سی جھوٹی انجیلیں ابتدائی مسیحی صدیوں میں رائج تھیں، اور جھوٹے قصوں کی کثرت ہی نے لوقا کو انجیل لکھنے پر آمادہ کیا، اس قسم کی جھوٹی انجیلوں میں ستر سے زیادہ انجیلوں کا ذکر پایا جاتا ہے. ان جھوٹی انجیلوں کے بہت سے اجزاء اب بھی باقی اور موجود ہیں"

پھر جب اُن کے پہلوں نے ستر سے زیادہ انجیلوں کو بالکل خلاف واقعہ غلط طور پر مسیح و مریم و حواریین کی جانب منسوب کر دیا، تو اگر یہ تینوں پادری صاحبان عامۂ مسلمین کو گمراہ کرنے اور مغالطے میں ڈالنے کے لئے بعض چیزوں کو قرآن کی تفسیروں کی طرف منسوب کر رہے ہیں، تو کوئی بھی تعجب نہ ہونا چاہئے،

آخری رسالے کی ہندوستان میں بڑی شہرت رہی، اور پادری لوگ مختلف شہروں میں بکثرت اس کو تقسیم کیا کرتے تھے، مگر جب بہت سے علمائے اسلام نے اس کا رد لکھا، اور ان کی تحریریں شہرت پذیر ہو گئیں، تب پادریوں نے اس کی تقسیم و اشاعت روک دی، اس کی تردید میں لکھی جانے والی تین کتابیں طبع ہوئیں، اوّل تحفۂ مسیحیہ، مصنفہ سید الدین ہاشمی، دوم تائید المسلمین، جو مجتہد شیعہ لکھنؤ کے کسی عزیز کی تصنیف ہے، سوم خلاصہ سیف المسلمین، جو فاضل حیدر علی قرشی کی تصنیف ہے،

معجزہ نمبر ۱۳، کنکریوں سے کفار کی ہلاکت

بیضاوی میں ہے کہ:

"منقول ہے کہ جب قریش ایک ٹیلے سے نمودار ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ قریش ہیں جو تکبر اور فخر کے ساتھ تیرے رسول کی تکذیب کرتے آئے ہیں، اے اللہ! میں آپ سے اس چیز کی درخواست کرتا ہوں جس کا آپ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے، پھر جبرئیلؑ حاضرِ خدمت ہوئے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ ایک مٹھی خاک کی لے کر ان کافروں کے مار دیجئے، پھر جب دونوں گروہ ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باریک کنکریوں کی ایک مٹھی بھر کر ان کے چہروں پر دے ماری، اور فرمایا "شَاهَتِ الْوُجُوْهُ" اس کے بعد کوئی کافر ایسا نہ تھا جو اس وقت آنکھوں سے معذور نہ ہوگیا ہو، اور نتیجۃً کفار کو شکست فاش ہوئی، اور مسلمانوں نے ان کو قید اور قتل کرنا شروع کر دیا، پھر جب کفار مکہ واپس لوٹے تب بھی شیخی بگھارتے ہوئے ایک شخص دوسرے سے کہتا تھا کہ میں نے قتل کیا اور میں نے قید کیا[1]"۔

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى" یعنی اے محمدؐ آپ نے ان کو (ایسی) کنکریاں نہیں ماریں (جو ان کی آنکھوں تک پہنچ سکتیں، نہ آپؐ کو اس کی قدرت تھی جب کہ بظاہر آپ ہی مار رہے تھے) بلکہ اللہ نے اس پھینکنے کا نتیجہ مرتب فرما دیا (یعنی ان سب کی آنکھوں تک پہنچا دیا، یہاں تک کہ ان کو شکست ہوگئی، اور تم ان کی جڑ کاٹنے پر قادر ہوگئے)، امام فخر الدین رازیؒ نے فرمایا کہ:

---

[1] تفسیر بیضاوی ص ۲۲ ج ۳ تفسیر سورہ انفال المطبعۃ العامرۃ استنبول ۱۳۱۴ھ،

"زیادہ صحیح یہی بات ہے کہ یہ آیت بدر کے واقعہ میں نازل ہوئی ہے، ورنہ قصہ کے درمیان میں ایک بے جوڑ بات کا داخل کرنا لازم آئے گا، جو مناسب نہیں ہے، بلکہ کوئی بعید نہیں ہے کہ اسی کے تحت بقیہ واقعات بھی ہوں[1] اس لئے کہ الفاظ کے عموم کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ سبب کی خصوصیت کا"

ادھر مقدمہ میں آپ کو صاحب میزان الحق کے اعتراضات کا حال معلوم ہو چکا ہے جو انہوں نے اس معجزے پر کئے ہیں، اس لئے ہم اس کا اعادہ نہیں کرنا چاہتے[2]،

معجزہ نمبر ۴، زوراء کے مقام پر انگلیوں سے پانی کا جاری ہونا،

اکثر موقعوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک انگلیوں کے درمیان سے پانی [illegible] اور بہنا ثابت ہے، اپنی جگہ پر یہ معجزہ پتھر سے چشمہ جاری ہونے کے اس معجزے سے عظیم [illegible] ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے لئے ہوا، کیونکہ پتھروں سے پانی کا نکلنا فی الجملہ عادت کے موافق ہے، مگر خون اور گوشت سے پانی کا برآمد ہونا سوائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی سے ثابت نہیں،

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ عصر کی نماز کا وقت تھا، میں نے حضور کو دیکھا کہ لوگ آپ کے لئے پانی تلاش کر رہے ہیں مگر پانی نہیں ملتا تھا، اتفاق سے کچھ پانی

---

[1] مطلب یہ ہے کہ اگرچہ یہ آیت نازل بدر کے موقعہ پر ہوئی، لیکن اس میں کنکریاں مارنے کے وہ واقعات بھی داخل ہو گئے جو بدر کے علاوہ دوسرے مقامات پر پیش آئے، مثلاً غزوۂ حنین کے بارے میں بھی روایت ہے کہ آپ نے اُسی طرح کنکریاں پھینکی تھیں،

[2] دیکھئے ص ۲۶۱ جلد اول،

دستیاب ہوگیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کے برتن میں اپنا دستِ مبارک رکھ دیا، اور لوگوں کو حکم دیا کہ اس برتن سے وضو کرنا شروع کردیں، اس دوران میں میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے فوارے کی طرح پانی اُبل رہا ہے، یہاں تک کہ سب لوگوں نے وضو کرلیا اور کوئی بھی محروم نہیں رہا، یہ معجزہ مقام زوراء میں مدینہ کے بازار کے قریب واقع ہوا[1]،

معجزہ نمبر ۵، حُدَیبیہ کے مقام پر

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: "حدیبیہ والے روز سب لوگ پیاس کی وجہ سے پریشان تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چھوٹا سا مشکیزہ تھا، جس سے حضور نے وضو فرمایا، سب لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ ہمارے پاس ذرہ برابر پانی موجود نہیں ہے، سوائے اس مشکیزے کے، آپ نے اپنا دستِ مبارک مشکیزے میں رکھ دیا، پھر کیا تھا، پانی آپ کی انگلیوں سے چشمے کی طرح اُبل کر نکلنے لگا وہاں حاضرین کی تعداد چودہ سو تھی[2]،

---

[1] "اخرجہ الشیخان من طریق قتادۃ عن انسؓ" (الخصائص الکبریٰ، ص ۴۰ ج ۲)

[2] "عطش الناس یوم الحدیبیۃ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین یدیہ رکوۃ فتوضأ منہا ثم اقبل علی الناس فقال ما لکم قالوا لیس عندنا ماء نتوضأ بہ ولا نشرب الا ما فی رکوتک فوضع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یدہ فی الرکوۃ فجعل الماء یفور من بین اصابعہ کامثال العیون" اخرجہ البخاریؒ عن جابرؓ،
(الخصائص الکبریٰ، ص ۲۴۵ ج اول)

معجزہ نمبر ۶، غزوۂ بواط میں

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ اے جابر پانی کے لئے اعلان کردو"، پھر طویل حدیث بیان کرتے ہوئے کہا "سوائے ایک سوکھے مشکیزے جس کے مُنہ میں ایک قطرہ پانی کا نظر آیا اور کہیں پانی کا وجود نہ تھا، اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا، آپؐ نے اُس کو ڈھک کر کچھ پڑھا جس کا مجھ کو علم نہیں، پھر فرمایا کہ بڑا پیالہ منگاؤ، میں لے کر حاضر ہوا، اور آپؐ کے سامنے رکھ دیا، حضورؐ نے اس پیالے میں اپنی انگلیاں کشادہ فرماکر ہاتھ رکھ دیا،" اور حضرت جابرؓ نے وہ قطرہ آپؐ کے ہاتھ پر نچوڑا، پھر بیان کرتے ہیں کہ میں نے آپؐ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی کو جوش مارتے اور اُبلتے ہوئے دیکھا، پھر پیالہ اُبلنے اور گھومنے لگا، یہاں تک کہ لبریز ہوگیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو پانی پینے کا حکم دیا، یہاں تک کہ سب لوگ سیراب ہوگئے، میں نے اعلان کیا کہ کسی اور صاحب کو پانی کی ضرورت ہے؟ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک برتن سے اٹھالیا، اور وہ بدستور لبریز تھا[1]" یہ معجزہ غزوۂ بواط میں صادر ہوا،

معجزہ نمبر ۷، غزوۂ تبوک کے موقعہ پر

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے غزوۂ تبوک کے قصے میں منقول ہے کہ:
"لوگ ایک ایسے چشمے پر پہونچے جس میں بقدر تسمہ کے پانی بہہ رہا تھا، لوگوں نے چلّو

---

[1] اخرجہ مسلم فی باب حدیث جابر الطویل، ص ۴۱۵ ج ۲،

بھر بھر کر کچھ پانی جمع کیا، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے روئے مبارک اور ہاتھوں کو دھویا، اور وہ دھووَن اُس پانی میں ڈال دیا، پھر کیا تھا، بے شمار پانی بہنے لگا، یہاں تک کہ لوگ سیراب[1] ہوگئے" ابن اسحٰق کی روایت میں ہے کہ "اُس دن اس قدر پانی نکلا کہ اس کی آواز پر بجلیوں کے کوندنے کا شبہ ہوتا تھا" پھر فرمایا کہ اے معاذ اگر تمھاری عمر طویل ہوئی تو تم عنقریب اس مقام کو دیکھوگے کہ باغات سے بھرا پڑا ہے،

معجزہ نمبر ۸، حضرت عمرانؓ کی حدیث

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ جب ایک سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کو شدید پیاس نے پریشان کیا تو آپ نے دو صحابیوں کو یہ کہہ کر روانہ کیا کہ تم کو فلاں مقام پر ایک عورت ملے گی جس کے اونٹ پر دو مشکیزے پانی کے لدے ہوئے ہیں، ان دونوں صاحبوں نے اس عورت کو لاکر حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مشکیزوں سے کچھ پانی نکال کر ایک برتن میں ڈالا، پھر اس پر کچھ کلمات پڑھے، پھر وہ پانی بدستور اُن مشکیزوں میں ڈال دیا اور دونوں کے مُنہ کھول دیئے گئے، آپؐ نے لوگوں کو حکم دیا، اور انھوں نے اپنے اپنے برتن بھر لئے، یہاں تک کہ کوئی برتن باقی نہیں رہا جس کو انھوں نے بھر نہ لیا ہو،

---

[1] اَنّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتی عین تبوک وہی تبضّ بشئ من ماء فغرفوا بایدیھم من العین قلیلاً حتی اجتمع شئ فغسل النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیہ یدیہ ووجہہ ثم اعادہٗ فیہا فجرت العین بماء کثیر فاستقی الناس" اخرجہ مالکؒ عن معاذ بن جبلؓ (جمع الفوائد ص ۱۹۴ ج ۲) وزاد فیہ ابن اسحٰق "فانخرق من الماء حتّٰی کان یقول من سمعہ انّ لہ حسا کحسّ الصواعق ثم قال یوشک یا معاذؓ ان طالت بک الحیاۃ ان تری ما ہٰہنا ملئ جنانا (الخصائص ص ۲۷۳، ج ۱)

عمران رضی اللہ عنہ کا بیان ہے مجھے یوں معلوم ہو رہا تھا کہ وہ دونوں مشکیزے بدستور بھرے ہیں، پھر آپ نے لوگوں کو حکم دیا، اور اس عورت کے لئے کچھ کھانا اور توشہ جمع کیا گیا، یہاں تک کہ اس کا کپڑا بھر گیا، پھر حضور نے اس سے فرمایا کہ اب تم جا سکتی ہو ہم نے تمہارے پانی میں سے کچھ بھی نہیں لیا، بلکہ اللہ نے ہم کو سیراب کیا ہے[1]،

معجزہ نمبر ۹، غزوۂ تبوک کے موقعہ پر بارش کی دعا،

جیش عسرت[2] والے واقعہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کی پیاس کی شدت کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ نوبت یہاں تک پہونچ گئی تھی کہ ایک شخص اپنے اونٹ کو ذبح کرتا تھا، اور اس کی اوجھ کو نچوڑ کر اس سے جو گندہ پانی نکلتا تھا اس کو پی لیتا تھا[3]، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دعاء

---

[1] اخرجہ الشیخان مطولاً عن عمران بن حصین رضؓ (جمع الفوائد، ص ۱۹۳ ج ۲)

[2] "جیش عسرت" کے لغوی معنی ہیں "تنگی کا لشکر" اور یہ غزوۂ تبوک کا لقب ہے جو مسلمانوں کی تنگدستی کی بناء پر غالباً خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تجویز فرمایا تھا،

[3] یہ ایک روایت میں ہے، اور زیادہ صحیح روایات میں یہ آیا ہے کہ صحابہؓ نے پیاس کی شدت سے عاجز آکر اسے پی لینے کی اجازت چاہی تھی، مگر ابھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب نہیں دیا تھا کہ حضرت عمرؓ نے یہ تجویز پیش کی کہ ایسا نہ کیا جائے، بلکہ جس جس کے پاس جتنا توشہ ہو وہ لاکر آپؐ کے پاس جمع کردے، اور آپ اس میں برکت کی دعاء فرمائیں، چنانچہ آپؐ نے ایسا ہی کیا، (اخرجہ مسلم عن ابی ہریرۃؓ، کذا فی الخصائص ص ۲۷۳، ج اول) خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جس حدیث کا مصنفؒ نے تذکرہ فرمایا ہے، اس کے جو الفاظ علامہ سیوطیؒ نے ابن راہویہ، ابو یعلی، ابونعیم اور ابن عساکر کے حوالے سے نقل کئے ہیں اس میں بھی واقعہ اسی طرح بیان کیا گیا ہے، (دیکھئے خصائص ص ۲۷۴، ج اول) (باقی حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

کیلئے عرض کیا آپ نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے ابھی آپ نے دعا ختم بھی نہ کی تھی کہ بارش برسنا شروع ہو گئی، لوگوں نے اپنے اپنے تمام برتن پانی سے بھر لئے، مگر بارش کا سلسلہ مسلمانوں کے لشکر تک محدود رہا، اور کسی جگہ بارش کا نشان و اثر تک نہ تھا،

معجزہ نمبر ۱۰ ایک شخص کے کھانے میں برکت

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ: ایک شخص نے بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو کر آپ سے کھانے کا سوال کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو آدھا وسق جو کھانا عطا فرمایا جس میں سے وہ شخص مدت تک خود بھی اور اس کی بیوی بھی نیز آیا گیا مہمان بھی برابر کھاتے رہے، اور کبھی اُس میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی، یہاں تک کہ ایک مرتبہ اس نے ناپا اور اندازہ کیا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اطلاع کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم اس کو نہ ناپتے تو اسی طرح ہمیشہ کھاتے رہتے، اور وہ تمہارے پاس باقی رہتا[1]،

معجزہ نمبر ۱۱ چند روٹیاں اسّی آدمیوں نے کھائیں

(بقیہ حاشیہ ص ۱۰۸۶) چنانچہ پھر ایسا ہی کیا گیا، سب نے تھوڑا تھوڑا کھانا لاکر جمع کر دیا، اور اس میں اللہ تعالیٰ نے برکت عطا فرمائی، اور اس طرح بھوک کا علاج ہو گیا، پھر حضرت ابو بکرؓ کی درخواست پر آپ نے بارش کی دعا فرمائی، اور اس کے بعد بارش ہوئی، (کنز العمال ص ۲۷۰، ج ۶ بحوالہ بزار وغیرہ، والخصائص بحوالہ ابی نعیم عن عباس بن سہلؓ، ص ۲۷۵، ج اوّل)

[1] "جاءہ رجل یستطعمہ فاطعمہ شطر وسق شعیر فما زال ذلک الرجل یاکل منہ وامرأتہ وضیفہما حتی کالہ ففنی" الحدیث اخرجہ مسلم عن جابرؓ (جمع الفوائد، ص ۱۹۶، ج ۲)،

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چند جَو کی روٹیاں جو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بغل میں دبا کر لائے تھے، اسّی صحابیوں کو کھلائیں، اور سب شکم سیر ہوگئے،[1]

معجزہ نمبر ۱۲، حضرت جابرؓ کے کھانے میں برکت

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق والے دن ایک ہزار مجاہدین کی کثیر جماعت کو صرف ایک صاع جَو کی روٹیاں اور ایک بکری کے چھوٹے بچے کا گوشت کھلایا، حضرت جابرؓ قسم کھا کر بیان فرماتے ہیں کہ اس پورے لشکر نے خوب پیٹ بھر کر کھایا، پھر بھی کھانا اسی طرح بچا رہا اور سالن کی ہانڈی بدستور سابق کھول رہی تھی، اور آٹے سے بدستور روٹیاں پک رہی تھیں، صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹے میں اور ہانڈی میں اپنا لعابِ دہن ڈال دیا تھا، اور دعائے برکت کی تھی،[2]

معجزہ نمبر ۱۳، حضرت ابو ایوبؓ کی دعوت میں کھانے کی زیادتی

ابو ایوب انصاریؓ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے اندازے سے صرف اس قدر کھانا تیار کیا تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے لئے کافی ہو جائے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شرفائے انصار کے تیس افراد کو طلب فرمایا، اور ان کو بھی

---

[1] اخرجہ الشیخانؒ ومالکؒ فی الموطاء، والترمذیؒ، عن انسؓ فی حدیث طویل (جمع الفوائد، ص ۱۹۶ ج ۲)

[2] اخرجہ الشیخان عن جابر فی قصۃ طویلۃ (جمع الفوائد، ص ۱۹۵ ج ۲)،

دعوت میں شریک فرمایا، سب لوگ شکم سیر ہو کر فارغ ہو گئے، مگر اس کھانے میں کوئی فرق نہ آیا، پھر فرمایا کہ ساٹھ آدمی اور بلائے جائیں، وہ بھی آئے اور کھا کر فارغ ہو گئے، پھر فرمایا کہ ستر آدمی اور بلاؤ، وہ بھی آئے اور پیٹ بھر سب نے کھانا کھایا، اور وہ کھانا بدستور سابق موجود تھا، اس معجزے کو دیکھ کر آنے والوں میں سے کوئی ایک بھی ایسا باقی نہ رہا جو اسلام نہ لایا ہو، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں پر بیعت نہ کی ہو، ابو ایوب رضؓ فرماتے ہیں کہ اس طرح میرے اس قلیل مقدار کھانے کو ایک سو اسی (۱۸۰) آدمیوں نے کھایا[1]،

معجزہ نمبر ۱۴، حضرت سمرہؓ کی روایت

سمرۃ بن جندب رضؓ سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک پیالہ گوشت کسی نے ہدیۃً پیش کیا، حضورؐ صبح سے شام تک تمام آنے والوں کو یکے بعد دیگرے اس میں سے کھلاتے رہے، ایک گروہ کھا کر فارغ ہوتا تو دوسری جماعت بیٹھ جاتی، یہ سلسلہ تمام دن جاری رہا[2]۔

معجزہ نمبر ۱۵، حضرت عبدالرحمٰن رضؓ کی حدیث

عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کا بیان ہے کہ ہم لوگ حضورؐ کی مجلس میں ایک بار ایک سو تیس

---

[1] "صنعت للنبی صلی اللہ علیہ وسلم طعاماً ولأبی بکرؓ قدر ما یکفیہما فأتیتہما بہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذہب فادع لی ثلثین من اشراف الانصار (وفیہ) فأکلوا حتی صدروا ثم شہدوا انہ رسول اللہ" الحدیث اخرجہ البیہقی والطبرانی وابونعیم عن ابی ایوبؓ (الخصائص ص ۴۷، ج ۲)

[2] "کنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم نتداول من قصعۃ من غدوۃ حتی اللیل تقوم عشرۃ وتقعد عشرۃ" اخرجہ الترمذی عن سمرۃ (جمع الفوائد، ص ۱۹۶ ج ۲)

افراد تھے کہ ایک صاع گندم کا آٹا گوندھا گیا، اور ایک بکری کی کلیجی بھونی گئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک شخص کو اس میں کا ایک ایک ٹکڑا کاٹ کر دیا، پھر اس کو دو پیالوں میں کر دیا، جس کو ہم ایک سو تیس (۱۳۰) آدمیوں نے کھایا، خدا کی قسم! ہم شکم سیر ہو گئے، اور دونوں پیالوں میں پھر بھی کچھ بچ گیا جس کو میں نے اپنے اونٹ پر رکھ لیا۔[1]

معجزہ نمبر ۱۶، غزوۂ تبوک کا واقعہ

سلمہ بن اکوعؓ، ابو ہریرہؓ، اور عمر بن خطابؓ تینوں صاحبوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے فاقے اور بھوک کی شدّت کا حال بیان کرتے ہوئے جس کی نوبت کسی غزوہ میں پیش آئی تھی ذکر کیا ہے کہ:

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب لوگوں سے جو مقدار کھانے کی جس کے پاس فاضل تھی طلب کی، کسی کے پاس ایک مٹھی، کسی کے پاس کچھ زیادہ، سب سے بڑھ کر جو شخص لایا وہ ایک صاع خشک کھجور تھی، یہ سب چیزیں چمڑے کے دسترخوان پر جمع کر دی گئیں حضرت سلمہؓ کا بیان ہے کہ میں نے سارے ڈھیر کا تخمینہ لگایا تو اتنا اونچا تھا جس قدر بیٹھی ہوئی بکری کی اونچائی ہوتی ہے، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو مع برتنوں کے طلب کیا، اور جس قدر ظروف اور برتن لشکر میں تھے سب اس ڈھیر سے بھر لئے گئے، مگر پھر بھی باقی بچ گیا"[2]

---

[1] اخرجہ الشیخان عن عبدالرحمن بن ابی بکرؓ (جمع الفوائد، ص ۱۹۶ ج ۲)
[2] اخرجہ مسلم عن ابی ہریرۃؓ وابن راہویہ وابویعلیٰؒ وابونعیمؒ وابن عساکرؒ عن عمر بن الخطابؓ (الخصائص، ص ۱۴۳ وص ۴۴، ج ۱) والشیخانؒ عن سلمۃ بن الاکوعؓ (جمع الفوائد، ص ۱۹۵ ج ۲)

معجزہ نمبر ۱۷، حضرت زینبؓ کی رخصتی کا واقعہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ: "جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ اُم المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا رخصت ہو کر آئیں تو مجھ کو حکم دیا کہ فلاں فلاں شخص کو جن کے نام حضورؐ نے بتا دیئے بلالاؤ، چنانچہ سب لوگ آ گئے، اور پورا گھر مہمانوں سے بھر گیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بڑا پیالہ جس میں تقریباً ایک مُد کی مقدار کھجوروں کا حلوا تیار کیا گیا تھا پیش کیا، اور اپنی تین انگلیاں اس میں ڈبو دیں، لوگ کھا کر فارغ ہوتے رہے، اور جاتے رہے، یہاں تک کہ تمام مہمان کھا چکے، مگر پیالے میں جس قدر مقدار تھی اس میں کوئی فرق نمایاں نہیں ہوا"[۱]

معجزہ نمبر ۱۸، حضرت فاطمہؓ کے کھانے میں برکت

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ: "ایک مرتبہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ہم دونوں کے لئے ایک ہانڈی سالن پکایا، اور مجھ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بھیجا، تاکہ حضورؐ بھی ہمارے ساتھ شریکِ طعام ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق حضرت فاطمہؓ نے تمام ازواجِ مطہرات کے لئے ایک ایک بڑا پیالہ جس سے پانچ آدمی بفراغت سیر ہو سکتے ہیں بھر بھر کر دیا، پھر ایک پیالہ حضورؐ کے لئے پھر حضرت علیؓ کے لئے، اسی طرح ایک پیالہ

[۱] اخرجہ ابو نعیم وابن عساکر عن انس فی حدیث طویل (الخصائص، ص ۶۹ ج ۲)

خود اپنے لئے بھرا، پھر بھی ہانڈی کو جب اٹھایا گیا تو وہ بدستور لبریز تھی، اور ہم سب نے جس قدر خدا کو منظور تھا کھایا[۱]"

معجزہ نمبر ۱۹، حضرت جابرؓ کے پھلوں میں برکت؛

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کی وفات کے بعد اُن کے ذمہ جو لوگوں کا قرض تھا اس کی ادائیگی کا عجیب واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ:

"میں نے قرضخواہوں کو اصل مال ادا کرنے کی پیشکش کی جس کو انھوں نے منظور نہیں کیا، اور باغ کے پھلوں کی پیداوار میں پورا قرض ادا ہونیکی صلاحیت نہیں تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب پھلوں کو توڑنے اور ان کو درختوں کی جڑوں میں ڈھیر لگانے کا حکم دیا، اور تشریف لاکر اس کے اردگرد پھر کر دعاء برکت فرمائی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے قرض خواہوں کا پورا قرض اس میں سے ادا کر دیا، پھر بھی اس قدر بچ گیا جس قدر ہر سال بچتا تھا[۲]"

معجزہ نمبر ۲۰، حضرت ابوہریرہؓ کی کھجوروں میں برکت؛

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں:

"ایک مرتبہ لوگوں پر بھوک اور فاقہ کی شدت غالب ہوئی، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم

---

[۱] "یا رسول اللہ عندنا طعام فہلم فجاء والقدر تفور فقال اغرفی لعائشۃ فغرفت فی صحفۃ ثم قال اغرفی لحفصۃ فغرفت فی صحفۃ حتی غرفت لجمیع نسائہ التسع .... وفیہ ثم رفعت القدر وانہا لتفیض فاکلنا منہا ما شاء اللہ" اخرجہ ابن سعد عن علیؓ (الخصائص ص ۴۸، ۴۹ ج ۲)

[۲] اخرجہ الشیخان والحاکم والبیہقی عن جابرؓ (الخصائص الکبریٰ ص ۵۲، ۵۳ ج اوّل)

نے مجھ سے پوچھا کہ کیا کچھ موجود ہے؟ میں نے عرض کیا کہ مشکیزہ میں تھوڑی کھجوریں ہیں، فرمایا: میرے پاس لاؤ، پھر اپنا ہاتھ اس میں ڈالا، اور ایک مٹھی بھر کر نکالی، اور پھیلا کر دعاے برکت فرمائی، پھر فرمایا دس آدمیوں کو بلا لاؤ، چنانچہ آنے والے شکم سیر ہو کر چلے گئے، پھر اسی طرح دس آدمیوں کو بلایا، وہ بھی فارغ ہو گئے، یہاں تک کہ سارے لشکر نے پیٹ بھر لیا، پھر مجھ سے فرمایا: جس قدر تم لاتے تھے اُس قدر لیلو، اور اُسے اُلٹنا نہیں، اپنا ہاتھ ڈال کر ایک مٹھی بھر لو، میں جس قدر لایا تھا اُس سے زیادہ مٹھی بھر کر نکال لی، اس بابرکت غلّہ میں سے میں خود بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارک میں، پھر ابوبکرؓ و عمرؓ کے زمانے میں کھاتا رہا، اور دوسروں کو بھی کھلاتا رہا، یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے ہنگامہ میں جب میرا سامان لُٹ گیا، تو وہ غلّہ بھی لوٹ لیا گیا، اور میں اس سے محروم ہو گیا[1]

اور کھانے کی مقدار کا غیر معمولی طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء کی برکت سے بڑھ جانے کا معجزہ دس صحابیوں سے زیادہ اشخاص سے منقول ہے، ان سے نقل کرنیوالے تابعین صحابہؓ سے بھی دو گنے ہیں، اور ان کے بعد اس واقعہ کو

---

[1] اخرجہ البیہقی وابو نعیم عن ابی ہریرۃؓ (الخصائص ص ۵۱ ج ۲) جس دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اس دن حضرت ابوہریرہؓ یہ شعر پڑھ رہے تھے ؎

لِلنَّاسِ هَمٌّ وَلِيَ الْيَوْمَ هَمَّان ؞ فَقْدُ الْمَزَادِ وَقَتْلُ الشَّيْخِ عُثْمَانُ

یعنی "آج لوگوں کو تو ایک غم ہے اور مجھے دو غم ہیں، ایک مشکیزے کی گمشدگی اور دوسرے حضرت عثمانؓ کی شہادت" اس شعر میں حضرت ابوہریرہؓ نے جو مشکیزے کی گمشدگی کے غم کو حضرت عثمانؓ کی شہادت کے ساتھ ذکر کیا ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ مشکیزہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا فرمودہ اور بہت بابرکت تھا،

نقل کرنے والے اتنے بے شمار ہیں کہ ان کی گنتی مشکل ہے، پھر یہ واقعات عام اور مشہور اجتماعات میں پیش آئے جن کو سچائی کے ساتھ نقل کرنا ضروری ہے، ورنہ دوسرے لوگوں کی جانب سے تکذیب کا خطرہ ہوتا ہے،

رہی یہ بات کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع میں تھوڑی مقدار کھانے، یا پانی کو منگا کر اس کو زیادہ کیا، ابتداء ہی سے بہت سا کھانا یا پانی عدم سے وجود میں کیوں نہیں لائے؛ اس کا منشاء محض صورتاً ادب کا لحاظ رکھنا ہے، تاکہ معلوم ہو جائے کہ اصل موجد باری تعالیٰ ہی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے محض برکت حاصل ہوئی، اگرچہ زیادتی اور تکثیر بھی ایجاد کی طرح حقیقتاً اللہ ہی کی جانب سے ہے، تمام انبیاء علیہم السلام کا شیوہ اس معاملے میں ادب ہی کا رہا ہے، جیسا کہ الیاس علیہ السلام کا معجزہ بیان کیا جاتا ہے جن کی برکت سے ایک بیوہ کے گھر میں آٹے اور تیل کی مقدار بڑھ گئی تھی، جیسا کہ کتاب سلاطین اوّل کے باب ۱۷ میں تصریح موجود ہے، یا الیسع علیہ السلام کا معجزہ جن کی دعا سے ایک رومال بھر کر آٹے کی پکی ہوئی صرف بیس روٹیاں ایک سو آدمیوں کو کافی ہو گئیں، اور پھر بھی بچ گئیں، جیسا کہ کتاب سلاطین دوم باب ۴ میں صاف لکھا ہے، یا عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ کہ پانچ روٹیوں اور دو مچھلیوں میں برکت واقع ہو گئی، جیسا کہ انجیل متی کے باب ۱۴ میں تصریح ہے،

معجزہ نمبر ۲۱، درخت کی شہادت

ابن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ "ہم ایک سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ چلے جا رہے تھے، راستے میں ایک بدوی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

نزدیک آیا، آپ نے اس سے پوچھا کہ کہاں کا ارادہ ہے؟ اس نے کہا کہ اپنے گھر جارہا ہوں فرمایا کہ کیا تجھ کو مجھ سے کچھ فائدہ حاصل کرنے کی رغبت ہے؟ اس نے کہا وہ کیا ہے؟ فرمایا یہ کہ تو گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور نہ اس کا کوئی شریک ہے اور یہ کہ محمدؐ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، دیہاتی بولا آپ کے دعوےٰ کا کیا ثبوت ہے؟ اور اس پر کون شاہد ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان کے کنارے کھڑے ہوئے ایک درخت کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ بیری کا درخت شاہد ہے، یہ کہتے ہی فوراً وہ درخت زمین پھاڑتا ہوا حضورؐ کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا، آپ نے اس سے تین مرتبہ گواہی کا مطالبہ کیا، اور اس نے ہر بار شہادت دی کہ آپ ایسے ہی ہیں جیسا کہ آپ نے فرمایا، پھر وہ درخت اپنی جگہ واپس چلا گیا[۱]"

معجزہ نمبر ۲۲، درخت تابع فرمان ہو گئے،

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

"ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لئے باہر تشریف لے گئے، مگر اس میدان میں کوئی چیز پردے کی نہ تھی، میدان کے کنارے دو درخت کھڑے

---

[۱] الحدیث طویل وفیہ: قال ہل من شاہد علی ما تقول، قال ہذہ الشجرۃ فدعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہی بشاطئ الوادی...... حتی جاءت بین یدیہ فاستشہدہا ثلثا فشہدت انہ کما قال ثم رجعت الی منبتہا" اخرجہ الدارمی وابو یعلی والطبرانی والبزار وابن حبان والبیہقی وابو نعیم بسند صحیح عن ابن عمر رضہ، (الخصائص الکبریٰ ص ۳۶ ج ۲)

تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کی جانب بڑھے، اور اس کی ایک شاخ پکڑ کر فرمایا، کہ خدا کے حکم سے میری مطیع بن جا، وہ ٹہنی حضورؐ کے ساتھ ساتھ اس طرح تابع ہو کر چلنے لگی جس طرح وہ اونٹ اپنے مالک کا مطیع بن کر چلتا ہے جس کی ناک میں لکڑی ڈالدی گئی ہو، پھر آپؐ نے دوسرے درخت کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا، یہاں تک کہ جب دونوں درختوں کے درمیان آپؐ کھڑے ہو گئے تو فرمایا: "اب تم دونوں اللہ کے حکم سے آپس میں مل کر مجھ پر جھک جاؤ، چنانچہ وہ دونوں شاخیں باہم مل گئیں، اور حضورؐ ان دونوں کے بیچ میں بیٹھ گئے، میں اس حیرت خیز معاملے کو دیکھ کر ایک جگہ بیٹھا ہوا اپنے دل سے باتیں کر رہا تھا، کہ اچانک حضورؐ کو آتا ہوا دیکھا، اور وہ دونوں درخت حسب معمول سابق الگ الگ ہو کر اپنی اپنی جگہ آ گئے تھے[1]"

معجزہ نمبر ۲۳، درخت خرما نے آپؐ کو سلام کیا

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دیہاتی سے پوچھا کہ اگر میں اس درخت خرما کے گچھے کو بلاؤں (اور وہ آجائے) تو کیا تم میری رسالت کا اقرار کرو گے؟" اس نے کہا "بے شک" آپؐ نے کھجوروں کے گچھے کو بلایا، اور وہ آپؐ کے پاس آگیا، پھر فرمایا کہ واپس چلا جا، تو وہ اپنی جگہ واپس ہو گیا[2]۔

---

[1] سرنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی نزلنا وادیا افیح فذھب صلی اللہ علیہ وسلم یقضی حاجتہ "الحدیث طویل اخرجہ مسلم وزاد فیہ الدارمی قصۃ الشجرتین (جمع الفوائد، ص ۱۹۹، ۲۰۰ ج ۲، بیان معجزات متنوعہ)

[2] یہ روایت امام ترمذیؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کی ہے، اور اس میں یہ بھی ہے کہ درخت نے آکر آپؐ کو سلام کیا، اور اس روایت میں یہ بھی ہے کہ خود اعرابی نے یہ مطالبہ کیا تھا (جمع الفوائد، ص ۱۹۲ ج ۲ من کلام الحیوانات)

معجزہ نمبر ۲۴، ستون کا آپؐ کے لئے رونا

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ،

"مسجد نبویؐ کی چھت کھجوروں کے تنوں پر قائم تھی، ان میں سے ایک تنے کے سہارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے، پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے لکڑی کا منبر تیار کر لیا گیا، تو ہم نے اس تنے میں سے ایسی دردناک آواز سنی جیسا کہ دس ماہ کی حاملہ اونٹنی کی آواز ہوتی ہے[1]"

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ: "اس کی آواز سے تمام مسجد گونج گئی[2]" اور حضرت سہل رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ: "لوگ بھی اس کی حالت کو دیکھ کر بے اختیار رو پڑے[3]"

اور مطلب[4] کی روایت میں ہے کہ، یہاں تک کہ کھجور کا وہ تنہ شدتِ صدمۂ فراقِ نبویؐ کی وجہ سے پھٹ گیا، پھر جب حضورؐ اس کے پاس تشریف لائے اور اپنا ہاتھ اس پر رکھ دیا۔

---

[1] کان جذع یقوم الیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلما وضع لہ المنبر سمعنا للجذع مثل اصوات العشار" الحدیث اخرجہ البخاری عن جابر بن عبد اللہؓ (الخصائص الکبریٰ ص ۷۵، ج ۲)

[2] حتی ارتج المسجد بخوارہ" اخرجہ الدارمی والترمذی وابو یعلی والبیہقی وابو نعیم عن انس (ایضاً ص ۷۶، ج ۲)

[3] ذرفوا من حنینہا حتی کثر بکاؤہم" اخرجہ ابن سعد وابن راہویہ فی مسندہ والبیہقی عن سہل ابن سعد الساعدی (ایضاً)

[4] حتی تصدع وانشق حتی جاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم فمسحہ بیدہ حتی سکن" اخرجہ الشافعیؒ واحمد والدارمی وغیرہ عن ابی بن کعبؓ، (کنز العمال ص ۲۹۲، ج ۶، والخصائص ص ۷۶، ج ۲) ولم اَرَ فی حدیث المطلب ہذا اللفظ ولیس عندہ ذکر التصدع والانشقاق، فلعل المصنفؒ سامح فی ہذہ واللہ اعلم،

اس کو سکون ہوا"

اس تنے کے رونے اور بلبلانے کی روایت سلف و خلف سب کے نزدیک اپنے مبنیٰ کے لحاظ سے تو مشہور ہے، مگر بلحاظ اپنے معنیٰ کے متواتر ہے، جو علم یقینی کے لئے مفید ہے، جس کو دس صحابہؓ سے زیادہ حضرات نے روایت کیا ہے، جن میں ابی ابن کعب، انس بن مالک، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، سہل بن سعد الساعدی ابوسعید خدری، بریدہ، ام سلمہ، مطلب بن وداعہ رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسے بزرگ بھی ہیں، یہ سب حضرات معنیٰ حدیث بیان کرنے میں متحد ہیں، اگرچہ الفاظ اُن کے مختلف ہیں، اس لئے تواتر معنوی حاصل ہونے میں کوئی بھی شبہ نہیں ہے،

معجزہ نمبر ۲۵، بُت اشارے سے گر پڑے

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ بیت اللہ کے اردگرد ۳۶۰ بت نصب تھے، جن کے پاؤں پتھروں میں سیسہ ڈال کر جمائے گئے تھے، جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن بیت اللہ شریف میں داخل ہوئے، آپ کے ہاتھ میں جو چھڑی تھی اس سے بُت کی طرف اشارہ کرتے ...... اور پڑھتے جاتے تھے کہ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا، کسی بُت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ بھی نہیں لگایا، مگر جس بُت کے مُنہ کی طرف اشارہ ہوتا تھا وہ اُلٹا ہوکر گرتا جاتا تھا، اور جس کی گدّی کی جانب اشارہ کرتے تھے وہ اوندھے مُنہ گر پڑتا تھا یہاں تک کہ تمام بُت گر پڑے [۱]"

[۱] اخرجہ البیہقی وابونعیم وابن اسحٰق وابن مندہ عن ابن عباسؓ (الخصائص الکبریٰ ص ۲۶۴ ج اول) وفی الباب عن ابن عمر وغیرہ۔

معجزہ نمبر ۲۶- مُردوں کا بولنا،

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اسلام کی دعوت دی، وہ کہنے لگا کہ میں آپ پر اس وقت تک ایمان نہیں لاؤں گا جبتک میری مُردہ لڑکی کو زندہ نہ کردیں، حضورؐ نے فرمایا: مجھے اس کی قبر دکھاؤ، اس نے لڑکی کی قبر دکھائی، حضورؐ نے آواز دی کہ اے فلانی! قبر میں سے آواز آئی کہ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ، حضورؐ نے پوچھا کہ کیا تو دنیا میں واپس آنا چاہتی ہے؟ لڑکی نے جواب دیا، نہیں، خدا کی قسم: یارسول اللہؐ اپنے خدا کو اپنے ماں باپ سے بہتر اور آخرت کو دنیا سے بہتر پایا[1]"

معجزہ نمبر ۲۷، بکری زندہ ہوگئی

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ ایک بکری ذبح کی، اور پکا کر ایک پیالہ میں ثرید بنا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلسِ مبارک کے سب حاضرین نے اس کو کھایا، حضورؐ فرماتے جاتے تھے کہ خوب کھاؤ، لیکن ہڈی مت توڑنا، فراغت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب ہڈیوں کو جمع فرما کر کچھ پڑھا، فوراً وہ بکری زندہ ہوکر کان ہلاتی ہوئی کھڑی ہوگئی[2]"

---

[1] لم اجد هذه الرواية فی الكنز ولا فی الخصائص ولا فی جمع الفوائد، واللہ اعلم،
[2] أنہ جمع العظام فی وسط الجفنة فوضع يده عليها ثم تكلم بكلام لم اسمعه فاذا الشاة قد قامت تنفض اذنيها: الحديث اخرجه ابونعيم عن كعب بن مالك (الخصائص ۶۷ ج ۲)

معجزہ نمبر ۲۸، غزوۂ اُحد کے دو واقعات

سعد بن ابی وقاصؓ کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو تیر دیتے جاتے تھے جس میں پیکان نہ تھی، اور فرماتے جاتے تھے کہ مارو، اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی کمان سے برابر تیر مارتے رہے، یہاں تک کہ وہ ٹوٹ گئی[1]،

اسی روز اتفاق سے حضرت قتادہؓ بن نعمان کی آنکھ بھی کسی زد میں آکر نکل پڑی اور ان کے رخسار پر لٹک گئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے ان کی آنکھ اس کی جگہ رکھدی کہ پہلے سے بھی زیادہ حسین اور خوبصورت ہو گئی[2]"

معجزہ نمبر ۲۹۔ نابینا کو شفا ہو گئی،

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ: "ایک نابینا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ میری بینائی کی واپسی کے لئے خدا سے دعاء فرما دیجئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جاؤ وضو کرکے دو رکعت پڑھو، پھر یوں دعاء مانگو کہ اے اللہ! میں آپ سے درخواست کرتا ہوں، اور آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں، آپ کے نبی کے وسیلے سے جن کا نام محمدؐ ہے، اور جو رحمت والے نبیؐ ہیں، اے محمدؐ میں آپ کے وسیلے سے آپ کے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں کہ وہ میری بینائی لوٹا دے، اے اللہ ان کی سفارش میرے حق میں قبول فرمایئے، وہ کہتے ہیں کہ

---

[1] اخرجہ الشیخان عن سعدؓ (جمع الفوائد، ص ۴۶، ج ۲)

[2] اخرجہ الطبرانی وابونعیم عن قتادہؓ (الخصائص ص ۲۱۸، ج ۱ و جمع الفوائد، ص ۴۸، ج ۲)،

وہ نابینا اس حال میں واپس گئے کہ اُن کی بینائی لوٹ آئی تھی۔[۵۱]

معجزہ نمبر ۳۰، مریضوں کی شفا کے مزید واقعات

ابن ملاعب الاسنہ استسقاء کی بیماری میں مبتلا ہو گئے، انھوں نے کسی شخص کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اطلاع دینے کے لئے بھیجا، حضورؐ نے زمین سے ایک مٹھی خاک کی اٹھا کر اس پر اپنا لعابِ دہن ڈال دیا، اور آنے والے قاصد کو دی، اس نے بڑی حیرانی کے ساتھ لے لی، اور یہ خیال کیا کہ اس کے ساتھ حضورؐ نے مذاق کیا ہے چنانچہ وہ اس کو لے کر مریض کے پاس آیا، اُس نے اس مٹی کو پانی میں ڈال کر پی لیا، اللہ نے اس کو شفا عطا فرمائی۔[۵۲]

معجزہ نمبر ۳۱

حبیب بن فدیکؓ کہتے ہیں[۵۳] کہ میرے والد نابینا ہو گئے، یہاں تک کہ دونوں آنکھوں سے نظر آنا بالکل بند ہو گیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی آنکھوں پر پھونک ماردی

---

۵۱ اخرجہ الحاکم فی المستدرک (ص ۵۲۶، ج اوّل)

۵۲ اخرجہ الواقدی وابونعیم عن عروۃؓ (الخصائص الکبری ص ۷۱، ج ۲، آیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ابراء المرضیٰ)

۵۳ اَنّ اباہ خرج بہ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعیناہ مبیضتان لایبصر بہما شیئاً..... فنفث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی عینیہ فابصر فرأیتہ وہو یدخل الخیط فی الابرۃ وانہ لابن ثمانین سنۃً الحدیث اخرجہ ابن ابی شیبۃ وابن السکن والبغوی والبیہقی والطبرانی وابونعیم عن حبیب بن فدیکؓ (الخصائص ص ۶۹، ج ۲)

جن سے اُن کو نظر آنے لگا، یہاں تک کہ میں نے اُن کو بڑھاپے کے زمانے میں اسّی سال کی عمر میں سُوئی پر دتے ہوئے دیکھا۔

معجزہ نمبر ۳۲

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں جنگِ خیبر کے موقع پر تکلیف تھی، آپ نے اپنا لعابِ دہن اُن کی آنکھوں پر لگا دیا[۱] جس سے وہ بالکل ٹھیک ہوگئیں۔

معجزہ نمبر ۳۳

اسی جنگِ خیبر کے موقع پر حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی پنڈلی کے زخم پر آپ نے اپنا لعابِ دہن لگا دیا، جس سے وہ بالکل اچھا ہوگیا[۲]۔

معجزہ نمبر ۳۴

قبیلہ بنی خثعم کی ایک[۳] عورت اپنے بچے کو لے کر خدمت نبوی میں حاضر ہوئی جو کسی اُفتاد کی بنا، پر بولنے پر قدرت نہ رکھتا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگاکر

۱؎ "قال این علی بن ابی طالبؓ؟ قالوا یشتکی عینیہ قال فارسلوا الیہ فاتی بہ فبصق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی عینیہ ودعا لہ فبرأ" اخرجہ الشیخان عن سلمۃ بن الاکوعؓ (خصائص ۲۵۱، ج اوّل)

۲؎ "ضربۃ اصابتنی یوم خیبر۔۔۔ فأتیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فنفث فیہ ثلث نفثات فما اشتکیت منہا حتی الساعۃ" رواہ البخاری عن یزید بن ابی عبید (خصائص ص ۲۵۵ ج اوّل)

۳؎ اخرجہ البیہقی من طریق شمر بن عطیۃ عن بعض اشیاخہ ولیس فیہ لعض ما ذکر المصنفؒ (خصائص، ص ۶۹ ج ۲)

کلی کی، اور ہاتھ دھوئے، اور وہ غسالہ اس عورت کو دے کر فرمایا کہ یہی اس بچے کو پلاؤ، اور یہی اس کے بدن کو لگاؤ، چنانچہ وہ لڑکا نہ صرف یہ کہ اچھا ہوگیا، بلکہ اس قدر ذکی اور فہیم ہوگیا کہ بہت سے لوگوں سے اس وصف میں فائق تھا۔

معجزہ نمبر ۳۵

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ: "ایک عورت ایک مجنون لڑکے کو لیکر حاضرِ خدمت ہوئی، آپؐ نے اس کے سینے پر ہاتھ پھیر دیا، جس سے اس کو ایک اُلٹی ہوئی، جس میں ایسی کوئی چیز نکلی جیسے جانور کی جگالی کی ہوئی اور کوئی سیاہ چیز... پھر وہ لڑکا بالکل ٹھیک ہوگیا[۱]"۔

معجزہ نمبر ۳٦

محمد بن حاطب رضی اللہ عنہ جب چھوٹے سے بچے تھے اُن کے ہاتھ پر پکتی ہوئی ہانڈی اُلٹ پڑی، آپؐ نے اس مقام پر ہاتھ پھیرا، دُعا کی، اور اپنا لعاب دہن لگا دیا، اسی وقت وہ ٹھیک ہوگیا[۲]"۔

معجزہ نمبر ۳۷

حضرت شرحبیل جعفی رضی اللہ عنہ کی ہتھیلی میں ایک رسولی پیدا ہوگئی تھی، جو ہاتھ

---

[۱] اخرجہ احمد والدارمی والطبرانی والبیہقی وابونعیم عن ابن عباسؓ (خصائص، ص ۷۰، ج ۲)

[۲] اخرجہ البیہقی والبخاری فی تاریخہ عن محمد بن حاطبؓ (خصائص، ص ٦۹ ج ۲)

میں تلوار پکڑنے اور گھوڑے کی لگام سنبھالنے میں مانع اور مزاحم ہوتی تھی، انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس امر کی شکایت کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اس قدر رگڑا کہ وہ صاف ہوگئی، اور اس کا نشان بھی باقی نہ رہا،"[1]

معجزہ نمبر ۳۸، قبولیتِ دعار کے واقعات

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ: "میری والدہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اپنے خادم انس کے حق میں کچھ دعار فرمادیں، حضورؐ نے فرمایا کہ اے اللہ اس کے مال واولاد میں زیادتی اور ترقی دے، اور جو چیز آپ عطا کریں اس میں برکت دیجئے، انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم میرا مال بے شمار ہے، اور میرے بیٹے پوتے اس وقت ایک سو سے زیادہ ہیں"[2]

معجزہ نمبر ۳۹

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ شاہ فارس کے حق میں اس وقت جب اس نے آپ کا نامۂ مبارک چاک کر دیا تھا، بد دعار کی اور فرمایا، کہ اللہ تعالیٰ اس کے ملک کو پارہ پارہ کرے، "چنانچہ ایسا ہی ہوا، نہ تو اس کی بادشاہت باقی رہی اور نہ اہلِ فارس کی کوئی ریاست دنیا کے کسی حصہ میں رہی"[3]

---

[1] اخرجہ البخاری فی تاریخہ والطبرانی وابن السکن وابن مندہ والبیہقی عن شرجیل الجعفی رضی اللہ عنہ، (الخصائص الکبریٰ، ص ۶۹ ج ۲)

[2] اخرجہ الشیخان عن انس رضی اللہ عنہ (الخصائص ۱۶۸ ج ۲)

[3] اخرجہ البخاریؒ والائمۃ اجمعون (الخصائص ص ۹ ج ۲)

معجزہ نمبر ۴۰

اسماء بنت ابی بکر صدیقؓ نے ایک سبز رنگ کا جبہ نکالا اور فرمایا: کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو زیب تن فرمایا کرتے تھے، ہم اس کو دھوکر اس کا پانی حصولِ شفاء کے لئے مریضوں کو پلاتے ہیں جس سے بیمار اچھے ہو جاتے ہیں[۱]"

یہ وہ معجزات[۲] ہیں کہ اگرچہ علیحدہ علیحدہ انفرادی طور پر ہر ایک معجزہ تو بیشک متواتر نہیں ہے، مگر ان سب کا قدر مشترک یقیناً متواتر ہے، اور اتنا ہی یقینی ہے جس قدر حضرت علیؓ کی بہادری اور حاتم کی سخاوت، اور اتنی بات کافی ہے، اس کے برعکس جو واقعات وحالات مرقس یا لوقا نے بیان کئے ہیں وہ سب کے سب اخبار احاد ہیں، اُن کا پایہ اعتبار واعتماد میں ان صحیح حدیثوں جیسا ہرگز نہیں ہو سکتا، جو ایسے احاد کی روایت سے ثابت ہیں، جن کی سندیں متصل ہیں، بلکہ وہ واقعات جن کی نقل پر چاروں انجیلوں کا اتفاق ہے، وہ بھی سب احاد ہیں جس کا اعتبار ہمارے نزدیک خبر واحد سے زیادہ نہیں ہے،

---

[۱] لم اجد هذه الرواية ،

[۲] یہ چالیس معجزات جو مصنفؒ نے ذکر فرمائے ہیں مُشتے نمونہ از خروارے کی حیثیت رکھتے ہیں ورنہ آپکے معجزات بے شمار ہیں، مختلف علماء نے ان کو جمع کرنے کے لئے ضخیم کتابیں لکھی ہیں، ضرورت ہو تو امام ابو نعیمؒ کی دلائل النبوۃ اور علامہ سیوطیؒ کی الخصائص الکبریٰ ملاحظہ فرمائی جائیں ، ت

دوسرا مسلک

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند اخلاق

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی میں جو بلند اخلاق اور بہترین اوصاف علمی اور عملی کمالات اور وہ خوبیاں جن کا تعلق جسم و روح اور نسب و وطن کے ساتھ ہے، اجتماعی طور پر پائی جاتی ہیں، عقل کا فیصلہ یہی ہے، کہ یہ تمام کمالات نبی کے سوا کسی انسان میں بہ یک وقت جمع نہیں ہو سکتے، یہ بات تو بیشک مانی جا سکتی ہے کہ یہ اوصاف انفرادی طور پر انبیاء کرام کے علاوہ دوسرے لوگوں میں بھی کسی میں کوئی، کسی میں کوئی پایا جا سکتا ہے، لیکن یہ سب اوصاف اجتماعی حیثیت سے سوائے پیغمبروں کے کسی دوسرے انسانی فرد میں اکٹھے نہیں ہو سکتے، اس بناء پر ان کا اجتماع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی میں آپ کی نبوت کی یقیناً دلیل ہو، پھر یہ بات کس قدر عجیب ہو کہ مخالفین بھی ان میں سے بہت سے اوصاف کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ہستی میں پائے جانے کا اعتراف کرتے ہیں، اُن کا یہ اعتراف بالکل غیر شعوری اور اضطراری ہے،

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق غیروں کی نظر میں

مثلاً آسپان ہمیس مسیحی ان لوگوں میں سے ہے جو پیغمبر اسلام کے شدید دشمنوں میں شمار کیا جاتا ہے، اور آپ کے حق میں طعن اور اعتراض کرنے میں معروف ہے، اگرچہ یہ کٹر دشمن بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی میں ان بہت سے اوصاف کے پائے جانے کا اقرار

واعتراف کرنے پر مجبور ہو گیا، چنانچہ سیل نے اپنے ترجمۃ القرآن کے مقدمہ صفحہ ۲ مطبوعہ سنہ ۱۸۵۰ء میں اس کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم بے حد حسین اور ذکی تھے، آپ کا طریقہ نہایت پسندیدہ تھا، مساکین اور محتاجوں کے ساتھ حسنِ سلوک آپ کی خصلت تھی، سب لوگوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آتے تھے، دشمنوں کے مقابلے میں بڑے بہادر اور اللہ کے نام کی بڑی تعظیم کرنے والے، افترا اور جھوٹ بولنے والوں پر بہت سخت گیر تھے، پاک دامن لوگوں پر بہتان رکھنے والوں، زانیوں، قاتلوں اور آوارہ گرد لوگوں، لالچ خوروں، جھوٹی گواہی دینے والوں پر بہت تشدد کرتے تھے، عام طور پر آپ کا وعظ صبر، سخاوت، رحم، نیکوکاری، احسان، والدین کی تعظیم اور بڑوں کی توقیر و تکریم کے بارے میں ہوتا تھا، بہت عبادت کرنے والے، بڑے نفس کو کچلنے والے تھے[1]"

تیسرا مسلک

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی پاکیزہ شریعت

جو شخص بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی روشن شریعت کا غائر نگاہ سے مطالعہ کرے گا وہ اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہیں رہے گا کہ اس کے جس قدر احکام بھی ہیں، خواہ اعتقادات وعبادات ہوں، یا معاملات وسیاسیات اور آداب

[1] یہ تو ایک نمونہ ہے جن غیر مسلموں نے آپ کے مکارم اخلاق کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے ان کی تعداد بیشمار ہے، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی کتاب "حقانیت اسلام" میں ان میں سے بعض کو جمع کیا گیا ہے۔

حکم، وہ یقیناً خدا کے ہی مقرر کردہ ہو سکتے ہیں، اور آسمانی وحی سے ہی حاصل ہو سکتے ہیں، اور جو اُن کو لے کر آیا ہے وہ یقیناً نبیؐ ہے، نیز باب پنجم میں آپ کو احکامِ شریعت کے بارے میں عیسائیوں اور پادریوں کے اعتراضات کی کمزوری اور لغویت کا حال معلوم ہو چکا ہے کہ اس کا منشا سوائے خالص عناد و تعصب کے اور کچھ بھی نہیں ہے،

چوتھا مسلک

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی اشاعت

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی قوم کے سامنے جن کے پاس کوئی کتاب تھی، نہ حکمت، یہ دعویٰ فرمایا کہ میں تمھارے پاس خدا کی جانب سے ایک روشن کتاب اور واضح حکمت دے کر بھیجا گیا ہوں، تاکہ میں سارے عالم کو ایمان اور عمل صالح کے ذریعہ منور کر دوں، سوچنے کی بات ہے کہ آپؐ باوجود اپنی کمزوری، تنگدستی، اور مددگاروں کی قلت کے رُوئے زمین کے تمام انسانوں کی مخالفت کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں، جن میں معمولی لوگ بھی ہیں، اوسط درجے کے انسان بھی، اور دنیا کے جابر و قاہر سلاطین اور بادشاہ بھی ہیں، آپؐ ان سب کی رائے کو غلط، اور سب کو بیوقوف اور احمق گردانتے ہیں، آپؐ ان سب کے مذاہب کو باطل اور اُن کی حکومتوں اور سلطنتوں کو مٹا دیتے ہیں، آپ کا دین تھوڑی سی قلیل مدت میں مشرق سے مغرب تک تمام مذاہب کو شکست دے کر اُن پر غالب آجاتا ہے، زمانوں اور قرنوں کے گزرنے کے باوجود اس میں ترقی اور اضافہ ہوتا ہے، اس کے دشمن

باوجود اپنی کثرتِ تعداد اور بے شمار اسباب و سامان کے، باوجود اپنی شوکت اور انتہائی تعصب و حمیت کے آپؐ کے دین کی روشنی کو بجھانے اور مذہب کے آثار مٹانے کی مساعی میں کبھی کامیاب نہ ہو سکے،

یہ بات بغیر خدائی نصرت و امداد اور آسمانی تائید کے ممکن نہیں ہو، یہودیوں کے معلّم گملی ایل[1] نے حواریوں کے بارے میں کتنی اچھی بات کہہ دی ہے[2]:

"اے اسرائیلیو! ان آدمیوں کے ساتھ جو کچھ کیا چاہتے ہو ہوشیاری سے کرنا، کیونکہ ان دنوں سے پہلے تھیوداس نے اٹھ کر دعویٰ کیا تھا کہ میں بھی کچھ ہوں[3]،

---

[1] گملی ایل (Gamaliel) ایک فریسی عالم جو پولس کا استاد رہا ہے (اعمال ۲۲:۳)، بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ شخص خفیہ طور پر عیسائی ہو چکا تھا،

[2] گملی ایل کی عبارت کا حاصل یہ ہے کہ جو یہودی حواریوں کو ستانا چاہتے تھے، اس نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ تم انھیں مت ستاؤ، بلکہ اپنے حال پر چھوڑ دو، کیونکہ اگر ان کی دعوت باطل ہوگی تو یہ خود ہی مٹ جائیں گے، اور اللہ تعالیٰ انھیں سرخرو نہیں ہونے دے گا، یہ کہہ کر اس نے تھیوداس اور یہوداہ گلیلی کا حوالہ دیا کہ چونکہ ان دونوں نے نبوّت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا، اس لئے وہ آخر کار نیست و نابود ہو گئے، اگر حواریوں کا دعویٰ جھوٹا ہوگا تو یہ بھی نابود ہو جائیں گے،

مصنفؒ نے گملی ایل کی یہ عبارت نقل کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت اور صحابہؓ کے برحق ہونے پر یہ استدلال کیا ہو کہ اس عبارت کے بموجب اگر معاذ اللہ آنحضرتؐ اپنے دعوے میں سچے نہ ہوتے تو آپؐ کی تحریک چار دانگِ عالم میں نہ پھیلتی،

[3] اس موقع پر بائبل کے پایۂ اعتبار سے متعلق ایک دلچسپ بحث کا ذکر کرنا فائدے سے خالی نہ ہوگا، اور وہ یہ کہ کتاب اعمال کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ گملی ایل نے یہ تقریر حضرت مسیحؑ کے عروج آسمانی سے کچھ ہی عرصے کے بعد کی تھی، جبکہ حواری زندہ تھے، پھر اس عبارت میں تھیوداس کے دعوئ نبوّت کا ذکر کیا جاتا ہے، تو اس کا واضح مطلب (باقی بر صـ۱۷۶)

اور تخمیناً چار سو آدمی اس کے ساتھ ہوگئے تھے، مگر وہ مارا گیا، اور جتنے اس کے ماننے والے تھے سب پراگندہ ہوئے، اور مٹ گئے، اس کے بعد یہوداہ گلیلی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۵) یہ ہو کہ تھیوداس اس تقریر سے پہلے فنا ہو چکا تھا، گویا اعمال کی اس عبارت کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ تھیوداس زیادہ سے زیادہ حضرت مسیحؑ کے عروج آسمانی کے متصل بعد ظاہر ہو گیا تھا۔

لیکن دوسری طرف مشہور مورخ یوسیفس تقریباً ۹۳ء میں لکھتا ہے کہ تھیوداس ۴۴ء سے پہلے نہیں ہوا، یوسیفس کی اس تصریح سے کتاب اعمال کی تردید ہوتی ہے، کیونکہ وہ تھیوداس کو حضرت مسیحؑ کے متصل بعد قرار دیتی ہے۔

کتاب اعمال کی عبارت پر یہ زبردست اعتراض بائبل کے مفسرین کے لئے سخت مشکل کا باعث بنا ہوا ہے، اور اس کا جواب دینے کے لئے انھوں نے عجیب تاویلیں کی ہیں جن میں سے بعض تو انتہائی مضحکہ خیز ہیں، متأخرین میں سے رانلڈ اے ناکس نے بھی اس اعتراض کے جواب میں مختلف تاویلیں کی ہیں، ان تاویلات میں سے دو تاویلیں بہت قابلِ غور ہیں، پہلے تو وہ لکھتے ہیں:

"پہلی بات تو یہ ہے کہ اعمال کے اس متن میں ایسی علامات پائی جاتی ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہاں متن کو ارامائی زبان سے ترجمہ کیا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ عبارت لوقا کی نہیں ہے، بلکہ اس سے پہلے کسی اور مصنف کی ہو، اس لئے لوقا کو اس غلطی کا ذمہ دار قرار نہیں دیا جا سکتا"

A New Testament Commentbry P. 14 V. 2

اگر ناکس صاحب کی یہ بات تسلیم کرلی جائے تو اس سے دو باتیں سامنے آتی ہیں، ایک تو یہ کہ کتاب اعمال کو جو لوقا کی تصنیف قرار دیا جاتا ہے، اس کی تردید ہو جاتی ہو، بلکہ یہ معلوم ہوتا ہو کہ اس میں لوقا کے علاوہ دوسرے لوگوں کی عبارتیں بھی داخل ہو گئی ہیں۔

دوسری بات یہ ہو کہ اگر یہ عبارت لوقا کے علاوہ کسی اور کی ہے تو دو حال سے خالی نہیں یا تو اس عبارت کے مصنف نے یہ عبارت الہام سے لکھی ہوگی یا بغیر الہام کے، اگر یہ عبارت

(باقی برصفحہ ۱۷۷)

اسم نویسی کے دنوں میں اٹھا اور اس نے کچھ لوگ اپنی طرف کرلئے، وہ بھی ہلاک ہوا
اور جتنے اس کے ماننے والے تھے سب پراگندہ ہوگئے، پس اب میں تم سے کہتا ہوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۶) الہامی نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ بائبل الہامی نہیں ہے، بلکہ دوسرے لوگوں نے اپنے غیر ذمہ دارانہ خیالات بھی اس میں شامل کردیئے ہیں، اور اب یہ کتاب کسی طرح قابلِ اعتماد نہیں رہی، اور اگر یہ عبارت الہامی ہے .... تو پھر وہی اعتراض لوٹ آتا ہو کہ ایک الہامی عبارت میں یہ فحش غلطی کیسے ہوئی!

اس کے بعد چند اور رکیک قسم کی تاویلات پیش کرکے آخر میں ناکس صاحب نے جس بات پر اپنا اعتماد ظاہر کیا ہے وہ یہ ہے:

"بعد میں یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ یوسیفس نے جس مدعیِ نبوت کا تذکرہ کیا ہو اس کے ساتھ "تھیوداس نامی" کا لفظ یوسیفس کے بجائے کسی اور عیسائی شخص نے بڑھادیا ہو جو غلطی سے یہ چاہتا تھا کہ تھیوداس کی دریافت کا سہرا کتاب اعمال ہی کے سر رہے"

مطلب یہ ہے کہ یوسیفس نے تو محض ایک جھوٹے نبی کا حال ذکر کیا تھا، اور اس کا نام نہیں بتلایا تھا، بعد میں کسی عیسائی نے اس کے ساتھ "تھیوداس نامی" کا لفظ بڑھادیا، تاکہ یوسیفس کی تاریخ سے کتاب اعمال کی تصدیق ہوجائے، اور لوگوں کو یہ باور کرایا جائے کہ تھیوداس بائبل کا کوئی خیالی کردار نہیں ہے، بلکہ یوسیفس جیسے مورخ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ — یہ جواب نقل کرکے ناکس صاحب لکھتے ہیں،

"یہ بات کہ یوسیفس کے متن میں اس قسم کے الحاقات کئے گئے ہیں شک و شبہ سے بالاتر معلوم ہوتی ہے" (نیو ٹسٹامنٹ کمنٹری، ص ۱۵ ج ۲)

کیا یہ اس بات کا کھلا اعتراف نہیں ہو کہ عیسائیوں میں تحریف و ترمیم کی عادت اسی بری طرح رچ بس گئی تھی کہ بائبل سے گزر کر دوسروں کی تصنیفات بھی ان کی دست درازیوں سے محفوظ نہ رہ سکیں اور وہ اس قدر بیباکی کے ساتھ تحریف کرتے تھے کہ انھیں اس بات کا بھی خیال نہ رہتا تھا کہ اس کے اثرات کس قدر دوررس نکلیں گے؟ اور بعض اوقات وہ اس طرح (باقی برصفحہ ۱۷۸)

کہ ان آدمیوں سے کنارہ کرو، اور ان سے کچھ کام نہ رکھو، کہیں ایسا نہ ہو کہ خدا سے بھی لڑنے والے ٹھہرو، کیونکہ یہ تدبیر یا کام اگر آدمیوں کی طرف سے ہے تو آپ برباد ہو جائے گا، لیکن اگر خدا کی طرف سے ہے تو تم ان لوگوں کو مغلوب کر سکو گے"

(کتاب الاعمال باب ۵ آیات ۳۵ تا ۳۹)

اور زبور نمبر ۵ کی آیت نمبر ۶ میں ہے:

"تو اُن کو جو جھوٹ بولتے ہیں ھلاک کرے گا"

اور زبور نمبر ۳۷ آیت نمبر ۱۷ میں ہے:

"کیونکہ شریروں کے بازو توڑے جائیں گے، لیکن خداوند صادقوں کو سنبھالتا ہے، .... لیکن شریر ہلاک ہوں گے، خداوند کے دشمن چراگاہوں کی سرسبزی کی مانند ہوں گے وہ فنا ہو جائیں گے، وہ دُھوئیں کی طرح جاتے رہیں گے" (آیات ۱۷ تا ۲۰)

اب اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صدیقین میں شامل نہ ہوتے تو خدا ان کے طریقے کو مٹا دیتا، ان کو ذلیل کرتا، اور ان کے ذکر کو روئے زمین سے مٹا دیتا، اور ان کے بازوؤں کو شکستہ کر کے دُھوئیں کی طرح فنا کر دیتا، مگر خدا نے ان باتوں میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۷) تحریف اور الحاق کر گزرتے تھے کہ اس سے خود ان کی بائبل کی صداقت متاثر ہوتی تھی، غور فرمایئے کہ جس شخص نے یوسیفس کی عبارت میں یہ اضافہ کیا، اسے اتنا بھی پتہ نہیں تھا کہ میرے اس عمل سے کتاب اعمال کو فائدہ پہنچے گا یا نقصان؟ اور اسے بائبل کی صداقت ظاہر ہوگی یا جھوٹ؟ اس سے بعض عیسائی علماء کا یہ عذر بھی غلط ہو جاتا ہے کہ بائبل میں جو الحاقات کئے گئے ہیں وہ بھی علماء بلکہ صاحبِ الہام پیغمبروں نے کئے ہیں،

ایک طرف بائبل کی یہ الجھنیں دیکھئے، اور دوسری طرف قرآن کریم کو دیکھئے جس میں چودہ سو سال گزرنے پر بھی ایک نقطے یا شوشے میں کوئی فرق نہیں نکل سکا، محمد تقی عفی عنہ

سے کوئی ایک بات بھی نہیں کی، معلوم ہوا کہ آپ صدیقین میں داخل ہیں، واللہ! یہ علمائے پروٹسٹنٹ دین محمدی کی تکذیب کرنے میں خدا سے جنگ کر رہے ہیں، مگر وقت بہت قریب آرہا ہے، ان کو بہت جلد معلوم ہو جائے گا:۔ "وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ"[1]، اور یہ دشمنانِ دین کبھی بھی نورِ اسلام کو بجھانے میں بموجب وعدۂ خداوندی کامیاب نہ ہوں گے، جیسا کہ فرمایا:

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُورِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝ (سورۃ الصّف)	"یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے مُنہوں سے (یعنی اپنے باطل اقوال کے ذریعہ) بجھادیں، اور اللہ تو اپنے نور کو کمال تک پہنچا کر رہے گا، اگرچہ یہ بات کافروں (یعنی یہود و نصاریٰ اور مشرکین) کو ناگوار گزرے"

کسی شاعر نے خوب کہا ہے ؎

الا قل لمن ظل لی حاسدا	أتدری علی من اسأت الادب
اسأت علی اللہ فی فعلہ	لانک لم ترض لی ما وھب[2]

---

[1] یعنی "اور یہ ظلم کرنے والے عنقریب جان لیں گے کہ انھیں کونسے انجام کی طرف لوٹنا ہے"

[2] یعنی "جو شخص مجھ سے حسد کرتا ہے اس سے کہدو کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم نے مجھ سے حسد کرکے کس کی شان میں گستاخی کی ہے، ؟ تم نے درحقیقت اللہ کی شان میں گستاخی کی ہے، اس لئے کہ اس نے جو کچھ مجھے عطا فرمایا تھا تم اس پر راضی نہیں ہوئے"

پانچواں مسلک

آپ کا ظہور ایک ایسے زمانے میں ہوا جبکہ لوگ ہدایت کے پیاسے اور ایسے رہنما کے محتاج تھے جو اُن کو صراطِ مستقیم پر لے چلے، اور دین مستقیم کی دعوت دے، اس لئے کہ دنیا کے مختلف ممالک کے باشندوں کا حال اس معاملے میں عجیب متلون تھا، اہلِ عرب اگر بُت پرستی اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کے خوگر تھے، تو اہلِ فارس دُو معبودوں سے کم پر راضی نہ تھے، اور ماؤں بہنوں کو اپنے نکاح میں لانے اور بیوی بنانے سے اُن کو کوئی عار نہ تھا، ترکوں کا حال یہ تھا کہ خوں ریزی اور سفاکی اور بندگانِ خدا کے خون میں اپنے ہاتھوں کو رنگنا اُن کا محبوب مشغلہ تھا، اور ہندوستانیوں کی حماقت تو اپنے انتہائی درجے پر پہونچی ہوئی تھی، گائے کی پوجا، درختوں اور پتھروں کی عبادت اُن کے خمیر میں داخل تھی، یہودی حضرات کا سوائے حق اور اہلِ حق کے انکار اور خدا کو ایک مجسّم اور انسان کے مشابہ اعتقاد کرنے اور من گھڑت اور طبع زاد قصے کہانیوں کی ترویج و اشاعت کے کوئی اور کام نہ تھا، عیسائی دنیا میں "تثلیث" کا عقیدہ، صلیب کی پرستش اور قدیس مردوں اور عورتوں کی تصویروں اور مورتیوں کی پوجا پر جان دیتے تھے،

غرض دنیا کے تمام انسان ضلالت و گمراہی اور حق سے انحراف میں ڈوبے ہوئے تھے، اللہ کی حکمت بالغہ کے شایانِ شان یہ بات نہیں ہے کہ ایسی سخت ضرورت کے وقت بھی وہ کسی ایسی جلیل القدر اور معظم ہستی کو دنیا میں اپنا رسول بنا کر نہ بھیجے جو جہان والوں کے لئے سراپا رحمت ہو، اور اس آن بان کا رسول جو گمراہی

کی راہوں کو مٹا کر دین قویم کی بنیاد کو مضبوطی کے ساتھ قائم کرے، محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کوئی پیدا نہیں ہوا، آپ نے باطل رسموں اور فاسد عقیدوں کو مٹا کر توحید کا سورج اور تنزیہ و تقدیس کا چاند روشن کیا، شرک و بت پرستی، تثلیث و تشبیہ کی جڑیں کاٹ ڈالیں، چنانچہ آپ کی شان میں ارشاد ہوتا ہے:

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلَىٰ فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ أَن تَقُولُوا مَا جَاءَنَا مِن بَشِيرٍ وَلَا نَذِيرٍ فَقَدْ جَاءَكُم بَشِيرٌ وَنَذِيرٌ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ،

اے اہل کتاب، تمہارے پاس ہمارا پیغمبر آگیا جو پیغمبروں کے انقطاع کے وقت میں تمہارے سامنے (حق و صداقت کو بیان کرتا ہے) تاکہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ نہ ہمارے پاس کوئی خوشخبری دینے والا آیا تھا اور نہ ڈرانیوالا، تو (لو!) اب تمہارے پاس خوشخبری دینے اور ڈرانیوالا آگیا، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے"

امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا فائدہ فترت کے زمانے میں یہ ہوا کہ گزشتہ شریعتوں میں طویل زمانہ گزر جانیکی وجہ سے جو بیشمار تغیر و تبدل اور تحریف ہوگئی تھی جس کا نتیجہ یہ تھا کہ حق و باطل میں کوئی امتیاز باقی نہ رہا تھا، جھوٹ اور سچ مخلوط ہوچکا تھا، اور لوگوں کے عبادت سے اعراض کرنے اور نفرت کے لئے یہ چیز ایک بڑا عذر اور بہانہ بنگئی تھی، انکو آخرت میں جوابدہی کے وقت یہ کہنے کی گنجائش ہوگئی تھی کہ اے ہمارے معبود! ہم یہ بات تو بیشک جانتے تھے کہ آپکی عبادت کرنا ضروری ہے لیکن ہم کو عبادت کا طریقہ نہ آتا تھا کہ کیسے کیجائے؟ اس لئے جیسے ہماری سمجھ میں آیا ہم نے کیا، لہٰذا ہم غلط روی میں معذور و مجبور ہیں اللہ نے ان کے اس باطل عذر کی گنجائش ختم کرنے کیلئے ایسے زمانے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا:

چھٹا مسلک

کتب سماویہ میں آنحضرتؐ کی تشریف آوری کی بشارتیں

وَاِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ[1]

تمہید کے طور پر آٹھ اہم باتیں

اب ہم وہ خبریں اور پیشین گوئیاں بیان کرتے ہیں جو گزشتہ پیغمبروں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد اور بعثت کے بارے میں کی ہیں، چونکہ پادری لوگ اس باب میں غیر تعلیم یافتہ عوام کو سخت مغالطے میں ڈالتے ہیں، اس لئے اُن کے بیان کرنے سے قبل ہم آٹھ ضروری باتوں کی جانب ناظرین کو متوجہ کرتے ہیں، جن سے اُن کو بصیرت حاصل ہو سکتی ہے :-

---

[1] "اور بلا شبہ آپؐ کا ذکر پچھلوں کے صحیفوں میں ہے۔" (شعراء)

پہلی بات

اکثر اسرائیلی پیغمبروں نے جیسے اشعیاہ، ارمیاہ، دانیال، حزقیال، عیسیٰ علیہم السلام وغیرہ نے آنے والے حوادث اور پیش آنے والے واقعات کی خبریں دی ہیں، مثلاً بخت نصر کا حادثہ، قادس اور سکندر اور اس کے جانشینوں کے حالات، ملک ادوم و مصر و نینوی اور بابل کے حوادث وغیرہ، اب یہ چیز بالکل بعید اور ناممکن ہے کہ یہ لوگ ظہور مہدی کے بارے میں کسی قسم کی خبر و پیشگوئی نہ کرتے، جن کا دین ظہور کے وقت چھوٹی سبز بالی کی طرح تھا، پھر وہ ترقی کرتا ہوا اتنا زبردست عظیم الشان درخت بنگیا جس کی شاخوں میں آسمانی پرندے پناہ لیتے ہیں، جس نے بڑے بڑے سلاطین اور جابر بادشاہوں کی شوکت اور سطوت خاک میں ملادی، اور ان کی گردنوں میں اسلام کا طوق ڈال دیا، جس کا دین مشرق و مغرب، شمال و جنوب میں غرض دنیا کے کونے کونے اور چپے چپے میں پھیل گیا، اور برابر بڑھتا اور ترقی کرتا رہا یہاں تک کہ اب اس کے ظہور کو ایک ہزار دو سو اسی سال ہو چکے ہیں، اور خدا نے چاہا تو قیامت تک اسی طرح پھولتا اور پھلتا رہے گا، آپ کی امت میں ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں علمائے ربانی، بے شمار حکماء، اور اولیاء بڑے بڑے سلاطین پیدا ہوئے، اور یہ واقعہ کوئی معمولی اور سرسری واقعہ نہ تھا، اور یقیناً ملک ادوم اور نینوی کے حوادث اور واقعات سے اس کی اہمیت کم نہیں ہو سکتی، پھر عقل سلیم کیونکر اس بات کو جائز مان سکتی ہے کہ ان پیغمبروں نے ایسے چھوٹے چھوٹے اور معمولی واقعات کی تو خبریں اور پیشگوئیاں بیان کی ہوں اور جو حادثہ تمام حوادث سے عظیم الشان اور اہم تھا اس کی نسبت ایک حرف بھی نہ کہا ہو،

بشارت کے لئے مفصّل اور بالکل واضح ہونا ضروری نہیں، دوسری بات،

یہ ہے کہ جانیوالا پیغمبر آنیوالے پیغمبر کی نسبت جب کوئی خبر یا اطلاع دیتا ہے تو ضروری نہیں کہ پوری تفصیلات بیان کرے، کہ وہ فلاں خاندان میں پیدا ہوگا، فلاں سال ظاہر ہوگا، اور اس کی صفات ایسی ایسی ہونگی بلکہ اس قسم کی خبریں عوام کو اجمالی طور پر دیجایا کرتی ہیں، البتہ خواص کو کبھی تو قرائن کی بناء پر بالکل ظاہر اور عیاں ہو جاتی ہیں، اور کبھی ان کا مصداق اُن پر بھی اُس وقت تک مخفی رہتا ہے جب تک آنے والا پیغمبر نبوّت کا دعویٰ نہیں کرتا، کہ جانے والے پیغمبر نے میری ہی نسبت خبر دی تھی، پھر اس کے دعوے کی سچائی اور تصدیق معجزات اور علاماتِ نبوت کے ذریعے ثابت بھی ہو جاتے، پھر تو اُن کے نزدیک بھی بلاشبہ وہ خبر ظاہر اور یقینی بن جاتی ہے، اسی وجہ سے وہ عتاب کے مستحق بنتے ہیں، جس طرح کہ حضرت مسیح نے علماء یہود پر عتاب کیا تھا، اور کہا تھا کہ :۔

"اے شرع کے عالمو! تم پر افسوس! کہ تم نے معرفت کی کنجی چھین لی، تم آپ بھی داخل نہ ہوئے اور داخل ہونے والوں کو بھی روکا" (لوقا، باب ۱۱[1])

اور عیسائی نظریئے کے مطابق تو اس قسم کی خبر کبھی کبھی انبیاء کے لئے بھی مخفی اور پوشیدہ بن جاتی ہے، چہ جائے کہ علماء کے لئے، بلکہ اُن کے زعم کے مطابق تو کبھی کبھی خود اس نبی کو بھی جس کے متعلق خبر دی گئی تھی، یہ معلوم نہیں ہوتا کہ میں ہی اس کا مصداق ہوں، چنانچہ انجیل یوحنا کے باب اوّل آیت نمبر ۱۹ میں یوں ہے کہ :۔

"اور یوحنا کی گواہی یہ ہے کہ جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہن اور لاوی یہ

[1] آیت نمبر ۵۲۔

پوچھنے کو اس کے پاس[1] بھیجے کہ تو کون ہے ؟ تو اس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا بلکہ یہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں، انھوں نے اس سے پوچھا: پھر کون ہے ؟ کیا تو ایلیاہ[2] ہے ؟ اس نے کہا میں نہیں ہوں ۔۔۔۔۔۔ کیا تو وہ نبی ہے ؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں، پس انھوں نے اس سے پھر کہا پھر تو ہے کون ؟ تاکہ ہم اپنے بھیجنے والوں کو جواب دیں، تو اپنے حق میں کیا کہتا ہے ؟ اس نے کہا، میں جیسا یسعیاہ نبی نے کہا ہے بیابان میں پکارنے والے کی آواز ہوں، کہ تم خداوند کی راہ کو سیدھا کرو، یہ فریسیوں کی طرف سے بھیجے گئے تھے، انھوں نے اس سے سوال کیا کہ اگر تو نہ مسیح ہے نہ ایلیا، نہ وہ نبی تو پھر بپتسمہ کیوں دیتا ہے ؟" (آیات ۱۹ تا ۲۶)

اور الف لام جو النبی میں آیت ۲۱ و ۲۵ میں واقع ہوا ہے وہ عہد کا ہے، اور مراد اس سے وہ مخصوص نبی ہے جس کی خبر و اطلاع موسیٰ علیہ السلام دے گئے تھے، جیسا کہ کتاب استثناء کے باب[3] میں علماءِ مسیحیین کی تصریح کے مطابق موجود ہے،

اب یہ کاہن اور لاوی جو علماءِ یہود میں سے تھے، اور اپنی کتابوں سے خوب واقف بھی تھے، اور ان کو یحییٰ علیہ السلام کی نسبت یقینی طور پر معلوم تھا کہ وہ

---

[1] یعنی حضرت یحییٰ علیہ السلام کے پاس،

[2] عہد نامہ قدیم میں یہ مذکور ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لیا گیا تھا، اور کتاب ملاکی میں ان کے دوبارہ آنے کی ان الفاظ میں خبر دی گئی ہے: "ہولناک دن کے آنے سے پیشتر میں ایلیاہ نبی کو تمھارے پاس بھیجوں گا" (ملاکی ۴: ۵)

[3] "میں ان کے لئے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیرے مانند ایک نبی برپا کروں گا" (استثناء ۱۸: ۱۸)

نبی ہیں، مگر پھر بھی انھوں نے اس باب میں شک کیا کہ وہ مسیح ہیں یا ایلیاہ ہیں، یا وہ مخصوص نبی جس کی اطلاع موسیٰ علیہ السلام دے گئے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ ان تینوں پیغمبروں کی علامات ان کی کتابوں میں تصریح کے ساتھ صاف صاف مذکور نہیں تھیں جس سے کم از کم خواص کو اشتباہ پیدا نہ ہو، عوام کا تو کہنا کیا اسی لئے ان لوگوں نے پہلے یحییٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا آپ مسیح ہیں؟ ان کے انکار پر پھر دریافت کیا کہ کیا آپ ایلیاہ ہیں؟ جب انھوں نے ایلیاہ ہونے کا بھی انکار کیا، تب پوچھا کہ کیا آپ وہی مخصوص نبی ہیں جن کی اطلاع دی گئی ہے، اور اگر علامات صاف طور پر لکھی ہوئی ہوتیں تو شک کرنے کی کیا گنجائش ہو سکتی ....

تھی بلکہ اس سے تو معلوم ہوا کہ خود یحییٰ علیہ السلام کو بھی اپنے متعلق یہ علم نہ تھا کہ میں ایلیاہ ہوں، چنانچہ انھوں نے انکار کر دیا، اور کہا کہ میں ایلیاہ نہیں ہوں، حالانکہ ان کے ایلیاہ ہونے کی شہادت خود عیسیٰ علیہ السلام نے دی ہے، چنانچہ انجیل متی کے باب ۱۱ میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں حضرت عیسیٰؑ کا ارشاد اس طرح مذکور ہے:

"چاہو تو مانو، ایلیاہ جو آنے والا تھا یہی ہے"

اور انجیل متی باب ۱۷ آیت نمبر ۱۰ میں ہے:

"شاگردوں نے اس سے پوچھا کہ پھر فقیہ کیوں کہتے ہیں کہ ایلیاہ کا پہلے آنا ضرور ہے؟ اس نے جواب میں کہا: ایلیاہ البتہ آئے گا، اور سب کچھ بحال کرے گا، لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ ایلیاہ تو آچکا ہے، اور انھوں نے اُسے نہیں پہچانا، بلکہ جو چاہا اس کے ساتھ کیا، اسی طرح ابن آدم بھی اُنکے ہاتھ سے دکھ اٹھائیگا"

آخری عبارت سے معلوم ہوا کہ علماء یہود نے ان کا ایلیاء ہونا نہیں پہچانا، اور جیسا چاہا ان کے ساتھ برتاؤ کیا، اور حواریوں کو بھی اُن کا ایلیاء ہونا معلوم نہیں ہو سکا، حالانکہ یہ لوگ عیسائی نظریے کے مطابق پیغمبر ہیں، اور نہ صرف پیغمبر بلکہ رُتبے میں موسیٰ علیہ السلام سے بھی بڑھ کر ہیں، نیز یہ لوگ یحییٰ علیہ السلام پر اعتماد بھی کرتے تھے، بارہا ان کو دیکھا بھی تھا، اور ان کا آنا ان کے معبود اور مسیح سے پہلے ضروری تھا انجیل یوحنا باب اوّل آیت ۳۳ میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کا ارشاد اس طرح منقول ہے:

"اور میں تو اُسے پہچانتا نہ تھا، مگر جس نے مجھے پانی سے بپتسمہ دینے کو بھیجا، اسی نے مجھ سے کہا کہ جس پر تو روح کو اترتے اور ٹھہرتے دیکھے، وہی روح القدس سے بپتسمہ دینے والا ہے"

پادریوں کے کلام کے مطابق "میں تو اُسے پہچانتا نہ تھا" والے کلام سے مراد یہ ہے کہ پورے اور ٹھیک طور پر میں نے نہیں پہچانا کہ وہ "مسیح موعود" ہے،

بہرحال اس سے معلوم ہوا کہ یحییٰ علیہ السلام کو عیسیٰؑ کے "مسیح موعود" ہونے کی یقینی طور پر . . . . تیس سال تک پہچان نہ ہو سکی، جب تک روح القدس ان پر نازل نہیں ہوئی غالباً مسیح علیہ السلام کا کنواری لڑکی سے پیدا ہونا مسیح ہونے کی کوئی مخصوص علامت نہیں تھی، ورنہ یہ بات کیونکر ممکن ہو سکتی ہے؟

مگر ہم اس سے قطع نظر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یحییٰ علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام کی شہادت کے مطابق اسرائیلی پیغمبروں میں اشرف ترین پیغمبر تھے، جیسا کہ انجیل متی کے باب ۱۱ میں مصرّح ہے، اور عیسیٰ علیہ السلام عیسائیوں کے دعوے کے بموجب

اُن کے خدا اور معبود تھے، اور ان کا آنا بھی مسیح کی آمد سے پہلے ضروری تھا، اور ان کا ایلیا، ہونا بھی یقینی تھا، پھر کیسی حیرتناک اور عجیب بات ہے یہ کہ خود یحییٰ علیہ السلام باوجود اشرف الانبیاء ہونے کے آخر عمر تک خود کو نہ پہچان سکے، اور نہ تیس سال تک اپنے معبود کو شناخت کر سکے ؟ یہی حال حواریوں کا ہے، کہ جو موسیٰ علیہ السلام سے بھی افضل شمار کئے جاتے ہیں انھوں نے بھی اور دوسرے اسرائیلی پیغمبروں نے بھی یحییٰ علیہ السلام کی تمام زندگی میں یہ نہ جانا کہ وہ ایلیاء ہیں،

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ پھر علماء اور عوام بیچارے ان کے نزدیک آنیوالے نبی کے متعلق ان خبروں سے جو جانے والا نبی دے گیا ہے کیا پہچان سکتے ہیں ؟ اور ان کے تردد کا کیا حال ہو سکتا ہے ؟ کاہنوں کا رئیس یعنی کائفا، یوحنا کی شہادت کے مطابق پیغمبر ہے، جیساکہ اس کی انجیل کے باب ۱۱ آیت ۵۱ میں تصریح ہے[1]،

مگر ان ہی حضرات نے عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا فتویٰ دیا، اور ان کو نبی ماننے سے انکار کیا، اور توہین کی، جیساکہ اس کی تصریح انجیل متی کے باب ۲۶ میں ہے، اب اگر مسیح کی علامتیں ان کی کتابوں میں صاف طور سے موجود مذکور تھیں، جن سے ذرہ برابر کسی کو اشتباہ نہ ہو سکے، تو اس نبی کو جس نے مسیح کے قتل کا فتویٰ دیا، اور کفر کیا، کیا ایسا فتویٰ دینے اور کفر کرنے کی مجال ہو سکتی تھی ؟

نیز متی اور لوقا نے اپنی انجیلوں کے باب ۳ میں اور مرقس و یوحنا نے اپنی انجیلوں کے باب ۱ میں یحییٰ ؑ کے حق میں اشعیاء کی دی ہوئی خبر نقل کی ہے، اور یہ کہ یحییٰ ؑ نے اقرار

---

[1] "اُس سال سردار کاہن ہو کر نبوت کی کہ یسوع اس قوم کے واسطے مرے گا" (یوحنا ۱۱: ۵۱)

گیا کہ یہ خبر میرے حق میں ہے، جیسا کہ یوحنا نے تصریح کی ہے[1]، اور یہ خبر کتاب اشعیار کے باب ۴۰ آیت ۳ میں یوں ہے کہ:

"پکارنے والے کی آواز: بیابان میں خداوند کی راہ درست کرو، صحرا میں ہمارے خدا کے لئے شاہراہ ہموار کرو۔"

مگر نہ تو اس میں یحییٰ علیہ السلام کے مخصوص حالات کا ذکر ہے، نہ ان کی صفات کا بیان ہے، نہ یہ کہ ان کے خروج کا زمانہ اور جگہ کونسی ہے، تاکہ کوئی اشتباہ باقی نہ رہے، اور اگر خود یحییٰ علیہ السلام یہ دعویٰ نہ کرتے کہ یہ خبر میرے حق میں ہے، اسی طرح عہد جدید کے مؤلفین یہ بات ظاہر نہ کرتے تو مسیحی علماء اور ان کے خواص کو بھی اس کا علم نہ ہوتا، غریب عوام کو تو بھلا کیونکر ہو سکتا تھا؟ کیونکہ اس قسم کی غیبی پکار اکثر اسرائیلی پیغمبروں کے حق میں جو اشعیار علیہ السلام کے بعد ہوئے ہیں ثابت ہے، کیونکہ یہ بات عیسیٰ علیہ السلام پر بھی صادق آتی ہے، کیونکہ وہ بھی یحییٰ علیہ السلام کی طرح یہ منادی کرتے تھے کہ:

"لوگو، توبہ کرو، کیونکہ آسمانی بادشاہت نزدیک آرہی ہے۔"

نیز ناظرین کو باب ۵ سے ان خبروں کا حال معلوم ہو جائے گا، جو انجیل کے مؤلفین نے عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں نقل کی ہیں کہ گذشتہ پیغمبر ان کے حق میں یہ کہہ گئے ہیں،

اس لئے ہم ہرگز اس بات کا دعویٰ نہیں کہ جن انبیاء علیہم السلام نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت خبریں یا پیشینگوئیاں بیان کی ہیں، ان میں سے ہر ایک میں

[1] اس کی عبارت ص ۱۳۳۵ پر گذر چکی ہے،

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تفصیلی صفات مذکور ہیں کہ جس کی بنا، پر مخالف کو اس میں تاویل کی گنجائش نہیں ہو سکتی،

امام رازیؒ کا ارشاد

امام رازیؒ نے باری تعالیٰ کے ارشاد: لَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۔ کی تفسیر کے ذیل میں فرمایا ہے کہ:

"ظاہر یہی ہے کہ بالباطل میں جو باء ہے وہ استعانت کے معنی میں ہے، بالکل اسی طرح جیسے "کتبت بالقلم" میں، اور مطلب یہ ہے کہ حق کو سامعین کے سامنے ان شبہات کی بناء پر جو ان کے سامنے پیش کرتے ہو مشتبہ مت بناؤ، کیوں کہ جو نصوص توریت وانجیل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت وارد ہوئی ہیں اپنے خفی ہونے کی وجہ سے استدلال اور دلیل کی محتاج تھیں، مگر یہودی اُن کے بارے میں بیجا جھگڑتے اور غور وتأمل کرنے والوں کو شبہات میں ڈال کر ان نصوص کی دلالت کے طور وطریق میں تشویش پیدا کرتے تھے"

علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی کا ارشاد

علامہ موصوف اپنے بیضاوی کے حاشیے میں لکھتے ہیں:

"جو چیز مزید شرح کی محتاج ہے، وہ یہ ہے کہ یہ بات جاننا ضروری ہے کہ ہر نبی نے تعریض واشارہ والے الفاظ استعمال کئے ہیں، جن کو صرف گہری نگاہ رکھنے والے علماء سمجھ سکتے ہیں، ضرور اس میں کوئی نہ کوئی خدائی حکمت ہے، علماء کا ارشاد ہے کہ کوئی بھی نازل شدہ آسمانی کتاب ایسی نہیں ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر پر مشتمل نہ ہو، مگر یہ سب کچھ اشارات کے ذریعہ سے ہے"

اور اگر عوام کے لئے صاف صاف اور کھلا ہوا ہوتا، تو پھر ان کے علماء کو چھپانے پر عتاب کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی تھی، پھر ان اشارات میں مزید خفاء اور پیچیدگی کا بڑا سبب ایک زبان سے دوسری زبان میں اس کا منتقل کرنا، اور ترجمہ کرنا ہے، پہلے عبرانی سے سریانی میں پھر سریانی سے عربی زبان میں میں نے توریت و انجیل کے الفاظ کا جو خلاصہ اور ماحصل ذکر کیا ہے، جب تم اس پر غور کروگے تو آسانی سے اس کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی صحت پر دلالت کرنا معلوم ہو سکتا ہے، مگر تعریض اور اشارے کے طور پر گہری نگاہ والے علماء کے لئے تو یقینی اور ظاہر ہے، مگر عوام کے لئے خفی اور غیر ظاہر۔

اہلِ کتاب کو مسیح اور ایلیاہ کے علاوہ ایک اور نبی کا انتظار تھا، تیسری بات

یہ دعویٰ کرنا کہ اہلِ کتاب سوائے مسیحؑ اور ایلیاہ کے اور کسی نبی کے منتظر نہیں تھے، یہ ایسا باطل دعویٰ ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں، بلکہ اس کے برعکس وہ لوگ ان دونوں پیغمبروں کے علاوہ تیسرے نبی کے بھی منتظر تھے، ابھی ابھی آپ نمبر ۲ میں معلوم کر چکے ہیں[1]، کہ جو علماء یہود مسیح کے معاصر تھے انھوں نے یحییٰ علیہ السلام سے پہلے سوال کیا کہ کیا آپ مسیح ہیں! جب انھوں نے انکار کیا تو پھر پوچھا کہ کیا آپ ایلیاہ ہیں؟ جب انھوں نے اس کا بھی انکار کیا تو پوچھا کہ کیا آپ وہی مخصوص اور معین نبی ہیں جن کی خبر موسیٰ علیہ السلام دے گئے ہیں[2]؟

---

[1] دیکھئے صفحہ ۱۳۲۵ ج ھذا

[2] عیسائی علماء تسلیم کرتے ہیں کہ یوحنا ۱: ۲۱ میں جو لفظ "وہ نبی" استعمال کیا گیا ہے (باقی برصفحہ آئندہ)

اس سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ مسیح اور ایلیاہ کی طرح اس نبی کا بھی انتظار کر رہے تھے بلکہ وہ ان کے درمیان اس قدر مشہور تھا کہ اس کے نام لینے کی بھی ضرورت نہ ہوتی تھی، بلکہ اس کی طرف اشارہ ہی کافی تھا، انجیل یوحنا کے باب ۷ آیت ۴۰ میں عیسیٰ علیہ السلام کا قول نقل کرنے کے بعد یوں کہا گیا ہے کہ،

"پس بھیڑ میں سے بعض نے یہ باتیں سُنکر کہا بے شک یہی وہ نبی ہے، اوروں نے کہا یہ مسیح ہے"

اس سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ جو نبی اُن کے ذہنوں میں معہود اور معیّن تھا، "وہ مسیح" کے علاوہ کوئی دوسرا ہے، اس لئے اس کو مسیح کے مقابلہ میں ذکر کیا،

حضرت عیسیٰؑ خاتم الانبیاء نہ تھے، چوتھی بات

یہ دعویٰ کرنا بھی قطعی غلط اور باطل ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام خاتم النبیین ہیں، اور آپ کے بعد کوئی نبی نہ آئے گا، ابھی آپ نمبر ۳ میں معلوم کر چکے ہیں کہ وہ لوگ نبی آخر الزماں کے منتظر رہا کرتے تھے، جو مسیح اور ایلیاہ کے سوا تیسرا شخص تھا، اور چونکہ دلائل سے اس نبی معہود کی آمد مسیح سے قبل ثابت نہیں ہے، لہٰذا یقیناً وہ مسیحؑ کے بعد آنے والا ہی ہو سکتا ہے،

پھر دوسرے عیسائی حضرات مسیح کے بعد حواریوں اور پولس کی نبوت کے دعویدار ہیں، بلکہ ان کے علاوہ دوسرے اشخاص کی نبوت کے بھی قائل ہیں، چنانچہ کتاب اعمال

(بقیہ صفحہ گذشتہ) اس سے مراد وہی نبی ہیں جن کا ذکر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کیا تھا، چنانچہ آر۔اے۔ناکس اپنی تفسیر میں کہتا ہے: "آیت ۲۱ میں استثناء ۱۸:۱۵ کا حوالہ ہے" (ص ۱۹۹ ج اول) نیز تمام حوالے والی بائبلوں میں اس لفظ پر استثناء ۱۸:۱۵ کا حوالہ دیا گیا ہے،

باب ۱۱ آیت ۲۷ میں ہے:

"انہی دنوں میں چند نبی یروشلم سے انطاکیہ میں آئے، ان میں سے ایک نے جس کا نام اگبُس تھا کھڑے ہو کر روح کی ہدایت سے ظاہر کیا، کہ تمام دنیا میں بڑا کال پڑے گا، اور یہ کلودیُس کے عہد میں واقع ہوا۔" (آیات ۲۷، ۲۸)

یہ تمام لوگ بائبل کے فیصلہ کے مطابق انبیاء تھے، جن میں سے ایک کا نام اگبُس تھا، اس نے ایک زبردست قحط کی پیشینگوئی کی تھی، پھر اسی کتاب اعمال کے باب ۲۱ آیت ۱۰ میں ہے:

"اور جب ہم وہاں بہت روز رہے، تو اگبُس نامی ایک نبی یہودیہ سے آیا اس نے ہمارے پاس آکر پولس کا کمربند لیا، اور اپنے ہاتھ پاؤں باندھ کر کہا روح القدس یوں فرماتا ہے کہ جس شخص کا یہ کمربند ہے اس کو یہودی یروشلم میں اسی طرح باندھیں گے اور غیر قوموں کے ہاتھ میں حوالہ کریں گے۔" (آیات ۱۰، ۱۱)

اس عبارت میں بھی تصریح ہے کہ اگبُس نبی تھا،

کبھی کبھی عیسائی حضرات حضرت مسیح کو خاتم الانبیاء ثابت کرنے کے لئے ان کے اس ارشاد سے استدلال کرتے ہیں، جو انجیل متی باب ۷ آیت ۱۵ میں اس طرح منقول ہے:

"جھوٹے نبیوں سے خبردار رہو جو تمھارے پاس بھیڑوں کے بھیس میں آتے ہیں مگر باطن میں پھاڑنے والے بھیڑیے ہیں"

اس قول سے اپنے دعوے پر عیسائیوں کا استدلال کرنا بھی عجیب ہے، کیونکہ مسیح علیہ السلام نے جھوٹے پیغمبروں سے احتراز کرنے اور بچنے کا حکم دیا ہے،

نہ کہ سچے نبی سے بھی اسی لئے انھوں نے اپنے کلام میں جھوٹے کی قید لگائی ہے، ہاں اگر یہ فرماتے کہ "میرے بعد ہر ایک مدعیِ نبوت سے بچو" تو بے شک یہ دعویٰ بظاہر درست تھا، اگرچہ عیسائیوں کے لئے پھر بھی مذکورہ حضرات کی نبوت کے ثبوت کے لئے واجب التاویل ہوتا، اور جھوٹے پیغمبر مسیح علیہ السلام کے آسمان پر چلے جانے کے بعد طبقہ اولیٰ میں بے شمار پیدا ہوئے، جیساکہ عہد جدید کے موجودہ رسائل سے یہ بات واضح ہے،

کرنتھیوں کے نام دوسرے خط کے باب ۱۱ آیت ۱۲ میں ہے:

"لیکن جو کرتا ہوں وہی کرتا رہوں گا تاکہ موقع ڈھونڈنے والوں کو موقع نہ دوں بلکہ جس بات پر وہ فخر کرتے ہیں اس میں ہم ہی جیسے نکلیں، کیونکہ ایسے لوگ جھوٹے رسول اور دغابازی سے کام کرنے والے ہیں، اور اپنے آپ کو مسیح کے رسولوں کے ہمشکل بنا لیتے ہیں"

دیکھئے: عیسائیوں کا مقدس رسول بہانگِ دہل اعلان کر رہا ہے کہ جھوٹے اور غدار پیغمبر خود اس کے عہد میں ظاہر ہو چکے ہیں، جنھوں نے مسیح کے سچے رسولوں کا بھیس اختیار کر لیا ہے،

آدم کلارک مشہور مفسر اس مقام کی شرح کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

"یہ لوگ جھوٹا دعویٰ کرتے تھے کہ ہم مسیح کے رسول ہیں، حالانکہ وہ لوگ واقع میں مسیح کے رسول نہ تھے، وہ لوگ وعظ و نصیحت بھی کرتے تھے، اور مجاہدات بھی، مگر ان کا مقصد تمامتر جلب منفعت تھا"

یوحنا کے پہلے خط کے باب ۴ میں ہے کہ:

"اے عزیزو! ہر ایک روح کا یقین نہ کرو، بلکہ روحوں کو آزماؤ، کہ وہ خدا کی طرف سے ہیں یا نہیں، کیونکہ بہت سے جھوٹے نبی دنیا میں نکل کھڑے ہوتے ہیں۔"[1]

ان دونوں عبارتوں سے واضح ہوجاتا ہے کہ حواریوں ہی کے زمانے میں بکثرت نبوّت کے جھوٹے دعوے دار پیدا ہوچکے تھے،

اور کتاب اعمال کے باب ۸ آیت ۹ میں ہے کہ:

"اس سے پہلے شمعون نام کا ایک شخص اس شہر میں جادوگری کرتا تھا، اور سامریہ کے لوگوں کو حیران رکھتا، اور یہ کہتا تھا کہ میں بھی کوئی بڑا شخص ہوں، اور چھوٹے سے بڑے تک سب اس کی طرف متوجہ ہوتے، اور کہتے تھے کہ یہ شخص خدا کی وہ قدرت ہے جسے بڑی کہتے ہیں۔"

اسی کتاب کے باب ۱۳[1] میں ہے کہ:

"اور اس تمام ٹاپو میں ہوتے ہوئے پافس تک پہنچے، وہاں انھیں ایک یہودی جادوگر اور جھوٹا نبی بر یسوع نام ملا۔"

اسی طرح کے دوسرے بہت سے دجالوں اور نبوّت کے جھوٹے دعویداروں کے ظاہر ہونے کی خبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انجیل متی کے باب ۲۴[2] میں دی ہے:

"خبردار! کوئی تم کو گمراہ نہ کر دے، کیونکہ بہتیرے میرے نام سے آئیں گے، اور کہیں گے میں مسیح ہوں، اور بہت سے لوگوں کو گمراہ کریں گے۔"

---

[1] آیت نمبر ۶　　[2] آیت نمبر ۴ و ۵،

اس سے معلوم ہوا کہ درحقیقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقصود ان جھوٹے پیغمبروں اور کاذب مسیحوں سے لوگوں کو ہوشیار کرنا ہے، نہ کہ سچے پیغمبروں سے بھی روکنا، اسی لئے باب^ا^ نمبر ۷ کے مذکورہ ارشاد کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ:

"کیا جھاڑیوں سے انگور یا اونٹ کٹاروں سے انجیر توڑتے ہیں؟"

رہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ، سو آپ سچے پیغمبروں میں سے ہیں، جیسا کہ اس دعوے پر آپ کے پھل[۲] شاہد ہیں، جیسا کہ گزشتہ مسلکوں سے یہ بات واضح ہو چکی ہے اور اس معاملہ میں منکرین کے مطاعن اور اعتراضات کی کوئی بھی قیمت نہیں ہے، جیسا کہ فصل دوم سے معلوم ہو سکتا ہے، اور اس لئے بھی کہ ہر شخص جانتا ہے کہ یہودی عیسیٰ علیہ السلام کے منکر اور تکذیب کرنے والے ہیں، بلکہ اُن کے نزدیک مسیح سے زیادہ ابتداء دنیا سے ان کے ظہور کے وقت تک کوئی بدکار نہیں ہوا،

نیز ہزاروں علماء اور حکماء جو سب پادریوں ہی کے ہم قوم ہیں، اور مسیحی ہی تھے، مگر انھوں نے اس مذہب کی قباحت محسوس کر کے اس کو چھوڑ دیا، اور اب اس کے منکر ہیں، اور اس کا بھی مذاق اڑاتے ہیں، اور اس مذہب کا بھی، ان لوگوں نے اپنی رائے کے اثبات کے لئے بہت سے رسالے بھی تالیف کئے، اور یہ رسالے

---

[۱] آیت نمبر ۱۶،

[۲] "آپ کے پھل شاہد ہیں" مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے متی ۷: ۱۶ میں جھوٹے اور سچے [illegible] میں یہ فرق بیان کیا ہے کہ جس طرح جھاڑیوں سے انگور نہیں توڑا جا سکتا، اسی طرح جھوٹے نبی کو کبھی وہ اوصاف حاصل نہیں ہو سکتے، جو سچے نبی میں ہوتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں جو اوصاف تھے اور جن کا مختصر تذکرہ گزشتہ صفحات میں آیا ہے، وہ درحقیقت شجرۂ [illegible] ہی کے پھل پھول ہیں، جو آپ کے نبی ہونے پر دلالت کرتے ہیں،

اطرافِ عالم میں پھیل چکے ہیں اور یورپ کے ملکوں میں اُن کے ماننے والے دن بدن بڑھتے چلے جاتے ہیں، پھر جس طرح یہودیوں اور ان حکماء و علماء کا انکار عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں ہمارے نزدیک غیر معتبر اور باطل ہے، اسی طرح اہلِ تثلیث کا انکار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہمارے نزدیک قطعی قبول کے لائق نہیں ہو سکتا،

حضرت مسیح کی بشارتوں کو یہودی نہیں مانتے، پانچویں بات

وہ پیشنگوئیاں جن کو عیسائی حضرات مسیح علیہ السلام کے حق میں نقل کرتے ہیں، یہودیوں کی تفاسیر اور تاویلات کے تحت وہ مسیح پر صادق نہیں آتیں، اس لئے یہودی مسیح کے منکر ہیں، مگر مسیحی علماء اس باب میں یہودیوں کی تفسیروں اور تاویلوں کو نظر انداز کر کے اُن کی تفسیر ایسے انداز میں کرتے ہیں، جس سے اُن کے خیال میں ان کا مصداق قطعی طور پر عیسیٰ علیہ السلام ہی ہیں، صاحب میزان الحق نے باب اول فصل ۳ صفحہ ۶۴ نسخہ فارسی مطبوعہ ۱۸۴۹ء میں کہا ہے کہ:

> "مذہب عیسوی کے علمائے متقدمین نے یہ بالکل صحیح دعویٰ کیا ہے کہ یہودیوں نے ان آیات کو جن میں یسوع مسیح کی جانب اشارہ تھا، غیر صحیح تاویلات کے ساتھ مؤول کیا، اور ایسی تفسیر کی جو واقع کے خلاف ہے"

مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ ان کا یہ دعویٰ قطعی صحیح ہے یقینی طور پر غلط ہے، اس لئے کہ قدیم علماء نے جہاں . . . یہ دعویٰ کیا ہے وہاں یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ یہودیوں نے کتابوں میں تحریف لفظی کی ہے، جیسا کہ باب ۲ میں معلوم ہو چکا ہے،

مگر ہم اس سے قطع نظر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جس طرح یہودیوں کی تاویلیں مذکورہ آیات میں عیسائیوں کے نزدیک ناقابلِ قبول اور مردود وغیر صحیح اور غیر لائق ہیں، بالکل اسی طرح عیسائیوں کی تاویلات ان پیشینگوئیوں کے بارے میں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہیں ہمارے نزدیک مردود و باطل اور ناقابلِ قبول ہیں، عنقریب آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ جو پیشینگوئیاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہم لوگ نقل کرتے ہیں، وہ ان خبروں کی نسبت جو انجیل والے مسیح علیہ السلام کے حق میں نقل کرتے ہیں زیادہ واضح طور پر صادق ہیں، اس لئے اگر ہم عیسائیوں کی فاسد تاویلات کی جانب التفات نہ کریں تو چنداں مضائقہ نہ ہوگا، اور جس طرح یہودیوں نے ان بعض پیشینگوئیوں کی نسبت جو عیسائیوں کے خیال کے مطابق مسیح کے حق میں ہیں یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ ہمارے مسیح منتظر کے حق میں یا کسی دوسرے کے حق میں ہیں، یا کسی کے حق میں بھی نہیں ہیں، اور عیسائی پھر بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ مسیح کے حق میں ہیں، اور یہودیوں کی مخالفت کی پرواہ نہیں کرتے ......

اسی طرح ہم بھی اُن پیشینگوئیوں کی نسبت جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہیں عیسائیوں کی مخالفت کی پرواہ نہیں کرتے، جو کہتے ہیں کہ ان کا مصداق عیسیٰ علیہ السلام ہیں، ناظرین عنقریب مشاہدہ کرلیں گے کہ ان پیشینگوئیوں کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آنا بہ نسبت مسیحؑ کے حق میں صادق آنے کے زیادہ لائق اور درست ہے، اس لئے ہم اس دعوے کے زیادہ مستحق ہیں، نہ کہ عیسائی،

حضرت مسیح کی بشارتیں عہد جدید میں

چھٹی بات

عیسائیوں کے عقیدے کے بموجب عہد جدید کے مؤلفین صاحبِ الہام ہیں، مسیح

کے حق میں بیان کی جانے والی پیشینگوئیاں انہی لوگوں سے منقول ہیں، اس لحاظ سے یہ تمام پیشینگوئیاں عیسائی نظریہ کے مطابق الہامی قرار پاتی ہیں، ہم ان میں سے کچھ پیشینگوئیاں نمونہ کے طور پر اس لئے ذکر کرتے ہیں، تاکہ ناظرین ان پیشینگوئیوں کا موازنہ اور مقابلہ ان پیشینگوئیوں کے ساتھ کر سکیں جن کو اس مسلک میں ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بیان کریں گے،

اور اگر کوئی پادری صاحب بے راہی اختیار کر کے ہماری نقل کردہ پیشینگوئیوں کی تاویل کے درپے ہوں، تو ان کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ پہلے اُن پیشینگوئیوں کی توجیہ کریں، جن کو عہد جدید کے مؤلفین نے عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں نقل کیا ہے، تاکہ عقلمند، منصف مزاج لوگوں پر فریقین کی بیان کردہ پیشینگوئیوں کا حال روشن ہو جائے، اور دونوں کا مقابلہ قوت وضعف کے لحاظ سے کر سکیں،

اور اگر ایسا نہ کیا گیا بلکہ جو پیشینگوئیاں حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں بیان کی جاتی ہیں، ان کی تو کوئی معقول توجیہ کی نہ گئی، اور صرف ان پیشینگوئیوں میں تاویل کرنے پر اکتفاء کیا گیا جن کو اس مسلک میں ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بیان کر رہے ہیں، تو اس کو سوائے اس کے کہ پادری کے بے جا تعصب اور شکست پر محمول کیا جائے، اور کوئی صورت نہ ہوگی، کیونکہ ہم نمبر ا و ۵ میں وضاحت سے کہہ چکے ہیں کہ مخالف کے لئے اس قسم کی پیشینگوئیوں میں تاویل کی کافی گنجائش ہے، ہم نے نمونے کے طور پر عہدِ جدید کے مؤلفین کی بیان کردہ چند پیشینگوئیوں پر اس لئے اکتفاء کیا ہے کہ جب یہ چیز واضح ہو جائے گی کہ ان میں بعض پیشینگوئیاں یقینی طور پر غلط ہیں، اور بعض محرّف ہیں، اور بعض ایسی ہیں کہ وہ کسی طرح مسیحؑ پر

صادق نہیں آتیں، سوائے اس کے کہ زبردستی اور ہٹ دھرمی سے اُن کو مسیحؑ پر چسپاں کیا جائے، تو اس سے ان پیشنگوئیوں کی حالت کا بھی اندازہ کیا جاسکے گا، جن کے نقل کرنے والے الہامی اور صاحبِ وحی لوگ نہیں ہیں، وہ یقیناً ان سے زیادہ بدتر ہوں گی، اس لئے اُن کے ذکر کی ضرورت نہیں،

پہلی پیشنگوئی:۔

وہ ہے جو انجیل متی کے باب ۱ میں منقول ہے، جس کا ذکر باب ۱ فصل نمبر ۳ کی پچاسویں غلطی کے بیان میں ہو چکا ہے[1]،

یہ اس بناء پر غلط ہے کہ مریمؑ کا حاملہ ہونے کے زمانے میں کنواری ہونا یہودیوں اور مخالفین منکرین کے نزدیک ثابت نہیں ہے، اور ان کے مقابلے میں عیسائیوں کے پاس مریمؑ کے کنواری ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے، اس لئے کہ مریمؑ مسیحؑ کی پیدائش سے پہلے انجیل اور مسیحؑ کے معاصر یہودیوں کی تصریح کے مطابق یوسف نجار کے نکاح میں تھیں، جو مسیحؑ کو یوسف نجار کا بیٹا کہا کرتے تھے، جیساکہ انجیل متی باب ۱۳ آیت ۵۵ اور انجیل یوحنا باب ۶ آیت ۴۲ میں صاف طور پر مذکور ہے، اور اب تک یہودی یہی کہتے ہیں، بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت باتیں کہتے ہیں، نیز اس پیشنگوئی میں کوئی ایسی علامت مذکور نہیں ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مخصوص ہو[2]،

---

[1] دیکھئے ص ۴۹۱ ج اوّل

[2] بلکہ اس کے برخلاف ایک ایسی علامت ہے جو ہرگز حضرت مسیحؑ میں نہیں پائی جاتی، اور وہ یہ کہ اس پیشنگوئی میں پیدا ہونے والے نبی کا نام "عمانوایل" بتلایا گیا ہے، حالانکہ حضرت مسیحؑ کو کسی نے عمانوایل کہہ کر کبھی نہیں پکارا،

دوسری پیشینگوئی :-

وہ ہے جو انجیل متی باب ۲۴ آیت ۶ میں منقول ہے، اور جس سے کتاب میخا کے باب ۵ آیت ۲ کی جانب اشارہ ہے، مگر متی کی عبارت میخا کی عبارت کے مطابق نہیں ہے، اور یقیناً دونوں میں سے ایک محرّف ہے،

نیز باب ۲ کے مقصد شاہد نمبر ۳۳ میں آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ عیسائیوں کے محققین نے میخا کی عبارت کی تحریف کو ترجیح دی ہے[1]، مگر ان کا یہ دعویٰ محض انجیل کے بچاؤ اور تحفظ کے لئے ہے، اس لئے مخالفین کے نزدیک غلط اور باطل ہے،

تین اور پیشینگوئیاں :-

مندرجہ ذیل پیشینگوئیاں غلط ہیں :

۱۔ جو انجیل متی کے باب مذکور آیت ۱۵ میں منقول ہے[2]،

۲۔ جو باب مذکور کی آیت ۱۷ و ۱۸ میں منقول ہے[3]،

۳۔ جو باب مذکور کی آیت ۲۳ میں منقول ہے[4]،

اور یہ تینوں پیشینگوئیاں غلط ہیں، جیسا کہ باب اوّل کی فصل نمبر ۳ سے معلوم ہو چکا ہے،

---

[1] متی اور میکاہ کے اس اختلاف کا ذکر مقدمہ کے ص ۱۲۵۸ اور اس کے حاشیہ پر پہلے باب میں اختلاف نمبر ۶۴، ص ۲۰۶ جلد اول پر اور دوسرے باب میں ص ۶۴۲، ۶۴۳ ج دوم پر گذر چکا ہے، وہاں ملاحظہ فرمایا جائے،

[2] تفصیل کے لئے دیکھئے ص ۴۹۴ جلد اوّل غلطی نمبر ۵۱،

[3] دیکھئے ص ۴۹۵ جلد اوّل غلطی نمبر ۵۳،

[4] دیکھئے ص ۴۹۶ جلد اوّل غلطی نمبر ۵۴،

چھٹی پیشینگوئی :-

وہ ہے جو انجیل متّی کے باب ۲۷ آیت ۹ میں منقول ہے، ناظرین باب ۲ مقصد ۲ شاہد نمبر ۲۹ میں معلوم[1] کر چکے ہیں کہ یہ اس بناء پر غلط ہے کہ یہی صورت کتاب زکریا کے باب ۱۱ میں موجود ہے، مگر اس میں اور اُس واقعہ میں جس کو متّی نے نقل کیا ہے کوئی مناسبت نہیں ہے، کیونکہ زکریا علیہ السلام نے دونوں لاٹھیوں کے نام اور ریوڑ کے چرنے کے ذکر کے بعد یہ کہا ہے :

"اور میں نے ان سے کہا کہ اگر تمھاری نظر میں ٹھیک ہو تو میری مزدوری کے لئے تیس روپے تول کر دیئے، اور خدا نے مجھے حکم دیا کہ اسے کمہار کے سامنے پھینک دے، یعنی اُس بڑی قیمت کو جو انھوں نے میرے لئے ٹھہرائی، اور میں نے یہ تیس روپے لے کر خداوند کے گھر میں کمہار کے سامنے پھینک دیئے"

(آیات ۱۲ و ۱۳)

زکریا علیہ السلام کے ظاہر کلام سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ ایک حالت کا بیان ہے، نہ کہ کسی مستقبل میں پیش آنے والے واقعہ کی پیشگوئی، اور یہ کہ دراہم کے لینے والے نیکوں میں سے تھے، جیسے کہ زکریا علیہ السلام، نہ کہ کافروں میں سے جیسے یہودا اسکریوتی۔

ساتویں پیشینگوئی :-

وہ ہے جس کو عیسائیوں کے مقدس پولس نے رسالہ عبرانیہ کے باب ۱ آیت ۶

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے ص ۴۶۴ و ۴۶۵ جلد دوم اور اس کا حاشیہ۔

میں نقل کیا ہے، جس کا حال آپ فصل نمبر ۳ میں معلوم کر چکے ہیں کہ یہ قطعی غلط ہے[1]، اور عیسیٰ علیہ السلام پر ہرگز صادق نہیں آتی۔

آٹھویں پیشینگوئی :-

انجیل متی باب ۱۳ آیت ۳۵ میں ہے :

"تاکہ جو نبی کی معرفت کہا گیا تھا وہ پورا ہو، کہ میں تمثیلوں میں اپنا منہ کھولوں گا میں اُن باتوں کو ظاہر کروں گا جو بنائے عالم سے پوشیدہ رہی ہیں"

یہ زبور نمبر ۷۸ کی آیت ۲ کی طرف اشارہ ہے، لیکن اسے حضرت مسیح پر چسپاں کرنا بے دلیل دعویٰ اور خالص ہٹ دھرمی ہے، اس لئے کہ زبور کی عبارت اس طرح ہے:

"میں تمثیل میں کلام کروں گا، اور قدیم معمے کہوں گا، جن کو ہم نے سُنا، اور جان لیا، اور ہمارے باپ دادا نے ہم کو بتایا، اور جن کو ہم اُن کی اولاد سے پوشیدہ نہیں رکھیں گے، بلکہ آئندہ پشت کو بھی خداوند کی تعریف اور اس کی قدرت اور عجائب جو اس نے کئے بتائیں گے، کیونکہ اس نے یعقوب میں ایک شہادت قائم کی، اور اسرائیل میں شریعت مقرر کی، جن کی بابت اس نے ہمارے باپ دادا کو حکم دیا کہ وہ اپنی اولاد کو ان کی تعلیم دیں، تاکہ آئندہ پشت یعنی وہ فرزند جو پیدا ہوں گے اُن کو جان لیں، اور وہ بڑے ہو کر اپنی اولاد کو سکھائیں کہ وہ خدا پر آس رکھیں، اور اس کے کاموں کو بھول نہ جائیں، بلکہ اس کے حکموں پر عمل کریں، اور اپنے باپ دادا کی طرح سرکش اور باغی نسل نہ بنیں، ایسی نسل جس نے اپنا دل درست نہ کیا، اور جس کی رُوح خدا کے حضور وفادار نہ رہی" (آیات ۲ تا ۸)

[1] دیکھئے ص ۷۷۴ جلد اول، غلطی نمبر ۳۵۔

یہ آیتیں صراحت کے ساتھ اس بات پر دلالت کر رہی ہیں کہ ان آیات میں لفظ "میں" سے مراد خود حضرت داؤد علیہ السلام ہیں، اسی لئے انھوں نے اپنے آپ کو صیغہ متکلم سے تعبیر کیا ہے، اور ان آیات میں وہ ان روایات اور حالات کو بیان فرما رہے ہیں، جو انھوں نے اپنے آباء و اجداد سے سُنے تھے، تاکہ اللہ سے کئے ہوئے وعدے کے مطابق آنے والی نسلوں تک یہ پیغام پہنچا دیں، اور روایت پوری طرح محفوظ رہ جائے

اس کے بعد آیت نمبر ۱۰ سے آیت نمبر ۶۵ تک انھوں نے اللہ کے انعامات، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات، بنی اسرائیل کی شرارتوں اور ان کے سبب سے ان پر واقع ہونے والی مصیبتوں کا تذکرہ فرمایا ہے، اور پھر کہا ہے کہ:-

"تب خداوند گویا نیند سے جاگ اٹھا، اُس زبردست آدمی کی طرح جو مے کے سبب سے للکارتا ہو، اور اس نے اپنے مخالفوں کو مار کر پسپا کر دیا، اس نے اُن کو ہمیشہ کے لئے رسوا کیا، اور اس نے یوسف کے خیمے کو چھوڑ دیا، اور افرائیم کے قبیلہ کو نہ چُنا، بلکہ یہوداہ کے قبیلہ کو چُنا، اسی کوہِ صیون کو جس سے اس کو محبت تھی اور اپنے مقدس کو پہاڑوں کے مانند تعمیر کیا، اور زمین کے مانند جسے اس نے ہمیشہ کے لئے قائم کیا ہے، اس نے اپنے بندے داؤدؑ کو بھی چُنا، اور بھیڑ سالوں میں سے اُسے لے لیا، وہ اسے بچے والی بھیڑوں کی چوپانی سے ہٹا لیا تاکہ اس کی قوم یعقوب اور اس کی میراث اسرائیل کی گلہ بانی کرے، سو اس نے خلوص دل سے اُن کی پاسبانی کی، اور اپنے ماہر ہاتھوں سے اُن کی رہنمائی کرتا رہا"

یہ آخری آیتیں بھی صراحت کے ساتھ اس بات پر دلالت کر رہی ہیں کہ یہ زبور

خود حضرت داؤد علیہ السلام کے حق میں ہے، اور اس کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کوئی تعلق نہیں،

نویں پیشینگوئی،

انجیل متی باب ۴ آیت ۱۴ میں ہے:

"تاکہ جو یسعیاہ نبی کی معرفت کہا گیا تھا، وہ پورا ہو کہ زبولون کا علاقہ اور نفتالی کا علاقہ دریا کی راہ یردن کے پار غیر قوموں کی گلیل جو لوگ اندھیرے میں بیٹھے تھے، انھوں نے بڑی روشنی دیکھی، اور جو موت کے ملک اور سایہ میں بیٹھے تھے اُن پر روشنی چمکی"

یہ کتاب یسعیاہ باب ۹ آیت ۱ و ۲ کی طرف اشارہ ہے، جس کی عبارت یوں ہے:

"اس نے قدیم زمانے میں زبولوں اور نفتالی کے علاقوں کو ذلیل کیا، پر آخری زمانے میں قوموں کے گلیل میں دریا کی سمت یردن کے پار دبزرگی دی[1]، جو لوگ تاریکی میں چلتے تھے انھوں نے بڑی روشنی دیکھی، جو موت کے سایہ کے ملک میں

---

[1] "بزرگی دی" اظہار الحق میں یہ لفظ ماضی ہی کے صیغے سے ذکر کیا گیا ہے، اور انگریزی ترجموں میں بھی یہاں ماضی ہی کا صیغہ ہے (اگرچہ متن میں یہاں اس کے بالکل برخلاف ایک عبارت ذکر کی گئی ہے، مگر متبادل عبارتوں کی فہرست میں اس کی جگہ بعینہ وہ مفہوم ذکر کیا گیا ہے جو مصنف نے نقل کیا ہے) لیکن موجودہ اردو ترجمہ میں اس لفظ کو مستقبل کے ساتھ بدل دیا گیا ہے، اس میں "بزرگی دی" کی جگہ "بزرگی دے گا" کے الفاظ مذکور ہیں، عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۶۵ء میں بھی یہی مستقبل کا صیغہ مذکور ہے، غالباً اس حرکت کا مقصد بھی یہی ہوگا، کہ اس عبارت کو آسانی سے حضرت مسیح کی پیشگوئی قرار دیا جا سکے۔

رہتے تھے، اُن پر نور چمکا"

ان دونوں عبارتوں میں بڑا بھاری فرق ہے، اس لئے یقیناً ان میں سے ایک تحریف شدہ ہے، اور پھر اگر اس سے قطع نظر بھی کر لی جائے تو اشعیاءؑ کے کلام میں ہرگز کوئی دلالت کسی شخص کے ظہور کی نہیں ہے، بلکہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اشعیاء علیہ السلام خبر دے رہے ہیں کہ ملک زبولون اور نفتالی کے باشندے گذشتہ زمانے میں بڑی گری ہوئی حالت میں تھے، پھر وہ خوش حال ہو گئے، اس لئے اس امر پر ماضی کے صیغے استعمال کئے گئے ہیں، یعنی "ذلیل کیا" "بزرگی دی"، "روشنی دیکھی" اور "نور چمکا"۔

اور اگر ہم ان الفاظ کے ظاہری مصداق سے ہٹ کر مجازاً ان کو مستقبل کے معنی میں لیں تو مطلب یہ ہے کہ روشنی کا ان کو نظر آنا اور چمک دکھائی دینا بتا رہا ہے کہ ان کے ملک میں صلحاء اور نیک لوگوں کا گذر ہوگا، پھر یہ دعویٰ کرنا کہ اس کا مصداق عیسیٰ علیہ السلام ہیں، یہ خالص زبردستی اور ہٹ دھرمی ہے، کیونکہ اکثر صلحاء اور بزرگوں کا اُس علاقہ میں گذر ہوا ہے، خصوصاً صحابۂ کرامؓ اور امتِ محمدیہ کے اولیائے کرام کا بھی، جن کی برکت سے اس علاقے سے کفر اور تثلیث کی ظلمت اور اندھیری دور ہو کر توحید کی روشنی پھیل گئی، اور مسیح کی تصدیق پورے طور پر ظاہر ہو گئی،

اس موقع پر ہم تطویل کے اندیشہ سے صرف اس مقدار پر اکتفاء کرتے ہیں، ان کے علاوہ اور بہت سی اسی قسم کی پیشینگوئیاں ہم اپنی تالیف ازالۃ الاوہام وغیرہ میں بیان کر چکے ہیں، اور ان کی کمزوری کی نشاندہی بھی اس مقام پر کر دی ہے،

بائبل کے مترجمین ناموں کا بھی ترجمہ کر دیتے ہیں؛ ساتویں بات

اہل کتاب خواہ اگلے ہوں یا پچھلے، ان کی یہ عام عادت ہے کہ وہ اپنے تراجم میں ناموں کا بھی ترجمہ

کرتے ہیں، اور اصل ناموں کے عوض میں اُن کے معانی بیان کرتے ہیں، یہ بڑا بھاری خبط ہے، جو تمام خرابی کی بنیاد ہے، کبھی کبھی تفسیر کے طور پر اس کلام میں جو اُن کے نزدیک خدائی کلام ہے، اپنی جانب سے کچھ بڑھا دیتے ہیں، اور دونوں میں امتیاز کے لئے کسی قسم کا اشارہ بھی نہیں کرتے، یہ دونوں چیزیں تقریباً ان کی عادتِ ثانیہ بن گئی ہیں اور جو شخص اُن کے مختلف زبانوں میں پائے جانے والے ترجموں میں غور کرے گا اس کو ہمارے اس دعوے کے بہت سے شواہد مل سکتے ہیں۔ ہم بھی نمونہ کے طور پر اس مقام پر کچھ نقل کرتے ہیں:

ترجموں میں تحریف کی مثالیں

پہلی مثال:

کتاب پیدائش باب ۱۶ آیت ۱۴ ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۶۲۵ء و ۱۸۳۱ء و ۱۸۴۴ء میں یوں ہے کہ:

"اسی سبب سے اس کنویں کا نام (زندہ اور دیکھنے والے کا کنواں) پڑ گیا"[1]

پس عبرانی زبان میں جو کنویں کا نام تھا اس کا ترجمہ ان لوگوں نے عربی میں کر ڈالا،

دوسری مثال:

پیدائش کے باب ۲۲ آیت ۱۴ میں ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۱۱ء میں یوں ہو کہ،

---

[1] موجودہ اردو ترجمہ میں اس کی جگہ اصل نام یعنی "بیرلحی روئی" لکھا ہے، مگر کیتھولک بائبل میں اس کا انگریزی ترجمہ مذکور ہے،

"ابراہیم نے اس مقام کا نام ایسا مکان (جس کی زیارت[1] کرنے والے پر اللہ رحم فرماتے) رکھا"

اور ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۴۴ء میں ہے:

"اس موضع کا نام ایسا خدا جو دیکھ رہا ہے" رکھا"

پس پہلے مترجم نے عبرانی لفظ کا ترجمہ "ایسا مکان جس کے زائر پر خدا رحم فرمائے" کیا اور دوسرے مترجم نے "ایسا خدا جو دیکھ رہا ہے" کے ساتھ ترجمہ کیا،

تیسری مثال:

پیدائش باب ۳۱ آیت ۲۰ کے عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۲۵ء و ۱۸۴۴ء میں یوں ہے کہ:

"پھر یعقوب نے اپنا حال اپنے سالے سے چھپایا[2]"

اور اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۸۲۵ء میں بجائے "سالے" کے لفظ "لابان" ہے، پس عربی مترجمین نے نام کی جگہ لفظ "سالا" لکھ دیا ہے،

چوتھی مثال:

پیدائش باب ۴۹ آیت ۱۰ ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۲۵ء و ۱۸۴۴ء میں ہے کہ:

---

[1] یہاں بھی اردو ترجمہ میں اصل نام "یہوداہ یری" لکھا ہے، مگر کیتھولک بائبل میں اس کا ترجمہ لکھ دیا گیا ہے جو ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۴۴ء کے مطابق ہے،

[2] موجودہ اردو اور انگریزی ترجمے میں اس کی جگہ یہ عبارت ہے:
"اور یعقوب لابن ارامی کے پاس سے چوری سے چلا گیا" لیکن کیتھولک بائبل میں اس کی جگہ ہی کا لفظ اب بھی موجود ہے،

"اور نہ اس کی نسل سے حکومت کا عصا موقوف ہوگا، یہاں تک کہ (وہ آجائے[1] جس کے لئے سب کچھ ہے) اور قومیں اس کی مطیع ہوں گی"

اس میں لفظ "اَلَّذِیْ لَہٗ الْکُلّ" لفظ "شیلوہ" کا ترجمہ ہے، یہ ترجمہ یونانی ترجمہ کے بے شک موافق ہے، مگر عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۱ء میں یوں ہے کہ:

"اور نہ اس کی نسل سے حکومت کا عصا موقوف ہوگا، یہاں تک کہ وہ آجائے (کہ وہ جس کے لئے ہے)، تمام قبیلے اس پر جمع ہو جائیں گے"

اس مترجم نے لفظ "شیلوہ" کا ترجمہ "الذی ہولہ" کے ساتھ کیا ہے، یہ ترجمہ سریانی ترجمہ کے مطابق ہے، عیسائیوں کے مشہور محقق لیکلرک نے اس لفظ کا ترجمہ "انجام" کے ساتھ کیا ہے، اور اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۸۲۵ء میں لفظ "شیل" استعمال کیا گیا ہے، اور لاطینی ترجمہ میں "وہ جو عنقریب بھیجا جائے گا" کے ساتھ ترجمہ کیا گیا، گویا ہر ترجمہ کرنیوالے نے اس لفظ کا ترجمہ وہ کیا جو اس کے نزدیک ظاہر و راجح تھا، حالانکہ یہ لفظ اصل میں اس شخص کے نام کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے، جس کی بشارت دی گئی تھی،

پانچویں مثال:

کتاب خروج باب ۳ آیت ۱۴ ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۲۵ء و ۱۸۴۴ء میں ہے کہ:

"پھر خدا نے موسیٰؑ سے کہا کہ "اَہْیَہْ اَشَرْ اَہْیَہْ""

اور عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۱ء میں ہے کہ:

---

[1] اردو انگریزی ترجموں میں یہاں بھی اصل لفظ "شیلوا آجائے" مذکور ہے، لیکن کیتھولک بائبل میں اس کا ترجمہ کر دیا گیا ہے، اور یہ ترجمہ بھی مصنفؒ کے نقل کردہ ترجمہ سے مختلف ہے، اس نے "شیلوہ" کا ترجمہ "جسے ہماری طرف بھیجا جائے گا" سے کیا ہے،

"خدا نے موسیٰ سے کہا کہ وہ ازلی جو کبھی فنا ہونے والا نہیں ہے "

پس لفظ آہیہ اشر اہیہ" بمنزلہ اسم ذات سے استعمال ہوا تھا، جس کو دوسرے مترجم نے ازلی غیر فانی کے ساتھ ترجمہ کر ڈالا[2]،

چھٹی مثال،

سفر خروج باب آیت ۱۱ ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۶۲۵ء و ۱۸۴۴ء میں یوں ہے کہ :-

دریا ہی میں[3] رہا کریں گے "

اور عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۱ء میں اس طرح پر ہے کہ :

"فقط نیل میں باقی رہیں گے "

ساتویں مثال،

سفر خروج باب ۱۷ آیت ۱۵ ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۶۲۵ء و ۱۸۴۴ء میں یوں ہے کہ :

"موسیٰ نے ایک قربان گاہ بنائی، اور اس کا نام پروردگار میری عظمت ہو' رکھا"

عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۱ء میں یوں ہے کہ :

"اور اس نے ایک قربان گاہ تعمیر کی جس کا نام اللہ میرا علم ہے' رکھا "

اردو ترجمہ اس دوسرے ترجمہ کے مطابق ہے، ہمارا کہنا یہ ہو کہ اختلاف سے قطع نظر کرتے ہوئے یہ بات بہرحال اپنی جگہ قطعی ثابت ہے کہ مترجمین نے عبرانی نام کا ترجمہ

---

[1] بات پوری طرح سمجھنے کے لئے اس عبارت کا سیاق و سباق ص ۸۶۸ تا ۸۹۹ ج ۲ اور اس کے حاشیہ پر دیکھئے،

[2] موجودہ انگریزی اور اردو ترجموں میں اس کی جگہ اس کا ترجمہ "میں جو ہوں سو میں ہوں" سے کیا گیا ہو،

[3] موجودہ اردو، اور انگریزی ترجمے اسی کے مطابق ہیں،

کر ڈالا[1]،

آٹھویں مثال:

سفر خروج باب ۳۰ آیت ۲۳ دونوں مذکورہ ترجموں میں یوں ہے کہ:

"خوشبودار مصالحے[2] لینا"

اور عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۱ء میں یوں ہے کہ:

"خالص مشک لینا"

اور مصالحہ میں اور مشک میں بہت بڑا فرق ہے، مگر مترجمین نے عبرانی نام کی تفسیر اُن معنی کے ساتھ کی جو جن کے نزدیک راجح تھا،

نویں مثال:

کتاب استثناء باب ۳۴ آیت ۵ دونوں مذکورہ ترجموں میں یوں ہے کہ:

"پس خداوند[3] کے بندہ موسیٰ نے .... وفات پائی"

اور عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۱ء میں اس طرح ہے کہ:

"پھر موسیٰ نے انتقال کیا، اس جگہ جو خدا کا رسول تھا"

غور کیجئے! اگر اس قسم کے مترجمین محمدی بشارتوں میں رسول اللہ کے لفظ کو اگر کسی

---

[1] موجودہ انگریزی اور اردو ترجمہ میں عبرانی لفظ "یہوواہ نسی" لکھا ہے، جس کا ترجمہ حاشیہ پر "یہوواہ میرا جھنڈا ہے" دیا گیا ہے، البتہ کیتھولک بائبل میں عبرانی لفظ کے بجائے اس کا یہ ترجمہ دیا ہے: "خدا مجھے بلند کرتا ہے" (

[2] اردو ترجمہ اسی کے مطابق ہے،

[3] موجودہ تمام ترجمے اسی کے مطابق ہیں،

دوسرے لفظ سے بدل ڈالیں، تو اُن سے کیا بعید ہے؟

دسویں مثال:

کتاب یوشع کے باب ۱۰ آیت ۱۳ ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۱۱ء میں یوں ہے کہ:

"کیا یہ نیکوں کی کتاب میں لکھا ہوا نہیں ہے؟"

اور عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۱ء میں ہے کہ:

"کیا یہ سفرِ مستقیم میں لکھا ہوا نہیں ہے؟"

اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۸ء میں لفظ "یاصار" ابرار یا مستقیم کی جگہ موجود ہے، نیز فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۴۵ء میں لفظ "یاشر" اور اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۸۲۵ء میں لفظ "یاشا" ہے، غالباً یاصار، یا یاشا، یا یاشر کتاب کے مصنف کا نام ہے، عربی مترجمین نے اپنی اپنی سمجھ کے مطابق اس کا ترجمہ ابرار یا مستقیم کے ساتھ کر ڈالا[1]،

گیارہویں مثال:

کتاب یسعیاہ باب ۸ آیت ۱ ترجمہ فارسی مطبوعہ ۱۸۳۹ء میں یوں ہے کہ:

"خداوند نے مجھے فرمایا کہ ایک بڑی تختی لے، اور اس پر صاف لکھ مہیر شالال حاش بز کے لئے"

اردو ترجمہ[2] مطبوعہ ۱۸۲۵ء اس کے موافق ہے، لیکن عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۴۴ء میں یوں ہے کہ:

۱؎ موجودہ اردو ترجمہ میں "آشر کی کتاب" کا لفظ ہے،

۲؎ موجودہ انگریزی اور اردو ترجمے اس کے مطابق ہیں، اردو ترجمہ کے حاشیہ پر اس کا ترجمہ ان الفاظ میں دیا گیا ہے: "یعنی جلد لوٹ شتاب غارت کر" اور کیتھولک بائبل عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۱ء کے موافق ہے،

"اور مجھ سے خدا نے کہا کہ ایک بڑی کتاب لو اور اس میں انسانی تحریر کے طرز پر یہ لکھو کہ بہت جلد لُوٹ لو بہت جلد سامان چھین لو"۔

آیت ۳۔ "اس کا نام جلد لُوٹ لو اور بہت جلد لُوٹ لو رکھنا"

اور عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۱ء میں ہے کہ:

"اور مجھ سے خدا نے کہا کہ ایک صحیح کتاب کو یعنی ایک جدید اور بڑی کتاب اور اس میں انسانی تیز تحریر میں لکھو کہ "مال غنیمت لُوٹ لو، کیونکہ وہ سامنے ہے"۔

دیکھئے بیٹے کا نام "مہر لال جاشبز" تھا، عربی مترجمین نے اپنی اپنی سمجھ کے مطابق اس کا ترجمہ کر ڈالا، جو موجبِ اختلاف ہوا، اس اختلاف سے قطع نظر کرتے ہوئے عربی ترجمہ ۱۸۱۱ء کے مترجم نے کچھ الفاظ اپنی جانب سے بڑھا دیئے،

پھر بتائیے کہ اس قسم کے مترجمین اگر محمدی بشارتوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں میں سے کسی نام میں کمی بیشی کر ڈالیں، تو ان سے ذرا بھی بعید نہیں، کیونکہ وہ لوگ اس قسم کی حرکات میں اپنی عادت سے مجبور ہیں،

بارہویں مثال:

انجیلِ متی باب ۱۱ آیت ۱۴ ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۱۱ء و ۱۸۴۴ء میں یوں ہے کہ:

"چاہو تو مانو، ایلیاہ جو آنے والا تھا یہی ہے[1]، طے شدہ ہے"۔

اور ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۱۶ء میں یہ ہے کہ:

"پھر اگر تم اس کو قبول کرنا چاہو تو وہ یہی ہے جس کا آنا طے شدہ ہے"،

---

[1] موجودہ سب ترجمے اس کے مطابق ہیں،

غور کیجئے اس مترجم نے کس ہوشیاری سے ایلیاہ کے لفظ کو ہذا کے ساتھ تبدیل کردیا، ایسے لوگ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی نام کو بشارت میں بدل ڈالیں تو کوئی بھی حیرت کی بات نہ ہوگی،

تیرہویں مثال:

انجیلِ یوحنا باب ۴ آیت ۱ ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۱۱ء و ۱۸۳۱ء و ۱۸۶۰ء میں یوں ہے کہ:-

"جب کہ یسوع کو معلوم ہوا"

اور عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۶۰ء میں یوں ہے کہ:

"جب خداوند[1] کو معلوم ہوا"

ان آخری دونوں مترجموں نے لفظِ یسوع کو جو عیسیٰ علیہ السلام کا نام تھا، لفظ خداوند کے ساتھ تبدیل کردیا جو تعظیمی الفاظ میں سے ہے، پھر اس طرح یہ لوگ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کو اپنی ناپاک عادت اور عناد کی وجہ سے تحقیری الفاظ کے ساتھ بدل دیں تو کیا تعجب ہوسکتا ہے؟

یہ شہادتیں صاف طور سے اس امر پر دلالت کر رہی ہیں کہ یہ لوگ ناموں اور اسماء کے ترجمہ کردینے اور ان کے بجائے دوسرے الفاظ استعمال کرنے میں کس قدر بیباک ہیں،

---

[1] موجودہ انگریزی اور اردو ترجموں میں "خداوند" ہی کا لفظ ہے، مگر کیتھولک بائبل میں اس کی جگہ "یسوع" لکھا ہے،

اصل الفاظ کی جگہ اُن کے ترجمے لکھنے کی مثالیں

پہلی مثال:

انجیل متی باب ۲۷ میں ہے کہ:

"اور (نو بجے[1] کے قریب) یسوع نے بڑی آواز سے چلّا کر کہا: ایلی، ایلی، لما شبقتنی؟ یعنی اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟"

اور انجیل مرقس باب ۱۵ آیت میں ہے:

"اور (نو بجے) یسوع ... بڑی آواز سے چلّایا، کہ: الوہی الوہی لما شبقتنی؟ جس کا ترجمہ ہے اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟"

اس میں الفاظ "ای الہی لما ذا ترکتنی" انجیل متی میں اور اسی طرح الفاظ جس کا ترجمہ ہے: "اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟" انجیل مرقس میں، یقیناً اس شخص کے نہیں ہو سکتے جو سولی دیا گیا، بلکہ اس کے کلام میں شامل کئے گئے ہیں،

دوسری مثال:

انجیل مرقس باب ۳ آیت ۱۷ میں ہے کہ:

"جن کا نام بوانرگس یعنی گرج کے بیٹے رکھا"

اس میں لفظ "گرج کے بیٹے" عیسیٰ علیہ السلام کا کلام نہیں، بلکہ الحاقی ہے،

تیسری مثال:

انجیل مرقس باب ۵ آیت ۴۱ میں یوں ہے کہ اس سے کہا:

[1] یہاں موجودہ اردو ترجمہ میں اور مرقس کے آئندہ حوالے میں تو بین کی عبارت کی جگہ "تیسرے پہر" کا لفظ ہے!

"تلیتا قومی: جس کا ترجمہ ہے اے لڑکی میں تجھ سے کہتا ہوں اٹھ "

یہ تفسیر ضرور الحاقی ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کا کلام نہیں ہے۔

چوتھی مثال:

انجیل مرقس باب آیت ۳۴ ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۶ء میں یوں ہے کہ:

"اور آسمان کی طرف دیکھا اور آہ کی، اور کہا افتا، یعنی کھل جا"

اور ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۱۱ء میں یوں ہے کہ:

"اور آسمان کی طرف دیکھا، اور چلایا اور کہا افاثا، وہ جس کے معنی انفتح کے ہیں"

اور ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۴۴ء میں یہ ہے کہ:

"آسمان کی طرف نظر کرکے ایک آہ بھری، اور اس سے کہا: انفتح یعنی کھل جا"

اور ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۶۰ء میں یوں ہے کہ:

"اور نگاہ اٹھائی آسمان کی جانب، اور رو دیا اور اس سے کہا کہ افثا یعنی کھل جا"

اس عبارت سے اگرچہ صحیح طور پر عبرانی لفظ کا پتہ نہیں چلتا، کہ وہ افثا ہے یا افاثیا انفتح کیونکہ تراجم مختلف ہیں، اور منشا اختلاف کا اصل لفظ کا صحیح نہ ہونا ہے، مگر یہ بات یقینی طور پر معلوم ہو گئی کہ لفظ ای انفتح یا الذی ہو انفتح۔ یہ ضرور الحاقی ہیں، عیسیٰ علیہ السلام کے کلام کا بہرحال جزو ہرگز نہیں ہے،

یہ چاروں قسم کی اقوال جو مثال اول سے یہاں تک ہم نے نقل کئے ہیں، اس امر پر بخوبی دلالت کر رہے ہیں کہ مسیح علیہ السلام عبرانی زبان ہی میں کلام کیا کرتے تھے،

لے موجودہ اردو ترجمہ اس کے مطابق ہے،

جو آں کی اپنی قومی زبان تھی، نہ کہ یونانی زبان میں، اور یہ چیز قرینِ عقل و قیاس بھی ہے، کیونکہ آپ عبرانی ہیں، عبرانیہ کے بیٹے ہیں، پرورش اور نشوونما بھی آپ کی اپنی قوم عبرانیوں میں ہوئی، ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ان انجیلوں میں اُن کے اقوال کو یونانی زبان میں نقل کرنا نقل بالمعنی کے طور پر ہے، اور یہ بات علاوہ اس کے کہ ان کے اقوال آحاد کی روایت سے منقول ہیں ایک امر زائد ہے،

پانچویں مثال:

انجیل یوحنا باب ۱ آیت ۳۸ میں یوں ہے کہ:

"انھوں نے اس سے کہا اے ربی: (یعنی اے استاد!)"

اس میں "یعنی اے استاد" کے الفاظ یقیناً الحاقی ہیں ان دونوں کا کلام ہرگز نہیں ہے،

چھٹی مثال:

باب مذکور کی آیت ۴۱ ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۱۱ء و ۱۸۴۴ء میں کہا گیا ہے کہ:

"ہم نے مسیا کو جس کے معنی مسیح ہیں پایا"

اور ترجمہ فارسی مطبوعہ ۱۸۱۶ء میں ہے کہ: "ہم نے مسیح کو جس کا ترجمہ کرسطوس ہے پایا"[1]

اور اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۴ء فارسی ترجمہ کے مطابق[2] ہے، لہٰذا دونوں ترجموں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جو لفظ اندراوس نے کہا تھا وہ مسی ہے، اور مسیح اس کا ترجمہ ہے، اس کے برعکس فارسی اور اردو ترجموں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اصل لفظ مسیح ہے اور کرسطوس اس کا ترجمہ ہے اور ترجمۂ اردو مطبوعہ ۱۸۳۹ء سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل لفظ خرستس ہے، اور مسیح اس کا

---

[1] "تا مسیح را کہ ترجمہ اش کرسطوس می باشد یافتیم"

[2] موجودہ اردو ترجمہ میں اس کے برعکس عبارت یہ ہے: "ہم کو خرستس یعنی مسیح مل گیا"

ترجمہ ہے، غرض اُن کے کلام سے یہ چیز نہیں معلوم ہوتی کہ اصل لفظ کونسا ہے، اَسی ہی، یاسوح یاخرستس، ان الفاظ کے معنی خواہ ایک ہی ہوں، مگر بلاشبہ اندراس نے جو کہا ہے، وہ بھی یقیناً تینوں میں سے ایک ہے،

اصول تو یہی ہے کہ جب کوئی لفظ مع اپنی تفسیر کے ذکر کیا جائے، تو ضروری ہے کہ پہلے اصل لفظ کو ذکر کیا جائے، پھر اس کی تفسیر، لیکن ہم اس سے قطع نظر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تفسیر مشکوک کوئی سی بھی ہو، بہرحال وہ الحاقی ہے، اندراوس کے کلام کا جزء نہیں ہے،

ساتویں مثال؛

انجیل یوحنا باب آیت ۴۲ میں عیسیٰ علیہ السلام کا قول پطرس حواری کے حق میں ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۱۱ء میں یوں ہے کہ:

"تجھ کو پطرس کے نام سے پکارا جائے گا، جس کے معنی پتھر ہیں"

اور ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۱۶ء میں ہے کہ:

"تیرا نام صفا رکھا جائے گا جس کی تفسیر پطرس ہے"

اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۶ء میں ہے کہ:

"تجھ کو کیفاس کے نام سے جس کا ترجمہ پتھر ہے لوگ پکاریں گے"[1]

اللہ پتھر برسائے ان کی تحقیق اور تیجیح پر کہ اُن کے کلام سے یہ بات صاف نہیں ہوتی... کہ اصل لفظ کیا ہے؟ اور تفسیر کیا؟ مگر ہم اس سے قطع نظر کرتے ہوئے کہتے ہیں

---

[1] موجودہ اردو ترجمہ ان تینوں کے برخلاف یوں ہے: "تو کیفا یعنی پطرس... کہلائے گا"

یہ تفسیر بہرصورت عیسیٰ علیہ السلام کا کلام نہیں ہے، بلکہ الحاقی ہے، اور جب کراُن کی تحقیق اور ترجموں کا حال اپنے معبود .. اور اس کے خلیفہ کے لقب میں یہ ہے، پھر کیونکر ان سے ہم توقع کر سکتے ہیں کہ وہ محمدؐ یا احمدؐ کے لفظ یا آپؐ کے کسی لقب کو صیح سالم باقی رکھیں گے؟

آٹھویں مثال:

انجیل یوحنا باب ۵ آیت ۲ میں ایک حوض کا تذکرہ کرتے ہوئے ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۴۴ء میں ہے کہ:

"عبرانی میں بیت صیدا نام ہے"

اور ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۶۰ء میں یوں ہے[1]:

"عبرانی میں بیت حسدا کہلاتا ہے"

اور ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۳۱ء میں یہ ہے کہ:

"عبرانی زبان میں بیتِ حصدا کہا جاتا ہے، یعنی رحمت کا گھر"

دیکھئے الفاظ صیدا و حسدا اور حصدا میں جو اختلاف پایا جاتا ہے، اگرچہ اس کا منشأ عیسائیوں کی آسمانی کتابوں میں تصیح کرنا ہے، مگر ہم اس سے قطع نظر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آخری مترجم نے اپنی جانب سے اس کلام میں تفسیر کا اضافہ کر دیا، جو اُن کے نزدیک اللہ کا کلام ہے، اب اگر یہ لوگ محمدؐی بشارتوں میں بھی تفسیر کے طور پر کوئی چیز بڑھادیں تو ان سے کچھ بھی بعید نہیں ہے۔

---

[1] موجودہ اردو ترجمہ اسی کے مطابق ہے۔

نویں مثال:

کتاب الاعمال باب نمبر ۹ آیت نمبر ۳۶ میں یوں ہے کہ:

"اور یافا میں ایک شاگرد تبیتا نام جس کا ترجمہ ہرنی ہے"۔

دسویں مثال:

کتاب الاعمال باب ۱۳، آیت ۸ ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۴۴ء میں ہے کہ:

"مگر الیماس جادوگر نے (کیونکہ اس کے نام کا ترجمہ ہے) اُن کی مخالفت کی"۔

اور ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۶۰ء میں ہے کہ:-

"پھر ان دونوں کا مقابلہ علیم جادوگر نے کیا کیونکہ اس کے نام کا ترجمہ اسی طرح ہے"

اور اردو کے بعض ترجموں میں الماس یا الما۔ پایا جاتا ہے، ہمارا کہنا یہ ہے کہ اس کے نام کا ترجمہ محض الحاقی ہے،

گیارہویں مثال:

ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۱۶ء اور ۱۸۴۴ء کے مطابق کرنتھیوں کے نام پہلے خط کے اخیر میں ہے:

"جو کوئی خداوند کو عزیز نہیں رکھتا ملعون ہو[1]، مارناتا[2]"

[1] ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۴۴ء کے مطابق یہاں ملعون کے بجائے محروم کا لفظ ہے ۱۲ از مصنف

[2] "مارناتا" (   ) یونانی اور لاطینی زبان میں اس لفظ کا ترجمہ ہے "خدا آنے والا ہے"۔ آر اے ناکس لکھتا ہے کہ یہ جملہ پہلے زمانے کے عیسائیوں میں ایک نعرہ کے طور پر استعمال ہوتا تھا، اور اکثر وبیشتر ایک دوسرے سے ملنے کے وقت یہ نعرہ بولا کرتے تھے، چنانچہ فلپیوں ۴: ۵ اور یعقوب ۵، ۸ میں بھی یہ جملہ استعمال ہوا ہے، (دیکھئے تفسیر عہد نامہ جدید از ناکس، ص ۱۷۳، جلد ۲) گویا یہ جملہ ایسا ہی تھا جیسے "مسلمان"۔ "سبحان اللہ" وغیرہ استعمال کرتے ہیں ۱۲

(باقی آئندہ صفحہ پر)

اور ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۶۰ء میں ہے:

"جو کوئی خداوند کو عزیز نہیں رکھتا وہ اناثیما[1] ہو، مارنا تا[2]

اور ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۱۱ء میں ہے:

"جو کوئی خداوند کو عزیز نہیں رکھتا وہ مجرم ہو، مارنا تا، یعنی خداوند آگیا"[3]

اصل لفظ کی صحت سے قطع نظر کرتے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ آخری مترجم نے اپنی طرف سے تفسیر کا اضافہ کر دیا اور کہا "یعنی خداوند آگیا"۔

مذکورہ بالا تمام شواہد تفسیر کے تھے، لہٰذا ہمارے گزشتہ بیان سے ثابت ہو گیا کہ اعلام و اسماء اور ناموں کا ترجمہ کر دینا یا ان کو دوسرے الفاظ میں تبدیل کر دینا یا اپنی جانب سے تفسیر کا الحاق، یہ ان کے اگلوں پچھلوں سب کی جبلی خصلت ہے، یہ کوئی بعید نہیں کہ ایسے لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں میں سے کسی نام کا ترجمہ کر ڈالیں، یا کسی دوسرے لفظ سے بدل دیں، یا تفسیر کے طور پر بڑھا دیں، یا بغیر تفسیر ہی کوئی چیز ایسی بڑھا دیں جس کی موجودگی میں بظاہر استدلال کرنے میں خلل اور کھنڈت پڑ جائے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) چنانچہ بعض مترجمین نے تو اس جملے کو جوں کا توں رکھ دیا، اور بعض نے اس کا ترجمہ کر ڈالا،

[1] "اناثیما" (یہ ایک یونانی لفظ ہے جس کے معنی "ملعون" اور "مستحق عذاب" کے آتے ہیں، (آکسفورڈ بائبل کنکارڈنس ص ۱۱) یہاں مترجم نے یہ لفظ جوں کا توں رکھ دیا ہے، اور دوسروں نے اس کا ترجمہ کیا ہے،

[2] قدیم انگریزی ترجمہ اسی کے مطابق ہے،

[3] موجودہ اردو ترجمہ کی عبارت ان تینوں کے برخلاف یوں ہے: "جو کوئی خداوند کو عزیز نہیں رکھتا ملعون ہو۔ ہمارا خداوند آنے والا ہے" (۱۔ کرنتھیوں ۱۶: ۲۲)

اور ظاہر بات ہے کہ یہ تحریف و ترمیم کا اہتمام عیسائیوں نے جس قدر مسلمانوں کے خلاف کیا ہے وہ خود اپنے مخالف فرقوں کے خلاف تحریف کے اہتمام سے کہیں زیادہ ہے[1]، اور آپ دوسرے باب[2] میں دیکھ چکے ہیں کہ ان لوگوں نے اپنے مخالف فرقوں کے مقابلہ میں کتب مقدسہ کی تحریف میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، چنانچہ ہورن کہتا ہے:۔

"یہ بات بھی طے شدہ ہے کہ بعض جانی بوجھی تحریفات کا ارتکاب ان لوگوں نے کیا ہے جو اہلِ دیانت اور دیندار کہلاتے ہیں، پھر اُن کے بعد یہ تحریفیں اس لئے قبول کرلی گئیں تاکہ ان کے ذریعہ کسی مسلّم اور مقبولِ عام مسئلہ کی تائید کی جاسکے یا اس پر واقع ہونے والا کوئی اعتراض دور کیا جاسکے، مثلاً انجیل لوقا کے باب ۲۲ کی آیت ۴۳ قصداً حذف کردی گئی[3]، کیونکہ بعض دینداروں کو خیال ہوا کہ فرشتہ کا

---

[1] یعنی یہ بات ثابت ہے کہ عیسائیوں نے خود اپنے بعض فرقوں کا رد کرنے کے لئے بائبل میں تحریفیں کی ہیں، تو مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کے لئے تو اس قسم کی تحریفیں یقیناً زیادہ کی گئی ہوں گی۔

[2] دیکھئے صفحہ ۵۱، جلد دوم۔

[3] اس آیت میں کہا گیا ہے کہ حضرت مسیح گرفتار ہونے سے ایک رات پہلے نہایت پریشانی کے عالم میں جبلِ زیتون پر تشریف لے گئے، اور چونکہ آپ پریشان تھے، اس لئے ایک فرشتہ آپ کو تقویت اور تسلی دیتا تھا، عیسائیوں کے جو فرقے حضرت مسیح کو خدا نہیں مانتے تھے، وہ اس آیت سے استدلال کرکے یہ کہتے تھے کہ اگر مسیح علیہ السلام خدا ہوتے تو نہ آپ پریشان ہوتے اور نہ کوئی فرشتہ آپ کو تسلی دیتا، اس کے برخلاف جو فرقے حضرت مسیح کو خدا مانتے تھے انھوں نے اس دلیل کا کوئی جواب نہ پاکر اس آیت کو سرے سے حذف ہی کردیا، اور عرصۂ دراز تک یہ آیت بائبل کے نسخوں سے خارج رہی، بعد میں اسے پھر داخل کرلیا گیا، اپنے باطل نظریات کو منوانے کے لئے اس آیت کے ساتھ جو کھیل کھیلا گیا اس کی داستان متاخرین میں سے بائبل کے مفسّر آر اے ناکس نے خاصی تفصیل کے ساتھ بیان کی ہے۔ ہم یہاں اس کے الفاظ جوں کے توں نقل کررہے ہیں: (باقی برصفحہ آئندہ)

خدا کو تقویت دینا خدا کی خدائی کے منافی ہے، اسی طرح انجیل متی باب اول آیت ۱۸

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

"On the genunineness of these two verses our authorities are much divided; before the end of the feurth century, on the cestimony of St. Hilary and St. Jerome, there were manuscripts in circulation which omitted them. *The probability is that they were omitted in some early copies as being of doubtful theological tendency*; the idea that our Lord could show weakness to such an extreme degree, or need the consolation of an angel *seemed to play into the hands of these heretics who denied His Divinity.* In such cases an omission is alway more likely than an insertion It is difficult to imagine an orthodox copyist having. ....the skill to write it exacly in the style and vocabulary of Luke." (Italiks mine)_ (commentory P. 187 V. I)

یعنی "ان دو آیتوں کی اصلیت کے بارے میں ہمارے مستند ماٰخذ میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے سینٹ ہلیری اور سینٹ جیروم کی شہادت کے مطابق چوتھی صدی کے خاتمہ سے پہلے بائبل کے ایسے نسخے رائج تھے جن میں یہ آیتیں حذف کردی گئی تھیں، یہ بات قرینِ قیاس ہے کہ انھیں اس لئے حذف کیا گیا ہوگا کہ یہ دو آیتیں کچھ مشکوک قسم کا مذہبی رجحان رکھتی ہیں، یہ خیال کہ "ہمارا خداوند اس قدر انتہائی درجہ کی کمزوری دکھا سکتا ہے، یا اسے کسی فرشتہ کی تسلی کی ضرورت ہو سکتی ہے" اس نظریئے کے بارے میں یہ سمجھا گیا کہ یہ ان بدعتی فرقوں کے ہاتھوں پڑ سکتا ہے، جو ہمارے خداوند کی خدائی کے منکر ہیں، اور اس قسم کی صورتوں میں کسی آیت کا حذف کر دینا زیادہ آسان ہوتا ہے، بہ نسبت اس کے کہ کوئی آیت بڑھائی جائے، اس لئے کہ یہ تصور کرنا مشکل ہے کہ ایک پرانے زمانے کا کاتب اتنی مہارت رکھتا ہوگا کہ وہ لوقا کی زبان اور اس کے اسلوب تحریر میں کچھ لکھ سکے" (تفسیر عہد نامہ جدید، ص ۱۸۷ ج ۱)

(باقی بر صفحہ آئندہ)

سے "ان کے اکٹھے ہونے سے پہلے" کا لفظ حذف کر دیا گیا، نیز اس باب کی آیت ۲۵ سے "پہلا بیٹا" کا لفظ مٹا دیا گیا، تاکہ مریم کی دائمی بکارت پر کوئی حرف نہ آئے[1] اور کرنتھیوں کے نام پہلے خط کے باب ۱۵ آیت ۵ میں "بارہ" کے بجائے "گیارہ" کا لفظ لکھ دیا گیا، تاکہ پولس پر جھوٹ کا الزام نہ لگ سکے، کیونکہ یہوداہ اسکریوتی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) دیکھئے: اس عبارت میں یہ مفسر جو اکثر مقامات پر بائبل کی غلطیوں کی تاویل میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا کرتا ہے، یہاں واضح الفاظ میں اس بات کا اعتراف کر رہا ہے، کہ محض اپنے نظریہ کو ایک مخالف فرقے کے اعتراض سے بچانے کے لئے اس عبارت کو بائبل سے حذف کر دیا گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی آخری جملوں میں اس نے وضاحت کے ساتھ یہ بات بھی بتلا دی کہ اگر تحریف کرنے والے کاتب کے لئے ممکن ہوتا تو وہ یہاں اپنی طرف سے کوئی جملہ بڑھانے میں بھی دریغ نہ کرتا، لیکن مشکل یہ پیش آگئی کہ اس بیچارے میں اتنی صلاحیت نہ تھی کہ وہ لوقا جیسی زبان اور اس کا جیسا اسلوبِ تحریر اختیار کر سکتا، اس لئے اس نے کوئی عبارت بڑھانے کے بجائے اس آیت کو حذف کر دینے ہی میں عافیت سمجھی، ——— اب خدا را غور فرمائیے کہ جس کتاب کے ساتھ اس قسم کی ستم ظریفیاں محض فرقہ وارانہ اختلافات میں اپنی رائے منوانے کے لئے روا رکھی گئی ہوں اس میں ایک غیر مذہب کے دلائل کو توڑنے کے لئے کیا کچھ نہیں کیا ہوگا؟ اور کیا ایسی کتاب پر دین و مذہب جیسے اہم معاملے میں کوئی اعتماد کیا جا سکتا ہے؟

(حاشیہ صفحہ ہٰذا) [1] اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ یوسف نجار نے جب حضرت مریمؑ کو حاملہ پایا تو انہیں اپنے گھر لے آئے اور "اس کو نہ جانا جب تک اس کے (پہلا) بیٹا نہ ہوا" اس عبارت میں "پہلا" کا لفظ یہ بتلا رہا ہے کہ حضرت مریمؑ سے حضرت یسوعؑ کے بعد دوسرے بیٹے بھی ہوئے ہیں، لہٰذا اس سے اس عیسائی نظریہ کی تردید ہوتی ہے کہ حضرت مریمؑ ہمیشہ باکرہ رہی ہیں، اور حضرت عیسیٰؑ کے بعد بھی ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی، اس لئے اس عبارت میں سے "پہلا" کا لفظ سرے سے اڑا دیا گیا، چنانچہ موجودہ اردو ترجمہ میں یہ لفظ نہیں ہے، جب کہ انگریزی ترجمہ میں اب تک firstborn کا لفظ موجود ہے۔ (دیکھئے کنگ جیمس ورژن مطبوعہ ۱۹۵۸ء)

پہلے مر چکا تھا[1]، اسی طرح انجیل مرقس باب ۱۳ آیت ۳۲ میں بعض الفاظ چھوڑ دیے گئے، اور یہ الفاظ بعض مرشدین نے بھی اس خیال سے چھوڑ دیے کہ ان سے فرقۂ ایرین کی تائید ہوگی[2]، نیز انجیل لوقا باب ۱ دل آیت ۳۵ کی سریانی، فارسی، عربی اور ایتھوپک وغیرہ ترجموں میں اور بہت سے مرشدوں کی عبارتوں میں بعض الفاظ بڑھا دیے گئے[3]، تاکہ فرقۂ یوٹی کینس کا مقابلہ کیا جا سکے جو حضرت عیسیٰؑ میں دو صفتیں ملنے سے کرتا تھا،

غور فرمایئے کہ جب دیندار طبقوں کی یہ کیفیت ہو تو بیدینوں کا کیا حال ہوگا؟ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ تحریف قصدی خواہ تبدیل کی صورت میں ہو یا کمی زیادتی کی شکل میں، یہ تو تمام عیسائیوں کی عادت ثانیہ ہو، اس لئے بعض وہ پیشینگوئیاں اور خبریں جو متقدمین علمائے اسلام نے جیسے امام قرطبیؒ

---

[1] اس عبارت میں پولس حضرت مسیحؑ کے دوبارہ زندہ ہونے کا قصہ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ: "اس کے بعد اُن بارہ کو دکھائی دیا" (۱-کرنتھیوں ۱۵: ۵)، یعنی بارہ حواریوں کو نظر آئے، حالانکہ اس وقت بارہ میں سے ایک یعنی یہوداہ اسکریوتی مر چکا تھا (دیکھئے متی ۲۷: ۵)، چونکہ اس سے لازم آتا تھا کہ پولس نے ایک غلط بات کہی، اس لئے یہاں بارہ کے بجائے "گیارہ" کا لفظ لکھ دیا گیا چنانچہ کیتھولک بائبل میں یہاں eleven یعنی گیارہ" کا لفظ لکھا ہوا ہے، اگرچہ باقی تمام ترجموں میں لفظ "بارہ" اب تک موجود ہے،

[2] اس آیت میں حضرت مسیحؑ کا قیامت کے بارے میں یہ ارشاد مذکور ہے کہ "اس گھڑی کی بابت کوئی نہیں جانتا، نہ آسمان کے فرشتے نہ بیٹا، مگر باپ" اس سے لازم آتا ہے کہ بیٹا باپ کی طرح خدا نہ ہو، چنانچہ فرقۂ ایرین حضرت مسیحؑ کے خدا نہ ہونے پر اس سے استدلال کرتا تھا، اس لئے بعض لوگوں نے یہاں "نہ بیٹا" کے لفظ کو اُڑا دیا، تاکہ یہ اعتراض نہ ہو سکے، ـــــ بلکہ بعض عیسائی علماء کا کہنا تو یہ ہو کہ یہ لفظ متی ۲۴: ۳۶ میں بھی موجود تھا، اور کسی نے وہاں سے بھی اسے اسی وجہ سے حذف کر دیا (دیکھئے تفسیر عہد نامۂ جدید از ناکس، ص ۱۰۵ جلد ۱)

[3] دیکھئے تفسیر عہد نامۂ جدید، از ناکس ص ۱۲۰ جلد اول)

وغیرہ، بیان کئے ہیں مگر وہ ان کے بعض الفاظ مشہور زمانہ تراجم کے موافق نہیں ہیں، اس کی بڑی وجہ غالباً یہی تحریف و تغیر ہے، کیونکہ ان علمائے اسلام نے وہ بشارتیں عربی ترجمہ سے نقل کی ہیں، جو ان کے عہد میں رائج تھا، اور بعد میں اس ترجمہ میں حذف و اضافہ تغیر و تبدل کر دیا گیا، ہو سکتا ہے کہ اس کا سبب ترجموں کا باہمی اختلاف بھی ہو لیکن پہلی وجہ قرین صواب ہے، کیونکہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہ تحریف کی مذموم عادت ان کے تراجم اور رسالوں میں آج بھی جاری ہے، میزان الحق کو ہی ملاحظہ کر لیجئے کہ اس کے تین نسخے ہیں، پہلا نسخہ قدیم ہے، جس کا رد صاحب استفسار نے لکھا، جب اس کا علم مصنف میزان الحق کو ہوا تو اس نے فوراً قدیم نسخہ کی اصلاح کر لی، اور بعض مقامات پر اضافہ اور بعض میں کچھ حذف، اور کہیں پر تبدیلی کا عمل کیا، پھر اصلاح شدہ نسخہ طبع ہو گیا جس میں استفسار کا جواب بھی شامل ہے، اس دوسرے نسخہ کا ہم نے معدّل اعوجاج المیزان کے نام سے رَد لکھا، اور اس میں ان تمام مقامات کی ہم نے نشان دہی کی جہاں جدید نسخہ قدیم نسخہ کے خلاف تھا، اگرچہ میری یہ کتاب بعض موانع کی وجہ سے ہندوستان میں ابھی تک طبع نہ ہو سکی، مگر ایک دوست نے حلّ الاشکال کا رَد استبشار کے نام سے لکھا ہے، جو نہ صرف شائع ہو چکا ہے بلکہ ہندوستان میں اس نے کافی شہرت اور مقبولیت حاصل کی، مزہ کی بات یہ ہے کہ جس وقت رَد چھپا اور شائع ہو کر جگہ جگہ مشہور ہو رہا تھا، اس وقت مصنّف میزان الحق خود ہندوستان میں موجود تھے،

اس کی طباعت کو بھی دس سال کا طویل عرصہ گذر چکا ہے، لیکن آج تک مؤلف میزان الحق کو اس کے جواب میں ایک حرف لکھنے کی جرأت نہیں ہو سکی، مجھ کو بعض معتبر لوگوں سے معلوم ہوا ہے کہ مؤلف میزان الحق

نے تیسری مرتبہ اپنی کتاب میں اصلاح کر ڈالی، اور ترکی میں اس کو طبع کرایا،

اس تیسرے نسخہ میں مصنف نے جہاں جہاں تغیر ضروری تھا اصلاح جیسے باب اوّل کی دوسری فصل کی ابتداء میں، اسی طرح دوسرے مقامات پر، اب جس شخص نے محض استفسار کا مطالعہ کیا ہو اور میزان الحق کا قدیم نسخہ اس کی نظر سے نہ گذرا ہو، بلکہ صرف دوسرا یا تیسرا نسخہ اس کے پیشِ نظر ہو، اور وہ مصنف استفسار کے بیان کردہ نقل کی تصحیح جو میزان الحق کے کلام سے متعلق ہے ان دونوں نسخوں سے کرنا چاہے تو بعض مقامات پر وہ اس نقل کو ان دونوں نسخوں کے مطابق نہیں پائے گا،

اسی طرح اگر کوئی معترض اعوجاج المیزان کو دیکھے، اور اتفاق سے اس کی نظر سے میزان کا پہلا اور دوسرا نسخہ نہ گذرا ہو، بلکہ اس نے صرف تیسرا نسخہ مطبوعہ ترکیہ مطالعہ کیا ہو، اور وہ اس نقل کی تصحیح مطبوعہ ترکیہ سے کرنا چاہے، تو یقیناً بعض جگہوں پر نقل کو اس نسخہ کے مطابق نہ پائے گا، اب اگر اس کو عیسائیوں کی اس عادت کا علم نہیں ہو کہ وہ اصل میں تغیر و تبدل کرتے رہتے ہیں، تو وہ ضرور گمان کرے گا کہ رد کرنے والے ناقل نے نقل کرنے میں غلطی کی ہے، حالانکہ واقعہ یہ نہیں ہے، بلکہ یہ نتیجہ ہے اس شخص کی تحریف و تغییر کا جس کے کلام کا رد کیا گیا ہو اور رد کرنیوالا ناقل اپنی نقل میں سچا ہے، غرض کہنا یہ ہو کہ یہ تحریف اور تغیر و تبدل

کا سلسلہ اُن کے ترجموں اور کتابوں، رسالوں میں آج تک چلا آرہا ہے،

پولس ہمارے نزدیک معتبر شخص نہیں
آٹھویں بات

آٹھویں بات یہ ہے کہ پولس عیسائیوں کے نزدیک حواری کے رُتبہ اور درجہ کا شخص ہے مگر ہمارے نزدیک نہ تو وہ مقبول ہے نہ ہم اس کو سچا عیسائی مان سکتے ہیں، اس کے برعکس وہ ہمارے خیال میں پکا منافق، اعلیٰ درجہ کا جھوٹا، اور جھوٹ کی تعلیم و تلقین کرنے والا اور اُن فریب کاروں اور غداروں میں سے ہے جو مسیحؑ کے عروجِ آسمانی کے بعد بڑی کثرت سے برساتی کیڑوں کی طرح نمایاں ہوگئے تھے، جیسا کہ نمبر ۸ کے ذیل میں معلوم ہوچکا ہے، یہی وہ شخص ہے جس نے مسیحی مذہب کا بیڑا غرق کیا، اور اس کے ماننے والوں کے لئے حرام چیزوں کو حلال بناڈالا،

یہ شخص شروع شروع میں اول طبقہ کے عیسائیوں کو کھلّم کھلا اذیتیں اور تکلیفیں پہنچاتا رہا، مگر جب اس نے محسوس کیا کہ علانیہ ایذا رسانی سے اپنی توقع کے مطابق خاطر خواہ فائدہ نہیں پہونچ سکے گا تو وہ منافقانہ طور پر اس مذہب میں داخل ہوگیا، اور مسیح کے نائب اور رسول ہونے کا مدعی بن گیا، ساتھ ہی زہد و اتقار کی کافی نمائش کی، غرض اس پردہ میں اس نے وہ کچھ کیا جو روشن ہے، عیسائیوں میں یہ شخص اپنے ظاہری زہد و اتقار کی وجہ سے مقبولیت حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا، نیز اس سبب سے بھی کہ اس نے عیسائیوں کو تمام تکالیف شرعیہ سے بے نیاز اور سبکدوش[1] کردیا تھا، جس طرح قرنِ ثانی کے بہت سے عیسائیوں میں "منتس" نامی شخص نے اپنے زاہد و ریاضت گزار ہونے کی وجہ سے قبولیت حاصل کرلی تھی، اور پھر دعویٰ کر بیٹھا کہ میں ہی "فارقلیط موعود" ہوں، عیسائیوں نے اس کے زہد و ریاضت

---

[1] یعنی شریعت کے تمام احکام منسوخ کردیئے تھے، (دیکھئے کتاب اعمال ۱۵: ۲۸، ۲۹)

کی بنا پر سچا مان لیا، جیسا کہ بشارت نمبر ۱۸ میں آنے والا ہے،

محققینِ علماء اسلام نے اگلے ہوں یا پچھلے غرض سب ہی نے اس کو رد کیا ہے، امام قرطبی رحمہ اللہ اپنی کتاب میں مسئلہ صوم کی بحث میں بعض پادریوں کو جواب دیتے ہوئے اس پولس کے حق میں یوں ارشاد فرماتے ہیں:

ہم کہتے ہیں کہ یہ شخص یعنی پولس ہی وہ ذات شریف ہے جس نے تمہارے دین کو برباد اور تمہاری عقلوں کو اندھا کر دیا، یہی وہ شخص ہے جس نے صحیح دینِ مسیحی کو بدل ڈالا، جس کے حق میں نہ تم نے کوئی خبر سُنی ہے اور نہ کوئی نشان ملتا ہے، اس شخص نے تم کو تمہارے قبلہ سے منحرف کیا، اور ہر وہ چیز جو مذہب میں حرام تھی اس کو حلال کر ڈالا، اس لئے اس کے احکام تمہارے یہاں بے شمار رائج ہو گئے۔

اسی طرح مصنف تخجیل من حرف الانجیل نے اپنی کتاب کے باب ۹ میں عیسائیوں کے عیوب بیان کرتے ہوئے اس پولس کے حق میں یوں فرمایا ہے:

"اس پولس نے بڑی لطیف تدبیر اور مکاری سے عیسائیوں کے دین کو ملیا میٹ کر ڈالا کیونکہ اس نے دیکھا کہ عیسائیوں کی عقلیں اس قدر مسخ ہو چکی ہیں کہ جو بات بھی اُن کے سامنے پیش کی جائے وہ بڑی آسانی سے اس کو قبول کر لیتے ہیں، اس خبیث نے توریت کے تمام آثار و نشانات کو مٹا دیا۔"

ہمارے دوسرے علماء بھی یہی فرماتے ہیں، ان حالات میں ہمارے نزدیک اسکی بات قطعی مردود اور نا قابلِ قبول ہے، اور اس کے خطوط جو عہدِ جدید میں موجود ہیں سب کے سب واجب الرد ہیں، ہم اس کی بات پھوٹی کوڑی کے عوض بھی خریدنے کے لئے تیار نہیں، اس لئے ہم اس مسلک میں اس کی کوئی بات نقل نہیں کریں گے، نہ اس کا کوئی قول

ہمارے مقابلہ میں حجت ہو سکتا ہے،

اب جب آپ مذکورہ بالا آٹھ باتوں کو اچھی طرح سمجھ چکے ہیں، تو یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ جو بشارتیں اور پیشنگوئیاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں واقع ہوئی ہیں، ان میں سے بیشتر آج تک باوجودیکہ ان کتابوں میں بے شمار تحریف ہو چکی ہے موجود ہیں، اور جس شخص کو جانے والے پیغمبر کی پیشینگوئی اور بشارت کا طریقہ آنے والے پیغمبر کی نسبت معلوم ہو چکا ہے، پھر یہ شخص انصاف کی نگاہ سے ان بشارتوں کو دیکھے، اور ان کا مقابلہ ان بشارتوں سے کرے جن کو انجیل والوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں نقل کیا ہے، اور جن میں سے کچھ نمبر ۵ میں آپ کو معلوم ہو چکی ہیں، وہ ضرور یہ اعتراف اور یقین کرنے پر مجبور ہوگا کہ محمدی بشارتیں بہت قوی اور مضبوط ہیں، ہم اس مسلک میں علماءِ پروٹسٹنٹ کی معتبر کتابوں سے صرف ۱۸ بشارتیں ذکر کرتے ہیں ۔

حضورؐ کی تشریف آوری کی پہلی پیشینگوئی

کتاب استثناء باب ۱۸ آیت ۷ا میں ہے :-

"اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں سو ٹھیک کہتے ہیں، میں اُن کے لئے انہی کے بھائیوں میں سے تیرے مانند ایک نبی برپا کروں گا، اور اپنا کلام اس کے مُنہ میں ڈالوں گا، اور جو کچھ میں اُسے حکم دوں گا وہی وہ اُن سے کہے گا، اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لیکر کہے گا نہ سُنے تو میں ان کا حساب اس سے لوں گا، لیکن جو نبی گستاخ بن کر کوئی ایسی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے اس کو حکم نہیں دیا، یا اور معبودوں کے نام سے کچھ کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے، اور اگر تو

اپنے دل میں کہے کہ جو بات خداوند نے نہیں کہی ہے اسے ہم کیونکر پہچانیں؟ تو پہچان یہ ہے کہ جب وہ نبی خداوند کے نام سے کچھ کہے، اور اس کے کہے کے مطابق کچھ واقع یا پورا نہ ہو تو وہ بات خداوند کی کہی ہوئی نہیں بلکہ اس نبی نے وہ بات خود گستاخ بنکر کہی ہے تو اس سے خوف نہ کرنا۔" (آیات ۱۷ تا ۲۲)

یہ بشارت نہ یوشع کی بشارت ہے جیسا کہ آجکل کے علماء یہود کا خیال ہے، اور نہ عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہے جیسا کہ علماء پروٹسٹنٹ کا دعویٰ ہے، بلکہ یہ دس وجوہ کی بناء پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت ہے،

پہلی دلیل:

ناظرین کو نمبر ۳[1] سے یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ جو یہودی عیسیٰ علیہ السلام کے ہمعصر تھے، وہ ایک دوسرے نبی کے منتظر تھے، جس کی اس باب[2] میں بشارت دی گئی تھی، اُن کے نزدیک یہ شخص جس کی بشارت دی گئی عیسیٰ ع کے علاوہ کوئی دوسرا ہی تھا، لہٰذا یہ نبی جس کی بشارت دی گئی تھی، یوشع ہو سکتے ہیں، اور نہ عیسیٰ ع ہو سکتے ہیں،

دوسری دلیل:

اس بشارت میں لفظ "تیری مانند" واقع ہوا ہے، اور یوشع اور عیسیٰ علیہ السلام پر یہ بات صادق نہیں آتی کہ وہ موسیٰ علیہ السلام جیسے ہوں، اوّل تو اس لئے کہ یہ دونوں

---

[1] دیکھئے کتاب ہذا، ص ۱۳۴۱ ج ھٰذا، اور اس کا حاشیہ۔

[2] منسرین بائبل متفقہ طور پر تسلیم کرتے ہیں کہ علماء یہود نزولِ مسیح کے وقت حضرت مسیح کے علاوہ جس نبی کے منتظر تھے وہ وہی نبی تھا جس کی بشارت استثناء ۱۸: ۱۷ میں دی گئی ہے، مثلاً دیکھئے، ناکس کی تفسیر، ص ۹۹، جلد اول۔

بزرگ اسرائیلی ہیں، اور یہ بات غیر ممکن ہے کہ بنی اسرائیل میں موسیٰؑ جیسا کوئی دوسرا پیدا ہو سکے جیسا کہ سفر استثناء باب ۳۴ کی مندرجہ ذیل آیت ۱۰ اس پر دلالت کر رہی ہے کہ:

"بنی اسرائیل میں کوئی نبی موسیٰ کی مانند جس سے خداوند نے روبرو باتیں کیں، نہیں اٹھا"،

اب اگر کوئی شخص موسیٰؑ کے بعد بنی اسرائیل میں ان جیسا پیدا ہو جائے تو اس قول کا جھوٹا ہونا لازم آئے گا۔

دوسرے اس لئے کہ موسیٰؑ اور یوشعؑ میں کوئی بھی مماثلت موجود نہیں ہے، کیوں کہ موسیٰ علیہ السلام صاحبِ کتاب اور ایسی نئی شریعت رکھتے ہیں جو اوامر و نواہی پر مشتمل ہو، اس کے برعکس یوشعؑ ایسے نہیں ہیں، بلکہ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے تابع تھے،

اسی طرح موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کامل طور پر مماثلت نہیں پائی جاتی، کیونکہ عیسیٰؑ عیسائی نظریہ کے مطابق خدا اور رب ہیں، اور موسیٰؑ ان کے محض ایک بندے ہیں، اسی طرح عیسائی مسلک کے مطابق عیسیٰؑ مخلوق کی شفاعت کی بناء پر ملعون ہو چکے ہیں، جیسا کہ پولس نے گلتیوں کے نام خط کے باب نمبر ۳ میں تصریح کی ہے[1]، اور موسیٰؑ ملعون نہیں ہوئے، اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام اپنے مرنے کے بعد جہنم میں داخل ہوئے، جیسا کہ عیسائیوں کے عقائد میں اس کی تصریح ہے[2]، بخلاف موسیٰ علیہ السلام کے کہ وہ جہنم میں داخل نہیں ہے، اسی طرح مسیحؑ کو عیسائی خیال کے مطابق سولی دی گئی تھی، تاکہ وہ اپنی امت کے لئے کفارہ بن جائیں، اور موسیٰ علیہ السلام کو اپنی امت کے کفارہ کے طور پر سولی

---

[1] "مسیح جو ہمارے لئے لعنتی بنا، اس نے ہمیں مول لیکر شریعت کی لعنت سے چھڑایا" (گلتیوں ۳: ۱۳)

[2] دیکھئے کتاب ہذا، ص ۳۹۰ جلد دوم۔

نہیں دی گئی، نیز موسیٰ علیہ السلام کی شریعت حدود و تعزیرات اور غسل، طہارت کے احکام نیز کھانی اور پی جانے والی حرام چیزوں پر مشتمل ہے، اس کے برعکس عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت اس قسم کے احکام سے خالی ہے جس کی شہادت موجودہ مروجہ انجیلیں دے رہی ہیں، اسی طرح موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم میں رئیس اور مطاع تھے، اپنے احکام اپنی قوم اور امت پر پوری قوت سے جاری کرتے تھے، اس کے برعکس عیسیٰ علیہ السلام میں یہ وصف موجود نہیں تھا۔[۱]

تیسری دلیل:

اس بشارت میں لفظ "انہی کے بھائیوں میں سے" واقع ہوا ہے، بلاشبہ اُس وقت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بنی اسرائیل کے بارہ خاندان حاضر اور موجود تھے، اب اگر اس بشارت کا مقصد یہ تھا کہ وہ بنی اسرائیلی ہوگا تو پھر یہ کہنا مناسب تھا کہ "ان ہی میں سے" نہ یہ کہ "ان کے بھائیوں میں سے" اس لفظ کا حقیقی استعمال یہی ہو سکتا ہے کہ اس بشارت والے نبی کا کوئی تعلق اور رشتہ صلبی یا بطنی بنی اسرائیل کے ساتھ نہ ہو، چنانچہ حضرت ہاجرہ سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بارے میں جو وعدہ کیا گیا تھا اس میں یہ لفظ اپنے اسی حقیقی معنیٰ میں استعمال ہوا ہے، کتاب پیدائش باب ۱۶ آیت ۱۲ میں ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۴۴ء کے مطابق اس طرح ہے:

"اور اپنے سب بھائیوں کے سامنے (مضارب[۲]) نصب کرے گا"

اور ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۱۱ء میں ہے:

"وہ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بسا رہے گا"

---

[۱] کیونکہ ان کے چند متبعین کے سوا دوسرے لوگ اُن کی اطاعت نہیں کرتے تھے،

[۲] یہ لفظ اظہار الحق میں اسی طرح نقل کیا گیا ہے: "قبالۃ جمیع اخوتہ ینصب المضارب" مگر ہم اس کا مطلب نہیں سمجھ سکے۔ موجودہ اردو ترجمے نیز ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۱۱ء کے مطابق ہے ۱۲ تقی

اسی طرح حضرت اسمٰعیل ہی کے حق میں کتاب پیدائش باب ۲۵ آیت ۱۸ میں ترجمہ مطبوعہ ۱۸۴۴ء کے مطابق اس طرح ہے:

"وہ اپنے سب بھائیوں کے آخر میں رہا"

اور ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۱۱ء میں ہے:

"یہ لوگ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بسے ہوئے تھے"[1]

یہاں "بھائیوں" سے مراد عیسو اور اسحٰق علیہ السلام کی نسل کے لوگ ہیں جو ابراہیم کے بیٹے تھے، اور کتاب گنتی باب ۲۰ آیت ۱۴ میں ہے:

"اور موسیٰؑ نے قادس سے ادوم کے بادشاہ کے پاس ایلچی روانہ کئے، اور کہلا بھیجا کہ تیرا بھائی اسرائیل یہ عرض کرتا ہے کہ تو ہماری سب مصیبتوں سے جو ہم پر آئیں واقف ہے"

اور کتاب استثناء باب ۲ آیت ۲ میں ہے:

"تب خداوند نے مجھ سے کہا کہ تم اس پہاڑ کے باہر باہر بہت چل چکے، شمال کی طرف مڑ جاؤ، اور تو ان لوگوں کو تاکید کر دے کہ تم کو بنی عیسو تمہارے بھائی جو شعیر میں رہتے ہیں اُن کی سرحد کے پاس سے ہو کر جانا ہے"

اس مقام پر بنی اسرائیل کے بھائیوں سے مراد بنو عیسو ہیں، یہ صحیح ہے کہ لفظ "بنی اسرائیل کے بھائیوں" خود بعض بنی اسرائیل کے لئے توریت کے بعض مقامات پر استعمال کیا گیا ہے، مگر یہ استعمال مجازی ہے، اور حقیقی استعمال کو ترک کر کے مجازی استعمال اس وقت

[1] یہ موجودہ اردو ترجمے کی بھی عبارت ہے جو ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۱۱ء کے مطابق ہے۔

تک اختیار کرنا جائز نہیں جب تک معنی حقیقی پر محمول ہونے کے لئے کوئی قوی مانع موجود نہ ہو، اور یوشع اور عیسیٰ دونوں اسرائیلی ہیں، اس لئے یہ بشارت اُن پر ہرگز صادق نہیں آسکتی،

چوتھی دلیل؛

اس بشارت میں لفظ "برپا کروں گا" پایا جارہا ہے، یوشع علیہ السلام اُس وقت موسیٰ کے پاس موجود ہیں، بنی اسرائیل میں داخل ہیں، اور اسی زمانے میں نبی بھی تھے، ان پر یہ لفظ کیونکر صادق آسکتا ہے؟

پانچویں دلیل؛

اس بشارت میں لفظ "اپنا کلام اُس کے مُنہ میں ڈالوں گا" پایا جاتا ہے، یہ اُس چیز کی جانب اشارہ ہے کہ اُس نبی پر کتاب نازل ہوگی، اور یہ کہ وہ اُمّی ہوگا[1]، اور کلام کو محفوظ کرے گا، یہ چیز یوشع پر صادق نہیں آتی، کیونکہ اُن میں دونوں باتیں موجود نہیں ہیں،

چھٹی دلیل؛

اس بشارت میں ایک جملہ یہ ہے، "اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا نہ سنے تو میں اُن کا (انتقام[2]) اس سے لوں گا"، اور اس جملہ کا مقصد اس نبی کی عظمت ظاہر کرتا ہے، جس کی بشارت دی جارہی ہے، اس لئے ضروری ہے کہ وہ نبی

---

[1] اس سے معلوم ہوگیا کہ اس بشارت سے حضرت عیسیٰ مراد نہیں ہوسکتے، کیونکہ لوقا ۴: ۱۶ اور ۱۷ میں تصریح ہے کہ آپ نے کتاب یسعیاہ پڑھی تھی اور اُمّی نہ تھے،

[2] اظہار الحق میں جس ترجمہ سے یہ عبارت نقل کی گئی ہے اس میں انتقام ہی کا لفظ ہے، مگر موجودہ اردو ترجمہ میں اس کی جگہ "حساب" کا لفظ مذکور ہے،

اس وصف میں دوسرے پیغمبروں سے امتیازی درجہ رکھتا ہو،

اس کے ساتھ ہی یہاں جس انتقام کا تذکرہ کیا گیا ہے اس سے مراد آخرت کا عذاب یا وہ دنیوی مصیبتیں نہیں ہو سکتیں جو غیب سے منکرین کو پیش آئیں، کیونکہ اس قسم کا انتقام کسی خاص نبی کے انکار کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ ہر نبی کے انکار کا نتیجہ یہی ہوگا، ایسی صورت میں انتقام سے مراد تشریعی انتقام ہی ہو سکتا ہے[1]، جس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ یہ نبی اللہ کی طرف سے اپنے منکرین سے انتقام لینے کے لئے مامور ہو گا، پھر ایسی حالت میں اس کا مصداق عیسیٰ علیہ السلام کیونکر ہو سکتے ہیں، کیونکہ ان کی شریعت حدود اور سزاؤں قصاص و جہاد سے قطعی خالی ہے،

ساتویں دلیل؛

کتاب اعمال باب ۳ آیت ۱۹ ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۴۴ء کے مطابق[2] اس طرح ہے:

"پس توبہ کرو اور رجوع لاؤ تاکہ تمھارے گناہ مٹائے جائیں اور اس طرح خداوند کے حضور سے تازگی کے دن آئیں، اور وہ اس مسیح کو جو تمھارے واسطے مقرر ہوا ہے، یعنی یسوع کو بھیجے، ضرور ہے کہ وہ آسمان میں اُس وقت تک رہے جب تک وہ سب چیزیں بحال نہ کی جائیں جن کا ذکر خدا نے اپنے پاک نبیوں کی زبانی کیا ہے، جو دنیا کے شروع سے ہوتے آئے ہیں، چنانچہ موسیٰؑ نے کہا کہ خداوند خدا تمھارے بھائیوں میں سے تمھارے لئے مجھ سا ایک نبی پیدا کرے گا، جو کچھ وہ تم سے کہے اس کی سننا

---

[1] یعنی اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جو لوگ اس نبی کے احکام کو نہ مانیں، ان کے لئے اس کی شریعت میں مختلف سزائیں مقرر کی گئی ہوں گی، [2] موجودہ اردو ترجمہ اس کے بالکل مطابق ہے، اس لئے ہم نے اسی کی عبارت نقل کر دی ہے،

اور یوں ہوگا کہ جو شخص اس نبی کی نہ سنے گا وہ امت میں سے نیست و نابود کردیا جائیگا۔"

(آیات ۱۹ تا ۲۳)

اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۶ء و ۱۸۲۸ء و ۱۸۴۱ء و ۱۸۴۴ء میں یہ عبارت اس طرح ہو:

"توبہ نمائید و بازگشت کنید تا کہ گناہان شما محو شوند تا کہ زمانِ تازگی از حضورِ خداوند بیاید، و یسوع مسیح را کہ ندا بشما می شود باز فرستد، زیرا کہ باید کہ آسمان اورا نگاہ دارد تا وقتِ ثبوت آنچہ خداوند بزبانِ پیغمبرانِ مقدس خود از ایام قدیم فرمودہ است کہ موسیٰ بپدران ما گفت کہ خدائے شما خداوند پیغمبرے را مثل من از برائے شما از میانِ برادرانِ شما مبعوث خواہد نمود و ہر چہ او بشما گوید شما راست کہ اطاعت نمائید، و ایں چنیں خواہد بود کہ ہر کس کہ سخنِ آں پیغمبر را نشنود از قوم بریدہ خواہد شد۔"

غور فرمائیے یہ عبارت خاص کر فارسی ترجموں کے پیشِ نظر صاف و صریح اس امر پر دلالت کر رہی ہے کہ یہ نبی مسیح کے علاوہ کوئی دوسرا شخص ہے، اور مسیح کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ اُس نبی کے ظہور کے وقت تک آسمان ہی میں قیام پذیر رہیں، مسیحیوں میں سے جو لوگ تعصب کی عینک اُتار کر پطرس کی عبارت میں غور کرے گا تو اس پر واضح ہوجائے گا کہ پطرس کا یہ قول علماء پروٹسٹنٹ کے اُس دعوے کی دھجیاں اڑا رہا ہے کہ یہ بشارت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں ہے،

یہ ساتوں دلائل کامل و مکمل طور پر بتا رہے ہیں کہ یہ بشارت پورے طور پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتی ہے، کیونکہ آپ غیر مسیح بھی ہیں، اور بہت سی چیزوں میں

---

[1] کتاب اعمال کی یہ عبارت پطرس کی ایک تقریر کا جُز تھی،

موسیٰ علیہ السلام کے مماثل بھی، مثلاً:

① اللہ کا بندہ اور رسول ہونا،

② دونوں کا ماں باپ سے پیدا ہونا،

③ دونوں کا شادی شدہ اور صاحبِ اولاد ہونا،

④ دونوں کی شریعت کا سیاستِ مدنی پر مشتمل ہونا،

⑤ دونوں کی شریعت میں جہاد کا حکم،

⑥ دونوں کی شریعت میں عبادت کے وقت پاک وصاف ہونا،

⑦ ناپاک حائضہ اور نفاس والی عورت پر دونوں شریعتوں میں غسل کا واجب ہونا،

⑧ کپڑوں کے بول وبراز سے پاک ہونے کی شرط،

⑨ بغیر ذبح کیے ہوئے جانور اور بت کی قربانی کا حرام ہونا،

⑩ آپ کی شریعت کا بدنی عبادتوں اور جسمانی ریاضتوں پر مشتمل ہونا،

⑪ زنا کی سزا کا حکم دینا،

⑫ حدود اور قصاص اور سزاؤں کی تعیین،

⑬ آپ کا ان سزاؤں کے جاری کرنے پر قادر ہونا،

⑭ سود کو حرام کرنا،

⑮ آپ کا غیر اللہ کی عبادت کی دعوت دینے والے کے انکار کا حکم دینا،

⑯ توحید خالص کا حکم دینا،

⑰ آپ کا اپنی امت کو یہ حکم دینا کہ مجھ کو اللہ کا صرف بندہ اور رسول کہو نہ کہ خدا کا بیٹا یا خدا،

(۱۸) آپ کی وفات کا بستر پر ہونا،

(۱۹) موسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ کا مدفون ہونا،

(۲۰) اپنی امت کی وجہ سے آپ کا ملعون[1] نہ ہونا،

غرض اسی قسم کی اور بہت سی مشترک چیزیں ہیں جو غور کرنے سے دونوں کی شریعتوں میں پائی جاتی ہیں، اسی وجہ سے قرآن کریم میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا، [2]	"بلاشبہ ہم نے تمہارے پاس ایک پیغمبر بھیجا جو تم پر گواہ ہے، جس طرح فرعون کے پاس ایک رسول بھیجا تھا"

آپ بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے بھی ہیں، اس لئے کہ آپ اسمٰعیلؑ کی نسل سے ہیں، آپ پر کتاب بھی نازل ہوئی، آپ اُمّی بھی تھے، اللہ نے اپنا کلام آپکے منہ میں ڈالا، آپ وحی کے مطابق کلام کرتے تھے، چنانچہ ارشاد باری ہے: "وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى" آپ کو جہاد کا حکم بھی دیا گیا تھا، آپ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے سردارانِ قریش قیصر و کسریٰ جیسے سلاطین سے انتقام لیا، اور مسیح علیہ السلام کے آسمان سے نازل ہونے سے قبل مبعوث ہوئے، حضرت مسیح کے لئے ضروری ہوا کہ وہ آپ کے ظہور تک آسمان میں رہیں،

---

[1] جیسا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں عیسائیوں کا عقیدہ ہے،

[2] مزمل،

[3] مولانا سید ناصر الدینؒ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "نوید جاوید" میں ص ۲۳۴ سے ۲۶۶ تک حضرت عیسیٰؑ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تمیں[3] سے زیادہ مشابہتیں مدلل طور پر بیان فرمائی ہیں، اور اس سلسلہ میں مختلف پادریوں کے اعتراضات کا مفصل اور تشفی بخش جواب دیا ہے، یہ پوری بحث نہایت قابلِ قدر ہے،

تاکہ ہر چیز اپنی اصل کی جانب لوٹ جائے، اور شرک و تثلیث و بت پرستی مٹ جائے،

اس آخری دور میں عیسائیوں کی کثرت سے کسی شخص کو شبہ نہ ہونا چاہئے، کیونکہ ہمارے سچے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو بڑی تفصیل کے ساتھ یقینی طور پر اطلاع دی ہے کہ مہدی رضی اللہ عنہ کے زمانے کے قریب اس قوم کی بڑی کثرت ہو گی، اور یہ وقت بالکل قریب ہے، انشاء اللہ عنقریب امام موصوف کا ظہور ہونیوالا ہے، اور حق غالب ہونے والا ہے، اور دین تمام اللہ ہی کے لئے مخصوص ہو جانے والا ہے، اللہ ہم کو اپنے دین کے مددگاروں میں شامل فرمائے،

آٹھویں دلیل

اس بشارت میں اس امر کی تصریح موجود ہے کہ جو نبی اللہ کی طرف ایسی باتیں منسوب کرے جن کا خدا نے حکم نہیں دیا، وہ مارا جائے گا، اب اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی نہ ہوتے تو آپ ہلاک کر دیئے جاتے، اللہ نے قرآن عزیز میں یہی فرمایا ہے:

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ،	"اور اگر یہ رسول ہماری طرف بعض باتیں جھوٹی منسوب کرتے تو ہم ان کی قوت سلب کر کے ان کی رگِ قلب کاٹ ڈالتے"[1]

حالانکہ ایسا نہیں ہوا، بلکہ خدا نے آپ کے حق میں فرمایا:

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ،	"اور اللہ لوگوں سے آپ کی حفاظت فرمائے گا"

چنانچہ خدا نے اپنا وعدہ پورا فرمایا، اور کسی شخص کو آپ کے ہلاک کرنے کی جرأت نہ ہو سکی، اس کے برعکس عیسیٰؑ اہلِ کتاب کے نظریہ کے مطابق قتل بھی کئے گئے

---

[1] ہم نے اس آیت کا ترجمہ مصنف کی دوسری کتاب ازالۃ الاوہام صفحہ ۵۵۴ کے مطابق نقل کیا ہے، ورنہ آیت کا دوسرا ترجمہ بھی ممکن ہے۔

سُولی پر بھی چڑھائے گئے، نعوذ باللہ

نویں دلیل

خدا نے جھوٹے نبی کی یہ علامت بیان فرمائی کہ اس کی دی ہوئی خبریں اور آنے والے واقعات کی پیشگوئیاں سچی نہیں ہو سکتیں، حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے مستقبل کے واقعات کی خبریں اور پیشگوئیاں بیان کیں، جیسا کہ مسلک اوّل سے معلوم ہو چکا ہے ان خبروں میں آپ کا سچا ہونا ثابت ہو چکا ہے، اس لئے قاعدہ کے بموجب آپ سچے نبی ہوئے نہ کہ جھوٹے،

دسویں دلیل

علمائے یہود نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ تسلیم کیا کہ توریت میں آپ کی بشارتیں موجود ہیں، مگر ان میں سے بعض نے اسلام قبول کیا، اور بعض اپنے کفر سابق پر قائم رہے، بالکل اسی طرح جیسے کہ کائفا، جو کاہنوں کا سردار تھا، اور یوحنا کے دعوے کے مطابق نبی تھا، اس نے یہ جاننے کے باوجود کہ عیسیٰؑ ہی درحقیقت "مسیح موعود" ہیں آپ پر ایمان نہیں آیا، بلکہ آپ کے کافر ہونے اور قتل کا فتویٰ دیا، جیسا کہ اس کی تصریح یوحنا نے اپنی انجیل کے باب ۱۱ و نمبر ۱۲ میں کی ہے،

مخیریق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہودیوں کا ایک بڑا زبردست عالم اور دولت مند تھا، آپ کی صفات کی بنا پر آپ کو پہچانتا تھا، کہ واقعی آپ ہی وہ نبی آخر الزمان ہیں، مگر اپنے دین کی محبت اس پر غالب آگئی اور اپنے مذہب پر قائم رہا، یہاں تک کہ جنگِ احد کے موقع پر اتفاق سے یوم السبت تھا، کہنے لگا کہ اے یہودیو! خدا کی قسم، تم جانتے ہو کہ محمدؐ کی نصرت و اعانت تم پر فرض ہے، یہودیوں نے جواب دیا کہ آج تو یوم السبت ہے، کہنے لگا سبت کوئی چیز نہیں،

اور یہ کہہ کر ہتھیار سنبھال کر نکلا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب چلا، اور اپنے بعد کے لئے اپنی قوم کو وصیت کر گیا کہ اگر آج میں مارا گیا تو میرا تمام مال محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا ہوگا، آپؐ کو اختیار ہے کہ اللہ جیسا کہ آپ کو کہے تصرف کریں، پھر لڑتے ہوئے مارا گیا، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مخیریق یہودیوں میں سب سے بہتر شخص تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وصیت کے مطابق اس کے اموال اپنے قبضہ میں لے لئے، مدینہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اکثر داد و دہش اور خیرات و صدقات اسی مال سے ہوتی تھی،

اہلِ کتاب نے آپؐ کی تصدیق کی تین واقعات

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہودیوں کی مذہبی درس گاہ میں تشریف لے گئے، اور فرمایا تم اپنے سب سے بڑے عالم کو پیش کرو، لوگوں نے کہا ایسا شخص عبداللہ بن صوریا ہے، آپؐ نے اس کو خلوت میں لے جاکر اس کو اس کے مذہب کا واسطہ اور ان انعامات کا جو یہودیوں پر اللہ نے کئے، اور منّ و سلوٰی کے عطیہ اور بدلی کے سایہ کا واسطہ دیا، اور قسم دی کہ کیا تجھ کو یقین ہے کہ میں خدا کا رسول ہوں؟ کہنے لگا بے شک، اور سارے یہودی بھی ایسا ہی علم و یقین رکھتے ہیں، جیسا کہ میں رکھتا ہوں، اور آپ کے اوصاف اور حالات توریت میں مذکور ہیں، مگر یہودیوں نے آپؐ پر حسد کیا، آپؐ نے فرمایا کہ پھر تجھ کو کونسی چیز مانع ہے؟ کہنے لگا کہ میں اپنی قوم کی مخالفت کرنا پسند نہیں کرتا، اور مجھے امید ہے کہ یہ لوگ آپؐ کا اتباع کریں گے اور اسلام قبول کریں گے پھر میں بھی مسلمان ہو جاؤں گا،

حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے، اور قباء میں آپؐ کا قیام ہوا، آپؐ کے پاس میرے باپ حیی بن اخطب اور میرے چچا ابویاسر بحالت مغلسی حاضر ہوئے، اور غروبِ شمس تک وہاں سے واپس نہیں ہوئے، پھر دونوں اس حالت میں آئے کہ بہت سست اور گرتے پڑتے کمزور چال سے چلتے تھے، میں نے ان کی دلبستگی اور دلجوئی کی کوشش کی، مگر دونوں میں سے ایک نے بھی میری جانب اس فکر کی وجہ سے جس میں وہ مبتلا تھے التفات نہیں کیا، پھر میں نے اپنے چچا کو باپ سے یہ کہتے سنا کہ کیا یہی وہ شخص ہے جس کی بشارت توریت میں دی گئی ہے؟ میرے والد نے جواب دیا، بیشک، چچا نے کہا، کیا تم کو اس کا یقین اور وثوق ہے؟ کہا ہاں، کہنے لگے تمہارے دل میں ان کی طرف سے کس قسم کا خیال ہے؟ کہا، خدا کی قسم! جب تک زندہ ہوں عداوت ہی رہے گی،

اب دس دلائل اس پیشینگوئی کے سلسلہ میں پورے ہو چکے ہیں،

ایک اعتراض کا جواب

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ "بنی اسرائیل کے بھائی" بنی اسمٰعیل میں منحصر نہیں ہیں، کیونکہ عیسو کی اولاد اور ابراہیم علیہ السلام کی بیوی قطورا کے بیٹوں کی اولاد بھی تو سب کے سب بنی اسرائیل ہی کے بھائی ہوتے ہیں، تو پھر اس کا مصداق کیا ضروری ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوں؟

جواباً گذارش ہے کہ بیشک یہ لوگ بھی بنی اسرائیل کے بھائی ہوتے ہیں مگر اوّل تو ان میں کوئی ایسا شخص ظاہر نہیں ہوا، جو ان صفات کے ساتھ موصوف ہوتا، دوسرے اللہ کا کوئی وعدہ اس قسم کا ان کے لئے نہ تھا، اس کے برعکس

بنی اسمٰعیل کے حق میں ابراہیم علیہ السلام اور حضرت ہاجرہؑ سے خدا نے وعدہ کیا تھا[1]، پھر تیسرے اس لئے بھی کہ اسحٰقؑ کی دعاء کے مقتضیٰ کے موافق اس خبر کے مصداق بنو عیسو نہیں ہو سکتے، جس کی تصریح سفر تکوین باب ۲۷ میں موجود ہے[2]،

اس بشارت پر فنڈر کے دو اعتراض،

اس موقع پر علماء پروٹسٹنٹ کے دو اعتراض جن کو صاحب میزان الحق نے اپنی کتاب حل الاشکال میں نقل کیا ہے، مع جواب ناظرین کے سامنے پیش کئے جا رہے ہیں،

اوّل یہ کہ کتاب استثناء باب ۱۸ آیت ۱۵ میں ہے کہ:

> "خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے میرے مانند ایک نبی برپا کرے گا، تم اس کی سننا"

اس میں لفظ "تیرے ہی درمیان سے" صاف اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ یہ نبی بنی اسرائیل میں سے ہوگا، بنی اسمٰعیل میں سے نہیں ہوگا،

دوسرے اس بشارت کو حضرت عیسیٰؑ نے خود اپنی طرف منسوب کیا ہے، چنانچہ انجیل یوحنا باب ۵ آیت ۴۶ میں فرمایا کہ:

> "اس نے میرے حق میں لکھا ہے"

جواب: ہماری گذارش یہ ہے کہ کتاب استثناء کے مذکورہ الفاظ ہمارے مقصود کے قطعی خلاف نہیں ہیں، اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے، جہاں آپؐ کے مشن کی تکمیل ہوئی، اس وقت مدینہ کے اطراف و جوانب میں یہودیوں کی بستیاں خیبر، بنی قینقاع، بنی نضیر وغیرہ آباد تھیں، لہٰذا "تیرے ہی درمیان سے" کا قول صادق ہوا، اور اس لئے بھی کہ آپؐ انکے

[1] دیکھئے کتاب پیدائش ۱۶: ۱۰ تا ۱۲،

[2] بائبل کے مطابق حضرت اسحٰق علیہ السلام نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے حق میں تو اس قسم کی دعاء فرمائی تھی کہ ان کی اولاد بڑھے گی اور وہ اپنے بھائیوں کے سردار ہوں گے [illegible]

[illegible]

بھائیوں میں سے بھی ہیں،

نیز اس وجہ سے بھی کہ لفظ "من بین اخوتک" ابن حاجب کی رائے کے مطابق لفظ "من بینک" سے بدل اشتمال واقع ہوا ہے، جن کے نزدیک اس قسم کے بدل ہونے کے لئے کلیّہ اور جزئیّہ کا تعلق دونوں کے درمیان پایا جانا ضروری نہیں، بلکہ بدل اور مبدل منہ کے درمیان ادنیٰ تعلق کافی ہے، جیسے جَاءَنِیْ زَیْدٌ اَخُوْہُ یا جَاءَنِیْ زَیْدٌ غُلَامُہٗ، یا پھر ابن مالک کی رائے کے مطابق بدلِ احزاب ہے، اور بہر صورت مبدل منہ یقیناً مقصود نہیں ہے، اس کے مقصود نہ ہونے پر یہ چیز مزید شاہد ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے آیت نمبر ۱۸ میں اللہ کے اس وعدہ کا اعادہ کیا تو اس میں لفظ "تمھارے درمیان سے" سرے سے موجود ہی نہیں ہے،

نیز پطرس حواری نے اس قول کو نقل کیا ہے اس میں یہ لفظ نہیں پایا جاتا، جیسا کہ دلیل نمبر[1] سے معلوم ہو چکا ہے، اسی طرح استفانوس نے بھی اس قول کو نقل کیا ہے، اس میں بھی ان الفاظ کا کوئی ذکر نہیں جیسا کہ کتاب الاعمال کے باب نمبر ۷ میں مصرح ہے جس کی عبارت یہ ہے کہ:

"یہ وہی موسیٰ ہے جس نے بنی اسرائیل سے کہا کہ خدا تمھارے بھائیوں میں سے تمھارے لئے مجھ سا ایک نبی پیدا کرے گا"

اِن مقامات میں اس لفظ کو ساقط کر دینا بڑی دلیل ہے اس بات کی کہ یہ مقصود نہیں ہے، اس لئے بدل ہونے کا احتمال زیادہ قوی ہے،

بشارت کے الفاظ میں تحریف ہوئی ہے، اس کی تین دلیلیں

صاحبِ استفسار نے فرمایا ہے کہ لفظ "تمھارے درمیان سے" الحاقی ہے، جو تحریف کے طور پر

[1] دیکھیے ص جلد ہٰذا

بڑھایا گیا ہے، جس کی تین دلیلیں ہیں،

۱۔ اس موقع پر تمام بنی اسرائیل اللہ کے کلام کے مخاطب ہیں، نہ کہ کچھ لوگ اس لئے "تمھارے درمیان سے" کا خطاب ساری قوم کو ہوگا، لہذا "تمھارے بھائیوں میں سے" کا لفظ قطعی لغو اور بیکار بن جاتا ہے[1] مگر چونکہ یہ لفظ دوسرے مقامات پر بھی استعمال کیا گیا ہے اس لئے اس کو صحیح ماننا پڑے گا، اس کی بجائے لفظ من بینک کو الحاقی تسلیم کرنا پڑے گا، جس کو تحریف کے طور پر بڑھایا گیا ہے،

۲۔ موسیٰ علیہ السلام جب اپنے دعوے کے ثابت کرنے کے لئے اللہ کے کلام کو نقل فرما رہے ہیں، تو اس موقع پر یہ لفظ ذکر نہیں فرماتے[2]، اور یہ امر قطعی غیر ممکن اور ناجائز ہے کہ موسیٰؑ کا قول خدا کے قول کے خلاف ہو،

۳۔ حواریوں نے جب کبھی اس کلام کو نقل کیا ہے اس میں کسی جگہ "تمھارے درمیان سے" کا لفظ نہیں پایا جاتا[3]،

اگر کوئی صاحب اس پر یہ اعتراض کریں کہ کسی کو اگر تحریف کرنا تھی تو سارے کلام کو محرّف کر سکتا تھا، صرف ایک لفظ کی تبدیلی کی کیا ضرورت تھی؟

جواباً یہ عرض کیا جائے گا کہ ہم نے ہمیشہ عدالتی محکموں میں یہ دیکھا ہے کہ جن دستاویزوں میں تحریف اور تغیر کیا جاتا ہے اس میں محرف الفاظ کی تبدیلی اور

---

[1] اس لئے کہ جب یہ کہہ دیا گیا کہ وہ نبی تمھارے درمیان سے مبعوث کیا جائے گا اور مخاطب بنی اسرائیل ہیں، تو لامحالہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمھارے بھائیوں میں سے ہوگا، پھر اسے علیحدہ ذکر کرنے کی ضرورت نہ رہی،

[2] یعنی استثناء ۱۸: ۱۸ میں پوری عبارت صفحہ ۱۳۰ جلد نمبر ۱ پر گذر چکی ہے،

[3] دیکھئے اعمال باب ۳ آیت ۱۹: ۳ ۔

تحریف کو اسی دستاویز کے دوسرے حصے اور مقامات عموماً ثابت کر دیتے ہیں، اسی طرح جھوٹے گواہ خود اپنے بیان کے دوسرے حصوں سے جھوٹے اور دروغ گو ثابت ہو جاتے ہیں،

اصل بات یہ ہے کہ اللہ کی عادت اور سنت یوں ہی جاری ہے کہ وہ خیانت کرنے والوں کی تدابیر کو فیل اور ناکام بنا دیا کرتے ہیں، اور خدا کی مہربانی سے دین میں خیانت کرنے والوں کی خیانت کا بھانڈا سر راہ پھوٹ جاتا ہے، اللہ کی اس عادت کا مقتضیٰ یہ ہے کہ خیانت کرنے والوں سے کوئی ایسی حرکت صادر ہو جائے یا کوئی چُوک ہو جائے جس سے ان کی خیانت الم نشرح ہو جائے،

دوسری بات یہ ہے کہ ایسا کوئی بھی مذہب نہیں ہے جس میں سَو فی صدی لوگ خائن ہوں، اور کوئی بھی دیانتدار نہ ہو، اس لئے جن خائنوں اور دھوکہ بازوں نے دونوں عہدوں کی کتابوں میں تحریف و تغیر کیا تھا ان کی تاک میں کچھ دیانتدار لوگ بھی آخر دنیا میں موجود تھے، اس اندیشے کی وجہ سے پورے کلام اور تمام عبارت کو بدلنے اور تحریف کرنے کی ان خائنوں کو جرأت نہ ہو سکی، ہمارے خیال میں یہ جواب اہلِ کتاب کی عادت کے پیشِ نظر دیا گیا ہے، جو اپنی جگہ بالکل صحیح ہے،

دُوسرے اعتراض کا جواب

اب رہا دوسرا اعتراض اس کے جواب میں ذیلی شہادت ملاحظہ فرمائیے، انجیلِ یوحنا کی پوری عبارت اس طرح ہے:

"اگر تم موسیٰؑ کی تصدیق کرتے تو میرا بھی یقین کرتے، اس لئے کہ اس نے میرے حق میں لکھا ہے"

اس میں اس بات کی کسی درجہ میں بھی تصریح نہیں کی گئی... کہ موسیٰؑ نے فلاں مقام پر عیسیٰؑ کے حق میں لکھا ہے، بلکہ اس عبارت سے صرف اتنی بات

سمجھ میں آتی ہے کہ موسیٰ نے کسی مقام پر عیسیٰ کے حق میں بھی لکھا ہے، یہ اُس صورت میں بھی صحیح ہوگا جب کہ توریت میں کسی جگہ بھی اس کی جانب اشارہ کیا گیا ہو، اتنی بات ہم بھی تسلیم کرنے کے لئے تیار ہیں، جیسا کہ خود ناظرین کو بشارت نمبر۳ کے ذیل میں عنقریب معلوم ہو جائے گا، اگر ہمکو اُن وجوہ کی بناء پر جو ہم بیان کر چکے ہیں، اس چیز کا انکار ہے کہ ان کے قول کا اشارہ اُس پیشینگوئی کی جانب ہو جس کی گفتگو ہو رہی ہے،

حالانکہ یہ معترض صاحب میزان الحق باب۲ فصل نمبر۳ میں یہ دعویٰ کر چکے ہیں کہ سفر تکوین باب۳ آیت ۱۵ کا اشارہ حضرت عیسیٰ ہی کی طرف ہے، عیسیٰ علیہ السلام کے قول کی تصریح کے لئے اتنی بات کافی ہے[1]، بیشک اگر عیسیٰ علیہ السلام یوں فرماتے کہ موسیٰ نے اپنی پانچوں کتابوں میں سے کسی کتاب میں میرے سوا کسی پیغمبر کی جانب اشارہ نہیں کیا، تو اس صورت میں اس وہم کی گنجائش نکل سکتی تھی،

دوسری بشارت
استثناء کی ایک اور عبارت

کتاب استثناء باب۳۲ آیت ۲۱ میں ہے:

"انھوں نے اس چیز کے باعث جو خدا نہیں مجھے غیرت اور اپنی باطل باتوں سے مجھے غصہ دلایا، سو میں بھی ان کے ذریعہ سے جو کوئی

---

[1] عیسائی علماء اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ کتاب پیدائش ۱۲: ۳ اور ۱۸: ۱۸ اور ۴۹: ۱۰ میں حضرت مسیح کی پیشینگوئی مذکور ہو جو ظاہر ہو کہ (ان کے خیال کے مطابق) حضرت موسیٰ ہی نے کی تھی، پھر حضرت مسیح کا یہ ارشاد کہ موسیٰ نے میرے آنے کی پیشینگوئی کی ہو' ان آیتوں کی طرف اشارہ کیوں نہیں ہو سکتا؟ حضرت مسیح نے یہ کب کہا ہو کہ استثناء ۱۸: ۱۵ کی آیت میرے حق میں ہو،

بلکہ آپ پیچھے پڑھ چکے ہیں کہ حضرت مسیح نے تو اس بشارت کے اپنے حق میں ہونے سے صاف انکار کیا ہو، یوحنا ۱: ۹ میں صاف لکھا ہو کہ جب یہودیوں نے آپ سے یہ پوچھا کہ کیا آپ وہی نبی ہیں جسکی بشارت حضرت موسیٰ نے استثناء ۱۸: ۱۵ میں دی تھی تو حضرت مسیح نے صاف انکار کر دیا، تفصیل کیلئے ملاحظہ کیجئے ص ۳۳۴ و ۳۴۲ و ۳۷۹، جلد ہذا اور ان کے حواشی،

امت نہیں، ان کو غیرت اور ایک نادان[1] قوم کے ذریعہ سے ان کو غصہ دلاؤں گا۔"

اس میں نادان قوم سے مراد عرب ہیں کیونکہ یہ لوگ انتہائی گمراہ اور جاہل تھے، ان کو کوئی علم بھی نصیب نہ تھا، نہ علوم شرعیہ، نہ علوم عقلیہ، سوائے بت پرستی کے اور کچھ نہ جانتے تھے، ادھر یہودیوں کی نگاہ میں یہ لوگ اس لئے بے انتہا حقیر و ذلیل تھے کہ وہ باندی یعنی حضرت ہاجرہؑ کی نسل سے تھے،

اب آیت کا مقصود یہ ہوا کہ چونکہ بنی اسرائیل نے اپنے باطل معبودوں کی عبادت کی بنا پر مجھ کو غیرت پر برانگیختہ کیا ہے، اس لئے میں بھی ایسے لوگوں کو منتخب اور مقبول بنا کر ان کو غیرت دلاؤں گا، جو اُن کی نگاہ میں سخت حقیر و ذلیل ہیں، چنانچہ اللہ نے اپنا یہ وعدہ اس طرح پورا فرمایا کہ اہلِ عرب میں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا، جنھوں نے صراطِ مستقیم کی جانب لوگوں کی رہنمائی کی، جیسا کہ سورۂ جمعہ میں حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّيْنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ، (آیت ۲)	"باری تعالیٰ وہ ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ایک رسول انہی میں سے مبعوث فرمایا جو اُن کے سامنے اللہ کی آیتیں تلاوت کرے اور انھیں پاک و صاف بنائے اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے۔"

جاہل قوم سے مراد یونانی لوگ ہرگز نہیں ہیں، جیسا کہ پولس کے رومیوں کے نام خط کے باب ۱۰ سے مفہوم ہوتا ہے، اس لئے کہ یونانی لوگ مسیحؑ کے ظہور سے

[1] مصنف اظہار الحق نے جس عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۶۰ء سے یہ عبارت نقل کی ہے اس میں یہاں "نادان" کے بجائے "جاہل قوم" کا لفظ ہے،

تین سو سال قبل ہی علوم و فنون میں دنیا کی تمام اقوام سے فائق ہو چکے تھے، تمام بڑے بڑے مشاہیر حکماء سقراط و بقراط و فیثا غورس و افلاطون و ارسطا طالیس و ارشمیدس و بلنیاس و اقلیدس و جالینوس وغیرہ جو علوم الٰہیات و ریاضیات اور طبیعیات اور ان کی فروع کے امام ہیں مسیح سے پیشتر ہو چکے ہیں، عیسیٰ علیہ السلام کے عہد میں اپنے فنون میں کمال کی چوٹی پر پہنچ چکے تھے، اس کے ساتھ ہی یہ لوگ توریت کے احکام اور اس کے قصوں سے اور عہد عتیق کی تمام کتابوں سے ہفتادی ترجمہ کے ذریعہ جو یونانی زبان میں مسیح سے ۲۸۶ سال قبل معرضِ وجود میں آ چکا تھا، کامل طور پر واقفیت رکھتے تھے، لیکن یہ لوگ مذہب موسوی کے معتقد نہ تھے، بلکہ اشیاء کی جدید حکمت کی تحقیق و جستجو کے درپے رہتے تھے، چنانچہ یہی "مقدس" پولس صاحب" کرنتھیوں کے نام پہلے خط کے باب اول آیت ۲۲ میں رقمطراز ہیں :

"اور یونانی حکمت تلاش کرتے ہیں، مگر ہم اس مسیح مصلوب کی منادی کرتے ہیں، جو یہودیوں کے نزدیک ٹھوکر اور (یونانیوں[1]) کے نزدیک بیوقوفی ہے "

اس لئے استثناء کی مذکورہ بالا عبارت میں جاہل قوم سے مراد یونانی ہرگز نہیں ہو سکتے، اور پولس نے رومیوں کے نام خط میں جو کچھ کہا ہے وہ یا تو قابلِ تاویل ہے، یا باطل اور مردود، اور ہم نمبر ۸ میں بیان ہی کر چکے ہیں، کہ پولس کی کوئی بات ہمارے نزدیک لائقِ اعتبار نہیں،

---

[1] اظہار الحق میں ایسا ہی ہے، قدیم و جدید انگریزی ترجمے بھی اسی کے مطابق ہیں، لیکن موجودہ اردو ترجمہ میں "یونانیوں" کے بجائے "غیر قوموں" کا لفظ لکھ دیا گیا ہے،

استثنا کی تیسری بشارت فاران سے جلوہ گر ہوگا،

کتاب استثناء کے ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۴۴ء کے باب ۳۳ میں ہے:

"خداوند سینا سے آیا، اور شعیر سے ان پر آشکارا ہوا، وہ کوہِ فاران سے جلوہ گر ہوا، اور (ہزاروں[1]) قدسیوں میں سے آیا، اس کے دا ہنے ہاتھ پر ان کے لئے آتشی شریعت تھی"

خداوند کے سینا[2] سے آنے کا مطلب ہے، خدا کا موسیٰ کو توریت عطا فرمانا اور کوہِ شعیر[3] سے طلوع ہونے کا مطلب خدا کا عیسیٰ کو انجیل عطا فرمانا، کوہِ فاران[4]

---

[1] اظہار الحق میں یہی لفظ ہے، کیتھولک بائبل اس کے مطابق ہے، لیکن موجودہ اردو ترجمہ میں اس کی جگہ "لاکھوں" کا لفظ ہے، اور انگریزی ترجمہ (کنگ جیمس ورژن) میں دس ھزار ( ) مذکور ہے،

[2] سینا کوہِ طور کا دوسرا نام ہے،

[3] کوہِ شعیر ( ) شام میں ایک پہاڑ ہے، جسے آجکل جبل الخلیل کہا جاتا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس پہاڑ پر عبادت کیا کرتے تھے، (از الاجوبۃ الفاخرۃ للقرافی علیٰ ہامش الفارق ص ۲۳۸) علامہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ "ساعیر" (شعیر) کے نام سے آج تک وہاں ایک بستی موجود ہے (ہدایۃ الحیاریٰ، ص ۳۶۲)

[4] "فاران" (Paran) یہ پیشگوئی شاید تمام پیشگوئیوں میں سب سے زیادہ صریح ہے، اس لئے کہ اس میں کوہِ فاران کا لفظ موجود ہے، اس لئے ہم اس پر کسی قدر تفصیل سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں،

لفظ فاران کی تحقیق چونکہ اس عبارت میں لفظ "فاران" صراحۃً موجود ہے، اس لئے یہود و نصاریٰ اس کی مختلف تاویلیں کرتے ہیں، ان کی طرف سے "فاران" کے چار محلِ وقوع بیان کئے گئے ہیں:-

(باقی بر صفحہ آئندہ)

سے جلوہ گر ہونے سے اللہ کے قرآن نازل کرنے کی طرف اشارہ ہے، اس لئے کہ فاران

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) (۱) بیت المقدس کا نام ہے (از کتاب الفارق بین المخلوق والخالق، مصنفہ باجہ جی زادہ، ص ۲۸۵ مصر ۱۳۲۲ھ)

(۲) اُس وسیع میدان کا نام فاران ہے جو قادس سے کوہِ سینا تک پھیلا ہوا ہے، اور جس کی شمالی حد کنعان، جنوبی حد کوہِ سینا، مغربی حد ملکِ مصر اور مشرقی حد کوہِ شعیر ہے، اور اس صحراء کے اندر صور، سینا، سن وغیرہ کے نام سے چھوٹی چھوٹی وادیاں شامل ہیں (دیکھئے نقشہ بائبل مرتبہ جان اسٹرلنگ شائع کردہ لندن جیوگرافیکل انسٹی ٹیوٹ متضمنہ آکسفورڈ بائبل کنکارڈنس نقشہ نمبر ۲، بی ۳ و ۴)

(۳) قادس ہی کا نام فاران ہے (از خطبات احمدیہ مصنفہ سر سید احمد خاں ص ۹۹، مطبوعہ نفیس اکاڈمی کراچی ۱۹۶۴ء)

(۴) فاران اُس وادی کو کہتے ہیں جو کوہ سینا کے مغربی نشیب پر واقع ہے (ایضاً)

لیکن ہماری نظر میں یہ چاروں توجیہات بالکل غلط ہیں، پہلی تو اس لئے کہ آج تک کسی مغربی یا مشرقی جغرافیہ داں کا یہ دعویٰ ہمیں نہیں مل سکا کہ بیت المقدس کا دوسرا نام فاران ہے، اس کے علاوہ ظاہر ہے کہ اگر تورات کی پیشگوئی میں فاران سے مراد بیت المقدس ہو تو اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ ہوگا، حالانکہ "شعیر سے آشکار" ہونے کا مطلب بھی حضرت عیسیٰؑ ہی کی بشارت ہے، اس صورت میں یہ بلا وجہ تکرار ہوگا، پھر "فاران" کے لغوی معنی "صحراء" ہیں، اور پیدائش ۲۱: ۲۰ و گنتی ۱۰: ۱۲ وغیرہ میں بھی تصریح ہے کہ وہ ایک "بیابان" ہے، حالانکہ بیت المقدس نہایت سرسبز و شاداب خطہ ہے، اُسے بیابان نہیں کہا جا سکتا،

دوسری توجیہ کا حاصل یہ ہے کہ "فاران" ایک بڑا صحرا ہے جس کے تحت "صور"، "سینا وغیرہ" سب داخل ہیں، اس پر پہلا اعتراض تو یہ وارد ہوتا ہے کہ اس صورت میں یہ ماننا پڑے گا کہ "فاران سے جلوہ گر" ہونے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات کا نزول مراد ہے، حالانکہ یہ بات اس سے پہلے "خداوند سینا سے آیا" والے جملہ میں کہی جا چکی ہے، (باقی بر صفحہ آئندہ)

مکہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے، جیسا کہ کتاب پیدائش باب ۲۱ آیت ۲۰ سے معلوم ہوتا ہے

(بقیہ حاشیہ ص گذشتہ) اور بہت واضح انداز میں کہی جا چکی ہے، اب ایک مبہم جملہ میں اس کا اعادہ بالکل بیکار ہو جاتا ہے، بالخصوص جبکہ دونوں جملوں کے درمیان "شعیر سے ان پر آشکارا ہوا" کا جملہ بھی حائل ہے،

نیز توریت کی بہت سی عبارتیں اس بات کی گواہی دیتی ہیں کہ "فاران" صور، سینا وغیرہ کے صحراؤں سے بالکل الگ ایک صحرا ہے، صور، سینا وغیرہ اس کا جزء نہیں ہیں مثلاً کتاب گنتی میں ہے: "بنی اسرائیل دشتِ سینا سے کوچ کر کے نکلے اور وہ ابر دشتِ فاران میں ٹھہر گیا" (گنتی ۱۰: ۱۲ مزید دیکھئے پیدائش ۱۴: ۶، گنتی ۱۲: ۱۶، ۱۳: ۱۶، ۱۳: ۳، ۱۳: ۲۵ وغیرہ) اس سے معلوم ہوا کہ دشتِ سینا الگ ہے، اور دشتِ فاران الگ،

تیسری توجیہ کا حاصل یہ ہے کہ قادس کا دوسرا نام فاران ہے، اس کی تردید کے لئے کتاب پیدائش کی یہ عبارت ملاحظہ فرمائیے "اور حوریوں کو ان کے کوہِ شعیر میں مارتے مارتے ایل فاران تک جو بیابان سے لگا ہوا ہے، لے آئے، پھر وہ لوٹ کر عین مصفات یعنی قادس پہنچے" (پیدائش ۱۴: ۶ و ۷، مزید ملاحظہ ہو گنتی ۱۳: ۲۶) اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ قادس اور فاران الگ الگ وادیاں ہیں،

چوتھی توجیہ کے سلسلے میں ہمیں یہ عرض کرنا ہے کہ بلاشبہ بعض جغرافیہ دانوں نے بیان کیا ہے کہ کوہِ سینا کے قریب ایک صحرا فاران کہلاتا تھا، لیکن تحقیق اس بات کی کرنی ہے کہ آیا اس پیشینگوئی میں وہی فاران مراد ہے یا کوئی اور؟

اس بات کو تو عیسائی علماء بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اس پیشینگوئی میں جس فاران کا تذکرہ ہے اس سے وہی فاران مراد ہے، جس کے بارے میں کتاب پیدائش میں کہا گیا ہے کہ حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے اس میں سکونت اختیار کی تھی، (دیکھئے آکسفورڈ سائیکلوپیڈک بائبل کنکارڈنس، ص ۲۱۷، لفظ Paran) اب یہ دیکھنا ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے کون سے دشتِ فاران میں سکونت اختیار کی تھی؟ (باقی بر صفحہ آئندہ)

اس میں حضرت اسمٰعیلؑ کا حال بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ :

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) سو اس امر میں کوئی شک نہیں کہ تمام مستند مؤرخین حضرت اسمٰعیلؑ کی سکونت کی جگہ "حجاز" قرار دیتے ہیں، اور قدیم کتابوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے حجاز میں سکونت اختیار کی تھی، چنانچہ اپوکریفا کی کتاب بارُوخ میں ہے:

" In Theman none had caught sight of it, even the sons of Ager, so well schooled in earthly wisdom."

یعنی "تیمان میں بھی کسی نے اسے نہیں دیکھا، یہاں تک کہ ہاجرہ کے بیٹوں نے بھی جو دنیوی عقل و ہوش کے اعتبار سے بہت قابل ہیں" (بارُوخ ۳: ۲۳)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ہاجرہ کے بیٹے حضرت بارُوخ علیہ السلام کے زمانے میں "تیمان" میں آباد تھے، تیمان، یمن کا قدیم نام ہے، جو حجاز سے بالکل متصل ہے، اور حضرت بارُوخ علیہ السلام کے زمانے تک حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد حجاز سے وہاں تک یقیناً پھیل گئی ہوگی،

یہی وجہ ہے کہ توریت سامری کا وہ عربی ترجمہ جسے آرکوئی ٹن صاحب نے ۱۸۵۱ء میں بمقام لگڈ لی بنادرم شائع کیا تھا، اس میں "فاران" سے ارضِ حجاز مراد لی ہے، اور فاران کے لفظ کے آگے قوسین میں حجاز کا لفظ لکھ دیا ہے، اس ترجمہ کی عبارت یہ ہے:

"اُسکن فی بریۃ فران (الحجاز) واخذت لہ امّہ امرأۃ من ارض مصر" (منقول از خطبات احمدیہ ص ۹۸)

اس کے علاوہ مشرقی جغرافیہ نگار فاران کے دو محلِ وقوع بیان کرتے ہیں، ایک ارضِ حجاز اور دوسرے سمرقند کے قریب ایک علاقہ (دیکھئے معجم البلدان للشیخ یاقوت الحموی ص ۲۲۵ ج ۴ بیروت ۱۳۷۶ھ) ظاہر ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سمرقند کے علاقہ میں آباد نہیں ہوتے، تو اب ارضِ حجاز متعین ہے،

(باقی بر صفحہ آئندہ)

"اور خدا اس لڑکے کے ساتھ تھا اور وہ بڑا ہوا اور بیابان میں رہنے لگا، اور تیر انداز بنا، اور وہ فاران کے بیابان میں رہتا تھا، اور اس کی ماں نے ملکِ مصر سے اُس کے لئے بیوی لی"۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) جن عیسائی علماء نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کوہ سینا کے مغربی نشیب پر سکونت پذیر ہوئے تھے، ان کے دلائل کا تفصیلی رد سر سید احمد خاں صاحب نے بہت مدلل طور سے کر دیا ہے، (دیکھئے خطبات احمدیہ صفحہ ۱۰۲ تا ۱۱۰ و ۴۳۶ تا ۴۴۷) یہاں اس کے بیان کرنے کا موقع نہیں ہے، جو صاحب چاہیں وہاں ملاحظہ فرمائیں ـــــ بہرکیف یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچ گئی کہ اس پیشگوئی میں "فاران" سے مراد "حجاز" یا "مکہ مکرمہ کے پہاڑ" ہیں، اب یہ پیشگوئی کئی اعتبار سے قرآن کریم کے مطابق ہو گئی،

اس لئے کہ اس بشارت میں "خداوند کے سینا سے آنے" کا ذکر ہے، جو حضرت موسیٰؑ کی طرف اشارہ ہے، پھر "شعیر سے آشکارا" ہونے کا تذکرہ ہے، جو حضرت عیسیٰؑ کی طرف تلمیح ہے، اور آخر میں "فاران سے جلوہ گر" ہونے کا لفظ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت ہے، قرآن کریم نے اسی بشارت کو سورۂ تین میں بالفاظِ ذیل ادا کیا ہے:

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ	قسم ہے انجیر اور زیتون کی، طور سینا کی، اور اس امن والے شہر کی"۔

سب جانتے ہیں کہ انجیر اور زیتون والا ملک شام ہے، جہاں حضرت عیسیٰؑ پیدا ہوئے تھے، اور وہی کوہِ شعیر کا مبدا ہے، طُور سینا حضرت موسیٰؑ سے عبارت ہے، اور "بلدِ امین" سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے، پھر ایک اور بات پر غور فرمایئے، اس پیشگوئی کے پورے الفاظ یہ ہیں:

"خداوند سینا سے آیا، اور شعیر سے ان پر آشکارا ہوا، وہ کوہِ فاران سے جلوہ گر ہوا، دس ہزار مقدسوں کے ساتھ آیا، اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشیں شریعت (استثناء ۳۳: ۲)

یہ بات یقینی ہے کہ اسمٰعیل علیہ السلام کی سکونت مکہ میں رہی ہے، یہ مطلب لینا کسی طرح بھی درست نہیں ہوسکتا کہ جو آگ جس وقت طورِ سینا سے روشن ہوئی، اسی

ان کے لئے تھی، ہاں وہ اپنے لوگوں سے بڑی محبت رکھتا ہے، اس کے سارے مقدس تیرے ہاتھ میں ہیں، اور وہ تیرے قدموں کے پاس بیٹھے ہیں، اور تیری باتوں کو مانیں گے"

یہ حضرت موسیٰؑ کا آخری کلام ہے جس میں آخری پیغمبرؐ کی بعثت کی خبر دی ہے، اس بشارت میں کوہِ فاران سے نورِ الٰہی کے طلوع ہونے کی خوشخبری کے ساتھ چار باتیں بیان کی گئی ہیں، جو قرآنِ مجید کے سورۂ فتح والے بیان کے عین مطابق ہیں،

(۱) "وہ دس ہزار مقدسوں کے ساتھ آیا"

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ،	"محمدؐ خدا کے پیغمبر ہیں، اور جو لوگ اُن کے ساتھ ہیں"

واضح رہے کہ فتحِ مکہ کے موقع پر صحابہ کی تعداد دس ہزار تھی، جو فاران سے طلوع ہونیوالے اس نورانی پیکر کے ساتھ شہرِ خلیل میں داخل ہورہے تھے،

(۲) "اس کے ہاتھ میں ان کے لئے آتشیں شریعت ہوگی"

اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ ،	"وہ خدا کے منکروں پر سخت ہوں گے"

(۳) "وہ اپنے لوگوں سے محبت کرے گا"

رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ،	"آپس میں ایک دوسرے پر مہرباں ہوں گے"

(۴) "(اے خدا) اس آنے والے پیغمبرؐ کے سارے مقدس لوگ (یعنی صحابہؓ) تیرے ہاتھ میں ہیں، اور وہ تیرے قدموں کے پاس بیٹھے ہیں اور تیری باتوں کو مانیں گے"

تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ، سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ،	"دیکھتے ہو تم ان کو خدا کے آگے رکوع اور سجود میں جھکے ہوئے، خدا کی مہربانی اور خوشنودی کے طلبگار ہیں، اطاعت اور عبادت کے اثر سے ان کے چہروں میں نورانیت ہے" (سورۂ فتح: ۲۹)

وقت کوہِ شعیر سے ظاہر ہوئی، اور کوہِ فاران سے بھی، اور وہ آگ بہ یک وقت ان تمام مقامات پر پھیلی، کیونکہ خدا اگر کسی جگہ صرف آگ کو پیدا کر دے تو یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ "خدا اس مقام سے آیا" مگر اسی وقت جبکہ اس واقعہ کے بعد اس مقام پر وحی کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کیا اس تجزیہ کے بعد بھی اس بات میں کوئی شبہ کی گنجائش باقی رہتی ہے؟

ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ   "یہ اُن کا حال ہے تورات میں"

اس بشارت میں تراجم کی تحریفیں تورات کی یہ بشارت چونکہ خاصی صریح تھی، اس لئے اس کی عبارت میں ترمیم و تحریف کی بھی خاصی مشق کی گئی ہے، پہلے تو "دس ہزار مقدسوں کے ساتھ آیا" والے جملے میں ترمیم کی گئی ہے، قدیم اردو ترجموں میں یہ جملہ اسی طرح مذکور ہے (دیکھئے تفسیر حقانی ختم سورۂ شعراء آیت وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ، اور سیرۃ النبیؐ، مولانا سید سلیمان ندویؒ ص ۱۴۸ ج ۳) انگریزی ترجمہ (کنگ جیمس ورژن) مطبوعہ ۱۹۵۸ء میں بھی یہی الفاظ ہیں، لیکن موجودہ اردو ترجمہ میں اس کی جگہ یہ جملہ لکھ دیا گیا ہے" اور لاکھوں قدسیوں میں سے آیا" یہاں سے "دس ہزار" کا لفظ اڑا دیا گیا ہے، غالباً اس لئے کہ اُس سے فتح مکہ کے وقت صحابہ کی تعداد ظاہر ہوتی تھی، اور کیتھولک بائبل (ناکس ورژن) میں "دس ہزار" اور "لاکھوں" کے بجائے "ہزاروں" کا لفظ لکھ دیا گیا ہے،

پھر اسی پر بس نہیں، علامہ سید باجہ جی زادہؒ نے نقل کیا ہے کہ ترجمہ عربی مطبوعہ بیروت ۱۸۳۱ء میں یہ پورا جملہ ہی سرے سے حذف کر دیا گیا ہے، اور اس کی جگہ ایک ایسا جملہ بڑھا دیا ہے جس کا کوئی ذکر سابقہ ترجموں میں نہیں تھا، اس میں یہ جملہ ہے: "واتی من ربوات القدس" یعنی "وہ قدس کے ٹیلوں سے آیا" (ملاحظہ ہو الفارق بین المخلوق والخالق، ص ۳۸۵)

تحریف کی دوسری مشق تیسرے جملہ یعنی "اپنے لوگوں سے محبت کرے گا" پر ہوئی ہے، یہ الفاظ قدیم اردو ترجموں کے ہیں (سیرۃ النبیؐ، ص ۱۴۸ ج ۳) موجودہ کیتھولک بائبل میں بھی یہی الفاظ ہیں، مگر جدید اردو اور انگریزی ترجموں میں اسے بدل کر یہ جملہ لکھ دیا گیا ہے "وہ بیشک قوموں سے محبت رکھتا ہے" ــــــ اور اس طرح اس جملہ کو قرآنی (باقی برصفحہ آئندہ)

نزول بھی ہو، یا کسی عتاب و عقوبت کا، ادھر ان لوگوں کو یہ تسلیم ہے کہ اس حلقہ کے بعد طورِ سینا میں وحی کا نزول ہوا، اس لئے ضروری ہوگا کہ اسی طرح کوہ شعیر اور فاران پر بھی وحی کا نزول ہو،

چوتھی بشارت

کتاب پیدائش باب ۱۷ آیت ۲۰ میں اللہ نے ابراہیم علیہ السلام سے اسمٰعیل علیہ السلام کے حق میں جو وعدہ فرمایا اس کی عبارت ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۴۴ء میں یوں ہے:

"اور اسمٰعیل کے حق میں بھی میں نے تیری دعا سُنی، دیکھ میں اُسے برکت دوں گا، اور اسے برومند کروں گا، اور اسے بہت بڑھاؤں گا، اور اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے، اور میں اسے بڑی قوم بناؤں گا"

اس میں ایک "بڑی قوم" کا لفظ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب اشارہ کر رہا ہے، اس لئے کہ اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں کوئی شخص حضورؐ کے سوا موجود نہیں ہو کہ جو بڑی قوم والا ہو، ٹھیک اسی طرح حق تعالیٰ نے ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کی دعا کو نقل فرمایا ہے، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دونوں باپ بیٹوں نے اللہ سے مانگی تھی، اور وہ یہ ہے:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ	"اے ہمارے پروردگار: ان میں ایک پیغمبر انہی میں سے بھیجئے، جو اُن کے سامنے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) جملے "رحماء بینهم" سے جو مطابقت تھی وہ ختم ہوگئی،

یہ تو وہ تبدیلیاں ہیں جن سے بشارت کے اصل مفہوم پر اثر پڑتا ہے، اور اس کے علاوہ اسی ایک جملہ میں بائبل کے تراجم میں جو بے پناہ اختلافات ہیں ان کو بیان کرنے کے لئے شاید کئی صفحات درکار ہوں ۱۲ محمد تقی،

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ؀	تیری آیتیں تلاوت کرے اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے، اور انہیں پاک و صاف کردے، بلاشبہ آپ عزت و حکمت والے ہیں"

امام قرطبیؒ نے اپنی کتاب کی قسم ثانی فصل اوّل میں کہا ہے کہ:

"بعض سمجھ دار لوگوں نے جو یہودیوں کی زبان سے واقف اور اُن کی بعض کتابیں پڑھے ہوئے تھے، اپنی ہوشیاری سے معلوم کرلیا کہ توریت کی مذکورہ عبارت کے دو موقعوں سے اعداد کے اس قاعدہ کے بموجب جس کو یہودی اپنے یہاں بکثرت استعمال کرتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی نکلتا ہے، اول تو "ادادا" کے لئے اس زبان میں "بماد ماد" کا لفظ استعمال ہوتا ہے، اور ان حروف کے اعداد کل ۹۲ ہوتے ہیں، اس لئے کہ بآء کے دو ہیں اول میم کے چالیس الف کا ایک، دال کے چار، دوسرے میم کے چالیس، الف کا ایک، دوسری دال کے چار، کل ۹۲، اسی طرح لفظ "محمدؐ" کے اعداد بھی ۹۲ ہوتے ہیں، اس لئے کہ میم کے چالیس، حآء کے آٹھ اور دوسرے میم کے چالیس، دال کے چار، کل ۹۲،

اِسی طرح دوسرا لفظ "بڑی قوم" لغتِ یہود میں اس کی جگہ "لغوی غذل" کا لفظ استعمال ہوا ہے، جس میں لآم کے تیس اور غین کے تین ہیں، کیونکہ یہود کے یہاں غین کا استعمال جیم کی جگہ کیا جاتا ہے، اس لئے کہ ان کی لغت میں جیم اور صاد سرے سے موجود ہی نہیں ہیں، اور واؤ کے ۶ اور یآء کے دس پھر

عین کے تین اور دال کے چار، واؤ کے چھ اور لام کے تیس، ان سب کا مجموعہ بھی ۹۲ ہی ہوتا ہے "

حضرت سلطان بایزید خاں مرحوم کے عہد میں عبداللہ نامی ایک یہودی عالم مشرف باسلام ہوا، اور ایک چھوٹا سا رسالہ تالیف کیا، جس کا نام "الرسالۃ الہادیۃ" رکھا، اس میں کہتا ہے کہ:

"یہودیوں کے بڑے بڑے عالموں کی اکثر دلیلیں بڑے جملوں کے حروف سے ماخوذ ہوتی ہیں، یعنی حروف ابجد کے قاعدے سے، کیونکہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس کی تعمیر کی تو علمائے یہود ان کے پاس جمع ہوئے، اور کہا کہ یہ عمارت چار سو دس سال قائم رہے گی، پھر ویران ہو جائیگی یہ بات انھوں نے لفظ "بزات" کے اعداد سے نکالی،

پھر امام موصوف کہتے ہیں کہ:

"اس دلیل پر معترضین نے اعتراض کیا کہ "بماد ماد" میں جو باء ہے وہ نفس کلمہ کی نہیں ہے، بلکہ یہ ادات ہے، اور حروفِ صلہ میں سے ہے، اب اگر اس سے محمدؐ کے نام کی تخریج کی جائے گی، تو ایک دوسری باء کی ضرورت پیش آئے گی، اور یوں کہنا پڑے گا "ببماد ماد" جواباً یہ کہا جائے گا کہ یہ قاعدہ تسلیم شدہ ہے کہ جب کسی کلمہ میں ایسی دو باء جمع ہو جائیں جن میں ایک ادات ہو اور دوسری نفس کلمہ کی ہو تو ادات کو حذف کر دیا جائے گا اور کلمہ والی باء کو باقی رکھا جائے گا، اس قاعدہ پر اکثر و بیشتر مقامات میں معترضین کے یہاں بھی عمل درآمد پایا جاتا ہے، اس لئے یہ اعتراض لغو ہے "

ہم کہتے ہیں کہ علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے گرامی میں سے "ماد ماد" بھی ہے، چنانچہ قاضی عیاض کی شفاء میں صاف طور پر مذکور ہے[1]

پانچویں بشارت

کتاب پیدائش باب ۴۹ آیت ۱۰ ترجمہ عربی سنہ ۱۸۲۲ء، سنہ ۱۸۳۱ء، سنہ ۱۸۴۴ء میں یوں ہے کہ:

"یہوداہ سے سلطنت نہیں چھوٹے گی، اور نہ اس کی نسل سے حکومت کا عصا موقوف ہوگا، جب تک شیلوہ نہ آئے اور قومیں اس کی مطیع ہونگی"

لفظ شیلوہ کے معنی میں اہل کتاب کا بڑا شدید اختلاف ہے، جو ساتویں بات میں آپ کو معلوم ہوچکا ہے[2]،

عبد السلام مذکور نے رسالہ ہادیہ میں یوں کہا ہے کہ:

"اس آیت میں اس امر کی دلیل موجود ہے کہ موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کی حکومت کے بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے، کیونکہ حاکم سے مراد موسیٰؑ ہیں، اس لئے کہ یعقوبؑ کے بعد موسیٰؑ تک کوئی شخص صاحب شریعت نہیں آیا[3]، اسی طرح "قانون دینے والا" سے مراد عیسیٰؑ ہیں، کیونکہ موسیٰؑ کے بعد عیسیٰؑ تک اُن کے سوا کوئی صاحب شریعت نہیں آیا، اور ان دونوں کے

---

[1] شرح شفاء، ص

[2] دیکھئے صفحہ ۳۶۳ جلد ۱ اور اس کا حاشیہ،

[3] صاحب رسالہ ہادیہ نے اس پیشینگوئی کے جو الفاظ نقل کئے ہیں ان میں ایک جملہ یہ ہے: "یہوداہ سے حاکم نہیں ہٹے گا، اور نہ اس کے پاؤں سے راسم ہٹے گا" راسم کے معنی انگریزی ترجموں میں صاحب شریعت (Law-giver) مذکور ہیں،

بعد سوائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی بھی صاحب شریعت نہیں ہوا، یعقوب علیہ السلام کے قول فی آخر الایام[1] سے معلوم ہوا کہ اس کا مصداق ہمارے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اس لئے کہ حاکم اور صاحب شریعت کے حکم ختم ہو جانے کے بعد آخری دور میں سوائے آپ کے اور کوئی نہیں آیا، نیز اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ لفظ "وہ آجائے جس کے لئے وہ ہے" سے مراد یہ ہے، کیونکہ آیت کا سیاق و سباق یہی بتاتا ہے، اور لفظ "اور تمام قومیں اس کی مطیع ہوں گی" یہ اس بات کی صریح علامت ہے اور واضح دلیل ہے کہ اس کا مصداق یقیناً حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں، کیونکہ تمام قومیں آپ کے سوا کسی کے جھنڈے کے نیچے جمع نہیں ہوئیں،

البتہ اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ اس عبارت میں کسی جگہ زبور کا ذکر نہیں ملتا، حالانکہ موسیٰؑ و عیسیٰؑ کے درمیان ترتیب میں اس کا نمبر ہے، تو بڑی وجہ اس کی یہ ہے کہ زبور میں اول تو سرے سے احکام ہی نہیں ہیں، پھر داؤد علیہ السلام خود صاحب شریعت مستقلہ نہیں ہیں، بلکہ موسیٰؑ کے تابع ہیں، اور اس مقام پر یعقوبؑ کی پیشگوئی میں صاحب احکام لوگوں کا بیان ہو رہا ہے،

ہم کہتے ہیں کہ حاکم کا مصداق موسیٰؑ اس لئے ہیں کہ آپ کی شریعت جبری

---

[1] "فی آخر الایام" اظہار الحق کے عربی نسخوں میں ایسا ہی ہے، مگر ہمیں بائبل کا کوئی ترجمہ ایسا نہیں مل سکا جس میں "شیلوہ" کے ساتھ "فی آخر الایام" کا لفظ ہو، ممکن ہے کہ صاحب رسالہ ہادیہ جس بائبل سے نقل کر رہے ہیں اس میں یہ لفظ موجود ہو،

اور انتقامی ہے، اور راسم یعنی صاحبِ شریعت سے مراد عیسیٰ ہیں، اس لئے کہ آپ کی شریعت جبری نہیں ہے، نہ انتقامی ہے، اور اگر لفظ عصا سے مراد دنیوی سلطنت ہو اور اسی طرح مدبر سے مراد دنیوی حاکم ہو، جیسا کہ فرقۂ پروٹسٹنٹ کے پادریوں کے رسالوں اور ان کے بعض ترجموں سے یہ بات مفہوم ہوتی ہے کہ لفظ "شیلوہ" سے نہ تو مسیح یہود[1] مراد لینا درست ہے، جیسا کہ یہودی دعویٰ کرتے ہیں، نہ اس کا مصداق عیسیٰؑ ہو سکتے ہیں، جیسا کہ عیسائیوں کا دعویٰ ہے،

پہلی بات تو اس لئے غلط ہے کہ دنیوی سلطنت اور دنیوی حاکم تو یہوداہ کے خاندان سے بخت نصر کے زمانے سے ختم ہو چکے ہیں، جس کو اب دو ہزار سال سے زیادہ ہو چکے ہیں، اور آج تک کبھی مسیح یہود کی بھنک تک کان میں نہیں پڑی،

رہی دوسری بات، سو وہ اس لئے غلط ہے کہ یہ دونوں چیزیں خاندانِ یہوداہ سے عیسیٰؑ کے ظہور سے چھ سو سال قبل ہی مٹ چکی تھیں، جب کہ بختِ نصر نے یہوداہ کی اولاد کو بابل کی طرف جلاوطن کیا، اور تقریباً ۶۳ سال ان کی یہی حالت رہی نہ کہ ستر سال، جیسا کہ بعض علماء پروٹسٹنٹ عوام کو دھوکہ دینے کے لئے کہتے ہیں۔

پھر اُن لوگوں پر انٹیوکس کے عہد میں جو مصیبتیں پڑیں وہ دنیا کو معلوم ہیں، کیونکہ اس نے اونیاس عالم یہود کو اس کے منصب سے معزول کر کے اس کے بھائی یاسون کے ہاتھ اس عہدہ کو ۳۶۰ اشرفیوں کے عوض فروخت کر دیا، اس

---

[1] "مسیح یہود" یہودی کہتے ہیں کہ جس مسیح کے آنے کا عہد نامہ قدیم میں تذکرہ ہے وہ ابھی تک نہیں آیا، ابھی اس کا انتظار ہے،

... طرح کہ وہ یہ ٹیکس کی رقم سالانہ ادا کیا کرے، پھر اس کو بھی معزول کرکے اس کے بھائی مینالاؤس کے ہاتھ ۶۶۰ اشرفیوں کے عوض یہ منصب فروخت کر دیا، پھر جب اس کی موت کی خبر مشہور ہوئی تو یاسون نے اپنے لئے اس عہدے کی واپسی کا مطالبہ کیا، اور اورشلیم میں ہزاروں کا لشکر لے کر داخل ہوا، اور جس شخص پر بھی اسے اپنے مخالف اور دشمن ہونے کا گمان ہوتا اس کو قتل کر دیتا تھا، حالانکہ مینالاؤس کے مرنے کی خبر غلط تھی، یہ سُنکر انٹیوکس نے اورشلیم کا محاصرہ کرلیا، اور سنہ ۱۷۰ قبل مسیح میں دوبارہ اس کا مالک بن گیا، وہاں کے باشندوں میں سے چالیس ہزار انسانوں کو قتل کیا، اور اتنے ہی لوگوں کو غلام بناکر فروخت کر ڈالا، کتاب مرشد الطالبین مطبوعہ سنہ ۱۸۵۲ء جلد ۲ فصل ۲۰ تاریخی جدول کی بحث میں صفحہ ۴۸۱ پر لکھا ہے:

"اس نے اورشلیم کو خوب لوٹا، اور اسّی ہزار انسانوں کو قتل کر ڈالا"

صرف اس قتلِ عام پر اکتفاء نہیں کیا، بلکہ عبادت خانوں میں جو بیش قیمت سامان موجود تھا جس کی قیمت اندازاً آٹھ سو اشرفیاں تھی، اس سب کو لوٹ لیا اور قربان گاہ کی اہانت کے لئے وہاں ایک خنزیر کو ذبح کیا، پھر انطاکیہ کی طرف لوٹا، اور ایک نہایت کمینے شخص فیلپّس کو یہودیوں کا حاکم بنا دیا، اور اپنے چوتھے سفرِ مصر کے وقت ابولونیوس کو بیس ہزار کا لشکر دے کر اورشلیم کی جانب روانہ کیا، اور حکم دیا کہ اورشلیم کو اجاڑ دے، وہاں کے باشندوں میں سے تمام مردوں کو قتل کرے، اور عورتوں بچوں کو لونڈی غلام بنالے، چنانچہ یہ لشکر روانہ

لہ دیکھئے مکابیوں کی پہلی کتاب، باب اوّل و دوم،

ہوا، اور ایسی بے خبری کی حالت میں جب کہ اہلِ شہر یوم السبت کے متبرک دن میں نماز کے لئے اکٹھے ہو رہے تھے، اچانک اُن پر حملہ کر دیا، اور سوائے اُن چند لوگوں کے جو کسی پہاڑ یا غار میں بھاگ کر روپوش ہو گئے، اور کوئی شخص نہیں بچ سکا، شہر والوں کے اموال کو خوب لوٹا، پوری بستی میں آگ لگادی، ستونوں کو گرادیا، مکانات کو اجاڑ ڈالا، انہی منہدم شدہ مکانات کے ملبہ سے اکرا پہاڑ پر ایک مضبوط قلعہ بنایا، جہاں پر فوجی پہرہ عبادت خانہ کے اطراف و جوانب کی نگرانی کے لئے لگادیا گیا، اور جو شخص بھی عبادت خانہ کے قریب آتا فوراً قتل کر دیا جاتا،

پھر انتیوکس نے اثانیوس کو اس کام کے لئے بھیجا، کہ وہ یہودیوں کو یونانی بت پرستی کی تعلیم دے، اور جو شخص اس حکم کی تعمیل میں چون و چرا کرے وہ قتل کردیا جائے، چنانچہ اثانیوس اورشلیم پہونچا، جس کے ساتھ کچھ کافر یہودی بھی معین و مددگار بن گئے، اور ذبیحہ مقررہ کو حکماً روک دیا گیا، اور یہودی مذہب کی عبادت کے تمام طریقوں کو منسوخ قرار دیا، عہد عتیق کے تمام نسخے جس قدر تلاش سے مل سکے سب کو جلادیا، اور ہیکل کی عمارت کو جیوپیٹر کی عبادتگاہ بنادیا اور یہودیوں کی قربان گاہ پر جیوپیٹر کا بُت نصب کر دیا، اور جس شخص کو انتیوکس کا مخالف پایا قتل کر ڈالا،

اس قیامتِ صغریٰ میں صرف متاثیاس کاہن مع اپنے پانچ بیٹوں کے کسی نہ کسی طرح بچ کر اپنے وطن کی جانب بھاگ گئے، اور اپنے قریبی خاندان کے

سلہ دیکھئے صفحہ ۱۲۲ جلد ہٰذا کا حاشیہ،

لوگوں میں پناہ لے کر قوت اور طاقت پیدا کی، اور ان کافروں سے اپنی قوت و طاقت کے بقدر بدلہ لیا جیسا کہ تواریخ کی کتابوں میں ان واقعات کی تصریح موجود ہے[1]،

ایسی حالت میں یہ بشارت عیسیٰ علیہ السلام پر کیونکر صادق آسکتی ہے؟ اور اگر کوئی صاحب یہ کہنے لگیں کہ سلطنت اور حکومت[2] کے باقی رہنے کا مطلب بشارت میں امتیاز قومی[3] ہے، جیسا کہ آجکل بھی کچھ لوگ اس قسم کی باتیں کہتے ہیں اُس وقت بھی اس بشارت سے مراد حضرت عیسیٰؑ نہیں ہو سکتے، یہ صورتِ حال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور تک باقی چلی آتی تھی، ملکِ عرب کے مختلف حصّوں میں ان لوگوں کے بکثرت مضبوط قلعے اور املاک موجود تھیں، اس طرح یہ لوگ کسی کے ماتحت اور مطیع نہیں تھے، جیسا کہ خیبر وغیرہ کے یہودیوں کی نسبت تاریخ شاہد ہے، البتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد ان یہودیوں پر ذلت و مسکنت مسلط کر دی گئی، اور ہر ملک میں دوسروں کی ذلیل رعایا بن گئے، اِس لئے "شیلوہ" کا صحیح مصداق صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہو سکتے ہیں، نہ تو مسیح یہود اس کا مصداق ہے، اور نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام،

---

[1] دیکھئے ۱۔ مکابیوں ۲ : ۲ و ۳ ،

[2] یعنی مطلب یہ ہو کہ سلطنت کے باقی رہنے سے مراد یہ ہے کہ ان کا قومی امتیاز باقی رہے گا، اور بحیثیت قوم انھیں عزت و شوکت نصیب رہے گی،

[3] لہٰذا اگر "شیلوہ" سے مراد حضرت مسیح علیہ السلام ہوتے تو آپ کی تشریف آوری کے بعد یہودیوں کا قومی امتیاز ختم ہو جانا چاہیے تھا، اس لئے کہ بشارت میں یہ کہا گیا ہو کہ "یہودیوں کا قومی امتیاز شیلوہ" کے آنے تک باقی رہے گا، جب حضرت مسیح علیہ السلام کی تشریف آوری کے بعد بھی سینکڑوں سال تک ان کا قومی امتیاز باقی رہا تو معلوم ہوا کہ حضرت مسیح "شیلوہ" نہیں تھے،

چھٹی بشارت

زبور نمبر ۴۵ میں اس طرح ہے:

"میرے دل میں ایک نفیس مضمون جوش مار رہا ہے میں وہی مضامین سناؤں گا جو میں نے بادشاہ کے حق میں قلمبند کئے ہیں، میری زبان ماہر کاتب کا قلم ہے، تو بنی آدم میں سب سے حسین ہے، تیرے ہونٹوں (پر نعمت بٹی ہے) اس لئے خدا نے تجھے ہمیشہ کے لئے مبارک کیا، اے زبردست تو اپنی تلوار کو جو تیری حشمت اور شوکت ہے اپنی کمر سے حمائل کر، اور سچائی اور حلم اور صداقت کی خاطر اپنی شان و شوکت میں اقبال مندی سے سوار ہو، اور تیرا داہنا ہاتھ تجھے مہیب کام دکھائے گا، تیرے تیر تیز ہیں، وہ بادشاہ کے دشمنوں کے دلوں میں لگے ہیں، امتیں تیرے سامنے زیر ہوتی ہیں، اے خدا تیرا تخت ابدالآباد ہے، تیری سلطنت کا عصاء راستی کا عصاء ہے، تو نے صداقت سے محبت رکھی، اور بدکاری سے نفرت، اسی لئے خدا! تیرے خدا نے شادمانی کے تیل سے تجھ کو تیرے ہمسروں سے زیادہ مسح کیا ہے، تیرے ہر لباس سے مر اور عود اور تج کی خوشبو آتی ہے، ہاتھی دانت کے محلوں میں سے تار دار سازوں نے تجھے خوش کیا ہے، تیری معزز خواتین میں شاہزادیاں ہیں، ملکہ تیرے داہنے ہاتھ اوفیر کے سونے سے آراستہ کھڑی ہے، اے بیٹی سن! غور کر اور کان لگا، اپنی قوم اور اپنے باپ کے گھر کو بھول جا، اور بادشاہ تیرے حسن کا مشتاق ہوگا،

---

[1] موجودہ اردو ترجمہ میں قوسین کی جگہ "میں لطافت بھری ہے" کے الفاظ ہیں،

کیونکہ وہ تیرا خداوند ہے، تو اسے سجدہ کر، اور صور کی بیٹی ہدیہ لے کر حاضر ہوگی
قوم کے دولت مند تیری رضا جوئی کریں گے، بادشاہ کی بیٹی محل میں سرتاپا
حسن افروز ہے، اس کا لباس زر بفت کا ہے، وہ بیل بوٹے دار لباس میں
بادشاہ کے حضور میں پہنچائی جائے گی، اس کی کنواری سہیلیاں جو اس کے
پیچھے پیچھے چلتی ہیں تیرے سامنے حاضر کی جائیں گی، وہ اُن کو خوشی اور خرمی
سے لے آئیں گے، وہ بادشاہ کے محل میں داخل ہوں گی، تیرے بیٹے تیرے
باپ دادا کے جانشین ہوں گے، جن کو تو تمام روئے زمین پر سردار
مقرر کرے گا، میں تیرے نام کی یاد کو نسل در نسل قائم رکھوں گا، اس لئے
امتیں ابدالآباد تیری شکر گذاری کریں گی" (آیات ۱ تا ۱۷)

یہ بات تمام اہلِ کتاب کو تسلیم ہے کہ داؤد علیہ السلام نے اس زبور میں
ایک ایسے نبی کی بشارت دی ہے جو ان کے بعد ظاہر ہوگا، اور یہودیوں کے
نزدیک اس وقت تک کوئی ایسا نبی جو ان صفات مذکورہ کے ساتھ موصوف
ہو ظاہر نہیں ہوا، علماء پروٹسٹنٹ اس امر کا دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ نبی عیسیٰ ہیں
اور مسلمانوں کا اگلے ہوں یا پچھلے یہ دعویٰ ہے کہ اس نبی کا مصداق حضور
صلی اللہ علیہ وسلم ہیں،

ہمارا خیال یہ ہے کہ اس زبور میں جس نبی کی بشارت دی گئی ہے اس کی
حسب ذیل صفات کا ذکر کیا گیا ہے:

① وہ بے انتہا حسین ہوگا۔

② وہ تمام انسانوں میں افضل ہوگا،

(۳) نعمت اس کے دونوں ہونٹوں سے بہے گی،

(۴) وہ برکتوں والا ہوگا،

(۵) وہ تلوار لٹکانے والا ہوگا،

(۶) وہ طاقتور ہوگا،

(۷) حق وصداقت اور وقار وسکون والا اور سچائی کا علمبردار ہوگا،

(۸) اُس کے ہاتھ سے عجیب طور سے ہدایت ہوگی،

(۹) اُس کا تیر تیز ہوگا،

(۱۰) قومیں اس کے ماتحت ہو جائیں گی،

(۱۱) وہ نیکی کو پسند کرنے والا اور گناہ کو مبغوض رکھنے والا ہوگا،

(۱۲) بادشاہوں کی بیٹیاں اس کی خدمت گذار ہوں گی،

(۱۳) تحفے اور ہدیے اس کو پیش کئے جائیں گے،

(۱۴) قوم کے دولتمند اس کے مطیع ہو جائیں گے،

(۱۵) اس کی اولاد اپنے بڑوں کی جگہ دنیا کی سردار بنے گی،

(۱۶) اس کا نام تمام نسلوں میں یکے بعد دیگرے مشہور اور مذکور ہوگا،

(۱۷) قومیں اس کی ہمیشہ مدح وثنا کریں گی،

یہ تمام خوبیاں اور اوصاف محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ صرف موجود ہیں، بلکہ کامل اور مکمل طور پر نمایاں ہیں،

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس بشارت کا صحیح مصداق ہونا

نمبر (۱۱) کی دلیل یہ ہے کہ ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ،

"میں[1] نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ خوبصورت اور حسین کسی کو نہیں دیکھا، یوں معلوم ہوتا تھا کہ گویا آفتاب آپؐ کے روئے مبارک سے طلوع ہو رہا ہے، جب آپؐ مسکراتے تھے تو دیوار تک چمک جاتی تھی،

ام معبد رضی اللہ عنہا آپؐ کے کچھ اوصاف بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں: دُور سے آپؐ تمام انسانوں سے زیادہ جمیل اور نزدیک سے آپؐ تمام دنیا سے زیادہ حسین اور شیریں نظر آتے تھے۔

نمبر ۲ کی شہادت کے لئے باری تعالیٰ کا ارشاد ذیل کافی ہے، قرآن حکیم میں فرمایا کہ:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ،	"ان رسولوں میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت عطا کی ہے۔

مفسّرین کہتے ہیں کہ "وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ" کا مصداق حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، یعنی اللہ نے آپؐ کو متعدد وجوہ سے تمام نبیوں سے بلند کیا ہے،

امام فخر الدین رازیؒ نے اپنی مشہور تفسیر میں اس آیۃ شریفہ کی تفسیر میں خوب سیر حاصل بحث فرمائی ہے، نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:

اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا فَخْرَ،[2]	"میں قیامت کے روز آدمؑ کے بیٹوں کا سردار ہوں گا اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں"

---

[1] "ما رأیت احسن من النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان الشمس تجری فی وجہہ" اخرجہ الترمذیؒ وابن سعدؒ والبیہقیؒ عن ابی ہریرہؓ (جمع الفوائد، ص ۲۹۷، ج ۲ والخصائص الکبریٰ ص ۷۲، ج ۱) "ولم اجد واذا ضحک یتلألأ فی الجدار" فی ہذہ الروایۃ وانما ہی فی روایۃ اخریٰ، اخرجہا البزارؒ والبیہقیؒ عنہ (الخصائص الکبریٰ صفحہ ۷۳، جلد ۱)

[2] اخرجہ احمدؒ والترمذیؒ عن ابی سعیدؓ (کنز العمال، ص ۱۰۱، ج ۶)

یعنی یہ بات میں فخر کے طور پر نہیں کہہ رہا ہوں، بلکہ اللہ کی نعمت کے اعتراف کے طور پر کہتا ہوں،

نمبر ۳، اس کے ثبوت دینے یا دلیل پیش کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے، کیونکہ آپ کی فصاحت و بلاغت کا موافق و مخالف سب کو اعتراف و اقرار ہے، راویوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام و گفتگو کی صفت بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ آپ سب لوگوں سے زیادہ صحیح اور سچ لہجے والے تھے، اس لئے آپ فصاحت کے لحاظ سے افضل و اکمل مرتبہ رکھتے تھے،

نمبر ۴۔ کے ثبوت کے لئے اللہ کا ارشاد قرآن کریم میں موجود ہے کہ:

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ، "بلاشبہ اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر رحمت بھیجتے ہیں"

لاکھوں کروڑوں انسان پانچوں نمازوں میں آپ پر درود شریف پڑھتے ہیں،

نمبر ۵ بھی ظاہر اور عیاں ہے، خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "مجھ کو خدا نے تلوار دے کر بھیجا ہے[1]"

نمبر ۶ کا ثبوت یہ ہے کہ آپ کی قوتِ جسمانی کمال درجہ پر تھی، مشہور واقعہ ہے کہ رکانہ جو عرب کا نامی گرامی اور مشہور پہلوان تھا اور جس کی جسمانی قوت کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی، مسلمان ہونے سے قبل ایک مرتبہ تنہائی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مکہ کی کسی گھاٹی میں ملا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ کیا تو خدا

---

[1] "انا الرسول بالسیف" لم اجده، وانما المعروف "انا نبی الملحمۃ" اخرجہ الحکیم عن حذیفۃؓ (کنز، ص ۱۱۱ ج ۶)۔

سے نہیں ڈرتا؟ اور میری دعوت قبول نہیں کرے گا؟ کہنے لگا اگر مجھ کو آپ کے سچا ہونے کا یقین ہو جائے تو بیشک میں آپ کی اتباع کے لئے تیار ہوں، آپ نے فرمایا کہ اچھا اگر میں تجھ کو پچھاڑ دوں تو کیا پھر تجھ کو میرے سچا ہونے کا یقین آ جائے گا؟ کہنے لگا ضرور، آپ نے اس کو پکڑ کر زمین پر گرا دیا، اور بالکل بے بس کر دیا، اس نے کہا کہ اے محمدؐ! ذرا دوبارہ گرا کر دکھائیے، آپ نے دوبارہ بھی اس کو پٹخ دیا، کہنے لگا، اے محمدؐ: بڑی ہی عجیب بات ہے، آپ نے فرمایا، اگر تو چاہے تو میں تجھ کو اس سے بھی زیادہ عجیب چیز... دکھا سکتا ہوں بشرطیکہ تو خدا سے ڈر کر میری پیروی کرے، کہنے لگا وہ کیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیرے سامنے اس درخت کو بلاتا ہوں، چنانچہ آپ نے درخت کو بلایا، وہ آپ کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا، پھر آپ نے اس سے فرمایا کہ واپس چلا جا، وہ اپنی جگہ لوٹ گیا،

رکانہ یہ معجزات دیکھ کر جب اپنی قوم کے پاس گیا تو کہنے لگا کہ اے بنی عبدمناف! میں نے محمدؐ سے بڑھ کر کوئی جادوگر نہیں دیکھا، اور پھر جو کچھ واقعہ گذرا تھا وہ سنایا[1]

رہی آپ کی شجاعت و بہادری سو اس کی شہادت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا حسب ذیل قول دے رہا ہے:

"میں نے آپ سے زیادہ نہ کسی کو بہادر دیکھا نہ دلیر، اور نہ آپ سے زیادہ کسی کو سخی پایا"[2]

اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا ارشاد ہے کہ:

---

[1] اخرجہ البیہقیؒ وابونعیمؒ عن ابی امامہ (الخصائص الکبریٰ ص ۱۲۹ و ۱۳۰ ج اول)
[2] اخرجہ الدارمیؒ عن ابن عمرؓ (خصائص، ص ۲، ج اول)

"جب لڑائی کی آگ بھڑک جاتی تھی تو ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اپنے بچنے کی کوشش کرتے تھے، ایسے موقع پر ہم سب میں آپؐ ہی دشمن کے سب سے زیادہ قریب ہوتے تھے، مجھ کو وہ منظر یاد ہے جب کہ بدر کے دن ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ لئے ہوئے تھے، اور آپ ہم سب میں دشمن کے زیادہ قریب تھے، اس روز آپؐ نے سب لوگوں سے زیادہ شدید جنگ کی"[1]

نمبر ۷، امانت اور سچائی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جلیل القدر صفات میں سے ہیں، چنانچہ نضر بن حارث نے قریش سے کہا تھا کہ:

"محمدؐ نے تم میں بچپن سے نشو ونما پائی ہے، اس تمام دور میں وہ تم میں مقبول اور پسندیدہ اور بات کے سچے تھے، امانت میں اونچے درجے کے ثابت ہوئے، اب جب انکے بالوں میں سفیدی آگئی اور جو کچھ بھی وہ تمہارے پاس لاتے ہیں تو تم کہتے ہو کہ وہ جادوگر ہیں، نہیں، خدا کی قسم: وہ ہرگز جادوگر نہیں ہیں"[2]

ہرقل شاہ روم نے ابو سفیان سے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حال دریافت کیا تو پوچھا کہ محمدؐ نے جو کچھ دعویٰ کیا ہے، کیا اس سے پہلے تم نے ان کو کبھی جھوٹ بولتے ہوئے پایا ہے"؟ انھوں نے جواب دیا کہ نہیں"[3]

نمبر ۸ کی دلیل یہ ہے کہ آپؐ نے جنگِ بدر اور جنگِ حنین کے موقع پر خاک

---

[1] اخرجہ احمدؒ والطبرانیؒ فی الاوسط عن علیؓ (خصائص، ص ۲۰۳، ج ۱)

[2] لقدکان محمدٌ فیکم غلاماً حدثاً ارضاکم فیکم واصدقکم حدیثاً واعظمکم امانۃً الخ" اخرجہ ابن اسحٰق والبیہقی وابونعیم عن ابن عباسؓ (الخصائص، ص ۱۱۴ ج ۱)

[3] الحدیث طویل معروف اخرجہ البخاریؒ،

کی ایک مٹھی بھر کر کافروں کے منہ اور چہروں پر دے ماری، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی ایک کافر بھی ایسا نہ تھا جو اس کی زد سے بچ رہا ہو، بلکہ سب کو اپنی آنکھوں کی پڑ گئی، اور شکست کھا کر بھاگے، اور مسلمانوں نے ان کو قتل اور قید کیا[1]، اس قسم کے واقعات یہ آپ کے ہاتھوں کی عجیب ہدایت و رہنمائی ہے جس سے گمراہ کو ہدایت نصیب ہو سکتی ہے،

نمبر ۹ کا ثبوت یہ ہے کہ اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد قدیم زمانے سے تیراندازی کی ماہر چلی آتی تھی، جس کو دنیا جانتی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ کام بڑا مرغوب تھا، چنانچہ آپ نے فرمایا کہ: "عنقریب[2] تم لوگ رومیوں پر فتح حاصل کرو گے اور اللہ تمھارے کام کی کفایت کرے گا، اس لئے تم میں سے کوئی شخص تیراندازی کے کھیل سے عاجز نہ رہے"، دوسری جگہ فرمایا: "اے بنی اسمٰعیل! تیراندازی کیا کرو کیونکہ تمھارے باپ بھی تیرانداز تھے[3]"، اور فرمایا کہ: "جس نے تیر کا فن سیکھا پھر اس کو چھوڑ دیا اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں[4]"

نمبر ۱۰ کی دلیل پیش کرنے کی ضرورت اس لئے نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ ہی میں اللہ کے دین یعنی اسلام میں لوگ جوق در جوق اور فوج در فوج داخل ہونے لگے تھے، اور صرف دو سال سے بھی کم مدت میں مسلمان ہزاروں سے

---

[1] دیکھئے کتاب ہذا، ص ۱۲۹۷، ۱۲۹۸ جلد ہذا،

[2] لم اجدہ،

[3] "ارموا بنی اسمٰعیل فان اباکم کان رامیاً" اخرجہ البخاری عن سلمۃ بن الاکوع مرفوعاً (جمع الفوائد صفحہ ۱۹ ج ۲)

[4] "من تعلّم الرمی ثم ترکہ فلیس منّی" اخرجہ مسلم عن عقبۃ بن عامرؓ مرفوعاً (ایضاً)

متجاوز ہو کر لاکھوں ہو گئے،

نمبر ۱۱ تو اس قدر معروف و مشہور ہے کہ جس کا اقرار و اعتراف کٹر سے کٹر مخالفین کو بھی ہے، جیسا کہ مسلک نمبر ۲ میں معلوم ہو چکا ہے،

نمبر ۱۲، یہ ایک حقیقت ہے کہ شاہزادیاں اور امیر زادیاں طبقۂ اولیٰ کے مسلمانوں کی حرم سرا میں داخل ہوئیں، اور ان کی خادمائیں بننے کا فخر حاصل کیا، اُن میں سے شہر بانو جو یزدجرد شاہ ایران کی بیٹی تھیں، امام حسین رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں داخل ہوئیں،

نمبر ۱۳ و ۱۴ کے ثبوت کے لئے یہ بات کافی ہے کہ نجاشی شاہ حبشہ اور منذر بن ساوی بحرین کا حکمران اور سلطان عمان مطیع و فرمانبردار ہو کر اسلام میں داخل ہوئے، نیز ہرقل قیصر روم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ ارسال کیا، قبطیوں کے بادشاہ مقوقس نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تین باندیاں، تین حبشی غلام، ایک خوب صورت خچر اور دراز گوش گھوڑا اور بیش قیمت کپڑے بطور ہدیہ ارسال کئے،

نمبر ۱۵ کی دلیل یہ ہے کہ امام حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے بہت سے خلیفہ بنے، اور مختلف ممالک حجاز و یمن، مصر و مغرب، شام و فارس، ہندوستان وغیرہ میں ہزاروں امراء و سلاطین آپ کی نسل سے ہوتے رہے، اور آج تک حجاز و یمن اور دوسرے بعض ملکوں میں بے شمار امراء و حکام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل کے پائے جاتے ہیں، انشاء اللہ تعالیٰ امام مہدیؑ بھی آپ ہی کی نسل سے ظاہر ہوں گے اور دنیا میں خدا کے خلیفہ بنیں گے، آپ کے مبارک عہد ہی میں اللہ کا دین تمام

دینوں پر غالب ہو کر رہے گا،

نمبر ۱۶ اور ۱۷ کی شہادت کے لئے یہ بات کافی ہے کہ ہزاروں لاکھوں انسان مختلف قوموں اور قبیلوں کے پانچوں وقت بلند آواز سے مختلف ملکوں میں اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ، کی صدائیں لگاتے ہیں اور ان پانچوں اوقات میں ان گنت اور بے شمار نمازی آپ پر درود پڑھتے ہیں، اور لاکھوں حافظ و قاری آپ کے منشور کو حفظ کرتے ہیں، مفسرین آپ کے لائے ہوئے قرآن کے معانی کی تفسیر اور واعظ لوگ آپ کے وعظ کی تبلیغ کرتے ہیں، بڑے بڑے علماء اور سلاطین روضۂ مبارک پر حاضر ہوتے اور دروازے کے باہر سے آپ پر درود پڑھتے ہیں، اور اپنے چہروں کو روضۂ اقدس کی مبارک خاک سے رگڑتے ہیں، اور آپ سے شفاعت کی توقع رکھتے ہیں،

اس کے برعکس یہ شہادت کسی طرح پر بھی علمائے پروٹسٹنٹ کے باطل دعوے کے مطابق عیسٰے علیہ السلام کے حق میں صادق نہیں آتی، اس لئے کہ ان کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ کتاب اشعیاء کے باب ۵۳ میں دی ہوئی بشارت بھی عیسٰی علیہ السلام کے حق میں ہے، اور اس کی عبارت یہ ہے:

"نہ اس کی کوئی شکل وصورت ہے، نہ خوب صورتی، اور جب ہم اس پر نگاہ کریں تو کچھ حُسن وجمال نہیں کہ ہم اس کے مشتاق ہوں، وہ آدمیوں میں حقیر و مردود، مردِ غمناک اور رنج کا آشنا تھا، لوگ اس سے گویا روپوش تھے، اس کی تحقیر کی گئی، اور ہم نے اس کی کچھ قدر نہ جانی"

غور کیجئے! یہ اوصاف "زبور" کے بیان کردہ اوصاف کی ضد اور برعکس ہیں،

اس لئے عیسیٰ علیہ السلام پر حسین اور طاقت ور ہونا صادق نہیں آسکے گا، نہ اُن پر یہ بات صادق آتی ہے کہ وہ تلوار لٹکانے والا ہوگا، اور نہ یہ کہ اس کا تیز بھال والا ہوگا، نہ یہ کہ دولت مند لوگ اس کے مطیع بنیں گے، نہ یہ کہ اس کی خدمت میں ہدایا اور تحفے بھیجے جائیں گے،

اس کے برعکس عیسائی نقطۂ نظر کے مطابق لوگوں نے عیسیٰؑ کو گرفتار کیا، ذلیل کیا، اُن کا مذاق اڑایا، کوڑوں سے اُن کو مارا، پھر اُن کو سُولی پر لٹکایا، اسی طرح نہ اُن کے بیوی تھی، نہ بیٹا، لہٰذا یہ بات بھی صادق نہ آسکے گی، کہ بادشاہوں کی بیٹیاں اس کے گھر میں داخل ہوں گی، نہ یہ کہ اس کی اولاد اپنے بڑوں کی جگہ زمین کی بادشاہ ہوگی،

ایک ضروری تنبیہ ترجمہ آیت نمبر ۸ جو ہم نے نقل کیا ہے وہ زبور کے اس فارسی ترجمہ کے مطابق ہے جو ہمارے پاس تھا،

اسی طرح زبور کے اردو ترجموں میں بھی ایسا ہی ہے، اور پولس نے اس آیت کو اپنے عبرانیوں کے نام خط کے پہلے باب ترجمۂ عربی ۱۸۲۱ء و ۱۸۳۱ء و ۱۸۴۴ء میں بھی اسی طرح نقل کیا ہے :

"تو نے راستبازی سے محبت اور بدکاری سے عداوت رکھی، اسی سبب سے خدا یعنی تیرے خدا نے خوشی کے تیل سے تیرے ساتھیوں کی بہ نسبت تجھے زیادہ مسح کیا"

اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۶ء و ۱۸۲۸ء و ۱۸۴۱ء اور اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۹ء و ۱۸۴۰ء و ۱۸۴۱ء ... عربی ترجمہ کے مطابق ہیں، اس لئے جو

ترجمہ میری نقل کے مخالف ہوگا وہ درست نہ ہوگا، اور اس کی تردید کے لئے ان کے مقدس کا کلام کافی ہوگا۔

ادھر آپ حضرات باب۴ کے مقدمہ میں یہ بات معلوم کر چکے ہیں کہ لفظ "معبود" اور "رب" وغیرہ کا استعمال عوام کے لئے بھی ہوا ہے، چہ جائیکہ خواص لوگ، زبور ۸۲ کی آیت نمبر ۶ میں یوں ہے کہ:

"میں نے کہا تھا کہ تم الٰہ ہو، اور تم سب حق تعالیٰ کے فرزند ہو"

اس لئے صاحب مفتاح الاسرار کا یہ اعتراض قابلِ پیش رفت نہیں ہو سکتا کہ زبور کی آیت مذکورہ میں اس طرح ہے کہ:

"تو نے راست بازی سے محبت اور بدکاری سے عداوت رکھی، اسی سبب سے اے اللہ تیرے معبود نے تجھے خوشی کے تیل سے تیرے ساتھیوں کی بہ نسبت تجھے زیادہ مسح کیا"

اور مسیح کے علاوہ اور کسی شخص کے لئے یہ الفاظ استعمال نہیں ہو سکتے کہ "اے اللہ" اوّل تو ہم کو اس ترجمہ کی صحت تسلیم نہیں ہے، اس لئے کہ یہ ترجمہ ان کے مقدس کے کلام کے خلاف ہے،

دوسرے اگر ہم اس سے بھی قطع نظر کر لیں تو بھی ہمارا کہنا یہ ہے کہ یہ دعویٰ صریح طور پر باطل ہے، اس لئے کہ لفظ "اللہ" اس مقام پر حقیقی معنی میں استعمال نہیں ہو رہا ہے، بلکہ مجازی معنی مراد ہیں، اس کی دلیل لفظ "تیرا معبود" ہے، کیونکہ حقیقی خدا کا کوئی اور خدا نہیں ہو سکتا[۱]، پھر جب معنی مجازی مراد ہوئے تو جس طرح

---

[۱] مطلب یہ ہے کہ صاحب مفتاح الاسرار نے زبور کی عبارت جس طرح نقل کی ہو (باقی بر صفحہ آئندہ)

عیسیٰؑ کے حق میں صادق آسکتا ہے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بھی صادق ہوگا،

زبور کی ایک اور عبارت بشارت نمبر۷ زبور نمبر ۱۴۹ آیت ایں ہے:

خداوند کی حمد کرو، خداوند کے حضور نیا گیت گاؤ اور مقدسوں کے مجمع میں اس کی مدح سرائی کرو، اسرائیل اپنے خالق میں شادماں رہے، فرزندانِ صیون اپنے بادشاہ کے سبب سے شادماں ہوں، وہ ناچتے ہوئے اس کے نام کی ستائش کریں، وہ دف اور ستار پر اس کی مدح سرائی کریں، کیونکہ خداوند اپنے لوگوں سے خوشنود رہتا ہے، وہ حلیموں کو نجات سے زینت بخشے گا، مقدس لوگ جلال پر فخر کریں، وہ اپنے بستروں پر خوشی سے نغمہ سرائی کریں، ان کے منہ میں خدا کی تمجید اور ہاتھ میں دودھاری تلوار ہو، تاکہ قوموں سے انتقام لیں، اور امتوں کو سزا دیں، ان کے بادشاہوں کو زنجیروں سے جکڑیں، اور ان کے سرداروں کو لوہے کی بیڑیاں پہنائیں، تاکہ ان کو وہ سزا دیں جو مرقوم ہے اس کے سب مقدسوں کو یہ شرف حاصل ہے" (آیت ۱ تا ۹)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اس میں تو اللہ کو خطاب کرکے یہ کہا جا رہا ہے کہ "اے اللہ! تیرے معبود نے تجھے خوشی کے تیل سے زیادہ مسح کیا ہو" اس میں اللہ کا ایک معبود ثابت کیا گیا ہے، اب ظاہر ہے کہ اس عبارت میں لفظ "اللہ" سے اس کے حقیقی معنی مراد نہیں ہوسکتے، کیونکہ اللہ کا کوئی معبود نہیں ہوتا، جو اسے مسح کرے، لامحالہ یہ کہا جائے گا کہ یہاں "اللہ" سے مراد اس کے مجازی معنی یعنی حضرت عیسیٰؑ کی ناسوتی حیثیت ہے، اور اس طرح لفظ "اللہ" بائبل کی زبان میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی استعمال ہوسکتا ہے، جیسا کہ زبور ۸۲: ۶ کی مثال ابھی مصنفؒ نے بیان فرمائی،

دیکھئے اس زبور میں جس نبی کی بشارت دی گئی ہے اس کو بادشاہ کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے، اور اس کے فرمانبرداروں کو مقدس لوگ کہا گیا ہے، اور ان کے اوصاف میں ہے ان کا تسبیح و تحمید پر فخر کرنا، اور ان کے مُنہ میں خدا کی تحمید ہونا، اور دو دھاری تلواریں ان کے ہاتھوں میں ہونا، ان کا دوسری قوموں سے انتقام لینا، اور ملامت کرنا، نیز ان کا بادشاہوں اور اشراف کو لوہے کی زنجیروں اور طوقوں میں مقید کرنا ذکر کیا گیا ہے،

اب دیکھئے صاف طور پر اُس نبی کا مصداق جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحاب ہیں، جن پر یہ تمام مذکورہ اوصاف سو فی صدی صادق آتے ہیں،

سلیمان علیہ السلام کو اس کا مصداق قرار دینا اس لئے درست نہیں کہ اہلِ کتاب کے نظریہ کے مطابق ان کی سلطنت اپنے باپ کی سلطنت سے زیادہ وسیع نہیں ہوسکی، اور اس لئے بھی کہ وہ ان کے عقیدہ کے مطابق (نعوذ باللہ) آخر عمر میں مرتد اور بُت پرست ہو چکے تھے[1]

عیسیٰ علیہ السلام بھی اس کا مصداق اس لئے نہیں ہوسکتے کہ وہ تو ان اوصاف مذکورہ سے کوسوں دور ہے، کیونکہ وہ گرفتار کئے گئے، اور ان کے خیال کے بموجب قتل کردیئے گئے، اسی طرح ان کے اکثر حواریوں کو زنجیروں اور طوقوں میں مقید کیا گیا، پھر کافر بادشاہوں کے ہاتھوں قتل کئے گئے،

---

[1] دیکھئے ۱-سلاطین ۱۱: ۱، ۹، ۱۴، ۳۱، ۴۱ و ۲ تواریخ ۹: ۲۹ و نحمیاہ-۱۳: ۲۶،

آٹھویں بشارت کتاب یسعیاہ سے

کتاب یسعیاہ باب ۴۲ آیت ۹ میں ہے:

"دیکھو پرانی باتیں پوری ہوگئیں، اور میں نئی بتاتا ہوں، اس سے پیشتر کہ واقع ہوں میں تم سے بیان کرتا ہوں:

اے سمندر پر گذرنے والو! اور اس میں بسنے والو! اے جزیروں اور ان کے باشندو! خداوند کے لئے نیا گیت گاؤ، زمین پر سرتاسر اسی کی ستائش کرو، بیابان اور اس کی بستیاں، قیدار کے آباد گاؤں اپنی آواز بلند کریں، (سلع) کے بسنے والے گیت گائیں، پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں وہ

لہ "سلع" اظہار الحق میں مصنف نے جس عربی ترجمہ سے نقل کیا ہے اس میں (سلع) کی جگہ (چٹان) کا لفظ ہے، موجودہ انگریزی ترجموں میں بھی ایسا ہی ہے، لیکن موجودہ اردو ترجمہ اور عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۶۵ء میں یہاں "سلع" کا لفظ ہے، اور تحقیق سے معلوم ہوا کہ اصل عبرانی میں یہاں لفظ "سلع" ہی ہے، مگر چونکہ "سلع" کے معنے چٹان کے ہیں، اور بائبل کے مترجمین اکثر مقامات کے ناموں کا بھی ترجمہ کر ڈالتے ہیں، اس لئے انھوں نے اس کی جگہ "چٹان" لکھ دیا، اس تحقیق سے یہ پیشگوئی اور زیادہ قطعی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہو جاتی ہے کیونکہ "سلع" مدینہ طیبہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے، جو قدیم اہل عرب میں بھی اسی نام سے مشہور تھا، قیس بن ذریح کا شعر ہے ؎

لعمرك انني لاحب سَلْعًا ✽ لرؤيته ومن اكناف سَلْعِ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی "سلع" کے نام سے مشہور و معروف تھا، باقی بر صفحہ آئندہ

خداوند کا جلال ظاہر کریں، اور جزیروں میں اس کی ثناء خوانی کریں، خداوند بہادر کی مانند نکلے گا، وہ جنگی مرد کی مانند اپنی غیرت دکھائے گا، وہ نعرہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) (دیکھئے صحیح مسلم میں غزوۂ تبوک کے تحت حضرت کعبؓ کی مشہور طویل حدیث) اور آج بھی سلع کے نام سے مشہور ہے، اب اس جملہ پر غور فرمائیے جو کتاب یسعیاہ میں مذکور ہے، "سلع کے بسنے والے گیت گائیں" آپ کو معلوم ہو کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو مدینہ کی بچیاں یہ عربی نغمہ گا رہی تھیں ؎

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا ۔ مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ

ہم پر ثنیات الوداع کی گھاٹیوں سے چودہویں کا چاند طلوع ہوا ہے؛

اور لطف کی بات یہ ہے کہ ثنیات الوداع درحقیقت کوہ سلع ہی کے سلسلہ کی گھاٹیاں ہیں جن کا آج بھی ہر شخص مدینہ طیبہ میں مشاہدہ کر سکتا ہے،

یہ درست ہے کہ سلع کے نام سے ایک قلعہ شام کی وادیِ موسیٰ میں بھی واقع تھا (معجم البلدان حموی، ص ۲۳۷ ج ۳ والقاموس المحیط، ص ۳۹، ج ۳) لیکن کئی وجوہ سے کتاب یسعیاہ کی مذکورہ پیشینگوئی میں وہ سلع مراد نہیں ہو سکتا، اول تو اس لئے کہ آکسفورڈ بائبل کنکارڈنس کے مؤلفین اس لفظ کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ادوب کا قدیم مرکزی شہر جس کی بنیاد بنی عیسو نے رکھی تھی" (ص ۲۶۵، لفظ)

واضح رہے کہ حضرت عیسو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے داماد تھے (پیدائش ۲۸: ۹، و ۲۵: ۱۳ و ۳۶: ۳) اور وادیِ موسیٰ کا قلعہ شام میں ہے، اسے عرب کا شہر نہیں کہا جا سکتا۔ دوسرے اس لئے کہ اس پیشینگوئی میں لفظ سلع سے پہلے یہ جملہ ہے کہ "قیدار کے آباد گاؤں اپنی آواز بلند کریں" جس سے معلوم ہوا کہ سلع سے مراد وہ سلع ہے جو قیدار کی بستیوں کے قریب ہو، قیدار حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے صاحبزادے کا نام تھا، (۱۔ تواریخ ۱: ۳۰) اور ان کی اولاد ملکِ عرب کے بیابان میں آباد تھی، جیسا کہ (باقی برصفحہ آئندہ)

مارے گا، ہاں وہ للکارے گا، وہ اپنے دشمنوں پر غالب آئے گا، میں بہت
مدت سے چپ رہا، میں خاموش ہو رہا، اور ضبط کرتا رہا، پر اب میں دردِ زہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کتاب یسعیاہ ۲۱ : ۱۳ تا ۱۷ اسے صاف ظاہر ہوتا ہے، اسی صورت میں سلع سے مراد شام کا کوئی علاقہ مراد نہیں ہو سکتا،

تیسرے اس لئے کہ جو بشارت حضرت اشعیاءؑ کے واسطے سے اس باب ۴۲ میں بیان کی گئی ہے اس کا کچھ حصہ پہلے باب نمبر ۴۱ آیت ۲ میں اس طرح ہے کہ :

"کس نے مشرق سے اس کو برپا کیا جس کو وہ صداقت سے اپنے قدموں میں بلاتا ہے "

اس جملہ میں کہا گیا ہو کہ وہ نبی مشرق سے مبعوث ہوگا، اور مشرق کا لفظ تورات میں عام طور سے ملکِ عرب کے لئے استعمال ہوا ہے، (دیکھئے ارض القرآن مولانا سید سلیمان ندویؒ)

چوتھے اس لئے کہ اگر سلع سے مراد شام والا سلع ہو تو ظاہر ہے کہ اس سے مراد حضرت عیسیٰؑ ہوں گے، حالانکہ اس بشارت میں یہ کہا گیا ہے کہ "خداوند بہادر کی مانند نکلے گا، وہ جنگی مرد کی مانند اپنی غیرت دکھائیگا" یہ اس جملہ اور اس کے بعد کے تمام جملے اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ جس نبی کی بشارت دی جارہی ہے وہ جہاد کرے گا اور اپنے دشمنوں کو تہس نہس کر ڈالے گا، اور حضرت عیسیٰؑ نے نہ صرف یہ کہ جنگ نہیں کی، بلکہ عیسائیوں کا نظریہ تو یہ ہے کہ انھیں ان کے دشمنوں نے سُولی دیدی تھی، (معاذاللہ)

پانچویں اس لئے کہ اس بشارت کا آخری جملہ پوری وضاحت کے ساتھ اس بات کو ظاہر کر رہا ہے کہ جس نبی کی بشارت دی جارہی ہے، اس کا خصوصی مشن بت پرستی کا استیصال کرنا ہوگا، اور اسے زیادہ تر بت پرستوں سے واسطہ پڑے گا، حالانکہ عیسیٰؑ کی کم و بیش پوری زندگی یہودیوں کے مقابلے میں گذری ہے، بت پرستوں سے آپ کو کوئی قابلِ ذکر واسطہ نہیں رہا، اس کے برخلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عرب میں مبعوث ہوئے تھے جہاد کے ذریعے دشمنانِ خدا کو ذلیل و خوار بھی کیا، اور آپؐ کی مکی زندگی کے تیرہ سال (باقی بر صفحہ آئندہ)

والی کی طرح چِلاّؤں گا، میں ہانپوں گا اور زور زور سے سانس لوں گا، میں پہاڑوں اور ٹیلوں کو ویران کرڈالوں گا، اور ان کے سبزہ زاروں کو خشک کردوں گا، اور ان کی ندیوں کو جزیرے بناؤں گا، اور تالابوں کو سکھادوں گا اور اندھوں کو اس راہ سے جسے وہ نہیں جانتے لے جاؤں گا، میں اُن کو ان راستوں پر جن سے وہ آگاہ نہیں لے چلوں گا، میں ان کے آگے تاریکی کو روشنی اور اونچی نیچی جگہوں کو ہموار کردوں گا، میں ان سے یہ سلوک کروں گا اور ان کو ترک نہ کروں گا، جو کھودی ہوئی مورتوں پر بھروسہ کرتے اور ڈھالے ہوئے بتوں سے کہتے ہیں تم ہمارے معبود ہو وہ پیچھے ہٹیں گے، اور بہت شرمندہ ہوں گے" (آیات ۹ تا ۱۷)

یہ عبارت آیت ۹ کی جس جملے سے شروع ہو رہی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اشعیاء علیہ السلام پہلے کچھ زمانۂ ماضی کی خبریں دے چکے ہیں اور اس کے بعد زمانۂ آئندہ کی خبریں دے رہے ہیں[1]، اور جس کی پہلے خبر دی تھی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) پورے کے پورے بت پرستوں سے مقابلہ کرنے میں صرف ہوئی، اور جب آپ اس دنیا سے تشریف لے گئے تو پورے جزیرۂ عرب میں کوئی ایک بھی بت پرست بھی باقی نہیں رہا تھا، ان ناقابلِ انکار وجوہ کی بناء پر اس پیشگوئی کا مصداق سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی نہیں ہو سکتا (حاشیہ صفحہ ہذا) [1] مصنف کا خیال یہ ہے کہ اس باب نمبر ۴۲ میں آیت ۹ سے پہلے جس نبی کی علامات ذکر کی گئی ہیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نہیں ہیں بلکہ کسی اور نبی کی ہیں، لیکن بعض دوسرے اہل علم مثلاً مولانا سید سلیمان ندوی کا خیال ہے کہ وہ علامات بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ہیں، اور ہمیں بھی یہی رائے درست معلوم ہوتی ہے، باب ۴۲ کی ابتدائی آٹھ آیتیں یہ ہیں: "دیکھو میرا خادم جس کو میں سنبھالتا ہوں، میرا برگزیدہ (باقی بر صفحہ آئندہ)

اس کے حالات اس نبی کے برعکس ہیں جس کی ... خبر اس باب کے آخر تک دی گئی ہے
چنانچہ اس باب کی آیات نمبر ۲۳ میں ارشاد ہے کہ :

"تم میں کون ہے جو اس پر کان لگائے ؟ جو آئندہ کی بابت توجہ سنے"

اور نئے گیت سے مراد عبادات کے وہ نئے طریقے ہیں جو شریعتِ محمدی میں
پائے جاتے ہیں، اور روئے زمین کے آخری حصہ کے باشندوں اور جزیروں ،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) جس سے میرا دل خوش ہے ، میں نے اپنی روح اس پر ڈالی
وہ قوموں میں عدالت جاری کریگا، وہ نہ چلّائے گا اور نہ شور کرے گا ، اور
نہ بازاروں میں اس کی آواز سنائی دے گی ، وہ مسلے ہوئے سرکنڈے کو نہ
توڑے گا ، اور ٹمٹماتی بتی کو نہ بجھائے گا ، وہ راستی سے عدالت کرے گا . وہ
ماندہ نہ ہوگا ، اور ہمت نہ ہارے گا ، جب تک کہ عدالت کو زمین پر قائم نہ کرلے
جزیرے اس کی شریعت کا انتظار کریں گے ، جس نے آسمان کو پیدا کیا ، اور
تان دیا جس نے زمین کو اور ان کو جو اس میں سے نکلتے ہیں پھیلایا . جو اس کے باشندوں
کو سانس اور اس پر چلنے والوں کو روح عنایت کرتا ہے ، یعنی خداوند خدا
یوں فرماتا ہے میں خداوند نے تجھے صداقت سے بلایا ، میں ہی تیرا ہاتھ
پکڑوں گا ، اور تیری حفاظت کروں گا . اور لوگوں کے عہد اور قوموں کے نور
کے لئے تجھے دوں گا کہ تو اندھوں کی آنکھیں کھولے اور اسیروں کو قید سے
نکالے ، اور ان کو جو اندھیرے میں بیٹھے ہیں قید خانہ سے چھڑائے ، یہوداہ میں
ہی ہوں ، یہی میرا نام ہے ، میں اپنا جلال کسی دوسرے کے لئے اور اپنی حمد
کھودی ہوئی مورتوں کے لئے روا نہ رکھوں گا ۔

ہمارے نزدیک یہ عبارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے حق میں ہے ، اور اس کے
بعد جو جملہ ہے کہ " دیکھو پرانی باتیں پوری ہو گئیں اور میں نئی بتاتا ہوں ۔" (باقی بر صفحہ آئندہ)

شہروں اور خشکی کے تمام علاقوں کے لئے ان کے عام ہونے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے عام ہونے کی جانب اشارہ پایا جاتا ہے، بالخصوص لفظ "قیدار" اس کی طرف قوی اشارہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم قیدار بن اسمٰعیل کی اولاد میں سے ہیں، اسی طرح "پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں" کے الفاظ اس خاص عبادت کی طرف اشارہ ہے جو حج کے زمانے میں ادا کی جاتی ہے، جس میں لاکھوں انسان

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) وہ درحقیقت ایک جملۂ معترضہ ہے، جس کا مقصد اپنی اس پیشینگوئی کی اہمیت کو اس طرح واضح کرنا ہے کہ میں نے جو پچھلی پیشینگوئیاں اس سے پہلے کی تھیں وہ واقع ہو کر رہیں، اس لئے یہ بھی ضرور واقع ہوگی۔

مذکورہ عبارت کئی وجوہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں نہیں ہوسکتی، اوّل تو اس لئے کہ اس میں ایک جملہ یہ ہے کہ "... ہمت نہ ہارے گا جب تک کہ عدالت کو زمین پر قائم نہ کرلے" حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی عدالت اور حکومت سے پہلے ہی آسمان پر تشریف لے گئے۔

دوسرے اس لئے کہ اس میں ایک جملہ یہ ہے کہ "میں ہی تیرا ہاتھ پکڑوں گا، اور تیری حفاظت کروں گا" حالانکہ عیسائی نظریہ کے مطابق تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سولی پر چڑھتے وقت خدا کو چِلّا کر پکارتے ہی رہ گئے، یہاں تک کہ (معاذ اللہ) ان کا انتقال ہوگیا، اور اسلامی عقیدے کے مطابق بھی انھیں حکومت کم از کم حاصل نہ ہوسکی،

تیسرے اس لئے کہ اس عبارت کا آخری جملہ بھی اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ جس نبی کی بشارت دی جارہی ہے وہ خاص طور سے بُت پرستی کا خاتمہ کرنے کو اپنا مقصد بنائے گا، حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بُت پرستوں سے کوئی خاص واسطہ نہیں رہا

اس کے برخلاف یہ بشارت سو فی صدی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتی ہے، چنانچہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ صحابہ کے دَور میں ایک مشہور (باقی برصفحۂ آئندہ)

لبیک اللّٰہم لبیک کی صدا لگاتے ہیں، اسی طرح "جزیروں میں اُن کی ثنا خوانی کریں" کے الفاظ اذان کی طرف اشارہ کرتے ہیں کیونکہ لاکھوں کروڑوں انسان دنیا کے مختلف حصّوں میں پانچوں وقت بلند آواز سے اذان کہتے ہیں،

اسی طرح "خداوند بہادر مرد کی طرح نکلے گا، وہ جنگی مرد کی طرح اپنی غیرت دکھلائے گا" ان الفاظ سے جہاد کے مضمون کی جانب حسین اشارہ کیا گیا ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) یہودی عالم تھے جو مسلمان ہو گئے تھے، ان سے جب پوچھا گیا کہ تورات کی کونسی عبارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دیتی ہے؟ تو انھوں نے ایک عبارت کا عربی ترجمہ کر کے بتلایا، وہ عبارت کتاب یسعیاہ کی اس عبارت کے سو فی صد مطابق ہے،

ہم بخاری کی کتاب التفسیر سے حضرت کعبؓ کی بیان کردہ عبارت ایک ایک جملہ کر کے نقل کرتے ہیں، اسے کتاب یسعیاہ کے ایک ایک جملے سے ملاتے جائیے:

(۱) قال فی التوراة یا ایها النبی انا ارسلنٰک شاهداً ومبشراً،	"تورات میں اللہ نے کہا ہے کہ اے نبی! ہم نے تمھیں بھیجا ہے درانحالیکہ تم شاہد اور خوشخبری دینے والے ہو"

یسعیاہ میں ہے "وہ قوموں میں عدالت جاری کرے گا"

(۲) وحرزاً للامیین،	"امیوں کی پناہ ہو، (اُمّی سے مراد وہ ہیں جنھیں پہلی شریعت نہ ملی ہو)"،

یسعیاہ میں ہے "ان کو ان راستوں پر جن سے وہ آگاہ نہیں لے چلوں گا"

(۳) انت عبدی ورسولی ،	"تم میرے بندے اور میرے رسول ہو"

یسعیاہ کے شروع میں ہے: "دیکھو میرا خادم" اور پھر ہے "میں نے اپنی روح اس پر ڈالی"

(باقی بر صفحہ آئندہ)

یعنی آپ کا اور آپ کے متبعین کا جہاد محض خدا کے لئے ہوگا، اور اسی کے حکم سے ہوگا، نفسانی خواہشات کی لذتوں سے خالی ہوگا، اس لئے اللہ نے اس نبی کے اور اُس کے متبعین کے خروج کو اپنے خروج سے تعبیر فرمایا۔

اسی طرح آیت نمبر ۱۴ میں جہاد کی مشروعیت کی وجہ پر روشنی ڈالی، اور آیت نمبر ۱۶ میں اہلِ عرب کی حالت کا نقشہ کھینچا، کہ یہ لوگ احکامِ خداوندی سے قطعاً

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

(۴) سمّیتك بالمتوکل، | "میں نے تیرا نام خدا پر بھروسہ رکھنے والا رکھا"

یسعیاہ میں ہے "میرا خادم جس کو میں سنبھالتا ہوں ۔ ۔ ۔ میں ہی تیرا ہاتھ پکڑوں گا، اور تیری حفاظت کروں گا"

(۵) لیس بفظ ولا غلیظ ولا یدفع السیئة بالسیئة و لکن یعفو ویصفح، | "وہ سنگدل اور سخت نہ ہوگا (یعنی) کمزوروں کو نہ ستائے گا، اور برائی کا بدلہ برائی سے نہ دے گا، بلکہ معاف کرے گا"

اشعیاء علیہ السلام تمثیل و استعارہ میں کہتے ہیں "وہ مسلے ہوئے سرکنڈے کو نہ توڑیگا اور ٹمٹماتی بتی کو نہ بجھائے گا، وہ راستی سے عدالت کرے گا"

(۶) ولا سخاب بالاسواق، | "اور نہ وہ بازاروں میں شور کرنے والا ہوگا"

یسعیاہ میں ہے: "وہ نہ چلائے گا نہ شور کرے گا اور نہ بازاروں میں اس کی آواز سنائی دیگی"

(۷) ولن یقبضه الله حتی یقیم به الملة العوجاء، | "اور خدا اس وقت تک اس کی روح قبض نہ کریگا جب تک کہ اس کے ذریعہ وہ کج دین کو سیدھا نہ کرالے گا"

یسعیاہ میں ہے: "وہ ماندہ نہ ہوگا، اور ہمت نہ ہارے گا، جب تک کہ عدالت کو زمین پر قائم نہ کرلے"

(باقی برصفحہ آئندہ)

ناواقف تھے، بت پرستی کرتے اور گندی جاہلی رسموں میں مبتلا تھے، جیسا کہ قرآن کریم میں بھی حق تعالیٰ نے ان کے حق میں شہادت دی ہے کہ اگرچہ وہ اس سے پہلے بالکل

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

(۸) فیقولوا لا الٰہ الا اللہ ۔	یہاں تک کہ لوگ کہہ اٹھیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔"

یسعیاہ میں ہے: "یہوواہ میں ہوں، یہی میرا نام ہے، میں اپنا جلال کسی دوسرے کے لئے اور اپنی حمد کھودی ہوئی مورتوں کے لئے روا نہ رکھوں گا۔" (واضح رہے کہ بائبل میں "یہوواہ" کا لفظ "اللہ" کی جگہ استعمال ہوتا ہے)

(۹) فیفتح بہ اعیناً عمیاً و آذاناً صماً وقلوباً غلفاً، (بخاری تفسیر سورہ فتح بروایت ابن عمروؓ)	وہ اس کے ذریعہ سے اندھی آنکھوں، بہرے کانوں اور پردہ پڑے ہوئے دلوں کو کھول دے گا۔"

یسعیاہ میں ہے: "لوگوں کے عہد اور قوموں کے نور کے لئے تجھے دوں گا کہ تو اندھوں کی آنکھیں کھولے، اسیروں کو قید سے نکالے اور ان کو جو اندھیرے میں بیٹھے ہوئے ہیں قید خانہ سے چھڑائے۔"

اس پیشگوئی کا ایک ایک حرف آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق ہے، حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی حدیث اور بائبل کی عبارت میں کہیں کہیں تقدیم و تاخیر یا صیغوں کا فرق ضرور ہے، مگر اتنا فرق تو بائبل کے تقریباً ہر نسخہ میں دوسرے نسخہ کے مقابلہ میں ہوتا ہے،

پھر اسی عبارت میں آنے والے نبی کے لئے "خادم" یا "بندہ" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو خاص طور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب ہے، دوسرے انبیاء میں سے کسی کو کلیم اللہ کہا جاتا ہے، کسی کو "روح اللہ" اور کسی کو "خلیل اللہ"، لیکن "عبداللہ" کا خصوصی ... خطاب حضور ختم المرتبت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو ملا ہے، اس کے ساتھ لفظ "برگزیدہ" استعمال کیا گیا ہے، جو "مصطفیٰ" کا ترجمہ ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معروف لقب ہے (مزید تفصیل کیلئے دیکھئے سیرۃ النبیؐ ص ۸۰۰ ج ۳)

ناواقف اور کھلی گمراہی میں تھے، میں ان کو ترک نہ کروں گا" کے الفاظ سے اس امت کے مرحوم ہونے کی جانب اشارہ پایا جاتا ہے، "غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ"۔ اسی طرح آپؐ کی شریعت کے دائمی اور ابدی ہونے کی طرف بھی اشارہ ہے، پھر "جو کھودی ہوئی مورتوں پر بھروسہ کرتے اور ڈھالے ہوئے بتوں سے کہتے ہیں تم ہمارے معبود ہو، وہ پیچھے ہٹیں گے اور بہت شرمندہ ہوں گے"، ان الفاظ سے خدا کی جانب سے وعدہ کیا جارہا ہے کہ بت پرست اور صنم کے پجاری یعنی عرب کے مشرکین اور صلیب کی عبادت کرنے والے قدیسیوں کی تصویروں کی پوجا کرنے والوں کو بڑی ذلت و رسوائی نصیب ہوگی۔

پھر جو وعدہ کیا تھا اس کو پورا بھی فرما دیا، کیونکہ عرب کے مشرکین اور ہرقل... شاہ روم کسریٰ شاہ فارس نے نورِ محمدیؐ کے بجھانے میں کوئی بھی کسر اٹھا نہ رکھی تھی، مگران کو سوائے ناکامی اور رسوائی کے اور کچھ پلے نہیں پڑا۔ یہاں تک کہ عرب کا خطہ شرک کے اثر سے پاک ہوگیا، کسریٰ کی سلطنت قطعی اور کلی طور پر پاش پاش ہوگئی، اور شام کے عیسائیوں کی حکومت بھی ملیامیٹ ہوگئی، دوسرے ملکوں میں سے بعض جیسے بخارا، کابل، وغیرہ ان کا عمل دخل قطعی ختم ہوگیا، اور بعض ممالک میں برائے نام اثر باقی رہ گیا، جیسے ہند، سندھ وغیرہ، اور توحید کے جھنڈے مشرق سے مغرب تک گڑ گئے،

نویں بشارت کتاب یسعیاہؑ سے

کتاب یسعیاہؑ باب ۵۴ آیت ۱ میں ہے :

"اے بانجھ : تو جو بے اولاد تھی نغمہ سرائی کر، تو جس نے ولادت کا درد برداشت نہیں کیا، خوشی سے گا، اور زور سے چلّا، کیونکہ خداوند فرماتا ہے کہ بیکس چھوڑی ہوئی کی اولاد شوہر والی کی اولاد سے زیادہ ہے اپنی خیمہ گاہ کو وسیع کردے اور اپنی میخیں مضبوط کر، اس لئے کہ تو دا ہنی اور بائیں طرف بڑھے گی، اور تیری نسل قوموں کی وارث ہوگی، اور ویران شہروں کو بسائے گی، تو نہ گھبرا، کیونکہ تو پھر رسوا نہ ہوگی، اور اپنی جوانی کا ننگ بھول جائے گی، اور اپنی بیوگی کی عار کو پھر یاد نہ کرے گی، کیونکہ تیرا خالق تیرا شوہر ہے، اس کا نام رب الافواج ہے، اور تیرا فدیہ دینے والا اسرائیل کا قدوس ہے، وہ تمام روئے زمین کا خدا کہلائے گا، کیونکہ تیرا خدا فرماتا ہے کہ خداوند نے تجھ کو متروکہ اور دل آزردہ بیوی کی طرح ہاں جوانی کی مطلقہ بیوی کی مانند پھر بلایا ہے، میں نے ایک دم کے لئے تجھے چھوڑ دیا، لیکن رحمت کی فراوانی سے تجھے لے لوں گا، خداوند تیرا نجات دینے والا فرماتا ہے کہ قہر کی شدت میں میں نے ایک دم کے لئے تجھ سے منہ چھپایا، پر اب میں ابدی شفقت سے تجھ پر رحم کروں گا، کیونکہ میرے لئے یہ طوفانِ نوح کا سا معاملہ ہے، کہ جس طرح میں نے قسم کھائی تھی کہ پھر زمین پر نوح کا سا طوفان کبھی نہ آئے گا، اسی طرح اب میں نے قسم کھائی ہو کہ میں تجھ سے پھر کبھی آزردہ نہ ہوں گا، اور تجھ کو نہ گھڑکوں گا، خداوند تجھ پر

(حاشیہ: ہاں اپنے مسکنوں کے پردے پھیلا اور دریغ نہ کر اپنی طنابیں لمبی کر)

رحم کرنے والا یوں فرماتا ہے کہ پہاڑ تو جاتے رہیں، اور ٹیلے ٹل جائیں لیکن میری شفقت کبھی تجھ پر سے جاتی نہ رہے گی، اور میرا صلح کا عہد نہ ٹلے گا، اے مصیبت زدہ اور طوفان کی ماری اور تسلی سے محروم ادیکھ! میں تیرے پتھروں کو سیاہ ریختہ میں لگاؤں گا، تیری بنیاد نیلم سے ڈالوں گا، میں تیرے کنگروں کو لعلوں اور تیرے پھاٹکوں کو شب چراغ اور تیری ساری فصیلیں بیش قیمت پتھروں سے بناؤں گا، اور تیری سب فرزند خداوند سے تعلیم پائیں گے، اور تیری فرزندوں کی سلامتی کامل ہوگی، تو راست بازی سے پائیدار ہو جائے گی، تو ظلم سے دور رہے گی کیونکہ تو بےخوف ہوگی اور دہشت سے دور رہے گی، کیونکہ . . . .

وہ تیرے قریب نہ آئے گی، (یاد رکھ وہ پڑوسی آئیگا جو تیرے ساتھ نہیں تھا، اور جو قریب تھا وہ تجھ سے قریب ہو جائے گا) دیکھ! میں نے لوہار کو پیدا کیا جو کوئلوں کی آگ دھونکتا اور اپنے کام کے لئے ہتھیار نکالتا ہے، اور غارت گر کو میں نے ہی پیدا کیا کہ لوٹ مار کرے، کوئی ہتھیار جو تیرے خلاف بنایا جائے گا کام نہ آئے گا، اور جو زبان عدالت میں تجھ پر چلے گی تو اسے مجرم ٹھہرائے گی، خداوند فرماتا ہے یہ میرے بندوں کی میراث ہے، اور ان کی راست بازی مجھ سے ہے؟ (۱۷ تا ۱)

ان آیات کی روشنی میں غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ "بانجھ" سے مراد مکہ مکرمہ ہے

---

[۱] اس جملے کے ترجمے میں بائبل کے تراجم کے اندر بہت اختلاف پائے جاتے ہیں، مصنف نے یہ جملہ اسی طرح نقل کیا ہے، مگر موجودہ اردو ترجمے میں اس کی جگہ یہ جملہ ہے "ممکن ہے کہ وہ کبھی اکٹھے نہ ہوں، پر میرے حکم سے نہیں جو تیرے خلاف جمع ہوں گے، وہ تیرے ہی سبب سے گریں گے" انگریزی ترجمہ بھی اس کے مطابق ہے، البتہ کیتھولک بائبل کی عبارت قریب قریب وہی ہے جو مصنف نے نقل فرمائی ہے،

اس لئے کہ اس مقام پر اسمٰعیل علیہ السلام کے بعد نہ تو کوئی پیغمبر آیا نہ وحی نازل ہوئی، بخلاف اورشلیم کے کہ وہاں بکثرت پیغمبر آتے رہے، اور وحی نازل ہوتی رہی، " بیکس چھوڑی ہوئی کی اولاد" سے مراد حضرت ہاجرہؑ کی اولاد ہے، کیونکہ ان پر یہ بات صادق آتی ہے کہ وہ اس مطلقہ عورت کی طرح تھیں جس کو گھر سے نکال دیا گیا ہو اور وہ جنگل میں رہنے لگی ہو، اور اسی وجہ سے اللہ کے اس وعدہ میں جو ہاجرہؑ سے اسمٰعیل کے حق میں کیا گیا تھا، یہ الفاظ کہے گئے تھے " وہ گورخر کی طرح آزاد مرد ہوگا" جیساکہ کتاب پیدائش باب ۱۶ میں صاف لکھا ہے، اسی طرح "شوہر والی کی اولاد" سے مراد حضرت سارہ کی اولاد ہے،

گویا خدا نے سرزمینِ مکہ کو خطاب کرتے ہوئے تسبیح و تہلیل اور شکریہ ادا کرنے کا حکم دیا ہے، اس لئے کہ اولادِ ہاجرہؑ میں سے بہت سے افراد کو سارہؑ کی اولاد سے فضیلت عطا کی گئی، لہٰذا اپنے باشندوں کی فضیلت کی بناء پر خود مکہ کو بھی فضیلت نصیب ہوئی، پھر جو کچھ خدا نے وعدہ کیا تھا اس کو اس طرح پورا فرمایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول اور افضل البشر خاتم النبیین بنا کر ہاجرہؑ کی نسل سے پیدا کیا، آپ ہی اس آیت کے مصداق ہیں کہ..... : میں نے لوہار کو پیدا کیا جو کوئلوں کی آگ کو دھونکتا ہے" اور آپ ہی بائبل کی زبان میں وہ غارت گر ہیں جن کو مشرکین کے ہلاک کرنے کے لئے خدا نے پیدا کیا۔

پھر اس پیغمبر کی بدولت مکہ کو کشادگی اور فراخی ایسی نصیب ہوئی جو دنیا کے کسی عبادت خانے کو میسر نہیں ہوئی، اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ سے اِس زمانے تک دنیا میں کوئی عبادت خانہ کعبہ کی شان

کا نظر نہیں آتا، اور جو تعظیم و تکریم ۱۲۸۰ سال سے متواتر سالانہ حجاج کی طرف سے اس کو برابر حاصل ہوتی رہی ہے، وہ بیت المقدس کو اس کی پوری زندگی میں صرف دو مرتبہ نصیب ہوئی ہے، ایک بار تو اُس وقت جب کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اس کی تعمیر سے فارغ ہوئے، پھر دوسری بار یوسیاہ کی حکومت کے اٹھارہویں سال میں[ل]، اور خدا نے اگر چاہا تو مکہ کی تعظیم قیامت تک باقی رہے گی، جیسا کہ خدا کا وعدہ ہے کہ: "تو نہ گھبرا کیونکہ تو پھر رُسوا نہ ہوگی اور رحمت کی فراوانی سے تجھے لے لوں گا، اور ابدی شفقت سے تجھ پر رحم کروں گا، اور میں نے قسم کھائی ہے کہ میں تجھ سے پھر کبھی آزردہ نہ ہوں گا اور نہ تجھ کو گھڑکوں گا، اور میری شفقت کبھی تجھ سے جاتی نہ رہے گی، اور میرا صلح کا عہد کبھی نہ ٹلے گا۔"

دنیا کو معلوم ہے کہ مکہ کے فرزندوں نے مشرق و مغرب پر حکومت کی، اور بائیس سال کے قلیل عرصہ میں زمین کے ایک بڑے حصہ پر اپنی فتوحات کے پرچم لہرائے اور ویران زمینوں کو آباد کیا، غور فرمائیے اس قسم کا غلبہ اور تسلط عہد آدم ؑ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک اتنی قلیل مدت میں کسی ایسے شخص کے لئے سُنا نہیں گیا جس نے نئے دین کا دعویٰ کیا ہو، یہ اللہ کے اس فرمان کا ثمرہ ہے کہ "تیری نسل قوموں کی وارث ہوگی اور ویران زمینوں کو بسائے گی"۔ اسلامی سلاطین نے اگلے ہوں یا پچھلے ہمیشہ کعبۃ اللہ اور مسجد حرام کی تعمیر و آبادی اور اس کی آرائش میں جان توڑ کوششیں کیں، مکہ میں اور اس کے آس پاس تالاب اور کنویں ... چشمے بنوائے، عرصۂ دراز سے یہ خدمت جلیلہ

[ل] جب یوسیاہ کو گم شدہ تورات کا نسخہ اچانک مل گیا تھا (دیکھئے ۲۔سلاطین، باب ۲۲)

سلاطینِ آلِ عثمان کے متعلق چلی آرہی ہے، خدا اُن کے اسلاف کی مغفرت فرما کر ان سے راضی ہو، اور ان کی آنے والی اولاد کے اقبال کو ترقی عطا فرمائے، ان کی سلطنت کو ترقی اور ان کو عدل و انصاف اور نیک کاموں کی توفیق بخشے، یہ لوگ برابر حرمین شریفین کی خدمت اُسی زمانے سے آج تک کرتے آئے ہیں، یہاں تک کہ ان کا لقب ہی خادم الحرمین ہوگیا، جو اُن کے لئے باعثِ فخر اور ان کی نگاہوں میں سب سے زیادہ معزز لقب ہے،

اسلام کے ظہور سے اس زمانے تک باہر کے لوگ مکہ کا قرب اور نزدیکی کو محبوب رکھتے ہیں، بالخصوص اس زمانے میں ہر سال مختلف ممالک اور دور دور علاقوں سے لاکھوں کی تعداد میں شمعِ حرم کے پروانے مکہ پہنچتے ہیں، اور خدا نے جو وعدہ اپنے اس کلام میں فرمایا تھا کہ "کوئی ہتھیار جو تیرے خلاف بنایا جائے گا کام نہ آئیگا" وہ اس طرح پورا کیا کہ مخالفین میں سے جو شخص بھی اس کی مخالفت کے لئے کھڑا ہوا خدا نے اس کو ذلیل کر دیا،

اصحابِ فیل کا قصہ کون نہیں جانتا، کہ ابرہہ بن صباح اشرم جب نجاشی شاہِ حبشہ کی جانب سے ملکِ یمن کا حکمران بنا تو اُس نے دارالسلطنت صنعاء میں قلیس نامی ایک عمارت کعبۃ اللہ کے مقابلے میں بنوائی، اس کی خواہش تھی کہ قبائلِ عرب کعبۃ اللہ کو چھوڑ کر میری خود ساختہ عبادت گاہ کا طواف اور حج کیا کریں، جب اس کی یہ تمنا پوری نہ ہوئی تو جذبۂ انتقام کے ماتحت خانۂ کعبہ کے منہدم کرنے کا ناپاک جذبہ پیدا ہوا، اور اس کے گرانے کا حلف اٹھایا، اسی مذموم ارادہ کے ساتھ ایک زبردست فوج ہاتھیوں کی لے کر مکہ کی جانب روانہ ہوا، وہ

خود جس ہاتھی پر سوار تھا اس کا نام محمود تھا، جو بڑا قوی ہیکل اور تمام ہاتھیوں میں نمایاں تھا،

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد عبدالمطلب کو اس خطرے کی اطلاع ہوئی تو آپ اس کے پاس تشریف لائے، اور اس کے سامنے ملکِ تہامہ کی آمدنی کا ایک ثلث اس شرط کے ساتھ پیش کرنا چاہا کہ ابرہہ واپس لوٹ جائے، مگر اس نے اس پیش کش کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور اپنے ہاتھی کو حملے کے لئے آگے بڑھایا، لیکن جب اس کو حرم کی جانب چلانا چاہا تو وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ جاتا اور ہرگز نہ ہلتا، اس کے برعکس جب یمن۔۔ یا اور کسی جانب اس کا رُخ موڑ دیا جاتا۔۔ تو نہایت تیزی کے ساتھ دوڑنے لگتا، اسی موقع پر اللہ نے پرندوں کا لشکر بھیج دیا، جس میں سے ہر ایک پرندے کی چونچ میں ایک پتھر اور دو دو پتھریاں دونوں پنجوں میں مسور کے دانے سے بڑی اور چنے سے چھوٹی موجود تھی، اور پرندوں نے وہ پتھریاں برسانا شروع کیں، جس کسی کے سر میں وہ پتھری لگتی بدن کے پار ہو کر سُرین سے نکلتی، ہر پتھری پر اس شخص کا نام کندہ ہوتا تھا، جس کے لگنی ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ تمام فوج بھاگ کھڑی ہوئی، اور راستہ ہی میں ہلاک اور برباد ہو گئی، خود ابرہہ کی موت بڑی ذلت و رسوائی کے ساتھ اس طرح ہوئی کہ تمام بدن گل گیا اور انگلیاں جھڑ گئیں، جوڑ الگ ہو گئے، دل پھٹ گیا، اس کا وزیر ابو یکسوم اسی افراتفری میں بھاگتا ہوا نجاشی کے پاس اس حال میں پہونچا کہ ایک پرندہ اس کے سر پر حلقہ کئے ہوئے تھا، اس نے نجاشی کو یہ واقعہ سنایا ادھر اس نے داستانِ درد انگیز ختم کی اور پرندے

نے پتھری اس کے سر پر دے ماری اور وہ وہاں پر ڈھیر ہو کر رہ گیا، حق تعالیٰ سبحانہٗ نے سورۂ فیل میں اسی واقعہ پر روشنی ڈالی ہے،

نیز اس وعدۂ مذکورہ کی بناء پر کانا دجال مکہ کی حدود میں داخل نہ ہو سکے گا، اور نامراد واپس ہوگا، احادیث میں اس کی تصریح موجود ہے،

دسویں بشارت، کتاب اشعیاء سے

کتاب یسعیاہ باب ۶۵ آیت ا میں ہے:

"جو میرے طالب نہ تھے میں ان کی طرف متوجہ ہوا، جنھوں نے مجھے ڈھونڈھا نہ تھا مجھے پا لیا، میں نے ایک قوم سے جو میرے نام سے نہیں کہلاتی تھی فرمایا، دیکھ میں حاضر ہوں، میں نے سرکش لوگوں کی طرف جو اپنی فکروں کی پیروی میں بُری راہ پر چلتے ہیں ہمیشہ ہاتھ پھیلائے، ایسے لوگ جو ہمیشہ میرے روبرو باغوں میں قربانیاں کرنے اور اینٹوں پر خوشبو جلانے سے مجھے برافروختہ کرتے ہیں، جو قبروں میں بیٹھتے اور بُت خانوں[1] میں پوشیدہ جگھوں میں رات کاٹتے اور سؤر کا گوشت کھاتے ہیں، اور جن کے برتنوں میں نفرتی چیزوں کا شوربا موجود ہے، جو کہتے ہیں تو الگ ہی کھڑا رہ، میرے نزدیک نہ آ، کیونکہ میں تجھ سے زیادہ پاک ہوں، یہ میری ناک میں دھوئیں کی مانند اور دن بھر جلنے والی آگ کی طرح ہیں، دیکھو

---

[1] موجودہ اردو ترجمہ میں اس کی جگہ یہ لفظ ہے: "پوشیدہ جگہوں میں سوتے"

میرے آگے یہ قلمبند ہوا ہے، پس میں خاموش نہ رہوں گا بلکہ بدلہ دوں گا،
خداوند فرماتا ہے ہاں ان کی گود میں ڈال دوں گا" (آیات ۱ تا ۶)

غور فرمایئے "جو میرے طالب نہ تھے"، "جنھوں نے مجھے ڈھونڈھا نہ تھا" ان سے مراد کون ہیں؟ ظاہر ہے کہ اس سے مراد اہلِ عرب ہیں، کیونکہ یہ بیچارے خدا کی ذات و صفات اور اس کی شریعتوں سے قطعی ناواقف تھے، اس لئے وہ تو نہ اللہ کے متعلق کوئی سوال کرتے تھے اور نہ اس کے طالب تھے، جیسا کہ قرآن کریم میں حق تعالیٰ شانہ، نے اہلِ عرب کی اُس حالت کا نقشہ آیتِ ذیل میں یوں کھینچا ہے: لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ "

ظاہر ہے کہ اس کا مصداق یونانی لوگ نہیں ہو سکتے، جیسا کہ بشارت [1] ۱۲ سے معلوم ہو چکا ہے، اور جو وصف آیت نمبر ۲ و ۳ [2] میں مذکور ہے وہ یہود و نصاریٰ میں سے ہر ایک پر صادق آتا ہے، اور جو اوصاف آیت نمبر ۴ [3] میں مذکور ہوئے ہیں وہ عیسائیوں کی حالت پر خوب چسپاں ہوتے ہیں، جس طرح آیت کا بیان کردہ وصف یہود پر زیادہ فٹ ہوتا ہے، پس اللہ نے ان کو رد کیا، اور امتِ محمدیہ کو پسند فرمایا،

---

[1] دیکھئے صفحہ ۱۳۹۷ جلد ہذا،

[2] یعنی "میں نے سرکش لوگوں کی طرف" الخ [3] یعنی جو کہتے ہیں تو الگ ہی کھڑا رہ الخ

گیارہویں بشارت حضرت دانیال کا خواب

کتاب دانی ایل باب ۲ میں ہے کہ شاہ بابل بخت نصر نے ایک خواب دیکھا اور بھول گیا، پھر حضرت دانیال علیہ السلام کو وحی کے ذریعہ وہ خواب اور اس کی تعبیر معلوم ہوگئی، جسے آپ نے بادشاہ کے سامنے اس طرح بیان فرمایا:

اے بادشاہ تو نے ایک بڑی مورت دیکھی وہ بڑی مورت جس کی رونق بے نہایت تھی، تیرے سامنے کھڑی ہوئی، اور اس کی صورت ہیبت ناک تھی، اس مورت کا سر خالص سونے کا تھا اس کا سینہ اور بازو چاندی کے اور اس کا شکم اور اس کی رانیں تانبے کی تھیں اس کی ٹانگیں لوہے کی اور اس کے پاؤں کچھ لوہے کے اور کچھ مٹی کے تھے، تو اسے دیکھتا رہا، یہاں تک کہ ایک پتھر ہاتھ لگائے بغیر ہی کاٹا گیا، اور اس مورت کے پاؤں پر جو لوہے اور مٹی کے تھے لگا، اور ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، تب لوہا اور مٹی اور تانبا اور چاندی اور سونا ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے، اور تابستانی کھلیان کے بھوسے کی مانند ہوئے، اور وہ پتھر جس نے اس مورت کو توڑا ایک بڑا پہاڑ بن گیا، اور تمام زمین میں پھیل گیا، وہ خواب یہ ہے اور اس کی تعبیر بادشاہ کے حضور بیان کرتا ہوں،

اے بادشاہ تو شہنشاہ ہے، جس کو آسمان کے خدا نے بادشاہی اور توانائی اور قدرت و شوکت بخشی ہے، اور جہاں کہیں بنی آدم سکونت کرتے ہیں اس نے میدان کے چرندے اور ہوا کے پرندے تیرے حوالہ

کر کے تجھ کو ان سب کا حاکم بنایا ہے، وہ سونے کا سر تو ہی ہے، اور تیرے بعد ایک اور سلطنت برپا ہوگی جو تجھ سے چھوٹی ہوگی۔ اور اس کے بعد ایک اور سلطنت تانبے کی جو تمام زمین پر حکومت کرے گی، اور چوتھی سلطنت لوہے کی مانند مضبوط ہوگی، اور جس طرح لوہا توڑ ڈالتا ہے اور سب چیزوں پر غالب آتا ہے، ہاں جس طرح لوہا سب چیزوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرتا اور کچلتا ہے اسی طرح وہ ٹکڑے ٹکڑے کرے گی، اور کچل ڈالے گی، اور جو تو نے دیکھا کہ اس کے پاؤں اور انگلیاں کچھ تو کمہار کی مٹی کی اور کچھ لوہے کی تھیں سو اس سلطنت میں تفرقہ ہوگا، مگر جیسا کہ تو نے دیکھا کہ اس میں لوہا مٹی سے ملا ہوا تھا، اس میں لوہے کی مضبوطی ہوگی، اور چونکہ پاؤں کی انگلیاں کچھ لوہے کی اور کچھ مٹی کی تھیں، اس لئے سلطنت کچھ قوی اور کچھ ضعیف ہوگی، اور جیسا تو نے دیکھا کہ لوہا مٹی سے ملا ہوا تھا وہ بنی آدم سے آمیختہ ہوں گے، لیکن جیسے لوہا مٹی سے میل نہیں کھاتا ویسا ہی وہ بھی باہم میل نہ کھائیں گے، اور ان بادشاہوں کے ایام میں آسمان کا خدا ایک سلطنت برپا کرے گا، جو تا ابد نیست نہ ہوگی، اور اس کی حکومت کسی دوسری قوم کے حوالہ نہ کی جائے گی، بلکہ وہ ان تمام مملکتوں کو ٹکڑے ٹکڑے اور نیست کرے گی، اور وہی ابد تک قائم رہے گی، جیسا تو نے دیکھا کہ وہ پتھر ہاتھ لگائے بغیر ہی پہاڑ سے کاٹا گیا، اور اس نے لوہے اور تانبے اور مٹی اور چاندی اور سونے کو ٹکڑے ٹکڑے کیا، خدائے تعالیٰ نے بادشاہ کو وہ کچھ دکھایا جو آگے کو ہونے والا ہے، اور یہ خواب یقینی ہے اور اس کی تعبیر یقینی۔" (آیات ۳۱ تا ۴۵)

غرض پہلی سلطنت سے مراد بخت نصر کی بادشاہت ہے، اور دوسری سلطنت کا مصداق مادیین[1] کی حکومت ہے، جو بلشاصر بن بخت نصر کے قتل کے بعد مسلّط ہو گئے تھے، جیسا کہ کتاب مذکورہ کے باب نمبر ۵ میں صاف مذکور ہے، مگر ان کی سلطنت کلدانیوں[2] کی نسبت کمزور تھی، تیسری...... بادشاہت سے مراد کیانیوں کی حکومت ہے، اس لئے کہ ایران کا بادشاہ خورش (جو پادریوں کے دعوے کے مطابق کیخسرو ہے) حضرت مسیحؑ کی ولادت سے ۵۳۶ سال قبل بابل پر مسلّط ہو گیا تھا، اور چونکہ کیانیوں کی حکومت بڑی طاقتور تھی، اس لحاظ سے گویا ان کا تسلّط ساری روئے زمین پر تھا،

چوتھی حکومت سے مراد اسکندر بن فیلقوس رومی کی سلطنت ہی، جو مسیحؑ کی ولادت سے ۳۳۰ سال قبل ملکِ فارس قابض ہو گیا، اور قوت و طاقت کے لحاظ سے لوہے کے مانند تھا، سکندر نے فارس کی سلطنت کے ٹکڑے کر کے چند بادشاہوں کو بانٹ دی، جس کی وجہ سے یہ سلطنت ساسانیوں کے ظہور تک برابر کمزور رہی، البتہ ساسانیوں کے دور میں پھر مضبوط اور طاقتور ہو گئی، پھر کبھی مضبوط اور کبھی کمزور ہوتی رہی. یہاں تک کہ عہدِ نوشیروان میں محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے، اللہ نے آپؐ کو

---

[1] مادیین (Medes) صوبۂ مادی کے باشندوں کو کہا جاتا ہی، یہاں مشہور بادشاہ دارا حکومت کرتا تھا، اور اس نے بابل پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا تھا (دیکھئے عزرا. ۶: ۲، ۲ و ۲ سلاطین ۱۷، ۶، و یسعیاہ ۲۱: ۲ و دانی ایل ۵: ۳۱،

[2] کلدانی، یعنی وہ قوم جسے بائبل میں "کسدی" (chaldee) کہا گیا ہی، بخت نصر انہی میں سے تھا.

ظاہری اور باطنی بادشاہت اور حکومت عطا کی، آپؐ کے متبعین قلیل مدت میں مشرق و مغرب پر چھا گئے، اسی طرح فارس کے ان تمام علاقوں پر بھی قابض ہو گئے جن سے اس خواب اور اس کی تعبیر کا تعلق ہے،

غرض یہی وہ ابدی بادشاہت ہے جو کبھی نہ مٹے گی، اور یہ حکومت کبھی دوسری قوم کو نصیب نہ ہوگی، اس کا کمال و عروج عنقریب امام مہدی رضی اللہ عنہ کے مبارک دور میں ہوگا، مگر اس سے ۔۔ قبل کچھ عرصہ کے لئے کمزوری اور ضعف ضرور واقع ہوگا، چنانچہ اس زمانے میں اس کی بعض علامات کا مشاہدہ ہو رہا ہے اُن کے ظہور پر یہ نقص ختم ہو جائے گا، اور دین تمام تر اللہ کے لئے ہو کر رہے گا، لہٰذا یہی وہ پتھر ہے جو پہاڑ سے جدا ہو گیا تھا، اور جس نے ٹھیکرے، لوہے، تانبے، چاندی، سونے کو پیس ڈالا تھا اور خود بڑا بھاری پہاڑ بن گیا تھا، اور تمام رُوئے زمین پر چھا گیا تھا، اس کا مصداق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے،

بارھویں بشارت، حنوک علیہ السلام کی زبانی

یہوداحواری نے اپنے خط میں اس چیز کا ذکر کیا ہے جو حضرت حنوک علیہ السلام نے دی تھی، حضرت حنوک، حضرت آدمؑ سے ساتویں پشت میں ہیں، اور عیسائی مؤرخین کے مطابق ان کے عروجِ آسمانی کے تین ہزار سترہ سال کے بعد حضرت مسیحؑ پیدا ہوئے تھے، یہ عبارت ہم عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۴۴ء سے نقل کرتے ہیں:

"خداوند اپنے مقدس جماعتوں[1] کے ساتھ آیا، تاکہ سب آدمیوں کا انصاف کرے اور سب بے دینوں کو ان کی بے دینی کے ان سب کاموں کے سبب سے جو انھوں نے بے دینی سے کئے ہیں، اور ان سب سخت باتوں کے سبب جو بے دین گنہگاروں نے اس کی مخالفت میں کہی ہیں قصوروار ٹھیرائے[2]"

آپ کو چوتھے باب میں معلوم ہو چکا ہے کہ لفظ "خداوند" کا اطلاق بائبل میں بکثرت "مخدوم" اور "معلم" کے معنی میں کیا گیا ہے، اس بحث کے اعادے کی ضرورت نہیں، البتہ لفظ "مقدس" عہد قدیم اور عہد جدید دونوں میں ان نیک مؤمنین کے لئے استعمال ہوا ہے جو زمین پر موجود ہوں، مندرجہ ذیل عبارتیں اس پر گواہ ہیں:

۱۔ کتاب ایوب باب ۵ آیت ۱ میں ہے:

"ذرا پکار کیا کوئی ہے جو تجھے جواب دے گا؟ اور مقدسوں میں سے تو کس کی طرف پھرے گا؟"

اس آیت میں "مقدسوں" سے مراد زمین کے مؤمنین ہیں علماء پروٹسٹنٹ نظریے کے مطابق تو ظاہر ہے، اور علماء کیتھولک کے لئے بھی اس سے زمین ہی کے مقدس لوگ مراد لینا ضروری ہے، کیونکہ وہ مطہر[3] جس میں ان کے نزدیک مقدسوں کی ارواح غم و آلام کا شکار رہتی ہیں، اور پاپا کے مغفرت نامہ دیئے بغیر

---

[1] موجودہ اردو ترجمہ میں اس کی جگہ "لاکھوں مقدسوں کے ساتھ آیا" کا لفظ ہے،

[2] آیت ۱۴ و ۱۵،

[3] یعنی جہنم، تفسیر کے لئے دیکھئے ص ۴۴۴ جلد ہٰذا کا حاشیہ،

نجات نہیں پاسکتیں، وہ مظہر تو حضرت مسیحؑ کے بعد وجود میں آیا ہے، حضرت ایوب علیہ السلام کے وقت اس کا وجود نہ تھا،

(۲) کرنتھیوں کے نام پہلے خط، باب اوّل آیت نمبر ۲ میں ہے:

"خدا کے اس کلیسیا کے نام جو کرنتھس میں ہے، یعنی ان کے نام جو یسوع مسیح میں پاک کئے گئے، اور مقدس لوگ ہونے کے لئے بلائے گئے"

اس آیۃ میں بھی ان لوگوں کو "مقدس" کہا گیا ہے جو کرنتھس میں موجود تھے،

(۳) رومیوں کے نام خط باب ۱۲ آیت نمبر ۱۳ میں ہے "مقدس" کی احتیاجیں رفع کرو"

(۴) اسی خط کے باب ۱۵ آیت ۲۵ میں ہے:

"لیکن بالفعل تو مقدسوں کی خدمت کرنے کے لئے یروشلیم کو جاتا ہوں کیونکہ مکدینہ اور اخیہ کے لوگ یروشلیم کے غریب مقدسوں کے لئے کچھ چندہ کرنے کو رضامند ہوئے"

یہاں مقدسوں سے مراد یروشلیم میں موجود مقدس لوگ ہیں:

(۵) فلپیوں کے نام خط کے باب اول آیت ۱ میں ہے:

"مسیح یسوع کے بندوں پولس اور تیمتھیس کی طرف سے "فلپی" کے سب مقدسوں کے نام جو مسیح یسوع میں ہیں"

یہاں "مقدس" سے مراد فلپی کے باشندے ہیں،

(۶) تیمتھیس کے نام پہلے خط باب ۵ آیۃ ۱۰ میں ڈیکنوں کی صفات بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے:

"مقدسوں کے پاؤں دھوتے ہوں"

اس موقع پر مقدسوں کا مصداق وہ مؤمنین ہیں جو دنیا میں موجود تھے، اس کی دو دلیلیں ہیں، ایک تو یہ کہ مقدس جو آسمان پر موجود ہیں وہ ایسی ارواح ہیں جن کے پاؤں نہیں ہوتے، دوسرے ڈیمنوں کے لئے آسمان پر جانا ممکن نہیں،

جب قارئین کو الفاظ رب، مقدس، قدیس کے استعمال کا حال معلوم ہو چکا، تو اب ہمارا کہنا یہ ہے کہ "خداوند" سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور مقدس جماعتوں کا مصداق صحابۂ کرام ہیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کو بصیغۂ ماضی یعنی "آیا" کے ساتھ تعبیر اس لئے کیا گیا کہ آپ کی بعثت یقینی تھی، پھر آپ اپنے صحابہ میں تشریف فرما ہوئے، اور کفار سے بدلہ لیا، منافقین اور خطاکاروں کو ان کی منافقانہ حرکتوں اور اللہ اور اس کے رسول کی شان میں گستاخیاں کرنے پر ملامت اور مذمت کی، مشرکین کو اللہ کی توحید اور اس کے پیغمبروں کی رسالت تسلیم نہ کرنے اور بت پرستی پر سرزنش کی، یہودیوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام و حضرت مریمؑ کے حق میں بے جا الزامات لگانے اور دوسرے بعض واہیات عقائد رکھنے پر ملامت کی، عیسائیوں کو خدا کی توحید میں خلل اور کوتاہی پر، نیز عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں افراط پر اور بعض عیسائیوں کو صلیب پرستی اور مورتی پوجا اور واہیات عقائد پر ملامت کی،

تیرہویں بشارت، آسمانی بادشاہی

انجیل متی باب ۳ آیت ۱ میں ہے،

اُن دنوں میں یوحنا بپتسمہ دینے والا آیا، اور یہودیہ کے بیابان میں یہ منادی

کرنے لگا کہ توبہ کرو، کیونکہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آگئی ہے "

اور متی باب ۴ آیت ۱۲ میں ہے:

جب اس نے (حضرت عیسیٰؑ نے) سنا کہ یوحنا پکڑوا دیا گیا تو گلیل کو روانہ ہوا۔۔۔۔ آیت ۱۷: اس وقت سے یسوع نے منادی کرنا اور یہ کہنا شروع کیا کہ توبہ کرو، کیونکہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آگئی ہے۔۔۔ آیت ۲۳: اور یسوع تمام گلیل میں پھرتا رہا اور ان کے عبادت خانوں میں تعلیم دیتا اور بادشاہی کی خوشخبری کی منادی کرتا "

اور متی ہی کے باب ۶ میں ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے اپنے حواریوں کو نماز کا طریقہ بتلاتے ہوئے یہ دعا سکھائی:۔ "تیری بادشاہی آئے"۔

اور انجیل متی کے باب ۱۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت عیسیٰؑ نے اپنے شاگردوں کو تبلیغ کے لئے اسرائیلی شہروں میں بھیجا تو منجملہ دوسری وصیتوں کے ایک نصیحت یہ بھی کی کہ:

"اور چلتے چلتے یہ منادی کرنا کہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آگئی ہے "

اور انجیل لوقا باب ۹ آیت ۱ میں ہے کہ:

"پھر اُس نے اُن بارہ کو بلا کر انہیں سب بدروحوں پر اور بیماریوں کو دُور کرنے کے لئے قدرت اور اختیار بخشا، اور انہیں خدا کی بادشاہی کی منادی کرنے اور بیماروں کو اچھا کرنے کے لئے بھیجا "

... باب ۱۰ میں ہے:

"ان باتوں کے بعد خداوند نے ستر آدمی اور مقرر کئے، اور جس جس شہر اور جگہ کو

خود جانے والا تھا، وہاں انھیں دو دو کرکے اپنے آگے بھیجا۔۔۔۔۔۔۔

آیۃ ۸: "جس شہر میں داخل ہو اور وہاں کے لوگ تمھیں قبول کریں تو جو کچھ تمھارے سامنے رکھا جائے کھاؤ، اور وہاں کے بیماروں کو اچھا کرو اور ان سے کہو کہ خدا کی بادشاہی تمھارے نزدیک آپہونچی ہے، لیکن جس شہر میں داخل ہو اور وہاں کے لوگ تمہیں قبول نہ کریں، تو اس کے بازاروں میں جاکر کہو کہ ہم اس گرد کو بھی جو تمھارے شہر سے ہمارے پاؤں میں لگی ہے تمھارے سامنے جھاڑے دیتے ہیں، مگر یہ جان لو کہ خدا کی بادشاہی نزدیک آپہنچی ہے "

معلوم ہوا کہ یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام دونوں بزرگوں نے، نیز ان کے حواری اور ستر شاگردوں نے آسمانی بادشاہت کی خوش خبری سنائی، اور عیسیٰ علیہ السلام نے بعینہٖ انہی الفاظ کے ساتھ بشارت دی جن الفاظ سے یحییٰ علیہ السلام نے خوشخبری دے دی تھی، ظاہر ہے کہ وہ بادشاہت جس طرح عہدِ یحییٰ میں ظاہر نہیں ہوئی، اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کے عہد میں بھی ظاہر نہیں ہوئی، اور نہ ہی حواریوں اور ستر شاگردوں کے دَور میں بلکہ ان میں سے ہر ایک اس کی بشارت دیتا گیا اور اس کی خوبیاں بیان کرتا رہا، اس کی آمد کا متوقع رہا، اس لئے آسمانی بادشاہت کا مصداق وہ طریقۂ نجات ہرگز نہیں ہو سکتا جو شریعتِ عیسوی کی شکل میں ظاہر ہوا، ورنہ عیسیٰ علیہ السلام اور حواری اور ستر شاگرد یوں کہتے کہ وہ قریب آنے والا ہے، اور نہ ان کو نمازوں میں پڑھنے کے لئے تعلیم دیتے کہ "اور تیری بادشاہی آئے "

کیونکہ یہ طریقہ تو عیسیٰ علیہ السلام کے نبی ہونے کے دعویٰ کرنے کے بعد ان کی شریعت کی شکل میں ظاہر ہی ہو چکا تھا،

لہٰذا ثابت ہوا کہ اس کا مصداق درحقیقت وہ طریقۂ نجات ہی جو شریعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں نمودار ہوا، اور یہ سب حضرات اسی عظیم الشان طریقہ کی بشارت دیتے رہے، اور خود آسمانی حکومت یا بادشاہت کے الفاظ بھی اس امر پر واضح طور پر دلالت کر رہے ہیں کہ یہ بادشاہت حقیقۃً سلطنت اور قوت... کی شکل میں ہو سکتی ہے کہ عاجزی اور کمزوری کی صورت میں، اسی طرح مخالفین کے ساتھ جنگ و جدل اسی سبب سے ہوگا،

نیز یہ الفاظ یہ بھی بتا رہے ہیں کہ اس کے قوانین کی بنیاد ضروری ہے کہ کسی آسمانی کتاب پر ہو، اور یہ تمام باتیں صرف شریعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی صادق آتی ہیں،

عیسائی علماء اگر یہ کہتے ہیں کہ اس بادشاہت سے ساری دنیا میں ملّتِ مسیحؑ کا پھیل جانا اور اس کا نزولِ عیسیٰؑ کے بعد ساری دنیا پر چھا جانا مراد ہے، تو یہ تاویل بالکل کمزور اور ظاہر کے خلاف ہے اور وہ مثالیں جو عیسیٰ علیہ السلام سے انجیلِ متی کے باب ۱۳ میں منقول ہیں وہ اس خیال کی تردید کرتی ہیں، مثلاً آپ نے فرمایا کہ آسمان کی بادشاہی اس آدمی کے مانند ہے جس نے اپنے کھیت میں اچھا بیج بویا، پھر فرمایا کہ:

"آسمان کی بادشاہی اس رائی کے دانہ کی مانند ہے جسے کسی آدمی نے لے کر اپنے کھیت میں بو دیا۔"

پھر فرمایا کہ:

"آسمان کی بادشاہی اس خمیر کی مانند ہے جسے کسی عورت نے لے کر تین پیمانے آٹے میں ملا دیا، اور وہ ہوتے ہوتے سب خمیر ہو گیا۔"

غور کیجئے کہ آسمانی بادشاہت کو ایک ایسے انسان سے تشبیہ دے رہے ہیں کہ جس نے کھیتی بوئی، نہ کہ کھیتی بڑھنے اور کاٹنے کے ساتھ، اسی طرح رائی کے دانہ سے تشبیہ دی، نہ کہ اس کے عظیم الشان درخت بننے سے، اسی طرح خمیر کیساتھ اس کی تشبیہ دی گئی نہ کہ سارے آٹے کے خمیر بننے کے ساتھ،

اسی طرح انجیل متی کے باب ۲۱ میں جو تمثیل بیان کی گئی ہے وہ بھی اس تاویل کو غلط قرار دیتی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

"خدا کی بادشاہی تم سے لے لی جائے گی، اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائے دیدی جائے گی"[1]

یہ قول اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آسمانی بادشاہت سے مراد بذات خود نجات کا طریقہ ہے، تمام عالم میں اس کا پھیلنا اور سارے جہان پر چھا جانا مراد نہیں، ورنہ پھر اس کی اشاعت کا ایک قوم سے چھن جانا اور دوسری قوم کو دیا جانا کچھ بھی مطلب نہیں رکھتا، سچی بات تو یہ ہے کہ اس بادشاہت سے مراد وہی بادشاہت ہے جس کی خبر دانیال علیہ السلام اپنی کتاب کے باب ۲ میں دے گئے ہیں[2]، اس لئے اس بادشاہت کا اور سلطنت کا صحیح مصداق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے سوا اور کوئی نہیں ہے،

چودھویں بشارت آسمانی بادشاہی کی مثال

انجیل متی باب ۱۳ آیت ۳۱ میں یوں ہے:

---

[1] آیت ۴۳، [2] دیکھئے کتاب ہذا، ص ۱۲۴۷ جلد ہذا،

"اس نے ایک اور تمثیل ان کے سامنے پیش کر کے کہا کہ آسمان کی بادشاہی اس رائی کے دانہ کی مانند ہے جسے کسی آدمی نے لے کر اپنے کھیت میں بو دیا وہ سب بیجوں سے چھوٹا تو ہے مگر جب بڑھتا ہے تو سب ترکاریوں سے بڑا اور ایسا درخت ہو جاتا ہے کہ ہوا کے پرندے آکر اس کی ڈالیوں پر بسیرا کرتے ہیں[1]"

لہٰذا آسمانی بادشاہت ... وہی طریقۂ نجات ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت سے ظاہر ہوا، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسی قوم میں نشو و نما پائی جو ساری دنیا کے نزدیک کاشتکار اور فلاح تھے، اس لئے ان میں اکثر لوگ دیہات کے باشندے تھے، علوم اور صنعتوں سے بے بہرہ، جسمانی لذتوں اور دنیوی

[1] یہ وہی بشارت ہو جس کا ذکر قرآن کریم نے سورۂ فتح میں اس طرح فرمایا:

وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ، (فتح: ۴۰)

"اور ان کی مثال انجیل میں کھیت کی مانند ہو، جس نے اپنی بال نکالی، پھر اسے مضبوط کیا، پھر موٹا ہوا، پھر اپنی ٹہنیوں پر کھڑا ہوا کھیت والوں کو مسرور اور خوش کر رہا ہے"

یہی تمثیل مرقس ۴، ۳۰ تا ۳۲ اور لوقا ۱۳: ۱۸ و ۱۹ میں بھی بیان کی گئی ہے، اور مرقس ۴: ۲۶ کے یہ الفاظ قرآنی الفاظ کے زیادہ قریب ہیں:

"اس نے کہا خدا کی بادشاہی ایسی ہے جیسے کوئی آدمی زمین میں بیج ڈالے اور رات کو سوئے اور دن کو جاگے، اور وہ بیج اس طرح اُگے اور بڑھے کہ وہ نہ جانے، زمین آپ سے آپ پھل لاتی ہے پہلے پتی پھر بالیں، پھر بالوں میں تیار دانے، اور پھر جب اناج پک چکا تو وہ فی الفور درانتی لگاتا ہے کیونکہ کاٹنے کا وقت آپہنچا"

تکلفات اور آرائشوں سے آزاد تھے، خصوصاً یہودیوں کے نقطۂ نگاہ سے، اس لئے کہ یہ لوگ حضرت ہاجرہؑ کی اولاد سے تھے، آپ کی بعثت اسی قوم میں ہوئی، لہٰذا آپ کی شریعت ابتداء میں رائی کے دانہ کی مانند بظاہر چھوٹی سی شریعت تھی، مگر وہ اپنے عام اور عالمگیر ہونے کی وجہ سے قلیل مدت میں ترقی پاکر اتنی بڑی ہوگئی کہ تمام مشرق و مغرب کا احاطہ کرلیا، یہاں تک کہ جو لوگ کبھی بھی کسی شریعت کے پابند اور مطیع نہ ہوتے تھے وہ بھی اس کے دامن سے وابستہ ہوگئے،

پندرھویں بشارت متیں اور انکی مزدوری

انجیل متی باب ۲۰ آیت ۱ میں ہے:

"آسمان کی بادشاہی اس گھر کے مالک کے مانند ہے جو سویرے نکلا، تاکہ اپنے تاکستان میں مزدور لگائے، اور اس نے مزدوروں سے ایک دینار روز ٹھیرا کر انھیں اپنے تاکستان میں بھیج دیا، پھر پہر دن چڑھے کے قریب نکل کر اس نے اوروں کو بازار میں بیکار کھڑے دیکھا، اور ان سے کہا: تم بھی تاکستان میں چلے جاؤ، جو واجب ہے تم کو دوں گا، پس وہ چلے گئے، پھر اس نے دوپہر اور تیسرے پہر کے قریب نکل کر ویسا ہی کیا، اور کوئی ایک گھنٹہ دن رہے پھر نکل کر اوروں کو کھڑے پایا، اور ان سے کہا تم کیوں یہاں تمام دن بیکار کھڑے رہے؟ انھوں نے اس سے کہا، اس لئے کہ کسی نے ہم کو مزدوری پر نہیں لگایا، اس نے ان سے کہا کہ تم بھی تاکستان میں [illegible]۔ شام کو تاکستان کے مالک نے اپنے کارندے سے کہا کہ مزدوروں کو بلا اور پچھلوں سے لے کر پہلوں تک ان کی مزدوری دیدے، جب وہ آئے جو گھنٹہ بھر

دن رہے لگائے گئے تھے تو ان کو ایک ایک دینار ملا، جب پہلے مزدور آئے تو انھوں نے یہ سمجھا کہ ہم کو زیادہ ملے گا اور ان کو بھی ایک ایک ہی دینار ملا، جب ملا تو گھر کے مالک سے یہ کہہ کر شکایت کرنے لگے، کہ ان پچھلوں نے ایک ہی گھنٹہ کام کیا ہے اور تو نے ان کو ہمارے برابر کر دیا، جنھوں نے دن بھر کا بوجھ اٹھایا اور سخت دھوپ سہی، اس نے جواب دے کر ان میں سے ایک سے کہا، میاں میں تیرے ساتھ بے انصافی نہیں کرتا، کیا تیرا مجھ سے ایک دینار نہیں ٹھیرا تھا؟ جو تیرا ہے اٹھالے ... اور چلا جا، میری مرضی یہ ہے کہ جتنا تجھے دیتا ہوں اس پچھلے کو بھی اتنا ہی دوں، کیا مجھے روا نہیں کہ اپنے مال سے جو چاہوں سو کروں؟ یا تو اس لئے کہ میں نیک ہوں بری نظر سے دیکھتا ہے؟ اس طرح آخر اول ہو جائیں گے اور اوّل آخر" (آیات ۱ تا ۱۶)

ملاحظہ فرمائیے کہ آخر دن کا مصداق بلاشبہ امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے[1]، یہ لوگ ہی اجرت میں مقدم کئے جائیں گے، یہی لوگ باوجود پچھلے ہونے کے اوّل

---

[1] خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی مثال بعینہٖ اس طرح دی ہے، صحیح بخاری میں بالکل صحیح سند کے ساتھ ایک حدیث موجود ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انما بقاء کم فیما سلف قبلکم من الامم کما بین صلوٰۃ العصر الی غروب الشمس اوتی اھل التوراۃ التوراۃ فعملوا حتی اذا انتصف النھار ثم عجزوا	تمھاری مدتِ قیام گزشتہ امتوں کے مقابلے میں ایسی ہے جیسے نمازِ عصر سے غروبِ آفتاب تک کا وقت، تورات والوں کو تورات دی گئی، تو انھوں نے عمل کیا، یہاں تک کہ جب آدھا دن گذر گیا تو وہ عاجز ہو گئے، اور انھیں ایک ایک

ہوں گے، جیساکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "ہم پچھلے ہونے کے ساتھ پہلے ہیں[۱]" نیز فرمایا کہ: "جنت تمام پیغمبروں کے لئے اس وقت تک حرام کردی جائیگی جب تک کہ میں داخل نہ ہوجاؤں اور تمام امتوں پر حرام کردی جائے گی جب تک اس میں میری امت داخل نہ ہوجائے[۵۲]"

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

فاعطوا قیراطاً قیراطاً ثم اوتی اھل الانجیل الانجیل فعملوا الیٰ صلوٰۃ العصر ثمّ عجزوا فاعطوا قیراطاً قیراطاً ثمّ اوتینا القراٰن فعملنا الیٰ غروب الشمس فاعطینا قیراطین قیراطین فقال اھل الکتٰبین ای ربنا اعطیت ھؤلاء قیراطین قیراطین و اعطیتنا قیراطاً قیراطاً ونحن اکثر عملاً قال اللہ عزوجل ھل ظلمتکم من اجرکم من شیءٍ قالوا لا، قال ھو فضلی اوتیہ من

قیراط دیا گیا (قیراط سونے چاندی کا ایک وزن ہے) پھر انجیل والوں کو انجیل دی گئی انھوں نے نماز عصر تک کام کیا، پھر عاجز ہوگئے، تو انھیں بھی ایک ایک قیراط دیا گیا پھر ہمیں قرآن دیا گیا ہم نے غروب آفتاب تک کام کیا تو ہمیں دو دو قیراط دیے گئے، اس پر پہلی دو کتابوں والے کہنے لگے کہ پروردگار! آپ نے ان لوگوں کو دو دو قیراط دیے اور ہمیں ایک ایک قیراط دیا، حالانکہ ہم نے زیادہ کام کیا، اللہ تعالیٰ نے ان سے جواب میں فرمایا کہ کیا میں نے تمہاری اجرت کے معاملہ میں تم پر کوئی ظلم کیا! وہ کہنے لگے نہیں! اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بس یہ میرا فضل ہے جس کو چاہوں دوں یہ

اشاءَ، (صحیح بخاری کتاب مواقیت الصلوٰۃ باب من ادرک رکعۃ من العصر، ص ۹، ج ۱ اصح المطابع کراچی

یہ روایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے منقول ہے. امام مالکؒ نے بھی اس کو روایت کیا ہے، اس کے علاوہ معجم طبرانیؒ میں حضرت سمرہؓ سے بھی ایک روایت اسی قسم کی منقول ہے جس کا مفہوم تقریباً یہی ہے (کنز العمال ص ۲۳۴ ج ۶ فضائل الامۃ)

(حاشیہ صفحہ ہذا) [۱] "نحن الآخرون السابقون یوم القیامۃ" اخرجہ ہنادؒ والخطیبؒ عن ابی ہریرۃؓ (کنز العمال ص ۲۳۳ ج ۶)

[۵۲] لم اجده ،

سولھویں بشارت، آخری قوم

انجیل متی باب ۲۱ آیت ۳۳ میں ہے:

"ایک اور تمثیل سنو! ایک گھر کا مالک تھا، جس نے تاکستان لگایا، اور اس کی چاروں طرف احاطہ گھیرا اور اس میں حوض کھودا اور بُرج بنایا، اور اسے باغبانوں کو ٹھیکے پر دے کر پردیس چلا گیا، اور جب پھل کا موسم قریب آیا تو اس نے اپنے نوکروں کو باغبانوں کے پاس اپنا پھل لینے کو بھیجا، اور باغبانوں نے اس کے نوکروں کو پکڑ کر کسی کو پیٹا، اور کسی کو قتل کیا، اور کسی کو سنگسار کیا، پھر اس نے اور نوکروں کو بھیجا، جو پہلوں سے زیادہ تھے، اور انھوں نے ان کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا، آخر اس نے اپنے بیٹے کو ان کے پاس یہ کہہ کر بھیجا کہ وہ میرے بیٹے کا تو لحاظ کریں گے، جب باغبانوں نے بیٹے کو دیکھا تو آپس میں کہا، یہی وارث ہے، آؤ اسے قتل کرکے اس کی میراث پر قبضہ کرلیں، اور اسے پکڑ کر تاکستان سے باہر نکالا، اور قتل کر دیا، پس جب تاکستان کا مالک آئے گا تو ان باغبانوں کے ساتھ کیا کرے گا؟ انھوں نے اس سے کہا ان بدکاروں کو بُری طرح ہلاک کرے گا، اور تاکستان کا ٹھیکہ دوسرے باغبانوں کو دیگا جو موسم پر اس کو پھل دیں، یسوع نے ان سے کہا کیا تم نے کتاب مقدس میں کبھی نہیں پڑھا کہ:

جس پتھر کو معماروں نے رَد کیا،

وہی کونے کے سرے کا پتھر ہوگیا،

یہ خداوند کی طرف سے ہوا ،

اور ہماری نظر میں عجیب ہے ؟

اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہی تم سے لے لی جائے گی، اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائے دیدی جائے گی، اور جو اس پتھر پر گرے گا ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا، لیکن جس پر وہ گرے گا اُسے پیس ڈالے گا، اور جب سردار کاہنوں اور فریسیوں نے اس کی تمثیلیں سنیں تو سمجھ گئے کہ ہمارے حق میں کہتا ہے ؟

(آیات ۳۳ تا ۴۵)

ذرا غور کیجئے: اس تمثیل میں مالکِ مکان سے مراد اللہ تعالیٰ ہیں، اور باغ سے شریعت کی جانب اشارہ ہے، اور اس کا احاطہ گھیرنے اور اس میں شیرۂ انگور کے لئے حوض کھدوانے اور بُرج بنوانے سے محرمات اور مباحات اور اوامر ونواہی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، سرکش مالیوں سے مراد جیسا کہ کاہنوں کے سرداروں نے سمجھا یہودی ہیں اور بھیجے ہوئے نوکروں کا مصداق انبیاء علیہم السلام ہیں بیٹے سے مراد عیسیٰ علیہ السلام ہیں، اور باب ۴ میں آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے لئے اس لفظ کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اور ان کے نظریہ کے مطابق یہودیوں نے ان کو قتل بھی کیا، اور وہ پتھر جس کو معماروں نے رَد کر دیا تھا، یہ کنایہ ہے محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے، اور وہ اُمت جو اس کے پھل لائے گی اس کا اشارہ امتِ محمدیہ کی جانب ہے، اور یہی وہ پتھر ہے کہ جو اس پر گرا ریزہ ریزہ ہو گیا، اور جس شخص پر یہ پتھر گرا وہ پس گیا،

رہا عیسائی علماء کا یہ بے بنیاد دعویٰ کہ اس پتھر کا مصداق حضرت مسیح ہیں، جو یہ

چند وجوہ سے باطل اور غلط ہے :

پہلی وجہ داؤد علیہ السلام نے زبور نمبر ۱۱۸ میں یوں فرمایا ہے کہ :
"جس پتھر کو معماروں نے رد کیا وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا،

یہ خداوند کی طرف سے ہوا، اور ہماری نظر میں عجیب ہے "

اب اگر اس پتھر کا مصداق حضرت مسیحؑ کو مانا جائے جو نسلاً خود بھی یہودی ہیں، کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہودا اور خود داؤد علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں، تو پھر یہودیوں کی نگاہوں میں یہ عجیب کیوں نظر آیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کونے کے سرے کا پتھر بن گئے ؟ بالخصوص داؤد علیہ السلام کی نظر میں اس کے عجیب ہونے کی کیا وجہ ہے ؟ جب کہ عیسائیوں کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ داؤد علیہ السلام اپنی زبور میں عیسیٰ علیہ السلام کی بے حد تعظیم کرتے تھے، اور ان کے خدا ہونے کے معتقد تھے، ہاں یہ بات بنی اسمٰعیل کے کسی فرد کے بارے میں درست ہو سکتی ہے، اس لئے کہ یہودی بنی اسماعیل کو بڑی حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے، اور ان میں سے کسی شخص کا ترقی پاکر "کونے کے سرے کا پتھر" بن جانا ان کے لئے یقیناً تعجب خیز ہو سکتا ہے،

دوسری وجہ یہ کہ اس کلام میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ "جو شخص اس پتھر پر گرے گا وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا، اور جس پر وہ پتھر گرے گا اس کو پیس دے گا" یہ وصف کسی صورت میں حضرت مسیحؑ پر صادق نہیں آتا، کیونکہ مسیحؑ کا قول ہے :

لہ بائبل کے شارح اس بات پر متفق ہیں کہ انجیل متی کی مذکورہ عبارت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کتاب مقدس کی جس عبارت کی طرف اشارہ فرمایا ہے وہ زبور ۱۱۸: ۲۲ کی یہی عبارت ہے،

اگر کوئی میری باتیں سن کر ان پر عمل نہ کرے تو میں اس کو مجرم نہیں ٹھہراتا[1]
کیونکہ میں دنیا کو مجرم ٹھہرانے نہیں، بلکہ دنیا کو نجات دینے آیا ہوں "
جیسا کہ انجیل یوحنا کے باب ۱۲ میں موجود ہے، اس کے برعکس محمد صلی اللہ علیہ وسلم
پر اس کا صادق آنا محتاجِ بیان نہیں ہے، کیونکہ آپؐ بدکاروں شریروں کی تنبیہ پر
مامور تھے، لہٰذا اگر وہ آپؐ پر گریں گے تب بھی شکستہ اور ریزہ ریزہ ہوں گے اور
اگر وہ ان پر مسلط ہوں گے تو پیس دیں گے،

تیسری وجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: "میری اور دوسرے
پیغمبروں کی مثال ایسی محل کی ہے جس کی عمارت بڑی خوبصورت
ہو، مگر اس کے کسی حصہ میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی ہے، دیکھنے والے
آتے ہیں، اور عمارت کی خوب صورتی کو دیکھ کر عش عش کرتے اور حیرت کرتے ہیں
سوائے اس ایک اینٹ کی جگہ کے، اس عمارت کی تکمیل مجھ سے ہوئی، اور مجھ پر رسولوں
کا سلسلہ ختم ہو گیا[2] ہے "

اور چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت دوسرے دلائل سے ثابت ہے، جیسا
کہ نمونہ کے طور پر کچھ گذشتہ مسلکوں میں ہم نے ذکر کئے ہیں، اس بنا پر اس بشارت
کے سلسلہ میں اگر آپؐ کے قول سے بھی استدلال کیا جائے تو کوئی مضائقہ نہ ہوگا،

---

[1] یہاں مجرم ٹھہرانے سے مراد سزا کا فیصلہ کرنا یا سزا دینا ہے، چنانچہ موجودہ عربی ترجمہ میں یہاں لا أدينه "کا لفظ ہو جس کے معنی ہیں" میں اسے سزا نہیں دیتا" اور انگریزی ترجموں میں
کے الفاظ ہیں جس کے معنی ہیں" میں اس
کے لئے سزا کا فیصلہ نہیں کرتا،

[2] رواہ البخاریؒ فی کتاب الانبیاء، ومسلمؒ فی الفضائل واحمدؒ فی مسندہ (جمع الفوائد، ص ۱۷۰ ج ۲)

چوتھی وجہ خود حضرت مسیحؑ کے ظاہر کلام سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ پتھر بیٹا نہیں ہو سکتا،[1]

بشارت ۱۷، مکاشفہ کی پیشینگوئی

کتاب مکاشفہ باب ۲ آیت ۲۶ میں ہے:

"جو غالب آئے اور جو میرے کاموں کے موافق آخر تک عمل کرے میں اسے قوموں پر اختیار دوں گا، اور وہ لوہے کے عصاء سے ان پر حکومت کرے گا جس طرح کہ کمہار کے برتن چکنا چور ہو جاتے ہیں، چنانچہ میں نے بھی ایسا اختیار اپنے باپ سے پایا ہے، اور میں اسے صبح کا ستارہ دوں گا، جس کے کان ہوں وہ سُنے کہ رُوح کلیساؤں سے کیا فرماتا ہے" (آیات ۲۶ تا ۲۹)

دیکھئے یہ غالب جس کو تمام امتوں پر قوت اور تسلط عطا کیا گیا، اور جس نے لوہے کی لاٹھی سے ان کی نگرانی کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں، جیسا کہ حق تعالیٰ شانہ، نے آپؐ کے حق میں فرمایا ہے کہ:

وَيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ۝ اور (تاکہ) اللہ آپ کی مدد کرے غلبہ والی؛

مشہور کاہن سطیح، صاحب الہرادۃ نے آپؐ ہی کو اس کا مصداق ٹھہرایا تھا منقول ہے کہ شب ولادت میں کسریٰ نوشیرواں کا ایوان پھٹ گیا، اور اس کے چودہ[14] کنگرے گر پڑے، نیز فارس کی آگ بجھ گئی، جو ایک ہزار برس سے کبھی نہیں بجھی تھی،

---

[1] اس لئے کہ آپ نے "بیٹے" اور "پتھر" دونوں کا ذکر علیحدہ علیحدہ کیا ہے،

اور ساوہ کا چشمہ بالکل خشک ہوگیا، موبزان نے خواب میں دیکھا کہ بڑے قوی اونٹ عربی اونٹوں کو لئے جارہے ہیں، اور دریائے دجلہ کو پار کرکے اس کے قریبی شہروں میں پھیل گئے،

ان مسلسل واقعات کے پیش آنے پر کسریٰ نے بدحواس اور خوف زدہ ہوکر عبدالمسیح کو سطیح کاہن کے پاس بھیجا، جو شام میں مقیم تھا، عبدالمسیح جب اس کے پاس پہنچا تو وہ سکرات موت میں مبتلا تھا، اس نے سطیح کو یہ تمام واقعات سنائے جس کا جواب سطیح نے یہ دیا کہ:

"جب تلاوت کی کثرت ہو، لاٹھی والا ظاہر ہو جائے، ساوہ کا چشمہ خشک ہو جائے، اور فارس کی آگ بجھ جائے، تو اس کے بعد اہل فارس کے لئے بابل میں قیام کی کوئی گنجائش نہیں، اور نہ سطیح کے لئے شام میں کسی خواب گاہ کی، اہلِ فارس میں آئندہ چند مرد و عورت بادشاہ ہوں گے، جو کنگروں کی شمار کے مطابق ہوں گے، اور جو ہونے والا ہے وہ تو ہو کر رہے گا"

یہ کہتے ہی سطیح کی روح قفسِ عنصری سے جدا ہوگئی، عبدالمسیح نے واپس آکر نوشیرواں کو سطیح کی تعبیر سے مطلع کیا، تو کسریٰ کہنے لگا کہ چودہ[۱۴] بادشاہوں کی بادشاہت کے لئے بڑا طویل عرصہ درکار ہے[۱]، اتنے وقت میں تو بہت سے کام انجام پاسکتے ہیں،

---

[۱] سطیح کاہن نے یہ کہا تھا کہ قصرِ کسریٰ کے کنگروں کی تعداد کے مطابق چند بادشاہ حکومت کریں گے، پھر کسریٰ کی سلطنت ختم ہو جائے گی، کسریٰ کے محل میں چودہ[۱۴] کنگرے تھے، اس لئے نوشیرواں نے یہ نتیجہ نکالا کہ ابھی اس سلطنت کے خاتمہ کے لئے بہت مدت درکار ہے،

مگر ہوا یہ کہ دس بادشاہ تو یکے بعد دیگرے صرف چار سال کی قلیل مدت میں ختم ہو گئے، اور باقی بھی خلیفۂ ثالث حضرت عثمانؓ کی خلافت تک ختم ہو گئے، ان کا سب سے آخری بادشاہ یزدگرد نامی خلافتِ عثمانی میں ہلاک ہوا۔

مکاشفہ کی مذکورہ بشارت میں صبح کے ستارہ کا مصداق قرآن کریم ہے، حق تعالیٰ شانہٗ نے سورۂ نساء میں ارشاد فرمایا:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ۔	"اور ہم نے تمہارے پاس ایک واضح روشنی بھیجی"

اسی طرح سورۂ تغابن میں فرمایا گیا:

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ،	"پس تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسولؐ پر اور اس نور پر جو ہم نے نازل کیا"

اس بشارت کو نقل کرنے کے بعد صولت الضیغم کے مصنف نے لکھا ہے کہ:

"میں نے پادری ویٹ اور ولیم سے مناظرہ کے وقت کہا کہ لوہے کی لاٹھی والے کا مصداق محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، یہ بات سنتے ہی دونوں پادری گھبرا گئے، پھر کہنے لگے عیسیٰ علیہ السلام نے یہ پیشگوئی تھواتیرہ کے لوگوں کے سامنے کی ہے[1]، اس لئے اس شخص کا ظہور تھواتیرہ میں ہونا چاہیے، حالانکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] تھواتیرہ (Thyatira) روم میں صوبۂ کمدنیہ کے قریب ایک شہر تھا، (اعمال ۱۶: ۱۴) اور مکاشفہ کی اس عبارت میں یہ کہا گیا ہے کہ حضرت مسیحؑ نے الہام کے ذریعے یوحنا کو ایک عبارت لکھوا کر یہ کہا کہ یہ پیغام تھواتیرہ کے کلیسا کو پہنچا دو (مکاشفہ ۲: ۱۷) اس پیغام میں یہ پیشگوئی ذکر کی گئی ہے، پادریوں کے اعتراض کا مطلب یہی ہے کہ جب اس پیشگوئی کے مخاطب تھواتیرہ کے لوگ ہیں تو مسلمانوں کی حکومت وہاں تک پہنچنی چاہیے،

کو وہاں جانے کا کبھی بھی اتفاق نہیں ہوا، میں نے پوچھا کہ یہ کنیسہ کس مقام پر ہے؟ انھوں نے لغت کی کتابوں میں دیکھ بھال کر کہا کہ یہ مقام استنبول کے قریب روم کے علاقہ میں ہے. میں نے جواب دیا کہ صحابۂ کرام عمر فاروق رضؓ کے دور میں اس مقام پر نہ صرف گئے ہیں، بلکہ اس کو فتح کیا ہے، اور صحابہ کے بعد عموماً وہاں پر مسلمانوں ہی کا تسلط اور حکومت رہی ہے، پھر آلِ عثمان رضؓ عرصۂ دراز سے اس پر قابض ہیں، اور آج تک انہی کی حکومت قائم ہے، یہ پیشینگوئی تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں صریح ہے "

تنبیہ فاضلِ عباس علی جاجموی ہندی نے پہلے عیسائیوں کے رد میں ایک بڑی کتاب صولۃ الضیغم علیٰ اعداء ابن مریم کے نام سے تصنیف کی تھی، پھر انھوں نے پادری ویٹ اور پادری ولیم سے شہر کانپور میں مناظرہ کیا، جس میں دونوں پادریوں کو لاجواب اور قائل ہونا پڑا، پھر اپنی کتاب کا خلاصہ بنام خلاصہ صولۃ الضیغم تصنیف کیا، یہ مناظرہ مصنف میزان الحق کے مناظرہ سے جو اکبرآباد میں ہوا تھا، بائیس ۲۲ سال قبل ہوا ہے.

اٹھارہویں بشارت، فارقلیط

یہ پیشینگوئی انجیل یوحنا کے آخری ابواب میں درج ہے، ہم عربی تراجم مطبوعہ لندن ۱۸۲۱ء و ۱۸۳۱ء و ۱۸۴۴ء سے اس کو نقل کرتے ہیں، انجیل یوحنا باب ۱۴ آیت ۱۵ میں ہے کہ:

" اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کروگے[1]، اور میں باپ سے

[1] اظہار الحق میں جس نسخہ سے نقل کیا گیا ہو ۱۴۷ اس میں ایسا ہی ہے، موجودہ ترجموں میں یہاں

درخواست کروں گا تو وہ تمھیں دوسرا (فارقلیط) بخشے گا، کہ ابد تک تمھارے ساتھ رہے، یعنی سچائی کا رُوح جسے دنیا حاصل نہیں کر سکتی، کیونکہ نہ اسے دیکھتی اور جانتی ہے، تم اسے جانتے ہو، کیونکہ وہ تمھارے ساتھ رہتا ہے، اور تمھارے اندر ہوگا ۔

(آیات ۱۵ تا ۱۷)

اور اسی باب کی آیت ۲۶ میں ہے:

"لیکن (فارقلیط) یعنی روح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا، وہی تمھیں سب باتیں سکھائے گا، اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب تمہیں یاد دلائے گا۔"

پھر آیت ۳۰ میں ہے:

"اور اب میں نے تم سے اس کے ہونے سے پہلے کہہ دیا ہے، تاکہ جب ہو جائے تو تم یقین کرو۔"

اور انجیل یوحنا باب ۱۵ آیت ۲۶ میں ہے:

"لیکن جب وہ (فارقلیط) آئے گا جس کو میں تمھارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا، یعنی سچائی کا رُوح جو باپ سے صادر ہوتا ہے تو وہ میری گواہی دیگا، اور تم بھی گواہ ہو، کیونکہ شروع سے میرے ساتھ ہو۔"

---

(۲) قدیم تراجم میں یہاں "فارقلیط" ہی کا لفظ مذکور ہے، لیکن موجودہ اردو ترجموں میں اس کی جگہ "مددگار"۔ "وکیل" یا "شفیع" کے الفاظ ہیں، عربی ترجموں میں "معزّی" (تسلی دینے والا) کا لفظ ہے، اور انگریزی ترجموں میں بھی (کے الفاظ مذکور ہیں، درحقیقت فارقلیط کے یہ تمام ترجمے غلط ہیں، جیسا کہ عنقریب آپ کو معلوم ہوگا،

اور باب ۱۶ آیت ۷ میں ہے:

"لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمھارے لئے فائدہ مند ہے، کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ (فارقلیط) تمھارے پاس نہ آئے گا، لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمھارے پاس بھیجدوں گا، اور وہ آکر دنیا کو گناہ اور راست بازی اور عدالت کے بارے میں تصور وار ٹھہرائے گا، گناہ کے بارے میں اس لئے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لاتے، راست بازی کے بارے میں اس لئے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں، اور تم مجھے پھر نہ دیکھو گے، عدالت کے بارے میں اس لئے کہ دنیا کا سردار مجرم ٹھہرایا گیا ہے، مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہیں مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے، لیکن جب وہ یعنی سچائی کا روح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھلائے گا، اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا، لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا، اور تمھیں آئندہ کی خبریں دے گا، وہ جلال ظاہر کریگا، اس لئے کہ مجھ ہی سے حاصل کر کے تمھیں خبریں دیگا، جو کچھ باپ کا ہے وہ سب میرا ہے، اس لئے میں نے کہا کہ وہ مجھ ہی سے حاصل کرتا ہے اور تمھیں خبریں دیگا" (آیات ۷ تا ۱۶)

ان عبارتوں سے استدلال کرنے سے پہلے ہم دو باتوں کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں، پہلی تو یہ کہ آپ تمہید کے ساتویں امر میں معلوم کر چکے ہیں کہ اہل کتاب اگلے ہوں یا پچھلے عموماً اسماء اور ناموں کا ترجمہ کرنے کے عادی ہیں[1] ادھر عیسیٰ علیہ السلام عبرانی ..... زبان بولتے تھے نہ کہ یونانی، اس کے بعد اس بات میں کوئی بھی شک باقی نہیں رہتا کہ حضرت عیسیٰؑ نے جس شخص کی تشریف آوری کی بشارت دی تھی،

---

[1] دیکھئے جلد ہٰذا، ص ۱۳۵۶،

چوتھے انجیلی نے اس کے نام کا اپنی عادت کے مطابق یونانی میں ترجمہ کر ڈالا، پھر عربی ترجمہ کرنے والوں نے یونانی لفظ کو معرّب کرکے فارقلیط بنادیا[1]، ہم کو ایک اردو رسالہ جو کسی پادری کا لکھا ہوا ہے ۱۲۶۸ھ میں ملا، جو کلکتہ میں طبع ہوا تھا، اور جس میں لفظ فارقلیط کی تحقیق کی گئی تھی، اس کے مؤلف نے دعویٰ کیا تھا کہ ہمارا مقصود اس رسالے کی تحریر سے مسلمانوں کی اس غلط فہمی کو دور کرنا ہے، جو فارقلیط کے لفظ سے پیدا ہوئی ہے، اس کے بیان کا خلاصہ یہ تھا کہ:-

"یہ لفظ یونانی لفظ سے عربی بنایا گیا ہے، لہٰذا اگر ہم یہ فرض کریں کہ اصل یونانی لفظ "پاراکلی طوس" ہے تو اس کے معنیٰ معین و مددگار اور کارساز و وکیل کے ہیں، اور اگر یہ کہا جائے کہ اصل لفظ "پیرکلوطوس" ہے تو پھر اس کے معنیٰ "محمد" اور "احمد" کے قریب ہو جاتے ہیں، علماء اسلام میں سے جس کسی نے اس بشارت سے استدلال کیا ہے، یہ ہی سمجھ کر کیا ہے کہ اصل لفظ "پیرکلوطوس" ہے جس کے معنیٰ "محمد" اور "احمد" کے معنیٰ کے قریب ہیں، اس لئے اس نے یہ دعویٰ کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے "محمد" اور "احمد" کی پیشینگوئی کی ہے، مگر صحیح بات یہ ہے کہ یہ لفظ پاراکلی طوس ہے"

ہم کہتے ہیں کہ دونوں لفظوں میں بہت ہی معمولی سا فرق ہے، کیونکہ یونانی حروف آپس میں بہت ہی مشابہت رکھتے ہیں، اس لئے "پیرکلوطوس" کسی نسخہ

---

[1] گویا مصنف کا دعویٰ یہ ہے کہ اصل میں حضرت عیسیٰؑ نے آنے والے کا نام "احمد" ذکر کیا تھا، لیکن چونکہ عہد قدیم وجدید کے مصنفوں کی ہمیشہ سے یہ عادت رہی ہے کہ وہ ناموں کا بھی ترجمہ کر ڈالتے ہیں اس لئے انھوں نے یونانی زبان میں لفظ "احمد" کا ترجمہ "پیرکلوطوس" سے کردیا، عربی مترجمین اس لفظ کو معرب کرکے "فارقلیط" بنادیا، ۱۲ ت

میں "پاراکلی طوس" سے بدل گیا، پھر عیسائی حضرات نے اس نسخہ کو دوسرے نسخوں پر ترجیح دینی شروع کردی، اور جو شخص بھی اس کتاب کے باب ۲ اور مسلک نمبر ۱ کے امر نمبر، میں انصاف کی نگاہ سے غور کرے گا وہ یقینی طور پر مان لے گا کہ اس قسم کی چیز دیندار عیسائیوں سے کچھ بھی بعید نہیں ہے، بلکہ ممکن ہے کہ ان کے یہاں اس کو مستحسن اور بہتر شمار کیا جاتا ہو،

دوسری بات یہ ہے کہ کچھ لوگوں نے ظہور محمدی سے قبل اس امر کا دعویٰ کیا کہ لفظ فارقلیط کا مصداق ہم لوگ ہیں، مثلاً دوسری صدی عیسوی میں مونٹینس[1] نامی عیسائی نے جو بڑا ریاضت گذار، عابد اور اپنے زمانے کا سب سے بڑا متقی تھا، ایشیائے کوچک میں ۱۷۷ء کے قریب دعویٰ کیا کہ فارقلیط موجود جس کے آنے کا وعدہ عیسیٰ علیہ السلام کر گئے ہیں میں ہی ہوں، اور بہت سے لوگ اس کے متبع ہو گئے، جیسا کہ تواریخ میں مذکور ہے، ولیم میور نے بھی اپنی تاریخ بزبان اردو مطبوعہ ۱۸۴۸ء کے باب ۳ میں اس کا اور اس کے ماننے والوں کا حال اس طرح بیان کیا ہے کہ :

"کچھ لوگوں کا بیان ہے کہ اس نے اپنے متعلق "فارقلیط" ہونے کا دعویٰ کیا تھا، یعنی منسوب ہونے والی پاک روح" یہ شخص بڑا متقی اور بہت

---

[1] مونٹینس (Montanus) دوسری صدی عیسوی کا ایک مدعی نبوت ہے، جس کے پیرو فرقے کو مونٹینسٹ کہا جاتا ہے، اس نے کلیسا کے عام روزوں میں بھی اضافہ کر دیا تھا، یہ خشک غذاؤں کے علاوہ ہر چیز سے اجتناب کی تلقین کیا کرتا تھا، (کلیرک: شارٹ ہسٹری، ص ۴۶)

ریاضت کرنے والا تھا، اسی لئے اس کو قبولِ عام حاصل ہوگیا"

اس سے پتہ چلتا ہے کہ فارقلیط کی آمد کا انتظار ابتدائی عیسوی صدیوں میں بڑی شدّت کے ساتھ کیا جارہا تھا[1]، اور اسی لئے لوگ اس کا مصداق ہونے کا دعویٰ کیا کرتے تھے، اور بہت سے لوگ ان کے دعویٰ کو قبول کرلیتے تھے۔

لب التواریخ کا مصنف کہتا ہے کہ:

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے یہودی اور عیسائی بھی ایک نبی کی آمد کے منتظر تھے، اس چیز سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا فائدہ پہنچا کیونکہ آپؐ نے بھی یہی دعویٰ کیا کہ میں ہی وہ نبی ہوں جس کا انتظار کیا جارہا تھا"

اس کے کلام سے بھی یہ بات معلوم ہوگئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی اہلِ کتاب ایک نبی کے آنے کے منتظر تھے جو سچا ہوگا، کیونکہ نجاشی شاہ حبش کے پاس جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک پہونچا ہے تو اس نے فوراً کہا "میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں کہ یہ وہی نبی ہیں جن کے اہلِ کتاب منتظر تھے" اور جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تحریر کیا کہ:

"میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں، میں نے آپؐ سے اور آپؐ کے چچازاد بھائی یعنی جعفر بن ابی طالبؓ سے بیعت کرلی ہے، اور ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا"

---

[1] سر سید احمد خاں نے گاڈفری ہیگنس کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ مونٹینس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے کچھ ہی پہلے ایک اور شخص نے بھی فارقلیط ہونے کا دعویٰ کیا تھا، جس کا نام مینس تھا (خطبات احمدیہ ص ۴۵۵)

یہ نجاشی پہلے نصرانی تھا، اسی طرح قبطیوں کے سردار مقوقس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نامۂ مبارک کے جواب میں لکھا کہ:

"یہ خط محمد بن عبد اللہ کے نام ہے، مقوقس شاہ قبط کی طرف سے، آپ پر سلام ہو، امّابعد، میں نے آپ کا خط پڑھا، اور جو مضمون اس میں لکھا تھا اس کو سمجھا، اور جس چیز کی آپ نے دعوت دی ہے اس کو سمجھا، مجھ کو معلوم تھا کہ ایک نبیؑ باقی ہے، جو آنے والا ہے، مگر میرا خیال تھا کہ وہ ملکِ شام میں مبعوث ہوگا، میں نے آپؐ کے بھیجے ہوئے قاصد کی عزت کی۔"

یہ مقوقس اگرچہ اسلام نہیں لایا، مگر اس نے اپنے خط میں اس بات کا تو اقرار کیا ہے کہ مجھے یقین ہو کہ ایک نبی باقی ہے، یہ بادشاہ بھی عیسائی تھا، اور ظاہر ہو کہ اُس وقت ان دونوں بادشاہوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ڈرنے یا خوف کھانے کا کوئی امکان نہ تھا، کیونکہ آپؐ کو کوئی دنیوی شوکت اُس وقت حاصل نہ تھی، اسی طرح جارود بن العلاء مع اپنی قوم کے خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوا، اور کہا کہ:

"خدا کی قسم! آپؐ حق کو لے کر آئے ہیں، اور سچی بات کہی ہے، قسم ہو اس خدا کی جس نے آپؐ کو نبی بنا کر بھیجا ہے میں نے آپؐ کے اوصاف انجیل میں پڑھے ہیں، اور بتول کے بیٹے نے آپؐ کی بشارت دی ہے، بہت سی سلامتی ہو آپؐ کے لئے، شکر ہو اس ذات کا جس نے آپ کو عزت دی، مشاہدہ کے بعد سننے کی گنجائش نہیں، اور نہ یقین کے بعد شک کی، اپنا دستِ مبارک بڑھائیے، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی بھی لائقِ عبادت نہیں

اور یہ کہ آپ اللہ کے رسول ہیں ؟

پھر اس کی ساری قوم مسلمان ہوگئی، یہ جارود بڑا زبردست عیسائی عالم تھا، اس نے یہ تسلیم کیا کہ بتول کے بیٹے یعنی عیسیٰ علیہ السلام نے آپ کی بشارت دی ہے معلوم ہوا کہ عیسائی لوگ بھی اس نبی کے آنے کے منتظر تھے، جس کی بشارت عیسیٰ علیہ السلام دے گئے تھے،

اس تنبیہ کے بعد اب ہماری گذارش یہ ہے کہ وہ اصل عبرانی لفظ جو عیسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا قطعی معدوم ہے، اور جو یونانی لفظ موجود ہے وہ صرف ترجمہ ہے، مگر ہم اصل لفظ کی بحث کو چھوڑتے ہوئے اس یونانی لفظ ہی پر بحث کرتے ہیں، کہ اگر اصل یونانی لفظ "پیرکلوطوس" ہے، تب تو ظاہر ہے کہ یہ مسیح کی بشارت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ایسے لفظ کے ساتھ دی گئی ہے جو "محمد" و "احمد" کے قریب قریب ہم معنی ہے، یہ چیز اگرچہ عیسائیوں کی عام عادت کے پیش نظر قرین قیاس ہے، مگر ہم اس احتمال کو چھوڑتے ہیں، کیونکہ اس صورت میں مخالفین پر پورے طور پر حجت قائم نہ ہوسکے گی، بلکہ ہم کہتے ہیں کہ چلئے آپ ہی کا دعویٰ کہ اصل یونانی لفظ "پاراکلی طوس" ہے، اگر مان لیا جائے تب بھی ہمارے استدلال کے لئے مضر نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ اس کے معنیٰ "منسوب کیا گیا" اور "مددگار" اور "وکیل" کے ہیں، یا پھر اس کے معنیٰ "سفارش کرنے والا"، جیسا کہ ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۱۶ء میں موجود ہے، اور یہ سب اوصاف محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر پورے پورے صادق آتے ہیں،

اب ہم اولاً ثابت کریں گے کہ وہ فارقلیط نبی جن کی بشارت دی گئی تھی اس کا

مصداق محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں نہ کہ وہ روح جو پینٹکُسٹ[1] کے دن حواریوں پر نازل ہوئی تھی، اور جس کا ذکر کتاب الاعمال[2] کے باب ۲ میں آیا ہے، پھر ہم اس سلسلہ میں عیسائیوں کے اعتراضات کا جواب پیش کریں گے، پہلے دعوے کے حسب ذیل دلائل ہیں :-

---

[1] پینٹکُسٹ (Pentecost) یہودیوں کا ایک مذہبی تہوار جسے "ہفتوں کی عید" (Feast of weeks) بھی کہا جاتا ہے، یہ تہوار گیہوں کی فصل کاٹنے کی خوشی میں منایا جاتا تھا، جس کے تفصیلی احکام تورات میں دیئے گئے ہیں (دیکھئے خروج ۳۴ : ۲۲ و ۲۳ : ۱۶) گنتی ۲۸ : ۲۶ تا ۳۱، احبار ۲۳ : ۱۵ تا ۲۱ و استثناء ۱۶ : ۹ تا ۱۲) - پینٹی کوسطے کے معنی یونانی زبان میں "پچاسویں دن" کے ہیں، اور چونکہ یہ تہوار عید فسح کے پچاسویں دن منایا جاتا تھا، اس لئے اسے پینٹی کوسٹ کہتے ہیں، ۱۶ نیسان (اپریل) کے بعد پورے سات ہفتے دن گذار کر یہ دن آتا تھا، اور اس میں شکرانہ کے طور پر مختلف رسوم ادا کی جاتی تھیں۔

[2] کتاب اعمال باب ۲ میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت مسیح کے عروج آسمانی کے بعد جب عید پینٹکُسٹ کا دن آیا تو یکایک آسمان سے عجیب قسم کی آوازیں آئیں، لوگوں نے آنکھ اٹھا کر دیکھا تو آگ کے شعلوں کی مانند پھٹتی ہوئی زبانیں نظر آئیں، اور ہر ایک کو یہ محسوس ہوا کہ کوئی ان کی اپنی مادری زبان میں خدا کی عظمت و جلال کے کام بتلا رہا ہے، لوگ سخت حیرت میں تھے کہ پطرس حواری نے اس کی تشریح اس طرح کی کہ یہ رُوح القدس ہے، جو یسوع مسیح کے حکم سے تم پر نازل ہوئی ہے، اور اس کا مطالبہ یہ ہے کہ تم سب ایمان لے آؤ، چنانچہ تین ہزار یہودی فوراً مسلمان ہوگئے، (اعمال ۲ : ۱ تا ۴۲)

بائبل کے تمام شارحین یہ کہتے ہیں کہ انجیل یوحنا میں جس فارقلیط کی تشریف آوری کا وعدہ کیا گیا ہے اس سے مراد یہی روح القدس ہے (مثلاً دیکھئے ناکس کی تفسیر، ص ۲۵۰ جلد اول) مصنف عیسائیوں کے اس دعوی کا رد فرما رہے ہیں۔

فارقلیط سے مراد روح القدس نہیں، آنحضرتؐ ہیں،

پہلی دلیل

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فارقلیط کی بشارت دینے سے قبل فرمایا کہ:

"اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو[1]"

اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقصد یہ ہے کہ آگے فارقلیط کی جو بشارت دی جا رہی ہے حواری اسے توجہ کے ساتھ سُنیں، اور ذہن نشین رکھیں، اور یہ سمجھ لیں کہ آگے بیان کی جانے والی بات نہایت اہم اور ضروری ہے،

اب اگر فارقلیط سے عیسیٰ علیہ السلام کی مراد وہ روح تھی جو پینٹیکُست کے دن نازل ہونے والی تھی، تو اس فقرہ کے کہنے کی کوئی بھی ضرورت نہ تھی، کیونکہ اس بات کا گمان بھی نہیں کیا جا سکتا کہ حواری اپنے اوپر اس روح کے دوبارہ نازل ہونے کو مستبعد خیال کریں گے، جب کہ اس سے قبل وہ اس سے مستفیض ہو چکے تھے، بلکہ اس استبعاد کی قطعاً گنجائش نہیں، کیونکہ وہ رُوح جب کسی پر نازل ہوگی اور اس میں سمائے گی تو اس کا نمایاں اثر خود ظاہر ہوگا۔ ایسی صورت میں اس سے متاثر ہونے والے کے لئے انکار کا وہم بھی نہیں ہو سکتا، اور پھر عیسائیوں کے نظریہ کے مطابق اس کا ظہور کسی ایسی شکل میں ہرگز نہیں ہو سکتا، جس میں استبعاد کا احتمال ہو سکے، اس لئے یقیناً اس سے مراد وہی نبی ہ

---

[1] موجودہ ترجموں میں یہاں "عمل کروگے" کا لفظ ہے، جس کی وجہ سے مصنفؒ کا استدلال اتنا واضح نہیں رہتا، قدیم تراجم میں "عمل کرو" ہی کے الفاظ ہیں،

جس کی بشارت دی گئی،

اب اصل حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے وہ یہ کہ جب حضرت مسیحؑ نے تجربات کی روشنی اور نورِ نبوت کے ذریعہ یہ سمجھ لیا کہ ان کی اُمت کے بیشتر افراد اس نبیؐ کی نبوت کا انکار اس کے ظہور کے وقت کریں گے جس کی بشارت دی جارہی ہے، اس لئے انھوں نے سب سے پہلے اس فقرہ کے ساتھ اس کی تاکید کی، پھر ان کی آمد کی اطلاع دی،

دُوسری دلیل رُوح القدس عیسائیوں کے نزدیک اپنے باپ کے ساتھ مطلقاً متحد ہے، اور بیٹے کے ساتھ اس کی لاہوتی حیثیت سے حقیقی اتحاد رکھتی ہے، اس لئے اس کے حق میں "دوسرا فارقلیط" کا عنوان صادق نہیں آتا۔[1] اس کے برعکس جس نبی کی بشارت دی جارہی ہے، اس کے حق میں یہ قول بلا تکلف صادق آتا ہے،

تیسری دلیل وکیل ہونا یا سفارشی ہونا نبی کے خواص میں سے ہے، یہ لفظ اس رُوح پر صادق نہیں آسکتا جو خدا کے ساتھ متحد ہے، لہٰذا یہ دونوں صفات رُوح پر صادق نہیں آسکتیں، اور یقیناً اس نبیؐ پر جس کی بشارت دی گئی، بلا تکلف صادق آتی ہیں،

---

[1] مطلب یہ ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فارقلیط کے آنے کی خوش خبری دی تو لامحالہ فارقلیط کوئی ایسی شخصیت ہونی چاہئے جو حضرت عیسیٰؑ سے جُدا ہو، حالانکہ رُوح القدس عیسائیوں کے نزدیک حضرت عیسیٰؑ کی لاہوتی حیثیت سے جدا نہیں ہے،

چوتھی دلیل

عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ:

"وہ تمھیں سب باتیں سکھلائے گا، اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب تمھیں یاد دلائے گا"[1]

عہد جدید کے کسی رسالہ سے یہ بات ثابت نہیں ہوسکی کہ حواری اُن باتوں کو بھول گئے تھے جو مسیح نے کہی تھیں، اور اس رُوح نے جو یوم الدار میں نازل ہوئی ان کو یاد دلائی ہوں،

پانچویں دلیل

عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ:

"اور اب میں نے تم سے اس کے ہونے سے پہلے کہہ دیا ہے، تاکہ جب ہو جائے تو تم یقین کرو"[2]

یہ کلام واضح طور سے اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ اس سے مراد وہ روح نہیں ہوسکتی، کیونکہ دلیل اوّل میں آپ کو معلوم ہی ہو چکا ہے کہ حواریوں کی جانب سے اس کو نہ ماننے کا گمان کیا ہی نہیں جاسکتا تھا، لہٰذا اس کہنے کی قطعی ضرورت نہ تھی، اور حکیم دانشمند کی شان سے یہ بات بعید ہے کہ وہ کوئی فضول بات کہے، چہ جائیکہ ایک عظیم الشان نبی، اب اگر ہم اس کلام سے وہی نبی مراد لیں جس کی بشارت دی گئی تھی تو کلام اپنے صحیح مقام پر رہے گا، اور بہت ہی پسندیدہ ہوگا، کیونکہ دوبارہ ایک مضمون کی تاکید پر مشتمل ہے۔

چھٹی دلیل

عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ:

"وہ میری گواہی دے گا"[3]

---

[1] یوحنا ۱۴: ۲۶، [2] یوحنا ۱۴: ۳۰، [3] یوحنا ۱۵: ۲۶،

دیکھئے اس رُوح نے کسی کے سامنے مسیح کے حق میں کوئی شہادت نہیں دی، اس لئے کہ جن شاگردوں پر وہ روح نازل ہوئی، ان کو کسی کی شہادت کی ضرورت ہی نہ تھی، کیونکہ وہ مسیح کو کما حقہٗ پورے طور پر جانتے پہچانتے تھے، پھر ایسے لوگوں کے سامنے شہادت دینا محض بیکار ہے، رہے وہ منکرین جن کو واقعی شہادت کی ضرورت تھی، سو اس رُوح نے ان میں سے کسی کے سامنے شہادت نہیں دی اس کے برعکس محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح کے لئے اور ان کے سچے ہونے اور اس الوہیت کے دعوے کرنے سے برأت کی شہادت دی، جو کفر و گمراہی کی سب سے بڑی قسم ہے، قرآن کریم کے متعدد مواقع پر ماں بیٹے دونوں کی برأت اور پاکدامنی مذکور ہے، اور احادیث میں تو بکثرت ملتی ہے،

ساتویں دلیل

عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ:

"اور تم بھی گواہ ہو، کیونکہ تم شروع سے میرے ساتھ ہو"[1]

عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۶ء و ۱۸۲۸ء و ۱۸۴۱ء اور اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۸۴۴ء میں لفظ ایضاً کا ترجمہ بھی موجود ہے لہٰذا لفظ ایضاً ان تراجم میں جن سے ہم نے یوحنا کی عبارت نقل کی ہے قصداً یا سہواً چھوٹ گیا ہے[2]، یہ قول واضح طور پر یہ بتاتا ہے کہ حواریوں کی شہادت فارقلیط کی شہادت کے علاوہ دوسری شہادت ہے، لیکن اگر اس سے مراد وہ رُوح لی جائے جو پنتیکست کے دن نازل ہوئی تو دونوں شہادتیں پھر الگ الگ نہ ہو سکیں گی، کیونکہ اس رُوح نے بعینہٖ وہی شہادت دی جو حواریوں نے

---

[1] یوحنا ۱۵: ۲۶،

[2] موجودہ ترجموں میں یہ لفظ موجود ہے،

دی تھی، کوئی مستقل شہادت نہیں تھی، اس لئے کہ یہ روح معبود اور معبود کے ساتھ متحد تھی، اور نزول، حلول، استقرار اور شکل وصورت جیسے جسمانی عوارض سے پاک تھی، اس لئے بائبل کی تصریح کے مطابق یہ ایک تیز آندھی کی طرح آتشیں زبانوں کی صورت میں نمودار ہوئی تھی، پھر کتاب اعمال کی تصریح کے مطابق تمام لوگوں پر مستقر ہو گئی، لہٰذا جن لوگوں پر یہ رُوح نازل ہوئی تھی ان کی کیفیت بعینہ اُس شخص کی طرح تھی جس پر جِن مسلّط ہو گیا ہو، جس طرح ایسی حالت میں جِن کا کلام بعینہٖ اس شخص کا کلام بن جاتا ہے، اسی طرح رُوح کی شہادت بعینہ حواریین کی شہادت بن گئی تھی، لہٰذا دونوں کی شہادت کو الگ الگ شہادتیں نہیں کہا جا سکتا،

اس کے برخلاف اگر فارقلیط سے مراد نبی موعود صلی اللہ علیہ وسلم کو مانا جائے تو دو شہادتیں مانی جا سکتی ہیں، حواریوں کی الگ اور فارقلیط کی الگ،

آٹھویں دلیل

عیسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا تھا،

"اگر میں نہ جاؤں تو وہ (فارقلیط) تمہارے پاس نہیں آئے گا، لیکن اگر جاؤں گا تو تمہارے پاس بھیجدوں گا"

ملاحظہ کیجئے! اس میں حضرت مسیح اس کی آمد کو اپنے جانے پر معلّق کر رہے ہیں، حالانکہ وہ روح حواریوں پر عیسیٰ علیہ السلام کی موجودگی ہی میں نازل ہو چکی تھی، جب کہ آپ نے ان کو اسرائیلی شہروں کی جانب روانہ کیا تھا، اس وقت روح کا نزول عیسیٰؑ کی روانگی پر موقوف نہیں کیا گیا تھا، نتیجہ صاف ہے کہ فارقلیط سے مراد وہ رُوح ہرگز نہیں ہو سکتی، بلکہ اس کا مصداق یقیناً وہی شخص ہو سکتا ہے جس سے حواریوں نے عیسیٰؑ کے آسمان پر جانے سے قبل کسی قسم کا فیض حاصل نہیں

کیا، اور اس کی آمد مسیح کی روانگی پر موقوف ہو، اور یہ ظاہر ہے کہ یہ پوری بات محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتی ہے، کیونکہ آپ کی تشریف آوری عیسیٰ علیہ السلام کے چلے جانے کے بعد ہوئی، اور آپ کی آمد عیسیٰ ؑ کی روانگی پر موقوف بھی تھی، اس لئے کہ دو مستقل شریعتوں والے پیغمبروں کا وجود ایک زمانہ میں ممکن نہیں ہے، ہاں اگر دوسرا پہلے رسول کی شریعت کا متبع ہو یا دونوں کسی ایک شریعت کے تابع ہوں تو بیشک اس طرح کے دو یا دو سے زیادہ بھی پیغمبر ایک زمانہ اور ایک مقام پر آسکتے ہیں، اس قسم کے بے شمار انبیاء حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے درمیان میں آچکے ہیں،

نویں دلیل

عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

"وہ دنیا کو ملامت کرے گا۔"

یہ قول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نص جلی کے درجہ میں ہے، کیوں کہ آپ ہی ایسے شخص ہیں جنھوں نے سارے جہان کو للکارا، اور ملامت کی، بالخصوص یہودیوں کو عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے پر ایسی ملامت کی جس میں شاید کوئی کٹر معاند اور متعصب دشمن ہی شک کرسکتا ہے، اور آپ ہی کے خلف الرشید امام مہدیؑ کانے دجال اور اس کے ماننے والوں کے قتل کرنے میں عیسیٰ علیہ السلام کے رفیق اور معاون ہوں گے، بخلاف نازل ہونے والی رُوح کے کہ اس کا ملامت کرنا کسی اصول کے ماتحت درست نہیں ہوتا، اور اس کے نزول کے بعد بھی حواریوں کا منصب ملامت کرنے کا نہ تھا، اس لئے کہ وہ لوگ قوم کو ترغیب اور وعظ کے ذریعہ دعوت دیتے تھے،

لیکن پادری رانگین اپنی کتاب موسوم بدافع البہتان میں جو اردو زبان میں ہے، اور خلاصہ صولۃ الضیغم کے رد میں لکھی گئی ہے، اس کے جواب میں کہتا ہے:

"ملامت کرنے کے الفاظ نہ تو انجیل میں موجود ہیں، اور نہ ہی انجیل کے کسی ترجمہ میں، بلکہ اس کو مدعی نے محض اس لئے بڑھا دیا ہوتا کہ یہ بشارت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر واضح طور پر صادق آجائے، کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ملامت اور دھمکی بہت دی، مگر اس قسم کا مغالطہ دینا اور دھوکہ دہی مومنین اور اللہ سے ڈرنے والوں کی شان سے بعید ہے"

یہ بات قطعی باطل اور غلط ہے، اس لئے کہ یہ پادری یا تو جاہل دھوکہ باز ہو، یا ایسا شخص ہو جو نہ صرف یہ کہ مغالطہ دینا چاہتا ہے بلکہ ایمان سے بھی خالی اور خوفِ خداوندی سے بھی عاری ہے، اس لئے کہ یہ الفاظ ان عربی تراجم میں جن سے میں نے یوحنا کی عبارت نقل کی ہے موجود ہیں،

نیز اس عربی ترجمہ مطبوعہ روما عظمیٰ ۱۶۷۱ء میں بھی پائے جاتے ہیں، ترجمہ عربی مطبوعہ بیروت ۱۸۶۰ء کی عبارت اس طرح ہے کہ:

"اور جب وہ آئے گا تو گناہ پر ملامت کریگا"

اور ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۱۶ء و ۱۸۲۵ء میں اور فارسی تراجم مطبوعہ ۱۸۱۶ء و ۱۸۲۸ء و ۱۸۴۱ء میں الزام کا لفظ موجود ہے[۱]، اور تبکیت اور الزام دونوں الفاظ توبیخ اور ملامت کے قریب قریب ہیں، مگر اس پادری کی کیا شکایت کی جائے. جبکہ "ایں خانہ ہمہ آفتاب است" کے مطابق تمام علماء پروٹسٹنٹ کی یہ عام

[۱] موجودہ ترجموں میں "قصوروار ٹھہرائے گا" کے الفاظ موجود ہیں،

عادت بن گئی ہے، اسی وجہ سے فارسی اور اردو کے ترجموں نے فارقلیط کو چھوڑ دیا، مسلمانوں میں یہ لفظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں مشہور ہو چکا ہے، کیونکہ یہ لوگ جو اس کے اسلاف ہیں انھوں نے بھی رُوح کی جانب مؤنث ضمیریں راجع کیں، تاکہ عوام کو اس اشتباہ میں مبتلا کیا جائے کہ اس کا مصداق کوئی مؤنث ہے نہ کہ مذکر،

دسویں دلیل

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ:
"گناہ کے بارے میں اس لئے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لاتے"[1]

یہ قول اس امر پر دلالت کر رہا ہے کہ فارقلیط منکرین عیسیٰ پر ظاہر ہو کر ان کو مسیح پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے ملامت کریں گے، یہ بات نازل ہونے والی رُوح پر قطعی صادق نہیں آتی، کیونکہ وہ لوگوں پر ملامت کرنے کے لئے ظاہر نہیں ہوئی،

گیارہویں دلیل

عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ:
"مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہیں، مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے"

اس جملے کی روشنی میں بھی فارقلیط سے رُوح مراد نہیں لی جا سکتی، کیونکہ اس نے عیسیٰ علیہ السلام کے احکام میں کسی حکم کا اضافہ نہیں کیا، اس لئے کہ عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق اس نے حواریوں کو تثلیث کے عقیدے اور سارے عالم کو دعوت دینے کا حکم دیا تھا، ایسی شکل میں اس نے عیسیٰ علیہ السلام

[1] یوحنا ۱۶: ۹،

کے ان اقوال میں جو آپؑ نے عروج آسمانی تک ارشاد فرمائے تھے، کون سی زائد بات کا اضافہ کیا ؟

بلکہ اس رُوح کے نزول کے بعد ان لوگوں نے سوائے بعض احکامِ عشرہ کے جو سفر خروج کے باب ۲۰ میں مذکور ہیں جملہ احکامِ توریت کو ختم کر دیا، تمام محرمات کو حلال کر ڈالا[1]، ایسی صورت میں ان کے بارے میں یہ کہنا کیسے درست ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ اس کے برداشت کی استطاعت نہیں رکھتے، کیونکہ ان لوگوں کو تو تعظیم سبت جیسے عظیم الشان حکم کو ختم کر دینے کی بھی استطاعت حاصل ہوئی، جو توریت کا بڑا حکم تھا، اور یہودی محض اس وجہ سے عیسیٰؑ کو مسیح موعود تسلیم نہیں کرتے تھے، انھوں نے اس حکم کی کوئی رعایت نہیں کی تھی، لہٰذا ان لوگوں کے لئے تمام احکام کو ختم کر دینے کا قبول کر لینا آسان تھا، البتہ ایمان کی کمزوری اور ضعفِ قوت کی وجہ سے جو عیسیٰؑ کے عروج تک رہی، احکام کی زیادتی کو قبول کرنا یقیناً ان کی استطاعت سے خارج تھا، چنانچہ اس کا اعتراف علماء پروٹسٹنٹ بھی کرتے ہیں،

اس تمام گفتگو سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ فارقلیط کا مصداق ایک ایسا نبی ہو سکتا ہے جس کی شریعت میں شریعتِ عیسوی کی نسبت کچھ احکام زائد ہوں گے، اور ان کا اٹھانا کمزور مکلفین کے لئے گراں ہوگا، بلاشبہ ایسے نبی صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں،

[1] دیکھئے اعمال ۱۵: ۲۹،

بارہویں دلیل

عیسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ:

"وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا، لیکن جو کچھ سُنے گا وہی کہے گا"[1]

یہ کلام اس امر پر دلالت کر رہا ہے کہ فارقلیط ایسا شخص ہوگا جس کی بنی اسرائیل تکذیب کریں گے، اس لئے عیسیٰ علیہ السلام نے ضروری سمجھا کہ اس کی سچائی کا حال بیان کریں، اسی بناء پر خصوصیت کے ساتھ یہ بات ارشاد فرمائی، اس کے برعکس نازل ہونے والی رُوح کے حق میں جھٹلائے جانے کا احتمال ہی نہ تھا،

مزید برآں یہ کہ یہ رُوح ان کے نزدیک عین معبود تھی، پھر ایسی صورت میں اس کے حق میں یہ کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ "جو کچھ سنے گا وہی کہے گا"[2] اس لئے اس کا مصداق بلاشبہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں، کیونکہ آپ کے حق میں جھٹلائے جانے کا احتمال تھا، اور آپ عینِ خدا بھی نہیں ہیں، اور آپ ہی ایسے شخص ہیں جو وحی کے علاوہ کوئی بات نہیں فرماتے تھے، چنانچہ اللہ نے فرمایا کہ:

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی،	"اور یہ اپنی خواہش سے نہیں کہتا وہ تو صرف وحی ہے جو اس کے پاس آتی ہے"

دوسری جگہ فرمایا:

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ،	"میں تو صرف اس کی پیروی کرتا ہوں جس کی وحی میری طرف کی جاتی ہے،

---

[1] یوحنا ۱۶: ۱۳، [2] اس لئے کہ جب رُوح القدس معبود ٹھہری تو اسے کچھ کہنے کے لئے ... کسی سے سننے کی کیا ضرورت ہے؟

تیرہویں دلیل

عیسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا تھا کہ:

"مجھ ہی سے حاصل کرکے تمھیں خبریں دے گا"

یہ بات رُوح پر ہرگز صادق نہیں آتی، کیونکہ عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق وہ قدیم، غیر مخلوق اور قادرِ مطلق ہے، کوئی کمال ایسا نہیں ہے جو اس کو فی الحال حاصل نہ ہو، بلکہ اس کی توقع ہو، اس کے جس قدر کمالات ہیں اس میں بالفعل سب موجود ہیں، اس لئے ضروری ہوا کہ جس کا وعدہ کیا جارہا ہے وہ اس قسم کا ہو جس کے حق میں کمال متوقع ہو،[1]

مگر چونکہ یہ کلام اس امر کا شبہ ڈال رہا تھا کہ شاید وہ نبی شریعت عیسوی کا متبع ہوگا، اس لئے اس کو دُور کرنے کے لئے بعد میں یہ کہہ دیا کہ:

"جو کچھ باپ کا ہے وہ سب میرا ہے، اس لئے میں نے کہا کہ وہ مجھ ہی سے حاصل کرتا ہے"

مطلب صاف ہوگیا کہ جو چیز بھی فارقلیط کو اللہ کی طرف سے حاصل ہوگی گویا کہ وہ مجھ سے حاصل کی، چنانچہ یہ مقولہ مشہور ہے:

مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ	"جو اللہ کا ہوگیا اللہ اس کا ہوگیا"[2]

---

[1] مطلب یہ ہے کہ جب رُوح القدس کو تمام کمالات بالفعل حاصل ہیں تو اسے کسی سے حاصل کرکے خبر دینے کی کوئی ضرورت نہیں، یہ بات تو صرف ایسی شخصیت پر صادق آسکتی ہے جسے کمالات بتدریج حاصل ہوتے ہوں، اسے پہلے کسی بات کا علم نہ ہو، بعد میں اسے کوئی علم عطا کرے، یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی صادق آسکتی ہے۔

[2] یہاں تک مصنفؒ نے تیرہ دلائل ذکر فرمائے ہیں، اس کے علاوہ ایک چودہویں دلیل کتاب اعمال کے اس باب کو پڑھنے سے صاف معلوم ہوتی ہے، (باقی بر صفحہ آئندہ)

عیسائیوں کے پانچ اعتراضات اور اُن کا جواب

پہلا اعتراض:

اب ہم اُن اعتراضات کو زیر بحث لاتے ہیں جو عیسائی حضرات اور بالخصوص پروٹسٹنٹ علماء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فارقلیط ہونے پر وارد کرتے ہیں:

ان میں سے پہلا اعتراض یہ ہے کہ خود بائبل میں فارقلیط کی تفسیر روح القدس اور روح الحق کے ساتھ کی گئی ہے، جس کا مصداق تیسرا اقنوم ہے، پھر اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) جس میں روح القدس کے نزول کا واقعہ مذکور ہے، اس میں لکھا ہے کہ جب روح القدس آتشین زبانوں کی شکل میں لوگوں کو نظر آئی تو وہ بہت حیران ہوئے اس پر پطرس نے اس کی تشریح کی، اور انھیں بتلایا کہ یہ رُوح القدس ہے، جو تم پر برکت نازل کرنے کے لئے آئی ہے،

سوال یہ ہے کہ اگر فارقلیط سے مراد یہی روح القدس تھی تو جناب پطرس کو سب سے پہلے یہ بات کہنی چاہئے تھی کہ اس رُوح کے نزول سے تعجب کرنے کا کوئی موقع نہیں ہے، اس کے نزول کی بشارت خود حضرت مسیح علیہ السلام دے کر گئے ہیں، حالانکہ جناب پطرس نے اپنی طویل تقریر میں کہیں اس بات کا حوالہ نہیں دیا کہ یہ وہی فارقلیط ہے جس کا وعدہ حضرت مسیحؑ نے کیا تھا، اگر فارقلیط سے مراد یہ رُوح ہوتی تو جناب پطرس کیلئے یہودیوں کے سامنے حضرت مسیحؑ کی حقانیت ثابت کرنے کا بہترین موقع تھا، بالخصوص جبکہ جناب پطرس کی پوری تقریر یسوع مسیح پر ایمان لانے کی دعوت پر مشتمل ہے، ایسے موقع پر تو وہ ہرگز اس بات کو ذکر کرنے سے نہ چوکتے،

اس کے علاوہ کتاب اعمال کا مبیّنہ مصنّف لوقا خود انجیل کا مصنّف بھی ہے، خود اسی نے بھی پینٹی کوسٹ کا یہ واقعہ ذکر کر کے ایک لفظ بھی اس کے (باقی برصفحہ آئندہ)

لفظ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد لینا کیونکر درست ہے،

جواب یہ ہے کہ مصنف میزان الحق نے اپنی تالیفات میں دعویٰ کیا ہے کہ روح اللہ روح القدس، روح الحق، روح الصدق، روح فم اللہ کے الفاظ ایک ہی معنی رکھتے ہیں حسب منا کتاب مفتاح الاسرار نسخہ فارسی مطبوعہ ۱۸۵۰ء باب ۲ فصل نمبر ۱ صفحہ ۵۳ میں کہتا ہے:

"لفظ روح اللہ اور روح القدس توریت و انجیل میں ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں"

نیز حل الاشکال فی جواب کشف الاستار میں کہتا ہے:

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) متعلق یہ نہیں کہا کہ اس طرح یسوع مسیح کی فارقلیط والی پیشنگوئی پوری ہوگئی، حالانکہ بائبل کا مطالعہ کرنے والوں سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ اس کے تمام مصنفین کا یہ معمول ہو کہ جب وہ کوئی ایسا واقعہ ذکر کرتے ہیں جسکی خبر کسی پچھلے نبی نے دی ہو تو اس کا فوراً حوالہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس طرح فلاں نبی کا قول پورا ہوا، (مثلاً دیکھئے انجیل لوقا ۳:۴ و ۱۳:۹ و اعمال ۱:۲۰)

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ لوقا نے روح القدس کے نزول کا قصہ بیالیس آیتوں میں ذکر کیا کر مگر ان میں کہیں یہ نہیں کہا کہ اس واقعہ کے ذریعہ یسوع مسیح کی پیشنگوئی پوری ہوگئی ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ واضح بات یہ ہے کہ جناب پطرس نے یہاں حضرت یوئیل علیہ السلام کی ایک پیشینگوئی بھی ذکر فرمائی اور کہا کہ:

"یہ وہ بات ہو جو یوئیل نبی کی معرفت کہی گئی ہے" (اعمال ۲:۱۶)

مگر حضرت مسیح کا کہیں نام نہیں لیا، کیا یہ اس بات کی کھلی ہوئی دلیل نہیں ہو کہ حضرت عیسیٰ نے جس فارقلیط کی خوشخبری دی تھی اس سے مراد یہ روح القدس کا نزول نہ تھا، بلکہ کچھ اور تھا؟

"جس شخص کو توریت و انجیل سے ذرا بھی مناسبت اور شعور ہوگا، اس کو معلوم ہے کہ الفاظ روح القدس اور روح الحق اور روح فم اللہ وغیرہ یہ سب روح اللہ کے معنی میں ہیں، اسی لئے میں نے اس کو ثابت کرنا ضروری نہیں سمجھا"

اب جب آپ یہ بات سمجھ گئے تو تھوڑی دیر کے لئے ہم اس دعویٰ کی صحت وعدم صحت سے قطع نظر کرتے ہوئے یہ تسلیم کرلیتے ہیں کہ یہ سب الفاظ مرادف اور ہم معنی ہیں، لیکن ہم یہ بات ماننے کے لئے کسی طرح تیار نہیں ہیں کہ ان الفاظ کا استعمال دونوں عہد کی کتابوں میں ہر جگہ اقنوم ثالث ہی کے معنی میں ہوا ہے، اس لئے ہم بھی پادری صاحب کی طرح کہتے ہیں کہ جس شخص کو دونوں عہد کی کتابوں کا تھوڑا سا شعور بھی ہے وہ خوب جانتا ہے کہ یہ الفاظ اقنوم ثالث کے علاوہ دوسرے معنی میں بھی استعمال ہوئے ہیں، کتاب حزقی ایل باب ۳۷ آیت ۱۴ میں ہے کہ جو لوگ حضرت حزقی ایل علیہ السلام کے معجزے سے زندہ ہوگئے تھے ان سے خطاب کرتے ہوئے باری تعالیٰ نے فرمایا:

"اور میں اپنی روح تم میں ڈالوں گا۔"

ظاہر ہے کہ اس قول میں اللہ کی روح سے مراد نفسِ ناطقۂ انسانی ہے، نہ کہ وہ اقنوم ثالث جو عیسائیوں کے زعم میں عین خدا ہے، نیز یوحنا کے پہلے خط باب ۴ آیت ۱ میں ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۶۰ء[1] کے مطابق اس طرح ہے:

"اے عزیزو! ہر ایک روح کا یقین نہ کرو، بلکہ روحوں کو آزماؤ کہ وہ خدا کی طرف سے ہیں یا نہیں، کیونکہ بہت سے جھوٹے نبی دنیا میں نکل کھڑے ہوئے

[1] موجودہ اردو ترجمہ اس کے مطابق ہے، اس لئے یہ عبارتیں اسی سے نقل کردی گئی ہیں ۱۲ تقی

ہیں، خدا کے روح کو تم اس طرح پہچان سکتے ہو کہ جو کوئی روح اقرار کرے کہ یسوع

مسیح مجسّم ہو کر آیا ہے وہ خدا کی طرف سے ہے " (آیات ۱ و ۲)

پھر آگے آیت ۶ میں ہے:

"جو خدا کو جانتا ہے وہ ہماری سنتا ہے، جو خدا سے نہیں وہ ہماری نہیں سنتا

اسی سے ہم حق کی رُوح اور گمراہی کی روح کو پہچان لیتے ہیں"

تراجم عربی مطبوعہ ۱۸۲۱ء و ۱۸۳۱ء و ۱۸۴۴ء و ۱۸۲۵ء میں بھی اسی کے موافق عبارتیں موجود ہیں، ان میں سے پہلی عبارت میں "خدا کی رُوح" اور آیت ۶ کی عبارت میں "حق کی روح" اقنوم ثالث بجائے "واعظ حق گو" کے معنیٰ میں استعمال ہوئی ہیں، اسی لئے اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۸۴۵ء کے مترجم نے لفظ "روح" کا ترجمہ "واعظ" کے ساتھ کیا ہے، اور پہلی آیت میں لفظ "ارواح" کا ترجمہ "واعظین" کے ساتھ اور دوسری آیت میں لفظ "رُوح" کا ترجمہ "واعظ من جانب اللہ" اور آیت ۶ میں "حق کی روح" کا ترجمہ "سچے واعظ" سے کیا ہے، اسی طرح لفظ "گمراہی کی روح" کا ترجمہ "گمراہ کن واعظ" کیا گیا ہے،

بہرکیف ان عبارتوں میں خدا کی رُوح اور رُوحِ حق سے مراد اقنوم ثالث جو عین خدا ہے نہیں لیا جا سکتا، اگر حضرت عیسیٰؑ نے فارقلیط کو رُوحِ حق قرار دیا ہے تو وہ ہمارے لئے مضر نہیں ہے، کیونکہ دونوں کے معنیٰ واعظ حقانی کے ہیں، جیسا کہ یوحنا کے رسالہ [1] میں روح اللہ اور روح الحق اسی معنیٰ میں استعمال ہوا ہے، لہٰذا ان دونوں الفاظ کا اطلاق محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بلاشبہ صحیح ہے[1]،

[1] یہ تمام بحث اس تقدیر پر ہے کہ مصنفؒ نے روح القدس اور رُوحِ حق کو ہم معنیٰ قرار دیا ہے لیکن فاضل آلِ حسنؒ نے اپنی مشہور کتاب استفسار ص ۴۹۴ پر یہ ثابت کیا ہے کہ ان دونوں الفاظ کے معانی جدا جدا ہیں، اور روحِ حق سے مراد روح القدس نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، (ملاحظہ ہو استفسار برحاشیہ ازالۃ الاوہام ص ۲۵۴)

دوسرا اعتراض

عیسائیوں کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ فارقلیط کی پیشینگوئی کے مخاطب حواری ہیں، اس لئے فارقلیط کا ظہور ان کے زمانہ میں ہونا ضروری ہے، چونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے عہد میں ظاہر نہیں ہوئے، اس لئے وہ اس کا مصداق نہیں ہیں،

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات بھی بہت کمزور ہے، اس لئے کہ اس کا نتیجہ تو یہ نکلتا ہے کہ خطاب کے وقت جو لوگ موجود تھے وہ ضمیر خطاب سے ضرور مراد ہوں لیکن یہ بات ہر مقام پر ضروری نہیں ہے، مثلاً انجیل متی باب ۲۶ آیت ۶۴ میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سردار کاہن اور بڑے بڑوں کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"بلکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ اس کے بعد تم ابن آدم کو قادرِ مطلق کی دہنی طرف بیٹھے اور آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھو گے"[1]

دیکھئے جن لوگوں کے سامنے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ بات فرمائی تھی آج ان کو مرے ہوئے اٹھارہ سو سال سے زائد عرصہ گذر چکا ہے، لیکن انھوں نے کبھی حضرت عیسیٰؑ کو آسمان کے بادلوں پر آتے ہوئے نہیں دیکھا، یہاں سب لوگ یہی کہتے ہیں کہ انجیل متی کی اس عبارت میں "تم" کے مخاطب وہ لوگ نہیں ہیں جو اس وقت سامنے موجود تھے، بلکہ اس کے مخاطب وہ لوگ ہیں جو حضرت مسیح علیہ السلام کے نزول کے وقت دنیا میں موجود ہوں گے.

---

[1] اس ارشاد میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے قریب اپنے نزول کی پیشینگوئی فرما رہے ہیں،

بعینہٖ یہ بات ہم فارقلیط کی بشارت کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس کے مخاطب وہ لوگ نہیں ہیں، جو حضرت مسیح کے زمانہ میں تھے، بلکہ وہ لوگ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے وقت موجود ہوں گے،

تیسرا اعتراض عیسائیوں کا تیسرا اعتراض یہ ہو کہ فارقلیط کے حق میں یہ بات کہی گئی ہے کہ دنیا نہ اس کو دیکھے گی نہ پہچانے گی، اور تم اسے پہچانو گے، [1] یہ چیز محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق نہیں آتی، کیونکہ آپ کو تو لوگوں نے دیکھا بھی اور پہچانا بھی،

لیکن یہ اعتراض بھی محض لغو اور بے اصل ہے، اس لئے کہ عیسائی بھی اس جملے کو حقیقی معنی کے بجائے مجازی معنی پر محمول کرتے ہیں، بلکہ وہ ہماری نسبت اس کلام کی تاویل کرنے پر زیادہ مجبور ہیں، کیونکہ ان کے نزدیک تو روح القدس عین خدا ہے [2] اور دنیا بہ نسبت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ کو زیادہ جانتی پہچانتی ہے، اس لئے لازماً یہ کہنا پڑے گا کہ پہچاننے سے مراد مکمل اور حقیقی معرفت ہے، اس تاویل کے بعد پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کے صادق آنے میں کچھ بھی اشتباہ باقی نہ رہے گا اور آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ دنیا اس کی پوری پوری حقیقی پہچان نہیں رکھتی، اور تم اس کی پوری حقیقی پہچان رکھتے ہو، رویت سے مراد بھی معرفت ہی ہوگی،

لہ "سچائی کا روح جسے دنیا حاصل نہیں کرسکتی، کیونکہ نہ اُسے دیکھتی اور نہ جانتی ہے، تم اسے جانتے ہو الخ" (یوحنا ۱۴: ۱۷)

ٹہ اور کتاب اعمال میں تصریح ہے کہ روح القدس کو آتشیں زبانوں کی شکل میں سب نے دیکھا اور پہچانا،

اسی وجہ سے عیسٰی علیہ السلام نے لفظ "تم" کے بعد "دیکھنے" کے لفظ کا اعادہ نہیں کیا۔ بلکہ صرف یہ کہا کہ تم اس کو پہچانتے ہو[1]۔ اور اگر دیکھنے سے مراد ظاہری آنکھوں سے دیکھنا ہی لے لیا جائے تب بھی یہاں "نہ دیکھنے" سے مراد بعینہ وہ معنی ... ہوں گے جو انجیل متّی باب ۱۳ آیت ۱۳ میں لئے گئے ہیں، اس کی عبارت ہم عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۶ء و ۱۸۲۵ء سے نقل کرتے ہیں:

"میں ان سے تمثیلوں میں اس لئے باتیں کرتا ہوں کہ وہ دیکھتے ہوئے نہیں دیکھتے اور سنتے ہوئے نہیں سنتے، اور نہیں سمجھتے اور ان کے حق میں یسعیاہ کی یہ پیشنگوئی پوری ہوتی ہے کہ تم کانوں سے سنو گے پر ہرگز نہ سمجھو گے، اور آنکھوں سے دیکھو گے پر ہرگز (تمھیں کچھ نظر نہ آئے گا)[2]۔"

اس صورت میں بھی کوئی اشکال نہیں رہتا[3]، ہم نے اوپر "دیکھنے" اور "جاننے" کے جو معنی بیان کئے ہیں، اگرچہ یہ مجازی معنی ہیں، لیکن ان کا استعمال اس کثرت سے ہوتا ہے کہ حقیقت عرفیہ بن گئے ہیں، بالخصوص حضرت عیسٰی علیہ السلام کے ارشادات میں یہ الفاظ اس معنی میں بکثرت استعمال ہوئے ہیں،

---

[1] یعنی دنیا کے بارے میں تو یہ کہا کہ وہ "اسے دیکھتی ہو' نہ جانتی ہے"، اور حواریوں سے فرمایا کہ تم اسے جانتے ہو' یہاں دیکھنے کا ذکر نہیں کیا، معلوم ہوا کہ دیکھنے سے مراد بھی جاننا ہی ہے،

[2] اظہار الحق میں جن تراجم کے حوالے سے عبارت نقل کی گئی ہے، ان میں یہاں لا تبصرون کے الفاظ ہیں جن کا ترجمہ قوسین میں کیا گیا ہے، لیکن موجودہ اردو ترجمہ میں قوسین کی جگہ یہ لفظ ہے: "معلوم نہ کرو گے"۔

[3] گویا جس طرح متّی کی اس عبارت میں "نہ دیکھنے سے مراد "نہ قبول کرنا" ہے، اسی طرح فارقلیط کی پیشنگوئی میں بھی یہی مراد ہوگا،

انجیل متی باب ۱۱ آیت ۲۷ میں ہے:

"کوئی بیٹے کو نہیں جانتا سوا باپ کے، اور کوئی باپ کو نہیں جانتا سوا بیٹے کے اور اس کے جس پر بیٹا اسے ظاہر کرنا چاہے"

اور انجیل یوحنا باب ۷ آیت ۲۸ میں ہے:

"جس نے مجھے بھیجا ہے وہ سچا ہے، اس کو تم نہیں جانتے"

اور یوحنا ہی کے باب ۸ آیت ۱۹ میں ہے:

"نہ تم مجھے جانتے ہو، نہ میرے باپ کو، اگر مجھے جانتے تو میرے باپ کو بھی جانتے"

اور یوحنا باب ۱۷ آیت ۲۵ میں ہے "اے عادل باپ! دنیا نے تجھے نہیں جانا، مگر میں نے تجھے جانا"

اور باب ۱۴ آیت ۷ میں ہے:

"اگر تم نے مجھے جانا ہوتا تو میرے باپ کو بھی جانتے، اب اسے جانتے ہو اور دیکھ لیا ہے، فلپس نے اس سے کہا، اے خداوند! باپ کو ہمیں دکھا، یہی ہمیں کافی ہے، یسوع نے اس سے کہا اے فلپس: میں اتنی مدت سے تمہارے ساتھ ہوں، کیا تو مجھے نہیں جانتا؟ جس نے مجھے دیکھا اس نے باپ کو دیکھا، تو کیونکر کہتا ہے کہ باپ کو ہمیں دکھا؟"

آپ نے دیکھا کہ ان تمام اقوال میں جاننے اور پہچاننے سے مراد مکمل معرفت اور دیکھنے سے مراد بھی معرفت ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ مذکورہ اقوال میں سے ایک بھی درست نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تو عام لوگ بھی پہچانتے تھے، چہ جائیکہ یہود کے سردار، کاہن، مشائخ اور حواریین، اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا اہلِ تثلیث کے یہاں بھی ممکن نہیں ہے،

چوتھا اعتراض

عیسائیوں کا چوتھا اعتراض یہ ہے کہ فارقلیط کے حق میں یہ کہا گیا تھا کہ:

"وہ تمہارے ساتھ رہتا ہے اور تمہارے اندر ہے"

اس کلام سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ فارقلیط اس خطاب کے وقت حواریوں کے پاس موجود اور مقیم تھا، پھر اس کا مصداق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیونکر ہو سکتے ہیں؟

میں کہتا ہوں کہ بائبل کے دوسرے تراجم اس کے خلاف ہیں، ترجمہ عربی ۱۸۱۶ء و ۱۸۲۵ء میں ہے کہ:

"وہ تمہارے ساتھ رہنے والا ہے، اور تمہارے اندر ہوگا"[1]

فارسی تراجم مطبوعہ ۱۸۱۶ء و ۱۸۲۸ء و ۱۸۴۱ء اور ترجمہ اردو مطبوعہ ۱۸۱۴ء و ۱۸۳۹ء سب کے سب ان دونوں ترجموں کے مطابق ہیں، اور ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۶۰ء میں اس طرح ہے:

"وہ ٹھہرنے والا ہے تمہارے ساتھ اور تمہارے اندر ہوگا"[2]

---

[1] اصل عربی عبارت یہ ہے: "لِاَنَّہٗ مُسْتَقِرٌّ مَّعَکُمْ وَسَیَکُوْنُ فِیْکُمْ" موجودہ اردو ترجمہ میں یہ عبارت اس طرح ہے: "وہ تمہارے ساتھ رہتا ہے اور تمہارے اندر ہوگا" قدیم انگریزی ترجمہ بھی اسی کے مطابق ہے، البتہ کیتھولک بائبل میں یہ جملہ بالکل مختلف ہے: اس کی عبارت یہ ہے:

یعنی "وہ مسلسل تمہارے ساتھ رہے گا، نہیں، وہ تم میں ہوگا" (یوحنا ۱۴: ۱۷)

[2] اصل عربی عبارت "لِاَنَّہٗ مَاکِثٌ مَّعَکُمْ وَیَکُوْنُ فِیْکُمْ" موجودہ عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۹۵۶ء میں بھی یہی الفاظ ہیں،

معلوم ہوا کہ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ وہ آئندہ تم میں پیدا ہوگا، پھر تو کسی طور پر بھی اعتراض کی گنجائش نہیں ہے، اب رہا یہ لفظ کہ "مقیم عندکم" تو اس کے معنی ہرگز یہ نہیں لئے جا سکتے کہ وہ فی الحال تم میں مقیم ہے، کیونکہ یہ مسیح کے دوسرے کلام کے معارض اور منافی ہوگا جس میں یوں کہا گیا ہے کہ:

"میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمھیں دوسرا (فارقلیط) بخشے گا"[۱]

اسی طرح حضرت مسیحؑ کا یہ ارشاد کہ:

"اور اب میں نے تم سے اس کے ہونے سے پہلے کہہ دیا ہے، تاکہ جب ہو جائے تو تم یقین کرلو"[۲]

نیز یہ فرمانا کہ:

"اگر میں نہ جاؤں تو وہ (فارقلیط) تمھارے پاس نہ آئے گا"[۳]

وضاحت کے ساتھ اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ فارقلیط زمانہ آئندہ میں آنیوالا ہے، پھر اس کے سوا اور کیا تاویل کی جا سکتی ہے کہ اپنے بعد میں آنے والے قول کی طرح یہ بھی استقبال کے معنی میں ہے، اور مطلب یہ ہے کہ "وہ زمانۂ مستقبل میں تمھارے پاس قیام کرے گا"، پھر اس کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آنے میں کوئی خدشہ نہیں ہو سکتا، اور بائبل کے دونوں عہد ناموں میں زمانۂ آئندہ کی باتوں کو حال بلکہ بعض اوقات ماضی کے صیغوں سے بکثرت تعبیر کیا گیا ہے، مثلاً کتاب حزقی ایل باب ۳۹ کی ابتداء میں حضرت حزقیل علیہ السلام نے یاجوج ماجوج کے نکلنے اور اسرائیلی پہاڑوں پر پہنچ کر اس کے ہلاک ہونے کی خبر دی ہے، اور اس کے بعد

---

[۱] یوحنا ۱۴: ۱۵، [۲] یوحنا ۱۴: ۳۰، [۳] ۱۶: ۷،

آیت ۸ میں فرمایا ہے:

"دیکھ وہ پہنچا اور وقوع میں آیا، خداوند خدا فرماتا ہے، یہ وہی دن ہے جس کی بابت میں نے فرمایا تھا"

اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۹ء میں یہ جملہ اس طرح ہے:

"اینک رسید وبوقوع پیوست"

دیکھئے! اس جملہ میں کس طرح ایک آئندہ ہونے والے واقع کو صیغۂ ماضی کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے، اس لئے اس کا ہونا یقینی اور شک وشبہ سے بالاتر تھا، حالانکہ دو ہزار چار سو پچاس سال گزر جانے کے باوجود اب تک یہ واقعہ ظاہر نہیں ہو سکا،

اسی طرح انجیل یوحنا باب ۵ آیت ۲۵ میں ہے:

"میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ وقت آتا ہے، بلکہ ابھی ہے کہ مُردے خدا کے بیٹے کی آواز سنیں گے، اور جو سنیں گے وہ جئیں گے"

اس عبارت میں "بلکہ ابھی ہے" پر غور فرمایئے کہ اٹھارہ سو سال سے زیادہ مدت گزرنے کے باوجود یہ گھڑی اب تک نہیں آئی، اور اب تک کسی کو معلوم بھی نہیں کہ کب آئے گی،

پانچواں اعتراض

عیسائیوں کا پانچواں اعتراض یہ ہے کہ کتاب اعمال کے باب اول آیت ۴ میں ہے:

"اور ان سے مل کر ان کو حکم دیا کہ یروشلیم سے باہر نہ جاؤ، بلکہ باپ کے اس وعدہ کے پورا ہونے کے منتظر رہو، جس کا ذکر تم مجھ سے سُن چکے ہو، کیونکہ

یوحنا[1] نے تو پانی سے بپتسمہ دیا، مگر تم تھوڑے دنوں کے بعد روح القدس سے بپتسمہ پاؤ گے۔"

عیسائی علماء کا کہنا ہے کہ اعمال کی یہ عبارت واضح طور سے اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ فارقلیط سے مراد پینتیکست کے دن نازل ہونے والی روح القدس تھی، اس لئے کہ اس عبارت میں باپ کے وعدے سے مراد فارقلیط کا وعدہ ہے،

اس کا جواب یہ ہے کہ باپ کے وعدے کا مصداق صرف فارقلیط کو قرار دینا دعویٰ بلا دلیل ہے، بلکہ تیرہ[2] وجوہ سے غلط ہے، جن کی تفصیل قارئین کو معلوم ہو چکی ہے، بلکہ سچی بات یہ ہو کہ فارقلیط کی پیشینگوئی ایک مستقل علیحدہ چیز ہے، اور روح کے دوبارہ نازل کرنے کا وعدہ ایک دوسری مستقل چیز ہے، اللہ نے دونوں وعدے پورے فرما دیئے، پہلے وعدے کو فارقلیط کے آنے سے تعبیر کیا، اور یہاں پر باپ کے وعدے سے تعبیر کیا، زیادہ سے زیادہ یہ نقص لازم آیا کہ فارقلیط کی بشارت یوحنا نے نقل کی اور باقی انجیل والوں نے اس کو نقل نہیں کیا، ادھر لوقا نے صرف اس روح کے نازل ہونے کے وعدے کو نقل کیا، جو پینتکست میں نازل ہوئی[3]، مگر یوحنا نے اس کو نقل نہیں کیا، لیکن اس میں کچھ

---

[1] یعنی حضرت یحییٰ علیہ السلام، یاد رکھئے یوحنا کے ساتھ بائبل میں جہاں بھی بپتسمہ کا لفظ آجائے تو... سمجھ لیجئے کہ اس سے مراد حضرت یحییٰ علیہ السلام ہیں،

[2] "اور دیکھو جس کا میرے باپ نے وعدہ کیا ہے میں اس کو تم پر نازل کروں گا، لیکن جب تک عالم بالا سے تم کو قوت کا لباس نہ ملے اس شہر میں ٹھہرے رہو" (لوقا ۲۴: ۴۹) اس عبارت کا اسلوب بھی یہ بتلا رہا ہو کہ اس سے مراد فارقلیط نہیں ہو، اس لئے کہ یہاں "نازل کروں گا" کہا گیا ہو جبکہ فارقلیط کے لئے "بھیج دوں گا" کہا گیا تھا، نازل کرنے کا اطلاق روح القدس پر اور بھیجنے کا اطلاق نبی موعود پر اتنا واضح ہو کہ محتاج تشریح نہیں، ۱۵۰۲

مضائقہ نہیں، کیونکہ یہ لوگ کبھی معمولی باتوں کے نقل کرنے میں متفق ہو جاتے ہیں مثلاً اور شلیم جاتے ہوئے مسیح کا گدھے پر سوار ہونا کہ اس کی روایت پر چاروں انجیلوں کا اتفاق ہے، اور کبھی کبھی بڑے اور اہم معاملات کے نقل کرنے میں آپس میں اختلاف کر جاتے ہیں،

کیا آپ نے غور نہیں کیا کہ ایک بیوہ کے بیٹے کو زندہ کرنے کا واقعہ صرف لوقا نقل کرتا ہے، اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کا ستر شاگردوں کو بھیجنے کا واقعہ اور دس کوڑھیوں کو اچھا کرنے کا ذکر بھی صرف لوقا کرتا ہے، اس کے علاوہ کوئی اور انجیلی ان واقعات میں سے ایک کو بھی بیان نہیں کرتا، حالانکہ یہ عظیم الشان واقعات ہیں،

اسی طرح مقام قانائے گلیل میں دعوتِ ولیمہ کا ذکر صرف یوحنا ہی کرتا ہے، حالانکہ اس میں مسیح علیہ السلام سے پانی کو شراب بنا دینے کا معجزہ ظاہر ہوا، جو مسیح کا سب سے پہلا معجزہ ہے، اور ان کی بزرگی کے ظاہر ہونے کا ذریعہ، اور یہی واقعہ شاگردوں کے ان پر ایمان لانے کا سبب بنا، یا مثلاً اور شلیم کے بیت صید میں بیمار کو اچھا کر دینے کا واقعہ صرف یوحنا ذکر کرتا ہے، حالانکہ یہ ایک بڑا معجزہ ہے، اس لئے کہ یہ بیمار ۳۸ سال سے مسلسل بیمار چلا جاتا تھا، یا اس عورت کا واقعہ جو زنا کے الزام میں پکڑی گئی تھی، یا مثلاً مادرزاد اندھوں کو بینائی دینے کا واقعہ جو مسیح کا بڑا معجزہ شمار ہوتا ہے، جس کی تصریح باب ۹ میں ہے، یا مُردوں میں سے عازار کے زندہ کرنے کا واقعہ،

یہ تمام واقعات صرف انجیلِ یوحنا میں ہیں، باوجود عظیم الشان واقعات

ہونے کے ان میں سے کسی واقعہ کو کوئی دوسرا انجیلی قطعی ذکر نہیں کرتا،

یہی حالت متی اور مرقس کی ہے، جو بعض معجزوں اور واقعات کے بیان کرنے میں منفرد ہیں، اور کوئی ان واقعات کو ان کے سوا ذکر نہیں کرتا،

اب چونکہ اس مسلک میں بحث طویل ہوتی جاتی ہے، اس لئے ہم بشارت کے نقل کرنے میں اتنی ہی مقدار کو کافی سمجھتے ہیں، جو ہم نے ان کی معتبر کتابوں سے نقل کردی ہیں، اور وہ بشارتیں جو دوسری کتابوں میں پائی جاتی ہیں، اور جو ہمارے زمانے میں معتبر شمار نہیں کی جاتیں ان کو میں نے نقل نہیں کیا، البتہ ان بشارتوں سے فارغ ہونے کے بعد نمونہ کے طور پر ایک بشارت ان میں سے بھی نقل کرتا ہوں،

دیگر کتبِ مقدسہ سے بشارت کی مثال

پادری سیل نے اپنے ترجمۂ قرآن مجید کے مقدمہ میں انجیلِ برنا باسؔ سے

لہ انجیلِ برنا باکا تعارف | برنابا یا برنا باس (Barnabas)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ایک جلیل القدر حواری ہیں، انجیل برنا باس انہی کی طرف منسوب ہے دوسرے حواریوں کی طرح انھوں نے بھی حضرت مسیح علیہ السلام کی سوانح حیات اور آپ کے ارشادات کو جمع کیا تھا، لیکن یہ انجیل عرصۂ دراز سے دنیا سے غائب تھی، گمشدہ کتابوں میں اس کا ذکر آیا کرتا تھا، جیسا کہ اس کتاب کے صفحہ ۲۲۴ جلد اوّل پر اکیہو مو کے حوالہ سے آپ پڑھ چکے ہیں ــــــ لیکن ۱۷۰۹ء میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا، جس نے پوری دنیا کو سوچنے سمجھنے پر مجبور کردیا، مذکورہ سن میں شاہ پروشیا کے ایک مشیر کو جس کا نام کریمر تھا، ایمسٹرڈیم کے مقام پر کسی کتب خانے سے ایک کتاب ہاتھ لگی، جو اطالوی زبان میں تھی، اور اس پر لکھا ہوا تھا کہ یہ برنا باس کی انجیل ہو، اس کتاب میں حضرت مسیح علیہ السلام کے حالات درج تھے، اور اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس کا مصنف برنا باس ہے، (باقی بر صفحہ آئندہ)

ایک بشارت محمدی یوں نقل کی ہے :

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اس وقت تک صرف اتنا معلوم ہو سکا تھا کہ کریمر نے یہ اطالوی نسخہ ایمسٹرڈم کے کسی صاحب حیثیت آدمی سے حاصل کیا تھا، جو اسے ایک انتہائی قیمتی کتاب سمجھتا تھا، کریمر نے یہ نسخہ شہزادہ آیوجین سافوی کو تحفہ کے طور پر دیدیا، اس کے بعد ۱۷۳۸ء میں یہ آسٹریا کے پایہ تخت وائنا کے شاہی کتب خانہ میں منتقل ہو گیا، اور اب تک وہیں ہے،

اس کے بعد اٹھارہویں صدی کے اوائل ہی میں عدٹلی کے مقام پر ڈاکٹر ہلمن کو انجیل برناباس کا ایک اور نسخہ دستیاب ہوا جو ہسپانوی زبان میں تھا، یہی نسخہ مشہور مستشرق جارج سیل کو ملا تھا، جس سے اس نے اپنے ترجمۂ قرآن میں مختلف اقتباسات نقل کئے، اور مصنفؒ نے یہاں یہ اقتباس اسی سے نقل کیا ہے،

مستشرق سیل نے اس ہسپانوی نسخہ پر جو نوٹ لکھا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ درحقیقت یہ اطالوی نسخہ کا ہسپانوی ترجمہ ہے جو کسی اردغانی مسلمان مصطفیٰ عرندی نے کیا ہے، مصطفیٰ عرندی ہی نے اس کے شروع میں ایک دیباچہ بھی لکھا ہے، جس میں اطالوی نسخہ کی دریافت کا پورا حال تحریر ہے،

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ تقریباً سولہویں صدی کے اختتام پر ایک لاطینی راہب فرامرینو کو آرینوس لیشپ کے کچھ خطوط دستیاب ہوئے، ان خطوط میں سے ایک خط میں آرینوس نے پولس کی خوب قلعی کھولی تھی، اور یہ لکھا تھا کہ انجیلِ برناباس میں پولس کی حقیقت پوری طرح واضح کی گئی ہے، اس وقت سے فرامرینو انجیل برناباس کی تلاش میں تھا، اتفاق سے اسے اس زمانے کے پوپ سکٹس پنجم کا تقرب حاصل ہو گیا، اور ایک دن وہ پوپ کے ساتھ اس کے کتب خانے میں چلا گیا، وہاں پہنچ کر پوپ کو نیند آگئی، فرامرینو نے وقت گزاری کے لئے کتابیں دیکھنے کا ارادہ کیا، حسنِ اتفاق سے اس نے پہلی بار جس کتاب پر ہاتھ ڈالا وہ انجیلِ برناباس کا اطالوی نسخہ تھا، فرامرینو اسے حاصل کر کے بیحد خوش ہوا، اور اسے آستین میں چھپا کر لے آیا، (باقی برصفحہ آئندہ)

"اے برنا باس! تو (جان لے) کہ گناہ کتنا ہی چھوٹا ہو اللہ اس پر سزا........

لہ انجیل برنا باس میں حضرت مسیح کا یہ ارشاد اس وقت منقول ہے جبکہ (برنا باس کی روایت کے مطابق) آپ کو ایک مرتبہ آسمان پر اٹھانے کے بعد حضرت مریمؑ اور حواریوں کی درخواست پر دوبارہ دنیا میں بھیجا گیا، اور حواریوں نے آپ سے سوال کیا کہ سولی کا اصل واقعہ کیا تھا؟ — مصنفؒ کے زمانے میں انجیل برنا باس کا عربی ترجمہ نہیں ہوا تھا، اس لئے انھوں نے جارج سیل کے ترجمۂ قرآن سے یہ عبارت نقل کی ہے، اور جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا ہے جارج سیل کے پاس ہسپانوی نسخہ تھا، اس لئے یہ عبارت غالباً ہسپانوی نسخہ کی ہو، یہی وجہ ہے کہ اس عبارت کے بعض جملے مطبوعہ عربی ترجمہ سے مختلف ہیں، اس لئے کہ عربی ترجمہ اطالوی نسخہ سے کیا گیا ہے، ہم حواشی پر اس اختلاف کی طرف اشارہ کریں گے، جس سے معلوم ہوگا کہ ہسپانوی اور اطالوی نسخوں میں کوئی خاص معنوی تفاوت نہیں ہے، — یہاں قوسین کی عبارت کی جگہ عربی ترجمہ میں یہ جملہ ہے "تو مجھے سچ جان"۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) یہ پوری روایت مستشرق سیل نے ترجمۂ قرآن کے مقدمہ میں لکھی ہے اور بتایا ہے کہ مصطفیٰ عرندی نے یہ واقعہ ہسپانوی نسخہ کے دیباچہ میں تحریر کیا ہے، یہ ہسپانوی نسخہ جو سیل کے پاس تھا، اب گم ہو چکا ہے، البتہ اتنا معلوم ہے کہ سیل کے پاس سے ۱۷۸۴ء میں یہ نسخہ ڈاکٹر ہیوٹ کے پاس آ گیا تھا، اور اس نے اپنے لکچروں میں بتایا ہے کہ دو جگہ معمولی اختلاف کے علاوہ اطالوی اور ہسپانوی نسخوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

خلاصہ یہ کہ اب دنیا میں صرف قدیم اطالوی نسخہ موجود ہے، اسی سے ڈاکٹر منکہوس نے اس کا انگریزی میں ترجمہ کر دیا، پھر مصر کے ایک مسیحی عالم ڈاکٹر خلیل سعادت نے انگریزی سے اس کا عربی میں ترجمہ کیا، جسے علامہ رشید رضا مصری نے ۱۹۰۸ء میں اپنے ایک مقدمہ کے ساتھ شائع کر دیا، ڈاکٹر خلیل سعادت ہی نے اس انجیل کی فصلوں پر آیتوں کے نمبر ڈالے ہیں، اصل نسخہ میں یہ نمبر موجود نہ تھے، (باقی بر صفحہ آئندہ)

دیتا ہے[1]، اس لئے کہ اللہ گناہ سے (راضی نہیں[2] ہے) (اور[3]) جب میری ماں اور میرے (شاگردوں[4]) نے دنیا کی خاطر مجھ سے محبت کی (تو اللہ اس بات[5] پر ناراض ہوا)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) یہ عربی ترجمہ ہندوستان میں پہنچا تو مولوی محمد حلیم صاحب انصاری ردولوی نے اس کا اردو ترجمہ کیا، جو ۱۹۱۶ء میں لاہور سے شائع کیا،

یہ بھی انجیل برناباس کی مختصر تاریخ جو ڈاکٹر خلیل سعادت کے عربی دیباچہ سے ماخوذ و ملخص ہے، یہاں اتنا اشارہ کردینا اور ضروری معلوم ہوتا ہے کہ انجیل برناباس معروف اناجیل اربعہ سے مندرجہ ذیل بنیادی اختلافات رکھتی ہے:

۱۔ اس میں حضرت مسیحؑ نے اپنے خدا اور خدا کا بیٹا ہونے سے واضح طور سے انکار کیا ہے،

۲۔ اس میں حضرت مسیحؑ نے بتایا ہے کہ وہ مسیح یا مسیا جس کی بشارت عہد قدیم کے صحیفوں میں دی گئی ہے، اس سے مراد میں نہیں ہوں، بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں،

۳۔ برناباس کا بیان ہے کہ حضرت مسیحؑ کو سولی نہیں دی گئی، بلکہ انھیں آسمان پر اٹھالیا گیا۔ ان کے بجائے یہوداہ اسکریوتی کی صورت بدل دی گئی تھی، اور اسی کو پھانسی دی گئی،

۴۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے جس بیٹے کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تھا وہ حضرت اسحٰقؑ نہیں بلکہ اسمٰعیل علیہ السلام تھے،

یہ امور چونکہ اسلامی عقائد کے سو فی صد مطابق ہیں اس لئے اکثر مسیحی علماء اس انجیل کو کسی مسلمان کی خود ساختہ کتاب قرار دیتے ہیں،

مسئلہ چونکہ اہم ہے اس لئے ہم یہاں اس پر قدرے تفصیل کے ساتھ گفتگو کریں گے آئندہ حواشی میں ہم پہلے اس انجیل کے کچھ اقتباسات پیش کرتے ہیں، اس کے بعد اس کی اصلیت اور استناد کے مسئلہ پر کچھ عرض کریں گے، واللہ الموفق،

(حاشیہ صفحہ ہذا) [1] مطبوعہ عربی ترجمہ میں ہے "سخت سزا دیتا ہے"

[2] یہاں عربی ترجمہ میں یہ الفاظ ہیں: "غضبناک ہوتا ہے" [3] عربی ترجمہ: "پس اسی لئے"

[4] عربی ترجمہ: "میرے ان امانتدار شاگردوں نے جو میرے ساتھ تھے"

[5] عربی ترجمہ میں یہ جملہ نہیں ہے،

اور اپنے انصاف کے تقاضہ سے اس نے ارادہ کیا کہ ان کو (اس دنیا میں[1])
اس (نادرست عقیدہ پر[2]) سزا دے تاکہ انھیں عذابِ جہنم سے نجات ملے، اور انھیں
وہاں تکلیف نہ ہو، اور اگرچہ میں بے قصور ہوں، لیکن جب بعض لوگوں نے میرے
بارے میں یہ کہا کہ یہ اللہ ہے اور اللہ کا بیٹا ہے، تو (اللہ نے اس بات کو برا سمجھا[3])
اور اس نے ارادہ کیا کہ قیامت کے دن شیطان مجھ پر نہ ہنسیں اور میرا ٹھٹھا
نہ کریں، لہٰذا اس نے اچھا سمجھا کہ ہنسی اور ٹھٹھا یہوداہ کی موت کی وجہ سے دنیا
میں ہو جائے، اور لوگوں کو یہ گمان ہو کہ مجھے سُولی دی گئی، لیکن یہ (اہانت
اور تمسخر[4]) باقی رہے گا، یہاں تک کہ محمد رسول اللہ آجائیں، جب وہ آجائیں گے
تو ہر مومن کو اس غلطی پر متنبہ کریں گے، اور یہ شبہ لوگوں کے دل سے نکل جائے گا[5]۔
بلاشبہ یہ بشارت بڑی عظیم الشان بشارت[6] ہے، خواہ عیسائی حضرات کتنا ہی

---

[1] عربی ترجمہ: "دُنیوی غم سے"
[2] عربی ترجمہ: "اس محبت پر"
[3] عربی ترجمہ میں یہ جملہ نہیں ہے،
[4] عربی میں یہ لفظ نہیں ہے،
[5] انجیل برنا باس فصل نمبر ۲۲۰ آیات ۷ تا ۲۰ عربی ترجمہ ص ۳۱۸، اردو ترجمہ ص ۳۰۶،
[6] یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انجیل برنباس کے کچھ اور اقتباسات ناظرین کے سامنے پیش کر دیے جائیں، ہمارے پاس اس انجیل کے عربی اور اردو ترجمے ہیں، ہم یہاں ہر اقتباس میں دونوں کی عبارتیں نقل کرتے ہیں، اردو ترجمہ پر اس لئے اکتفاء نہیں کیا گیا کہ وہ ایک مسلمان عالم کا کیا ہوا ہے، اس کے برخلاف عربی ترجمہ ڈاکٹر خلیل سعادت کا ہے جو عیسائی ہیں:

(۱) لست اھلاً ان احل رباطات	میں اس کے لائق بھی نہیں ہوں کہ اس

(باقی برصفحہ آئندہ)

زور لگائیں اور اعتراض کریں کہ یہ انجیل غیر معتبر ہے، محض اس لئے کہ ہمارے علماء کا مسلّہ

جرموق او سیور جذا ء رسول الله الذی تسمونه مسیّا الذی خلق قبلی و یأتی بعدی (فصل ۴۲ و آیت ۱۴)	رسول اللہ کے جوتے کے بند یا نعلین کے تسمے کھولوں جس کو تم مسیّا کہتے ہو، وہ جو کہ میرے سے پہلے پیدا کیا گیا اور میرے بعد آئے گا" (عربی ترجمہ ص ۶۴ اردو ترجمہ ص ۶۴)
(۲) ولما رأیته امتلأت عزاء قائلاً یا محمّد لیکن الله معک ولیجعلنی اهلاً ان احل سیر حذائك، (فصل ۴۴ آیت ۳۰)	"اور جبکہ میں نے اس کو دیکھا میں تسلی سے بھر کر کہنے لگا اے محمدؐ! اللہ تیرے ساتھ ہو اور مجھ کو اس قابل بنائے کہ میں تیری جوتی کا تسمہ کھولوں" (عربی ترجمہ ص ۶۹ اردو ترجمہ ص ۷۰)
(۳) الحق اقول لکم متکلّماً من القلب انّی اقشعرّ لانّ العالم سیدعونی الهاً وعلیّ ان اقدم لأجل هذا احساباً لعمر الله الذی نفسی واقفة فی حضرته انی رجل فانٍ کسائر الناس، (فصل ۵۲ آیت ۱۰ تا ۱۳)	"میں تم سے سچ کہتا ہوں دل سے باتیں کرتا ہوا کہ ہر آئینہ میرے بھی رونگٹے کھڑے ہوں گے، اس لئے کہ دنیا مجھ کو معبود کہے گی، اور مجھ پر لازم ہوگا کہ اس حضور میں حساب پیش کروں، اللہ کی زندگانی کی قسم ہے وہ اللہ کہ میری جان اس کے حضور میں کھڑی ہونے والی ہو کہ بیشک میں بھی ایک فنا ہونیوالا آدمی ہوں تمام انسانوں جیسا" (عربی ترجمہ ص ۸۲، اردو ترجمہ ص ۸۲)
(۴) اجاب التلامیذ یا معلم من عسیٰ ان یکون ذلك الرجل الذی تتکلم عنه الذی سیأتی الی العالم أجاب یسوع بابتهاج قلب: انه محمد رسول الله (فصل ۱۶۳ آیات ۷ و ۸)	"شاگردوں نے جواب میں کہا، اے معلم! وہ آدمی کون ہوگا جس کی نسبت تو یہ باتیں کہہ رہا ہے اور جو کہ دنیا میں عنقریب آئے گا! یسوع نے دلی خوشی کے ساتھ جواب دیا: بیشک وہ محمد رسول اللہ ہے،" (عربی ترجمہ ص ۲۵۳ اردو ترجمہ ص ۲۴۳)

کی مجالس نے اس کو رد کر دیا ہے، اس لئے کہ باب اوّل میں ہم نے جو کچھ اس سلسلے میں عرض کیا ہے اس کے بعد اس سلسلے میں ان کے رد کرنے یا قبول کرنے کا کوئی بھی اعتبار نہیں کیا جا سکتا، پھر یہ انجیل ان قدیم انجیلوں میں سے ہے جس کا تذکرہ دوسری تیسری صدی کی کتابوں میں موجود ہے، اس بنار پر ہم کہتے ہیں کہ اس انجیل نے ظہورِ محمدی سے دو سو سال پہلے یہ سب کچھ لکھ دیا تھا، جب کہ یہ بات کسی کی طاقت میں نہیں ہے کہ بغیر خداوندی الہام کے اس قسم کی سچی خبر اس کے وقوع سے دو سو سال پہلے دے سکے، نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ یقیناً یہ عیسیٰ علیہ السلام کا کلام ہے،

اس کے جواب میں اگر عیسائی حضرات یہ مہمل بات پیش کرنے لگیں کہ ممکن ہے ظہورِ محمدی کے بعد کسی مسلمان نے اس انجیل میں تحریف کر دی ہو، تو میں عرض کروں گا کہ یہ احتمال بہت ہی بعید ہے، مسلمانوں نے تو کبھی موجودہ اناجیلِ اربعہ کی طرف بھی التفات نہیں کیا، برنابا کی غیر مشہور انجیل کی جانب تو وہ کیا توجہ کرتے؟ اور پھر یہ بات اور زیادہ بعید ہے کہ کسی ایک مسلمان کی تحریف برنابا کی انجیل میں اتنی مؤثر ہو جائے کہ عیسائیوں کے یہاں جو نسخے موجود ہیں اُن کو بھی بدل ڈالے، حالانکہ ان کا دعویٰ ہے کہ علماء اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ میں جو مسلمان ہو گئے تھے انھوں نے دونوں عہد کی کتابوں سے بشارتوں کو نقل کیا، اور اس میں تحریف کی، اب ہم ان کے زعم فاسد کی بنا پر کہتے ہیں کہ تمھارے دعوے کے مطابق ان علماء نے تحریف کی اور ان کی یہ تحریف ان کتابوں میں جو اُنکے پاس موجود تھیں ان بشارتوں کے مقامات پر مؤثر نہیں ہوئی، تو پھر کسی مسلمان کا انجیل برنابا میں تحریف کر دینا ان نسخوں میں جو اُن کے پاس موجود تھے کیسے مؤثر ہو گیا؟ اس لئے یہ

احتمال محض باطل اور کمزور ہے[1]؛

---

[1] اب ہم قدرے تفصیل سے اس انجیل کی اصلیت پر گفتگو کریں گے، جہاں تک ہم نے تحقیق کی ہے ہمارے نزدیک اس انجیل کا پایہ اعتبار بائبل کے کسی صحیفہ سے کم نہیں ہے، بلکہ بعض دلائل ایسے ہیں جن کی بناء پر ہمیں یہ ماننا پڑتا ہے کہ یہ کتاب بنیادی طور پر برناباس حواری ہی کی لکھی ہوئی ہے،

انجیل برناباس کی حقیقت انجیل برناباس کی حقیقت اور اس کی اصلیت کی تحقیق کرنے کے لئے ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ برناباس کون ہیں؟ حواریوں میں ان کا مقام کیا تھا؟ اور ان کے عقائد و نظریات کیا تھے؟ ان کے تعارف کا ایک جملہ سب سے پہلے ہمیں لوقا کی کتاب اعمال میں ملتا ہے، وہ لکھتے ہیں:

"اور یوسف نام ایک لاوی تھا، جس کا لقب رسولوں نے برناباس یعنی نصیحت کا بیٹا رکھا تھا، اور جس کی پیدائش کپرس کی تھی، اس کا ایک کھیت تھا جسے اس نے بیچا، اور قیمت لاکر رسولوں کے پاؤں میں رکھ دی"

(اعمال ۴: ۳۶ و ۳۷)

اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ برناباس حواریوں میں بلند مقام کے حامل تھے اور اسی وجہ سے حواریوں نے ان کا نام "نصیحت کا بیٹا" رکھ دیا تھا، دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ انھوں نے خدا کی رضا جوئی کی خاطر اپنی ساری دنیوی پونجی تبلیغی مقاصد کے لئے صرف کردی تھی

اس کے علاوہ برناباس کا ایک امتیاز یہ بھی ہو کہ انھوں نے ہی تمام حواریوں سے پولس کا تعارف کرایا تھا، حواریوں میں سے کوئی یہ یقین کرنے کے لئے تیار نہ تھا، کہ وہ ساؤل جو کل تک ہم لوگوں کو ستاتا اور تکلیف پہنچاتا رہا ہے، آج اخلاص کے ساتھ ہمارا دوست اور ہم مذہب ہو سکتا ہے، لیکن یہ برناباس ہی تھے جنھوں نے تمام حواریوں کے سامنے پولس کی تصدیق کی اور انھیں بتایا کہ یہ فی الواقعہ تمھارے ہم مذہب ہو چکا ہو (باقی برصفحہ آئندہ)

ضروری اطلاع

ہم نے یہ بشارات سب سے پہلے کتاب اعجاز عیسوی میں ترجمہ مطبوعہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) چنانچہ لوقا پولس کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اس نے یروشلیم میں پہنچ کر شاگردوں میں مل جانے کی کوشش کی، اور سب اس سے ڈرتے تھے، کیونکہ ان کو یقین نہ آتا تھا کہ یہ شاگرد ہے، مگر برنباس نے اسے اپنے ساتھ رسولوں کے پاس لے جاکر ان سے بیان کیا کہ اس نے اس اس طرح راہ میں خداوند کو دیکھا اور اس نے اس سے باتیں کیں، اور اس نے دمشق میں کیسی دلیری کے ساتھ یسوع کے نام سے منادی کی"

(اعمال ۹: ۲۶ و ۲۷)

اس کے بعد ہمیں کتاب اعمال ہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پولس اور برنباس عرصۂ دراز تک ایک دوسرے کے ہم سفر رہے، اور انھوں نے ایک ساتھ تبلیغ عیسائیت کا فریضہ انجام دیا (دیکھئے اعمال ۱۱: ۳۰ و ۱۲: ۲۵ و ابواب ۱۳ و ۱۴ و ۱۵) یہاں تک کہ دوسرے حواریوں نے ان دونوں کے بارے میں یہ شہادت دی کہ:

"یہ دونوں ایسے آدمی ہیں جنھوں نے اپنی جانیں ہمارے خداوند یسوع مسیح کے نام پر نثار کر رکھی ہیں" (اعمال ۱۵: ۲۶)

اعمال کے پندرہویں باب تک برنباس اور پولس ہر معاملہ میں شیر و شکر نظر آتے ہیں لیکن اس کے بعد اچانک ایک ایسا واقعہ پیش آتا ہے جو بطور خاص توجہ کا مستحق ہے، اتنے عرصہ تک ساتھ رہنے اور تبلیغ و دعوت میں اشتراک کے بعد اچانک دونوں میں اس قدر سخت اختلاف پیدا ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ رہنے کا روادار نہیں رہتا، یہ واقعہ کتاب اعمال میں کچھ اس قدر ناگہانی طور سے بیان کیا گیا ہے کہ قاری پہلے سے اس کا مطلق اندازہ نہیں لگا سکتا، لوقا لکھتے ہیں:

(باقی بر صفحہ آئندہ)

سنہ ۱۸۵۰ء سے نقل کیں، اور یہ کتاب ۱۲۷۱ھ مطابق ۱۸۵۴ء میں طبع ہو کر

"مگر پولس اور برنباس انطاکیہ ہی میں رہے، اور بہت سے اور لوگوں کے ساتھ خداوند کا کلام سکھاتے اور اس کی منادی کرتے رہے، چند روز بعد پولس نے برنباس سے کہا کہ جن جن شہروں میں ہم نے خدا کا کلام سنایا تھا آؤ پھر ان میں چل کر بھائیوں کو دیکھیں کہ کیسے ہیں؟ اور برنباس کی صلاح تھی کہ یوحنا کو جو مرقس کہلاتا ہے اپنے ساتھ لے چلیں، مگر پولس نے یہ مناسب نہ جانا کہ جو شخص پمفولیہ میں کنارہ کرکے اس کام کے لئے ان کے ساتھ نہ گیا تھا، اس کو ہمراہ لے چلیں، پس ان میں ایسی سخت تکرار ہوئی کہ ایک دوسرے سے جدا ہو گئے، اور برنباس مرقس کو لے کر جہاز پر کپرس کو روانہ ہوا، مگر پولس نے سیلاس کو پسند کیا، اور بھائیوں کی طرف سے خداوند کے فضل کے سپرد ہو کر روانہ ہوا، اور کلیسیاؤں کو مضبوط کرتا ہوا سوریہ اور کلکیہ سے گذرا"

(اعمال ۱۵: ۳۵ تا ۴۱)

کتاب اعمال میں بظاہر اس شدید اختلاف کی وجہ صرف یہ بیان کی گئی ہے کہ برنباس یوحنا مرقس کو ساتھ لے جانا چاہتا تھا، اور پولس اس سے انکار کرتا تھا، لیکن ہماری رائے میں اس شدید اختلاف کا سبب صرف اتنی معمولی بات نہیں ہو سکتی، بلکہ دونوں کی یہ دائمی جدائی دراصل کچھ بنیادی اختلافات کی بنا پر عمل میں آئی تھی، اس بات کے مندرجہ ذیل شواہد ہیں:

(۱) لوقا نے کتاب اعمال میں ان کے "اختلاف" اور "جدائی" کو بیان کرنے کے لئے جو یونانی الفاظ استعمال کئے ہیں وہ غیر معمولی طور پر سخت ہیں، مسٹر ای، ایم، بلیک لاک اپنی کتاب اعمال کی شرح میں لکھتے ہیں:

"اب لوقا ایمان داری کے ساتھ دونوں رفقاء (پولس اور برنباس) کے درمیان واقع ہونے والے اختلاف کی المناک کہانی لکھتا ہے، جو لفظ اس نے استعمال

ہندوستان کے کونے کونے میں پھیل گئی، اور اس نے شہرت دوام حاصل کی، مگر

کیا ہے یعنی Paraxusmus وہ بڑا سخت لفظ ہے، اور انگریزی مترجم K. J. V. نے اس لفظ کے ترجمہ میں لفظ sharp (تیز) کا اضافہ بالکل درست کیا ہے ــــــ پولس اور برنباس ایک دوسرے سے بالکل جدا ہو جاتے ہیں' یہاں پھر جدائی کے لئے یونانی زبان کا ایک ایسا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو بڑا سخت ہے، اور عام طور سے استعمال نہیں کیا جاتا، یہ لفظ عہد نامۂ جدید میں یہاں کے علاوہ صرف مکاشفہ ۱۴:۶ میں ملتا ہے جہاں آسمانوں کے تباہ ہو کر جدا ہونے کا ذکر ہے"

(کمنٹری آن ایکٹس مرتبہ آر وی جی ٹاسکر، ص ۱۱۸ و ۱۱۹)

کیا اتنا شدید اختلاف جس کے لئے ایسے غیر معمولی الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، صرف اس بنا پر پیدا ہو سکتا ہے کہ ایک شخص یوحنا کو رفیق سفر بنانا چاہتا ہے اور دوسرا سیلاس کو؟ اس قسم کے اختلافات بلاشبہ بعض اوقات پیدا ہو جاتے ہیں، لیکن ان کی بناء پر ہمیشہ کے لئے کسی دیرینہ رفاقت کو خیرباد نہیں کہا جاتا، بالخصوص جبکہ یہ رفاقت اس مقصد کیلئے ہو جس کے تقدس اور پاکیزگی کے دونوں معترف ہیں، وہ برناباس جو تبلیغ دین کے لئے اپنی ساری پونجی لاکر حواریوں کے قدموں میں ڈھیر کر سکتا ہو کیا صرف اپنے ایک رشتہ دار کی وجہ سے تبلیغ دعوت میں ایسی رخنہ اندازی کو گوارا کر سکتا ہے؟

(۳) پھر لطف کی بات یہ ہو کہ بعد میں پولس یوحنا مرقس کی رفاقت کو گوارا کر لیتا ہے، چنانچہ تیمتھیس کے نام اپنے دوسرے خط میں وہ لکھتا ہے:

"مرقس کو ساتھ لے کر آجا، کیونکہ خدمت کے لئے وہ میرے کام کا ہے"

(۲۔ تیمتھیس ۴: ۱۱)

اس سے معلوم ہوا کہ مرقس سے پولس کا اختلاف بہت زیادہ اہمیت کا حامل نہ تھا، اس لئے اس نے بعد میں اس کی رفاقت کو گوارا کر لیا، (باقی بر صفحہ آئندہ)

چونکہ عیسائیوں کے تراجم اور کتابوں کا یہ حال ہے کہ پچھلی مطبوعات میں بہ نسبت

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) لیکن یہ پورے عہدنامہ جدید یا تاریخ کی کسی اور کتاب میں کہیں نہیں ملتا کہ بعد میں برنباس کے ساتھ بھی پولس کے تعلقات درست ہو گئے تھے، اگر جھگڑے کی بنا، مرقس ہی تھا تو اس کے ساتھ پولس کی رضامندی کے بعد برنباس اور پولس کی دوستی کیوں ہموار نہ ہوئی؟

۳۔ جب ہم خود پولس کے خطوط میں برنباس سے اس کی ناراضی کے اسباب تلاش کرتے ہیں تو ہمیں یہ کہیں نہیں ملتا کہ برنباس سے اس کی ناراضی کا سبب یوحنا مرقس تھا اس کے برخلاف ہمیں ایک جملہ ایسا ملتا ہے جس سے دونوں کے اختلاف کے اصل سبب پر کسی قدر روشنی پڑتی ہے، گلتیوں کے نام اپنے خط میں پولس لکھتا ہے:

"لیکن جب کیفا (یعنی پطرس) انطاکیہ میں آیا تو میں نے روبرو ہو کر اس کی مخالفت کی، کیونکہ وہ ملامت کے لائق تھا، اس لئے کہ یعقوب کی طرف سے چند شخصوں کے آنے سے پہلے تو وہ غیر قوم والوں کے ساتھ کھایا کرتا تھا، مگر جب وہ آگئے تو مختونوں سے ڈر کر باز رہا، اور کنارہ کیا، اور باقی یہودیوں نے بھی اس کے ساتھ ہو کر ریاکاری کی، یہاں تک کہ برنباس بھی ان کے ساتھ ریاکاری میں پڑ گیا"

(گلتیوں ۲: ۱۱ تا ۱۳)

اس عبارت میں پولس دراصل اُس اختلاف کو ذکر کر رہا ہے جو حضرت مسیحؑ کے عروج آسمانی کے کچھ عرصہ کے بعد یروشلیم اور انطاکیہ کے عیسائیوں میں پیش آیا تھا، یروشلیم کے اکثر لوگ پہلے یہودی تھے، اور انھوں نے بعد میں عیسائی مذہب قبول کیا تھا، اور انطاکیہ کے اکثر لوگ پہلے بت پرست یا آتش پرست تھے، اور حواریوں کی تعلیم و تبلیغ سے عیسائی ہوئے تھے، پہلی قسم کو بائبل میں "یہودی مسیحی" (jei h Christians) اور دوسری قسم کو "غیر قوم کے لوگ" (entile Christians) (باقی برصفحہ آئندہ)

سابق مطبوعات کے کچھ نہ کچھ تفاوت اور تغیر ضرور ہوتا ہے، جیسا کہ ہم اس کتاب

(باقی حاشیہ صفحہ گذشتہ) کہا گیا ہے، یہودی مسیحیوں کا کہنا یہ تھا کہ ختنہ کرانا اور موسوی شریعت کی تمام رسموں پر عمل کرنا ضروری ہے، اسی لئے انھیں "مختون" بھی کہا جاتا ہے، اور "غیر قوموں" کا کہنا یہ تھا کہ "ختنہ" ضروری نہیں، اس لئے انھیں "نامختون" کہا جاتا ہے، اس کے علاوہ یہودی مسیحیوں میں چھوت چھات کی رسم جاری تھی، اور وہ غیر قوموں کے ساتھ کھانا پینا اور اٹھنا بیٹھنا پسند نہ کرتے تھے، پولس اس معاملہ میں سو فی صد غیر قوموں کا حامی تھا، اور ختنہ اور موسوی شریعت کی رسوم کی منسوخی اس کے انقلاب انگیز نظریات میں سے ایک نظریہ ہے، جسے ثابت کرنے کے لئے اس نے اپنے خطوط میں جا بجا مختلف دلائل پیش کئے ہیں، (ملاحظہ ہو رومیوں ۲: ۲۵ و ۳: ۳۰ و ۴: ۹ و ۱۔ کرنتھیوں ۷: ۱۹ و گلتیوں ۵: ۶ و ۶: ۱۵ و فلپیوں ۳: ۳ و کلسیوں ۲: ۱۱ وغیرہ)

اوپر ہم نے گلتیوں کے نام خط کی جو عبارت پیش کی ہے اس میں پولس نے جناب پطرس اور برنباس پر اسی لئے ملامت کی ہے کہ انھوں نے انطاکیہ میں رہتے ہوئے مختونوں کا ساتھ دیا، اور پولس کے ان نئے مریدوں سے علیحدگی اختیار کی جو ختنہ اور موسوی شریعت کے قائل نہ تھے، چنانچہ اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے پادری جے پیٹرسن اسمتھ لکھتے ہیں:

"پطرس اسی اجنبی شہر (انطاکیہ) میں زیادہ تر اُن لوگوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے جو یروشلیم سے آئے تھے، اور جو اس کے پُرانے ملاقاتی تھے، لہٰذا بہت جلد وہ ان کا ہم خیال ہونے لگتا ہے، دوسرے مسیحی یہودی پطرس سے متاثر ہوتے ہیں یہاں تک کہ برنباس بھی غیر قوم مریدوں سے علیحدگی اختیار کرنے لگتا ہے، اس قسم کے سلوک کو دیکھ کر ان نو مریدوں کی دل شکنی ہوتی ہے، جہاں تک ممکن ہے پولس اس بات کی برداشت کرتا ہے، مگر بہت جلد وہ اس کا مقابلہ کرتا ہے، گو ایسا کرنے سے اسے اپنے ساتھیوں کی مخالفت کرنی پڑتی ہے" (حیات و خطوط پولس، ص ۸۸ و ۸۹ مطبوعہ سنہ ۱۹۵۲ء پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی، لاہور)

(باقی بر صفحہ آئندہ)

کے مقدمہ میں بھی اس پر تنبیہ کر چکے ہیں، اس لئے اگر ناظرین میں سے کوئی صاحب

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) واضح رہے کہ یہ واقعہ برنباس اور پولس کی جدائی سے چند ہی دن پہلے کا ہے، اس لئے کہ انطاکیہ میں پطرس کی آمد یروشلیم میں حواریوں کے اجتماع کے بعد ہوئی تھی اور یروشلیم کے اجتماع اور برنباس کی جدائی میں زیادہ فاصلہ نہیں ہے، لوقا نے دونوں واقعات کتاب اعمال کے باب ۵ اہی میں بیان کئے ہیں،

اس لئے یہ بات انتہائی قرینِ قیاس ہو کہ پولس اور برنباس کی وہ جدائی جس کا ذکر لوقا نے غیر معمولی طور پر سخت الفاظ میں کیا ہے، یوحنا مرقس کی ہمسفری سے زیادہ اس بنیادی اور نظریاتی اختلاف کا نتیجہ تھی، پولس اپنے نئے مریدوں کے لئے ختنہ اور موسوی شریعت کے احکام کو ضروری نہیں سمجھتا تھا، اور اس نے چار چیزوں کے سوا ہر گوشت کو حلال کر دیا تھا، اور برنباس ان احکام کو پس پشت ڈالنے کے لئے تیار نہ تھا جو بائبل میں انتہائی تاکید کے ساتھ ذکر کئے گئے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام سے خطاب ہے:

"اور میرا عہد جو میرے اور تیرے درمیان اور تیرے بعد تیری نسل کے درمیان ہے اور جسے تم مانوگے سو یہ ہے کہ تم میں سے ہر ایک فرزند نرینہ کا ختنہ کیا جائے، اور تم اپنے بدن کی کھلڑی کا ختنہ کیا کرنا، اور یہ اُس عہد کا نشان ہوگا جو میرے اور تمھارے درمیان ہے، تمھارے ہاں پشت در پشت ہر لڑکے کا ختنہ جب وہ آٹھ روز کا ہو کیا جائے، خواہ وہ گھر میں پیدا ہو، خواہ اُسے کسی پردیسی سے خریدا ہو جو تیری نسل سے نہیں، لازم ہے کہ تیرے خانہ زاد اور تیرے زر خرید کا ختنہ کیا جائے اور میرا عہد تمھارے جسم میں ابدی عہد ہوگا، اور وہ فرزند نرینہ جس کا ختنہ نہ ہوا ہو اپنے لوگوں میں سے کاٹ ڈالا جائے، کیونکہ اس نے میرا عہد توڑا۔"

(پیدائش ۱۷: ۱۰ تا ۱۴)

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خطاب کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ:

"اور آٹھویں دن لڑکے کا ختنہ کیا جائے۔" (احبار ۱۲: ۳)

(باقی صفحہ آئندہ)

اس بشارت کو کسی دوسرے سال کے مطبوعہ ترجمہ میں جس کا حوالہ ہم نے دیا ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اور خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بھی ختنہ کی گئی تھیں، چنانچہ انجیل لوقا میں ہے:

"اور جب آٹھ دن پورے ہوئے اور اس کی ختنہ کا وقت آیا تو اس کا نام یسوع رکھا گیا" (لوقا ۲:۲۱)

اس کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام کا کوئی ارشاد ایسا منقول نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ ختنہ کا حکم منسوخ ہو گیا ہے،

لہٰذا یہ بات عین قرین قیاس ہے کہ وہ برنباس جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے براہِ راست ملاقات کا شرف حاصل کیا تھا، پولس سے اس بنا پر برگشتہ ہوا ہو کہ وہ ایک عرصہ دراز تک اپنے آپ کو سچا عیسائی ظاہر کرنے کے بعد مذہب عیسوی کے بنیادی عقائد و احکام میں تحریف کا مرتکب ہو رہا تھا، شروع میں برنباس نے پولس کا ساتھ اس لئے دیا تھا کہ وہ اسے مخلص عیسائی سمجھتے تھے، لیکن جب اس نے غیر اقوام کو اپنا مرید بنانے کے لئے مذہب کی بنیادوں کو منہدم کرنے اور ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈالنے کا سلسلہ شروع کیا تو وہ اس سے جدا ہو گئے، اور اسی بناء پر پولس گلتیوں کے نام خط میں برنباس کو ملامت کرتے ہوئے یہ لکھتا ہے کہ:

"مگر جب وہ آ گئے تو مختونوں سے ڈر کر باز رہا اور کنارہ کیا، اور باقی یہودیوں نے بھی اس کی طرح ریاکاری کی، یہاں تک کہ برنباس بھی ان کے ساتھ ریاکاری میں پڑ گیا" (گلتیوں ۲:۱۳)

اس بات کو پادری جے ہیٹرسن اسمتھ بھی محسوس کرتے ہیں کہ پولس اور برنباس کی جدائی کا سبب صرف مرقس نہ تھا، بلکہ اس کے پس پشت یہ نظریاتی اختلاف بھی کام کر رہا تھا، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"برنباس اور پطرس نے جو کہ بڑے عالی حوصلہ شخص تھے، ضرور اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا ہوگا، اور یوں وہ وقت دُور ہو جاتی ہے، لیکن باوجود اس کے یہ احتمال

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نہ پائیں تو ان کو ہمارے بیان میں شک نہیں کرنا چاہیے، بالخصوص وہ نسخے جو ۱۸۵۴ء

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ضرور گذرتا ہے کہ ان کے درمیان کچھ نہ کچھ رنجش رہ جاتی ہے، جو بعد میں ظاہر ہوتی ہے" (حیات وخطوط پولس، ص ۸۹ و ۹۰)

مندرجہ بالا بحث کو ذہن میں رکھ کر اب انجیل برنباس پر آجایئے، ہمیں اس انجیل کے بالکل شروع میں جو عبارت ملتی ہے یہ ہے:

ایھا الاعزاء ان اللہ العظیم العجیب قد افتقدنا فی ھذہ الایام الاخیرۃ بنبیہ یسوع المسیح برحمۃ عظیمۃ للتعلیم والآیات التی اتخذھا الشیطان ذریعۃ لتضلیل کثیرین بدعوی التقوی مبشرین بتعلیم شدید الکفر داعین المسیح ابن اللہ و رافضین الختان الذی امر بہ اللہ دائماً مجوزین کل لحم نجس الذین ضل فی عدادھم ایضا بولس الذی لا اتکلم عنہ الا مع الاسی وھو السبب الذی لاجلہ اسطر ذلک الحق الذی رأیتہ وسمعتہ اثناء معاشرتی یسوع لکی تخلصوا ولا یضلکم الشیطان فتھلکوا فی دینونۃ اللہ وعلیہ فاحذروا

اے عزیزو! اللہ نے جو عظیم اور عجیب ہے اس آخری زمانہ میں ہمیں اپنے نبی یسوع مسیح کے ذریعہ ایک عظیم رحمت سے آزمایا اس تعلیم اور آیتوں کے ذریعے جنھیں شیطان نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کرنے کا ذریعہ بنایا ہے، جو تقویٰ کا دعویٰ کرتے ہیں، اور سخت کفر کی تبلیغ کرتے ہیں، مسیح کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں، ختنہ کا انکار کرتے ہیں، جس کا اللہ نے ہمیشہ کے لئے حکم دیا ہے، اور ہر نجس گوشت کو جائز کہتے ہیں، انہی کے زمرے میں پولس بھی گمراہ ہوگیا، جس کے بارے میں میں کچھ نہیں کہہ سکتا، مگر افسوس کے ساتھ، اور وہی سبب ہے جس کی وجہ سے وہ حق بات لکھ رہا ہوں جو میں نے یسوع کے ساتھ رہنے کے دوران سنی اور دیکھی ہے، تاکہ تم نجات پاؤ، اور تمھیں شیطان گمراہ نہ کرے، اور تم اللہ کے حق میں

(باقی صفحہ آئندہ)

کے بعد کے طبع شدہ ہیں، اس لئے کہ اگر علمائے پروٹسٹنٹ نے اس بشارت کو ترجمہ مذکور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کل احد یبشر کم بتعلیم جدید مضاد لما اکتبہ لتخلصوا خلاصًا ابدیًا،

(برنباس ۱: ۲ تا ۹)

ہلاک ہو جاؤ، اور اس بناء پر ہر اس شخص سے بچو جو تمہیں کسی نئی تعلیم کی تبلیغ کرتا ہو، جو میرے لکھنے کے خلاف ہو، تاکہ تم ابدی نجات پاؤ۔"

کیا یہ عین قرین قیاس نہیں ہے کہ پولس سے نظریاتی اختلاف کی بناء پر جدا ہونے کے بعد برنباس نے جو عرصۂ دراز تک حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ رہے تھے، .... حضرت مسیح کی ایک سوانح لکھی ہو اور اس میں پولس کے نظریات پر تنقید کر کے صحیح عقائد و نظریات بیان کئے گئے ہوں،

یہاں تک ہماری گذارشات کا خلاصہ یہ ہے کہ خود بائبل میں برنباس کا جو کردار پیش کیا گیا ہے، اور اس میں پولس کے ساتھ ان کے جن اختلاف کا ذکر ہے، ان کے پیش نظر یہ بات چنداں بعید نہیں ہے کہ برنباس نے ایک ایسی انجیل لکھی ہو جس میں پولس کے عقائد و نظریات پر تنقید کی گئی ہو، اور وہ مروّجہ عیسائی عقائد کے خلاف ہو،

اگر یہ بات آپ کے ذہن نشین ہو گئی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ موجودہ انجیل برنباس کو برنباس کی تصنیف سمجھنے کے راستے سے ایک بہت بڑی رکاوٹ دور ہو گئی، اس لئے کہ عام لوگوں اور بالخصوص عیسائی حضرات کے دل میں اس کتاب کی طرف سے ایک بہت بڑا ــــ بلکہ شاید سب سے بڑا ــــ شبہ اسی وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ انھیں اس میں بہت سی باتیں ان نظریات کے خلاف نظر آتی ہیں جو پولس کے واسطے سے ہم تک پہنچی ہیں، وہ جب دیکھتے ہیں کہ اس کتاب کی بہت سی باتیں اناجیل اربعہ اور مروّجہ عیسائی نظریات کے خلاف ہیں تو وہ کسی طرح یہ باور کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے کہ یہ اتنی برنباس کی تصنیف ہو، انسائیکلوپیڈیا امریکانا کا مقالہ نگار اس انجیل کے

"ہمارے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں ہے جس سے ہم یہ معلوم کر سکیں کہ انجیل برنا باس کے اصلی مضامین کیا تھے؟ تاہم اس نام سے اطالوی زبان میں ایک طویل صحیفہ آجکل پایا جاتا ہے جو اسلامی نقطۂ نظر سے لکھا گیا ہے اور جس میں توہم پرستی

سے اپنی طباعت میں حذف کر دیا، تو یہ بات ان کی عادت سے جو تقریباً طبعی ہو چکی ہو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کا ایک مضبوط عنصر موجود ہے، ۱۹۰۷ء میں لانس ڈیل اور لارا نے اسے ایڈٹ کیا تھا، اور ان کا خیال یہ تھا کہ یہ کسی ایسے شخص کی تصنیف ہے جس نے عیسائی مذہب چھوڑ دیا تھا، اور غالباً یہ تیرھویں اور سولھویں صدی کے درمیان کسی وقت لکھی گئی ہے" (انسائیکلوپیڈیا امریکانا، ص ۲۶۲ ج ۳ مقالہ برنباس)

آپ نے دیکھا کہ فاضل مقالہ نگار نے اس کتاب کے ناقابلِ اعتبار ہونے پر کوئی ٹھوس دلیل پیش کرنے کے بجائے چھوٹتے ہی اس پر تبصرہ کیا ہے کہ: "جو اسلامی نقطۂ نظر سے لکھا گیا ہے" اور اس بات کو کتاب کے جعلی ہونے پر کافی دلیل سمجھ کر آگے یہ بحث شروع کر دی ہو کہ اس کا لکھنے والا کون تھا؟ اور یہ کب لکھی گئی؟ اس کی وجہ یہ ہو کہ پولس کے نظریات و عقائد اور اس کے بیان کردہ واقعات ذہنوں میں کچھ اس طرح جم بیٹھے ہیں کہ جس کتاب میں ان کے خلاف کوئی بات کہی گئی ہو، اسے کسی حواری کی طرف منسوب کرنے پر دل آمادہ نہیں ہوتے،

لیکن اوپر جو گذارشات ہم نے پیش کی ہیں ان کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہو کہ اگر برنباس کی کسی تصنیف میں پولس کے عقائد و نظریات کے خلاف کوئی عقیدہ یا واقعہ بیان کیا گیا ہو تو وہ کسی طرح تعجب خیز نہیں ہو سکتا، اور محض اس بنا پر اس تصنیف کو جعلی قرار نہیں دیا جا سکتا کہ وہ پولس کے نظریات کے خلاف ہے، اس لئے کہ مذکورہ بالا بحث سے یہ بات واضح ہو چکی ہو کہ پولس اور برنباس میں کچھ نظریاتی اختلاف تھا جس کی بنا پر وہ دونوں ایک دوسرے سے الگ ہو گئے تھے،

اس بنیادی نکتہ کو قدرے تفصیل اور وضاحت سے ہم نے اس لئے بیان کیا ہے کہ تاکہ انجیلِ برنباس کی اصلیت کی تحقیق کرتے ہوئے وہ غلط تصور ذہن سے دور ہو جائے جو عام طور سے شعوری یا غیر شعوری طور پر آ ہی جاتا ہے،

اس کے بعد آئیے دیکھیں کہ کیا واقعی برنباس نے کوئی انجیل لکھی تھی؟ جہاں تک ہم نے اس موضوع پر مطالعہ کیا ہے اس بات میں دو رائیں نہیں ہیں کہ برنباس نے ایک انجیل لکھی تھی۔ عیسائیوں کے قدیم مآخذ میں برنباس کی انجیل (باقی برصفحہ آئندہ)

کچھ بھی بعید نہ ہوگا، فاضل حیدر علی قرشی اپنی کتاب مسمّیٰ بہ سیف المسلمین بزبان اردو کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کا تذکرہ ملتا ہے، اظہار الحق (ص ۲۳۴ ج ۱) میں اکیہومو کے حوالہ سے جن گم شدہ کتابوں کی فہرست نقل کی گئی ہے اس میں انجیل برنباس کا نام بھی موجود ہے، امریکانا (ص ۲۶۲ ج ۳) کے مقالہ برنباس میں بھی اس کا اعتراف کیا گیا ہے،

چونکہ انجیل برنباس دوسری انجیلوں کی طرح رواج نہیں پا سکی، اس لئے کسی غیر جانبدار کتاب سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ اس کے مضامین کیا تھے؟ لیکن کلیسا کی تاریخ میں ہمیں ایک واقعہ ایسا ملتا ہے جس سے اس کے مندرجات پر ہلکی سی روشنی پڑتی ہے، اور جس سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ برنباس کی انجیل میں عیسائیوں کے عام عقائد و نظریات کے خلاف کچھ باتیں موجود تھیں، وہ واقعہ یہ ہے کہ پانچویں صدی عیسوی میں (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے بہت پہلے) ایک پوپ جیلاشیس اوّل کے نام سے گذرا ہے، اس نے اپنے دَور میں ایک فرمان جاری کیا تھا، جو فرمانِ جیلاشیس (   ) کے نام سے مشہور ہے، اس فرمان میں اس نے چند کتابوں کے پڑھنے کو ممنوع قرار دیا تھا، ان کتابوں میں سے ایک کتاب انجیل برنباس بھی ہے (دیکھئے انسائیکلوپیڈیا امریکانا، ص ۲۶۲ ج ۳ مقالہ برنباس اور چیمبرس انسائیکلوپیڈیا، ص ۱۹۷ ج ۶ مقالہ جیلاشیس اور مقدمہ انجیل برنباس از ڈاکٹر خلیل سعادت مسیحی)،

اگرچہ بعض مسیحی علماء نے جیلاشیس کے اس فرمان کو بھی جعلی اور غیر مستند قرار دیا ہے، (مثلاً انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا مقالہ جیلاشیس) لیکن اس کی کوئی دلیل ہمیں معلوم نہیں ہو سکی اور امریکانا کے مقالہ نگاروں نے اسے تسلیم کیا ہے، وَالْمُثْبِتُ مُقَدَّمٌ عَلَى النَّافِي،

بہرکیف: اگر یہ فرمان درست ہے تو سوال یہ ہے کہ جیلاشیس نے انجیل برنباس کے مطالعہ کو کیوں ممنوع قرار دیا؟ خاص طور سے یہ بات ذہن میں رکھئے کہ پوپ جیلاشیس بدعتی فرقوں کا مقابلہ کرنے میں بہت مشہور ہے، یقیناً اس نے اس کا مطالعہ اس لئے ممنوع کیا ہوگا کہ اس میں عام عیسائی نظریات کے خلاف کچھ باتیں موجود تھیں اور ان سے کسی "فرقے" کی تائید ہوتی تھی،

(باقی حاشیہ برصفحہ آئندہ)

صفحہ ۶۳ و ۶۴ پر لکھتے ہیں:

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اس واقعہ سے اتنا اشارہ اور مل جاتا ہے کہ انجیل برنباس عام عیسائی نظریات کے خلاف تھی، اب تک جتنی باتیں ہم نے عرض کی ہیں وہ خارجی قرائن ہیں جن سے موجودہ انجیلِ برنباس کی اصلیت پر کچھ روشنی پڑسکتی ہے، اس کے بعد ہم کتاب کے اندرونی قرائن سے بحث کرتے ہوئے مختصراً وہ داخلی شہادتیں بیان کریں گے جن سے اس کتاب کے اصلی یا جعلی ہونے کا پتہ چل سکتا ہے، پہلے وہ قرائن ذکر کئے جاتے ہیں جن سے اس کتاب کا اصلی ہونا معلوم ہوتا ہے،

اگر یہ کتاب اصلی نہیں ہے تو یقیناً کسی مسلمان کی لکھی ہوئی ہوگی ـــــ چنانچہ اکثر نصرانی علماء کا دعویٰ یہی ہے۔ اور لامحالہ اس کے لکھنے والے کا مقصد یہ ہوگا کہ اس کتاب کو برنباس کی تصنیف سمجھ کر لوگ عیسائیت سے برگشتہ ہوجائیں، لیکن اس کتاب میں کئی باتیں ایسی پائی جاتی ہیں جو اسے کسی مسلمان کی تصنیف قرار دینے سے انکار کرتی ہیں،

(۱) پہلی بات تو یہ ہے کہ اس کتاب میں ایک درجن سے زائد مقامات پر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی کا ذکر کیا گیا ہے، اور بعض مقامات پر تو لمبی لمبی فصلیں آپؐ ہی کے ذکرِ جمیل سے بھری ہوئی ہیں، مثلاً دیکھئے ۳۶: ۹، ۳۹: ۱۴، ۹:۴۲، ۹:۴۴، ۱۱:۵۲، ۹:۵۴، فصل نمبر ۷۲، ۸:۹۶، ۱۷:۹۷، ۸:۱۶۳، ۱۳۶، ۱۵، ۶:۱۷۶، ۷، ۲۲۰: ۱۷، اب آپ غور فرمائیے کہ جو شخص اتنا ذہین... اور وسیع المطالعہ ہو کہ انجیل برنباس جیسی کتاب تصنیف کرکے اسے حواریوں کی طرف منسوب کرنے کی جرأت کرسکتا ہو، کیا وہ اتنی موٹی سی بات نہیں سمجھ سکتا تھا کہ اس کثرت کے ساتھ بار بار آپؐ کا اسم گرامی ذکر کرنے سے لوگ شبہ میں پڑجائیں گے، جو شخص معمولی سمجھ بوجھ رکھتا ہو وہ کبھی ایسی غلطی نہیں کرسکتا، یہ جعلساز کی فطرت ہے کہ وہ شبہ میں ڈالنے والی کھلی باتوں سے پرہیز کی کوشش کرتا ہے، ایسے موقع پر اس کے لئے آسان راستہ یہ تھا کہ وہ صرف ایک دو جگہوں پر آپؐ کا اسمِ گرامی ذکر کرتا، اور بس! بلکہ اس سے بھی بہتر طریقہ یہ تھا کہ انجیلِ یوحنا میں فارقلیط کے نام سے جو پیشینگوئی مذکور ہے، (باقی بر صفحہ آئندہ)

پادری ارسنگان ارمنی نے کتاب یسعیاہ کا ترجمہ ارمنی زبان میں ۱۶۶۶ء میں کیا تھا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اسے جوں کی توں نقل کرکے فارقلیط کے بجائے آپ کا اسم گرامی لکھ دیتا انجیل برنباس کو پڑھیے تو اندازہ ہوگا کہ اس کا لکھنے والا نہ صرف یہ کہ بائبل کا وسیع علم رکھتا ہے بلکہ انتہائی ذہین اور زیرک ہے، کیا یہ ممکن ہے کہ اپنے مذہب کو حق ثابت کرنے کے جوش میں اس نے اس قدر سامنے کی بات کو نظر انداز کر دیا ہو؟

(۲) اگر اس انجیل کا مصنف کوئی مسلمان ہو تو جگہ جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی ذکر کرنے سے اس کا مقصد یقیناً یہ ہو کہ قرآن کریم کی اس آیت کو درست ثابت کرے جس میں کہا گیا ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صراحۃً آپ کا نام لے کر آپ کی تشریف آوری کی بشارت دی ہے ——— ایسی صورت میں اُسے چاہیے تھا کہ وہ اس کتاب میں ہر جگہ یا کم از کم ایک جگہ آپ کا نام "اَحْمَدُ" ذکر کرتا، اس لئے کہ قرآن کریم کی جس آیت کی وہ تصدیق کرنا چاہتا ہے اس میں یہی نام ذکر کیا گیا ہے، ارشاد ہے:

وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ، "اور (میں) اس رسول کی خوش خبری دینے والا بنا کر (بھیجا گیا ہوں) جو میرے بعد آئے گا اور اس کا نام احمدؐ ہوگا"

اس کے برخلاف ہم دیکھتے ہیں کہ اس کتاب میں ہر جگہ آپ کا اسم گرامی "مُحَمَّدٌ" ذکر کیا گیا ہو، اور کسی ایک جگہ بھی "اَحْمَدُ" کا لفظ موجود نہیں ہے۔

(۳) اس کتاب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی یہ کہلوایا گیا ہے کہ عہد قدیم کی کتابوں میں جس "مسیح" یا "مسیا" کی بشارت دی گئی ہے، اس سے مراد میں نہیں ہوں، بلکہ "محمد رسول اللہ" (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں (فصل نمبر ۹۷ آیت ۱۴)،

اگر اس کتاب کا لکھنے والا کوئی مسلمان ہے تو اسے یہ بات لکھنے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ یہ مسلمانوں کا عقیدہ نہیں ہو، اور اس کے لکھنے سے بھی خواہ مخواہ شبہات پیدا ہو سکتے ہیں، بعض حضرات کا کہنا ہو کہ لکھنے والے نے کسی کو دھوکہ میں ڈالنے کے لئے یہ سب کچھ نہیں لکھا تھا، بلکہ یہ کتاب در اصل ایک تخیلی (Emaginatory) (باقی بر صفحہ آئندہ)

جو ۱۷۳۳ء میں مطبع انٹونی پورڈولی میں چھپا ہے، اس ترجمہ کے باب ۲ ۴میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کتاب ہے، جس میں لکھنے والے نے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ مسلمانوں کے نقطۂ نظر کے مطابق حضرت مسیح علیہ السلام کی سوانح حیات کیسی ہونی چاہیئے،

یہ بات کسی حد تک قرینِ قیاس ہوسکتی تھی، لیکن انجیل برناباس کو پڑھنے کے بعد اس خیال کی بھی تردید ہوجاتی ہے، اوّل تو ایسی صورت میں مصنف کو اپنا نام ظاہر کرنا چاہئے تھا، اس کی بجائے اس نے اسے برناباس کی طرف کیوں منسوب کیا؟ پھر اس کتاب میں بہت سی باتیں اسلامی تصوّرات کے بالکل خلاف ملتی ہیں، ان کی کوئی تاویل سمجھ میں نہیں آتی، مثلاً:

(۱) فصل نمبر ۲۰۹ آیت ۴، فصل نمبر ۲۱۵ آیت ۳ اور فصل نمبر ۲۱۹ آیت ۷ میں کچھ فرشتوں کے نام ذکر کئے گئے ہیں، جن میں جبرئیل کے علاوہ میخائیل، رفائیل اور اوریل بھی مذکور ہیں، مؤخرالذکر تینوں ناموں سے اسلامی ادب بالکل ناآشنا ہے،

(۲) فصل نمبر ۲۱۹ و ۲۲۰ میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب حضرت مسیح علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا گیا تو انھوں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ مجھے ایک مرتبہ پھر دنیا میں جانے کی اجازت دی جائے، تاکہ میں اپنی والدہ اور شاگردوں سے مل آؤں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کے ذریعہ انھیں دوبارہ دنیا میں بھیجا، اور وہ اپنی والدہ اور شاگردوں سے کچھ دیر گفتگو کرکے پھر واپس تشریف لے گئے،

یہ واقعہ بھی اسلامی تصور کے خلاف ہے، آج تک کوئی مسلمان ہماری نگاہ سے ایسا نہیں گذرا جو حضرت مسیح کے آسمان پر تشریف لے جانے کے بعد تھوڑی دیر کے لئے واپسی کا قائل ہو،

(۳) فصل ۱۳ آیت ۵ میں حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ ارشاد منقول ہے کہ:

اعطوا اذاً ما لقیصر لقیصر و ما للّٰہ للّٰہ،	تب تو قیصر کا حق قیصر کو دید و اور اللہ کا حق اللہ کو۔

(باقی بر صفحہ آئندہ)

یہ فقرہ موجود ہے کہ خدا کی پاکی بیان کرو، نئے سرے سے اس کی بادشاہت کا اثر اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) دین وسیاست کی تفریق کا یہ نظریہ خالصۃً غیر اسلامی ہے، اور علمائے اسلام شروع سے اس کی تردید کرتے آئے ہیں،

(۴) فصل ۱۰۵ آیت ۳ میں آسمانوں کی تعداد نو بتلائی گئی ہے، اگرچہ بعض فلاسفہ اس کے قائل رہے ہیں، مگر مسلمانوں میں مشہور قول سات ہی کا ہے، قرآن کریم میں بھی آسمانوں کی تعداد ہر جگہ سات ہی مذکور ہے، اس طرح کے بعض اور تصورات اس کتاب میں ایسے ملتے ہیں جو عام اسلامی نظریات کے قطعی خلاف ہیں، یا کم از کم مسلمانوں کے یہاں معروف نہیں رہے، ان حالات میں یہ کہنا بہت مشکل ہو کہ یہ کتاب کسی مسلمان کی تخیلی تصنیف ہو،

یہ تھے وہ قرائن جن کی موجودگی میں اس کتاب کو کسی مسلمان کی تصنیف قرار دینا بہت بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے، اب ہم وہ قرائن پیش کرتے ہیں جن سے اس کتاب کا جعلی ہونا معلوم ہوتا ہے، اور جن سے اکثر عیسائی حضرات اور اہلِ مغرب نے استدلال کیا ہے،

(۱) جیسا کہ ہم نے عرض کیا، عیسائی حضرات کو اس انجیل کے جعلی ہونے پر سب سے پہلا شبہ تو یہی ہے کہ اس میں بیان کردہ عقائد و نظریات اناجیل اربعہ کے بالکل خلاف ہیں، لیکن بحث کی ابتداء میں ہم تفصیل کے ساتھ یہ ثابت کر چکے ہیں کہ برنباس کی انجیل میں اگر عام عیسائی تصورات کے خلاف کچھ باتیں ہوں تو وہ کسی طرح محلِ تعجب نہیں ہیں، اور تنہا یہ بات اس کتاب کے جعلی ہونے کی دلیل نہیں بن سکتی،

(۲) دوسرا شبہ یہ ہو کہ اس کتاب میں بہت سے مقامات پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی مذکور ہو، حالانکہ عام طور سے انبیاء علیہم السلام آئندہ کسی نبی کی پیشنگوئی فرماتے ہیں تو صاف صاف نام ذکر کرنے کے بجائے اس کا حلیہ اور اس کے اوصاف بیان کرتے ہیں، اور وہ بھی عموماً تمثیلات اور اشاروں کنایوں میں، بائبل میں کسی جگہ کسی آنوالے شخص کا نام ذکر نہیں کیا گیا،

لیکن اس میں اوّل تو یہ کہنا ہی غلط ہو کہ بائبل میں کسی آنے والے کا نام مذکور نہیں ہو، اس لئے کہ کتاب یسعیاہ میں حضرت شعیاء علیہ السلام کی زبانی یہ پیشینگوئی بیان کی گئی ہو کہ:

(باقی برصفحہ آئندہ)

کی پشت پر ظاہر ہوا، اس کا نام احمد ہے، یہ ترجمہ ارمنیوں کے پاس اب

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی، اور بیٹا پیدا ہوگا، اور اس کا نام عمانوائیل رکھے گی۔ (یسعیاہ ۷: ۱۴)

عیسائی حضرات کا کہنا ہے کہ اس عبارت میں حضرت مسیح علیہ السلام کی پیشنگوئی کی گئی ہے، اسی وجہ سے انجیلوں میں اس عبارت کو پیش کرکے حضرت مسیح علیہ السلام کی حقانیت پر استدلال کیا گیا ہے (دیکھئے متی ۱: ۲۳ اور لوقا ۱: ۳۱ و ۳۴) ـــــ اگرچہ اس معاملہ میں بائبل کے شارحین سخت حیران ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا کوئی نام عمانوایل تھا یا نہیں؟ لیکن اس سے کم ازکم اتنی بات بہر صورت ثابت ہو جاتی ہے کہ بعض مرتبہ کسی عظیم الشان شخصیت کی آمد کی پیشنگوئی اس کا نام بتا کر بھی کردی جاتی ہے،

اس کے علاوہ زبور میں ہے:

"قومیں کس لئے طیش میں ہیں؟ اور لوگ کیوں باطل خیال باندھتے ہیں! خداوند اور اس کے مسیح کے خلاف" (زبور ۲: ۱ و ۲)

عیسائی حضرات کے نزدیک اس عبارت میں مسیح سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں، (دیکھئے آکسفورڈ بائبل کنکارڈنس، ص ۲۳۶ مطبوعہ لندن) اس پیشنگوئی میں بھی صریح لقب موجود ہے، بلکہ کتاب دانی ایل میں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لقب کے ساتھ آپ کی مدتِ بعثت بھی بیان کردی گئی ہے:

"اور باسٹھ ہفتوں کے بعد وہ ممسوح قتل کیا جائے گا، اور اس کا کچھ نہ رہے گا" (دانی ایل ۹: ۲۵)

اس کے علاوہ یسعیاہ ۸: ۱ اور یرمیاہ ۲۳: ۵ میں بھی آنے والی شخصیتوں کے نام ذکر کئے گئے ہیں، ان تمام حوالوں سے بہرحال یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ اگر آنے والی شخصیت عظیم الشان ہو تو بعض اوقات پیشنگوئی میں اس کا نام بھی ذکر کردیا جاتا ہے۔ مذکورہ مثالیں تو بائبل کی تھیں، اسلامی ذخیرہ احادیث میں آخر زمانہ کے حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کا نام بھی ہمیں ملتا ہے، (باقی بر صفحہ آئندہ)

بھی موجود ہے، اس میں آپ لوگ دیکھ سکتے ہیں۔"

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اب آپ غور فرمائیے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی ذکر کر دیا ہو تو اس میں تعجب کی کونسی بات ہے؟ خاص طور سے اس لئے کہ آپ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں ممتاز ترین مقام کے حامل تھے آپؐ پر نبوّت و رسالت کے مقدس سلسلہ کو ختم ہونا تھا، اور آپؐ کی نبوّت کو کسی خاص خطہ یا قوم کے ساتھ مخصوص کرنے کے بجائے دنیا کے ہر ہر گوشہ کے لئے عام کیا جانے والا تھا، کیا ایسے نبی کی پیشینگوئی میں حلیہ اور اوصاف کے علاوہ نام ذکر کرنا قرین قیاس نہیں ہے؟

(۳) انجیل برنباس کے اصلی ہونے پر تیسرا شبہ عام طور سے یہ ہوتا ہے کہ اس انجیل کا اسلوبِ بیان باقی انجیلوں سے کافی مختلف ہے ـــــ لیکن ہماری رائے میں اوّل تو اسلوبِ بیان کے اختلاف کا فیصلہ اتنی جلدی سے نہیں کیا جا سکتا، اب تک انجیلِ برنباس کا کوئی عبرانی یا یونانی نسخہ دریافت ہی نہیں ہوا جس سے اناجیلِ اربعہ کا مقابلہ کیا جاسکے، اور ترجموں کے ذریعہ اسلوبِ تحریر کا موازنہ بہت غیر محتاط ہوگا، اسلوبِ تحریر کا جس قدر اختلاف ترجموں سے معلوم ہوتا ہے وہ بہت نمایاں نہیں ہے جس کی بناء پر کوئی فیصلہ کیا جاسکے دوسرے اگر واقعی انجیلِ برنباس اور دوسری انجیلوں میں اسلوب کا فرق ہے تو اس سے اس کے جعلی ہونے پر استدلال نہیں کیا جا سکتا، اس لئے کہ ہر لکھنے والے کا طرزِ تحریر جدا ہوتا ہے، کیا یہ حقیقت سامنے نہیں ہے کہ انجیلِ یوحنا اپنے اسلوبِ بیان کے اعتبار سے پہلی تینوں انجیلوں سے بیحد مختلف ہے، اور اس بات کو تمام عیسائی علماء بھی تسلیم کرتے ہیں، پادری جی، ٹی مینلی بائبل پر اپنی مشہور کتاب میں لکھتے ہیں،

"تاہم یہ انجیل (یعنی انجیل یوحنا) موردِ اعتراض رہی ہے، کیونکہ یہ اناجیلِ متفقہ سے کئی طرح سے مختلف ہے، بیشک اختلافات تو ہیں لیکن اگر ہم چوتھی انجیل کو اس کی اپنی خوبیوں کی روشنی میں دیکھیں تو اس امر سے انکار نہیں ہو سکتا کہ یا تو مصنف خود چشم دید گواہ تھا، یا کسی چشم دید گواہ کے بیانات و مشاہدات کو اس نے قلمبند کیا تھا۔" (ہماری کتبِ مقدسہ

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

میں کہتا ہوں کہ اگرچہ یہ ترجمہ میری نظر سے نہیں گزرا، اور نہ مجھ کو اس سلسلے میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) نیز عہد نامۂ جدید کے مفسر آر، اے ناکس نے اپنی تفسیر کے شروع میں کسی قدر تفصیل سے انجیلِ یوحنا کے اسلوبِ بیان کا جائزہ لیا ہے (ملاحظہ ہو آئے نیو ٹسٹامنٹ کمنٹری، ص ۱۳ جلد اول مطبوعہ لندن ۱۹۵۳ء) لہٰذا اگر انجیل یوحنا باقی تین انجیلوں سے اسلوب کے فرق کے باوجود معتبر انجیل کہلائی جا سکتی ہے تو کیا وجہ ہو کہ انجیل برنباس کے اسلوبِ تحریر کی وجہ سے اُسے رَدّ کر دیا جائے؟

(۴) انجیلِ برنباس کے اصلی ہونے پر جو تھا شبہ بعض حضرات کو یہ ہوا ہے کہ تجلّی کے واقعہ میں حضرت مسیح علیہ السلام جس پہاڑ پر چڑھے تھے، اس کتاب کی فصل ۴۲ آیت ۱۹ میں اس کا نام "جبلِ طابور" لکھا ہے، حالانکہ بہ تحقیق اناجیلِ اربعہ کے بہت بعد ہوتی ہو کہ اس کا نام "طابور" تھا،

لیکن ظاہر ہو کہ یہ بات انجیل برنباس کی اصلیت کو نقصان نہیں، فائدہ پہنچاتی ہے، اس لئے کہ یہ عین ممکن ہو کہ اناجیلِ اربعہ کے مصنفین نے ناواقفیت کی بناء پر، یا غیر ضروری سمجھ کر پہاڑ کا نا ذکر نہ کیا ہو، برنباس نے اسے ذکر کر دیا، اس قسم کے اختلافات خود اناجیلِ ر... بکثرت پائے جاتے ہیں،

(۵) انجیل باس کی اصلیت پر ایک خاصا وزنی اعتراض وہ ہے جو ڈاکٹر خلیل سعادت نے اس کے عربی ترجمہ کے مقدمہ میں بیان کیا ہے، اور وہ یہ کہ اس کتاب کی فصل نمبر ۸۲ آیت نمبر ۱۸ میں ایک جملہ یہ موجود ہے کہ:

حتیٰ انّ سنۃ الیوبیل التی تجیٔ الآن کل مائۃ سنۃ سیجعلھا مسیّا کلّ سنۃ فی کلّ مکان،	"یہاں تک کہ یوبلی کا سال جو اس وقت ہر سو سال میں آتا ہے، مسیّا اس کو ہر جگہ سالانہ کر دے گا"۔

اس میں جس جوبلی کا ذکر ہے اس سے مراد ایک ... ار ... اس کے بارے میں یہ کہا گیا ہو کہ "اس وقت ہر سو سال میں آتا ہے" ... ا (باقی بر صفحہ آئندہ)

کوئی واقفیت تھی، مگر شاید فاضل مصنف نے اس کو دیکھا ہوگا، اس میں کوئی بھی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بہت بعد تک ہر پچاس سال کی ابتداء میں منایا جاتا رہا ہے، کتاب احبار ۲۵: ۱۱ میں اس کے لئے پچاس سال ہی کی مدت بیان کی گئی ہے، اور اس کے بعد کلیسا کی تاریخ میں صرف سنہ ۱۳۰۰ء ایک ایسا سن ہے جس میں پوپ بونی فاشیس ہشتم نے اس جوبلی کی مدت میں اضافہ کر کے اسے ہر صدی کی ابتداء میں منانے کا حکم دیا تھا، لیکن بعد میں اس حکم پر عمل نہ ہو سکا اس لئے کہ سنہ ۱۳۰۰ء میں جو پہلی جوبلی منائی گئی اس میں کلیسا مال و دولت سے نہال ہوگیا، اس لئے پوپ اکلیمنٹس ششم نے سنہ ۱۳۵۰ء میں یہ فرمان جاری کیا کہ یہ تہوار ہر پچاس سال میں ایک مرتبہ منایا جائے، پھر پوپ اربانوس ششم نے اس مدت میں اور کمی کی اور سنہ ۱۳۸۹ء میں یہ حکم جاری کیا کہ یہ تہوار ہر تینتیس سال میں ایک بار منایا جائے، پھر پوپ پولس دوم نے اور کمی کر کے اسے ہر پچیسویں سال منانے کا حکم دیا، ـــــ اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ پوری تاریخ میں صرف سنہ ۱۳۰۰ء سے سنہ ۱۳۵۰ء تک ایک ایسی مدت گذری ہے جس میں اس جوبلی کو ہر سو سال میں ایک بار منانے کا حکم دیا گیا تھا، اس لئے انجیل برنباس کا لکھنے والا اسی مدت کا ہونا چاہئے،

لیکن پھر خود ڈاکٹر خلیل سعادت ہی نے اس اعتراض کا جواب دیا ہے، اور وہ یہ کہ انجیل برنباس کو پڑھنے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اس کا لکھنے والا عہد نامہ قدیم کے تمام صحیفوں سے خوب واقف ہے، اور ان کا وسیع علم رکھتا ہے، اور ایسی صورت میں یہ کیسے ممکن ہے کہ اس سے ایسی فاش غلطی ہوگئی ہو جس کا معمولی طالب علموں سے سرزد ہونا بھی مشکل ہے، لہٰذا بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اصل نسخہ میں یہاں سَو کے بجائے پچاس کا لفظ ہوگا، لیکن کسی لکھنے والے نے غلطی سے اس لفظ کے کچھ ... حروف گھٹا کر اسے سَو بنا دیا، اس لئے کہ اطالوی زبان میں سَو اور پچاس کے لفظوں میں کچھ اتنی مشابہت ہے کہ اس قسم کی غلطی کا واقع ہونا عین ممکن ہے،

(باقی بر صفحہ آئندہ)

شک نہیں کہ یہ فقرہ بہت ہی عظیم الشان اور فائدہ بخش ہی، اگرچہ یہ ترجمہ علمائے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اس کے علاوہ ہمارے نزدیک یہ بھی ممکن ہے کہ چودھویں صدی عیسوی کے کسی پڑھے والے نے یہ جملہ حاشیہ کے طور پر بڑھا دیا ہو، جو غلطی سے متن میں شامل ہوگیا۔ بائبل میں اس طرح کے بے شمار الحاقات ہوتے ہیں، جن کا اعتراف مسلمانوں اور عیسائیوں دونوں کو ہے، مثلاً کتاب پیدائش ۱۳: ۱۸ و ۲۳: ۲ و ۳۷: ۱۴ میں ایک بستی کا نام حبرون ذکر کیا گیا ہے، حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں اس بستی کا نام حبرون کے بجائے قریت اربع تھا، اور جب بنی اسرائیل نے حضرت یوشع علیہ السلام کے زمانہ میں فلسطین کو فتح کیا، تب اس کا نام حبرون رکھا تھا، چنانچہ کتاب یوشع میں تصریح ہے کہ:

"اور اگلے وقت میں حبرون کا نام قریت اربع تھا" (یشوع ۱۴: ۱۴)

یہ تو ایک مثال ہے، حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے بائبل سے ایسی بہت سی مثالیں پیش کی ہیں (ملاحظہ ہو اظہار الحق باب دوم مقصد دوم جلد اوّل)

اُن تمام مثالوں میں عیسائی علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ الفاظ بعد میں کسی نے حاشیہ کے طور پر بڑھائے تھے جو غلطی سے متن میں شامل ہوگئے، یہی بات انجیل برنباس میں اس مقام پر بھی کہی جا سکتی ہے۔

(۶) انجیلِ برنباس کی اصلیت پر چھٹا اعتراض بعض لوگوں نے یہ کیا ہے کہ اس کے بہت سے نظریات چودھویں صدی کے مشہور شاعر ڈانٹے سے ملتے ہیں، لہٰذا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مصنف ڈانٹے کا ہمعصر ہے ــــــ لیکن اس اعتراض کی کمزوری محتاجِ بیان نہیں، دو انسانوں کے کلام میں اگر کچھ مطابقت پیدا ہو جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان میں سے ایک لازماً دوسرے سے ماخوذ ہے، ورنہ بقول علامہ رشید رضا یہ ماننا پڑے گا کہ تورات کے تمام قوانین حمورابی کے قانون سے ماخوذ ہیں، پھر اگر توارد مشکل معلوم ہوتا ہے تو یہ کیوں ممکن نہیں ہو کہ ڈانٹے نے اپنے خیالات انجیلِ برنباس سے مستعار لئے ہوں؟

(باقی برصفحہ آئندہ)

پروٹسٹنٹ کے نزدیک معتبر نہ ہو، قرن اوّل کے علماء یہود و نصاریٰ میں سے جو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) (۷) ڈاکٹر خلیل سعادت نے ایک اعتراض یہ کیا ہے کہ اس میں بعض بحثیں فلسفیانہ انداز کی ہیں، اور اناجیلِ اربعہ میں یہ انداز نہیں ہے،

لیکن اس کا جواب ہم دے چکے ہیں کہ اسلوب کا اختلاف اس کے جعلی ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا، انجیلِ یوحنا کو دیکھئے، اس کا شاعرانہ اور تمثیلات سے بھرپور انداز باقی تینوں انجیلوں سے کتنا مختلف ہے، اس کی بہت سی عبارتیں تو ایسی ہیں کہ آج تک یقینی طور پر حل نہیں ہو سکیں، مگر اسے تمام عیسائی معتبر انجیل مانتے ہیں؛

(۸) ہمارے نزدیک انجیل برنباس کے قابلِ اعتماد ہونے پر سب سے زیادہ مضبوط اعتراض یہ ہے کہ یہ کتاب کسی قابلِ اعتماد طریقے سے ہم تک نہیں پہنچی، جس شخص نے اسے پھیلایا اور عام کیا ہے اس کے بارے میں ہمیں کچھ بھی معلومات نہیں ہیں، کہ وہ کس قسم کا انسان تھا؟ اس نے فی الواقعہ یہ نسخہ کہاں سے حاصل کیا تھا؟ اور ایک طویل عرصہ تک یہ نسخہ کہاں کہاں اور کس کس کے پاس رہا ہے؟

ہمارے نزدیک یہ سوالات بہت معقول اور درست ہیں، اور جب تک ان کا کوئی تسلی بخش جواب نہ ملے اس وقت تک اس کتاب کو یقینی طور پر اصلی قرار نہیں دیا جا سکتا، لیکن بعینہٖ یہ سوالات بائبل کے ہر ہر صحیفہ کے بارے میں پیدا ہوتے ہیں، جن کا کوئی تسلی بخش جواب ابھی تک نہیں مل سکا، لہٰذا جو حضرات بائبل کو قابلِ اعتماد سمجھتے ہیں ان کے لئے انجیلِ برنباس کو ناقابلِ اعتماد قرار دینے کا کوئی جواز نہیں ہے،

ہم بحث کی ابتداء میں یہ لکھ چکے ہیں کہ اس طویل گفتگو سے ہم یہ دعویٰ کرنا نہیں چاہتے کہ یہ کتاب یقینی طور پر اصلی اور قابلِ اعتماد ہے، نہ ہم اسے یقینی طور پر الہامی اور آسمانی سمجھتے ہیں، نہ ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ اس میں جو کچھ لکھا ہے وہ سب صحیح ہے، بلکہ ہماری گذارشات کا حاصل صرف اس قدر ہے کہ اس کا پایۂ اعتبار بائبل کی کسی کتاب سے ہرگز کم نہیں ہے، جیسے ناقابلِ اعتماد طریقوں سے بائبل ہم تک پہنچی ہے ایسے ہی طریقوں سے یہ بھی پہنچی ہے، جس طرح انجیلِ برنباس کے سلسلۂ سند کو میر یا راہب فرامرینو (باقی بر صفحہ آئندہ)

مسلمان ہوئے انھوں نے دونوں عہد کی کتابوں میں محمدی بشارتوں کی شہادت دی ہو،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) پر جاکر ختم ہو جاتا ہے، اسی طرح توریت کی سند ٹوٹتی پھوٹتی ہوئی زیادہ سے زیادہ خلقیاہ کاہن تک پہونچتی ہے، شاہ یوسیاہ کے زمانہ تک اس کا کوئی پتہ نشان نہیں تھا، اچانک یوسیاہ کے زمانہ میں خلقیاہ کاہن یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مجھے ہیکل کو صفا کرتے وقت تورات مل گئی ہے، اور اس کے دعوے کو بغیر کسی تحقیق کے تسلیم کرلیا جاتا ہے (دیکھئے ۲، سلاطین ۲۲: ۳ تا ۲۰)

یہی حال عہدِ قدیم کی دوسری کتابوں کا ہے، کہ ان میں سے اکثر کے بارے میں تو یہی تحقیق نہیں ہو سکی کہ ان کا مصنف کون تھا؟ اور وہ کس زمانہ میں لکھی گئیں؟

عہد نامہ قدیم کا معاملہ تو بہت پرانا ہو، خود اناجیلِ اربعہ کا یہی حال ہے کہ نہ انکی کوئی سند موجود ہے، نہ یہ پتہ چلتا ہو کہ وہ واقعی حواریوں یا ان کے شاگردوں کی لکھی ہوئی ہیں بڑے بڑے عیسائی علماء نے انھیں اصلی ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا، لیکن ظن وتخمین کے سوا کچھ نہ کہہ سکے، اور آخر میں اس بات کا کھلا اعتراف کرنے پر مجبور ہوئے کہ دوسری صدی عیسوی سے پہلے ان انجیلوں کا کوئی نشان نہیں ملتا، عیسائی علماء کے بے شمار اقوال میں سے ہم یہاں صرف ایک اقتباس پیش کرتے ہیں جس سے آپ کو اناجیلِ اربعہ کی حقیقت معلوم ہو سکے گی، مسٹر برنٹ ہلمین اسٹریٹر اناجیلِ اربعہ پر اپنی معروف کتاب (Four Gospels) میں لکھتے ہیں:

> "عہد نامہ جدید کی تحریروں کو جو الہامی صحیفوں کی حیثیت سے تسلیم کرلیا گیا ہو، کیا یہ کوئی کلیسائی اعلان تھا جس پر بڑے بڑے کلیساؤں کے ذمہ داروں نے اتفاق کرلیا تھا؟ یہ ہمیں معلوم نہیں ہے، ہمیں صرف اتنا معلوم ہے کہ ۱۸۰ء کے لگ بھگ اناجیلِ اربعہ کو انطاکیہ، افسس اور روم میں یہ حیثیت حاصل ہو گئی تھی"
>
> (فورگاسپلس، ص ۷، مطبوعہ نیویارک)

(باقی برصفحہ آئندہ)

مثلاً علمائے یہود میں سے عبد اللہ بن سلامؓ، شعبہ کے دونوں بیٹے، بنیامین، مخیریق

کعب احبار وغیرہ علمائے نصاریٰ میں سے بحیرا اور نسطورا حبشی، جارود، نجاشی،

صفاطر یعنی وہ رومی بشپ جو حضرت دحیہ کلبیؓ کے ہاتھ پر ایمان لایا تھا، سوس،

اور وہ پادری جو جعفر بن ابی طالب کے ہمراہ مدینہ میں حاضر ہوئے،

اس کے علاوہ آپؐ کی نبوت کی صداقت اور رسالت کی ہمہ گیری کا اعتراف

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) گویا ۱۸۰ء سے پہلے تو ان انجیلوں کا کوئی ذکر ہی نہیں ملتا، اور سٹریٹر نے یہ جو کہا کہ ۱۸۰ء میں اناجیلِ اربعہ کو انطاکیہ وغیرہ میں تسلیم کر لیا گیا تھا، اس کی بنیاد بھی اگناشس اور کلیمنس وغیرہ کے خطوط ہیں جن میں ان انجیلوں کے حوالے موجود ہیں، لیکن خود یہ خطوط بجد مشتبہ ہیں جیسا کہ مولانا کیرانویؒ نے اظہار الحق میں تفصیل کے ساتھ ثابت کیا ہے،

یہ تو اناجیلِ اربعہ کی اسناد کا حال ہے، رہیں اندرونی شہادتیں، سو اس معاملہ میں بائبل کی حالت موجودہ انجیل برنباس کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ناگفتہ بہ ہے، کیونکہ اس میں بے پناہ اختلافات اور غلطیاں موجود ہیں،

لہٰذا ہماری گذارشات کا حاصل یہ ہے کہ جہاں تک مسلمانوں کے اصولِ تنقید کا تعلق ہے ان کی رُو سے تو بلاشبہ انجیل برنباس ایسی کتاب نہیں ہے جس پر یقینی طور سے اعتماد کیا جا سکے، لیکن ان اصول کی روشنی میں پوری بائبل بھی قطعی ناقابلِ اعتبار ہے،

رہے عیسائی حضرات کے وہ اصولِ تنقید جنھوں نے بائبل کو نہ صرف قابلِ اعتبار، بلکہ الہامی اور آسمانی قرار دیا، سو ان کی روشنی میں انجیلِ برنباس بھی قابلِ اعتبار ٹھہرتی ہے، لہٰذا جو حضرات بائبل کو قابلِ اعتماد سمجھتے ہیں ان کے پاس انجیل برنا باس کو رد کرنے کی کوئی وجہ جواز نہیں ہے، بلکہ جتنے خارجی اور اندرونی قرائن اس کتاب کی اصلیت پر دلالت کرتے ہیں اتنے شاید ہی بائبل کی کسی کتاب کو حاصل ہوں، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم،

ہرقل قیصر روم اور مقوقس شاہ مصر، ابن صوریا، حیی بن اخطب، ابو یاسر بن اخطب جیسے صاحب جبروت سلاطین و امراء نے کیا، اگرچہ یہ لوگ بدبختی اور حسد کا شکار ہو کر اسلام کی نعمت سے محروم رہے،

منقول ہے کہ جس وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے عیسائیوں کے مقابلہ میں دلائل پیش کئے، اور وہ لوگ پھر بھی اپنی جہالت پر جمے رہے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ اگر تم دلیل کو نہیں مانو گے تو میں تم سے مباہلہ[1] کروں ... وہ کہنے لگے آپ ہم کو مہلت دیں تاکہ ہم اپنے معاملہ میں غور کرلیں، پھر سوچ کر حاضر ہوں گے، واپسی پر ان لوگوں نے باہم مشورہ کیا، اور اپنے سردار سے جو بہت زیرک تھا پوچھا کہ آپ کی کیا رائے ہے؟ اس نے جواب دیا کہ خدا کی قسم! تم لوگ محمدؐ کی نبوت کو پہچان چکے ہو۔ اور اس نے تمہارے سامنے ایک فیصلہ کن چیز پیش کردی ہو خدا کی قسم! کبھی کسی قوم نے کسی نبی سے مباہلہ نہیں کیا، مگر یہ ہوا کہ وہ بُری طرح ہلاک و برباد ہوئے، تم نے صرف اپنے آبائی طریقہ کی اُلفت کی وجہ سے انکار کیا ہے، بہتر یہ ہے کہ اس شخص سے مصالحت کرلو اور خیریت سے لوٹ جاؤ،

یہ لوگ اگلے دن صبح کو دربار رسولؐ میں حاضر ہوئے، اس وقت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو گود میں لئے ہوئے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے، پیچھے پیچھے حضرت فاطمہ رضؓ، ...

---

[1] مباہلہ کا مطلب یہ ہو کہ فریقین اپنے اہل وعیال سمیت کسی میدان میں جمع ہو کر اللہ سے یہ دعا کریں کہ اگر ہم باطل پر ہیں تو ہمیں تباہ و برباد کردے،

ان کے بعد حضرت علیؓ چلے آتے تھے، آپؐ اپنے جگر گوشوں اور اعزّہ کو ہدایت فرما رہے تھے، کہ جب میں دعا کروں تو تم لوگ آمین کہتے جانا، یہ منظر دیکھ کر عیسائیوں کے پادری نے کہا کہ اے عیسائیو! میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ لوگ اپنے خدا سے یہ سوال کریں کہ پہاڑ کو اس کی جگہ سے ہٹا دے تو خدا ضرور پہاڑ کو ہٹا دے گا، اس لئے تم لوگ مباہلہ مت کرو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے،

چنانچہ ان لوگوں کی سمجھ میں آ گیا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع ہو کر دو ہزار سُرخ جوڑے اور تیس زرہیں سالانہ جزیہ کے طور پر ادا کرنے کے لئے تیار ہو گئے، اس پر حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اگر یہ لوگ مباہلہ کرتے تو انھیں ان کی صورتیں مسخ کر کے خنزیر اور بندر بنا دیا جاتا، اور یہ میدان اُن کے لئے آتش خانہ بن جاتا، اور حق تعالیٰ شانہٗ نجران کی بستی اور وہاں کے باشندوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیتا، یہاں تک کہ درختوں پر پرندے بھی باقی نہ رہتے[1]۔

یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دو لحاظ سے دلالت کرتا ہے،

اوّل تو یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عذابِ الٰہی نازل ہونے سے ڈرایا، اب اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا پختہ اور کامل یقین اور وثوق نہ ہوتا تو ایسی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل صاف اپنے جھوٹا بننے کی سعی شمار ہوتی، اس لئے کہ اگر مباہلہ کے بعد عذاب نازل نہ ہوتا تو آپؐ کا جھوٹا ہونا دنیا پر روشن ہو جاتا، ادھر یہ یقینی بات ہے کہ آپؐ عقل و فراست اور دور اندیشی

---

[1] اخرجہ ابن اسحٰق فی سیرۃ والبیہقی فی دلائل النبوۃ (راجع تفسیر ابن کثیر، ص ۳۶۸ ج ۱، قاہرہ ۱۳۶۷ھ)۔

میں یکتائے روزگار تھے، اس لئے یہ امر آپؐ کی شان سے عقلاً بالکل بعید ہے کہ آپؐ ایسا کام کریں جو آپؐ کے جھوٹا بننے کو مستلزم ہو، اس کے باوجود جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اصرار کیا تو ہم کو یقین ہو گیا کہ یہ آپؐ کے اس اعتماد اور وثوق کا نتیجہ تھا جو کہ آپؐ کو اللہ کے وعدے پر تھا، دوسرے یہ کہ یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں اپنی جانیں اور قیمتی اموال برباد کر رہے تھے، اگر ان کو آپؐ کی نبوّت کا یقین نہ ہوتا تو آپؐ کو جھوٹا بنانے کے لئے بڑی آسانی کے ساتھ مباہلہ کے لئے فوراً تیار ہو جاتے، جس میں کسی قسم کا بھی کوئی جانی ومالی خرچ نہ تھا، اور ایسے ارزاں موقع کو نہ چھوڑتے، جس پر ہلدی لگے نہ پھٹکری کی مثال صادق آتی ہے ؛

دوسری فصل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر عیسائیوں کے اعتراضات اور ان کے جواب

سب سے پہلے یہ بات جان لینا ضروری ہے کہ عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق انبیاء علیہم السلام صرف وحی کی تبلیغ کی حد تک معصوم ہوتے ہیں، خواہ وہ تقریراً ہو یا تحریراً، تبلیغ کے علاوہ دوسرے امور میں یہ لوگ نہ نبوت سے قبل معصوم ہیں اور نہ نبی بننے کے بعد ان کا معصوم ہونا ضروری ہے، اس لئے نبوت کے بعد بھی ان سے ہر قسم کے گناہ جان بوجھ کر بھی سرزد ہو سکتے ہیں، چہ جائیکہ غلطی اور بھول سے سرزد ہونا، کہ وہ تو بالکل بھی بعید نہیں، لہٰذا (معاذ اللہ) ان سے اپنی محرم عورتوں کے ساتھ زنا بھی صادر ہوتا ہے، چہ جائیکہ اجنبی اور غیر عورتوں سے، ان سے بت پرستی بھی ہوتی ہے، اور بت خانوں کی تعمیر بھی،

اُن کے نزدیک ابراہیمؑ سے لے کر یحییٰ علیہ السلام تک کوئی بھی ایسا نبی نہیں ہوا جو خود زانی یا زانی کی اولاد نہ تھا، (خدائے قدوس ہم کو انبیاء علیہم السلام کی شان میں ایسے گندے عقیدوں سے محفوظ رکھے) قارئین کو مقدمۃ الکتاب کے نمبر، اور باب اوّل کی فصل ۳ و ۴ سے نیز دوسرے باب کے مقصد اوّل سے یہ بات واضح طور پر...... معلوم ہو چکی ہے کہ عیسائی لوگ تبلیغی امور میں انبیاء علیہم السلام کے معصوم ہونے کا جو دعویٰ کرتے ہیں وہ بھی ان کے اصول کے مطابق باطل اور قطعی بے اصل ہے، اور ہم بذات خود اگرچہ انبیاء علیہم السلام کے ان گناہوں کو اور من گھڑت کفریات کو ان کی کتابوں سے نقل کرنا مکروہ سمجھتے ہیں خواہ الزامی طور پر ہی کیوں نہ ہو، حاشا وکلاّ! ہم انبیاء علیہم السلام کی پاک اور مقدس ہستیوں کو ان کفریات سے قطعی طور پر مبرا سمجھتے ہیں مگر جب ہم دیکھتے ہیں کہ علماء پروٹسٹنٹ اپنی زبانوں کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں سچی اور حقیقی باتوں کی نسبت بھی فحاشی کیلئے دراز کرتے ہیں اور ان عوام الناس کو مغالطہ اور فریب دینے کے لئے جو اُن کی کتابوں سے ناواقف ہیں رائی کا پہاڑ بناتے ہیں، اور اُن کی باطل اور غلط ملمع کاریوں سے لوگوں کے اشتباہ میں پڑنے کا اندیشہ ہے، اس لئے بادلِ ناخواستہ ان میں سے کچھ چیزیں الزامی طور پر ہم پیش کرتے ہیں، البتہ ان کے اعتقاد سے ہم ہزار زبان کے ساتھ تبرّی کرتے ہیں، انکا نقل کرنا محض "نقلِ کفر کفر نباشد" کے درجے میں ہے، یہ لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں جو گستاخیاں کرتے ہیں ان کو اور ان کے جوابات کو نقل کرنے سے پہلے ہم ایک جھلک ان عقائد کی دکھلانا چاہتے ہیں جو یہ لوگ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے بارے میں رکھتے ہیں جن کا نبی ہونا انھیں بھی تسلیم ہے۔

انبیاء علیہم السّلام کی شان میں عیسائیوں کے ناپاک عقیدے اور شرمناک الزامات

پادری ولیم سمتھ نے جو علماء پروٹسٹنٹ میں سے ہے اردو زبان میں ایک کتاب لکھی تھی جو مرزاپور میں ۱۸۴۸ء میں طبع ہوئی، جس کا نام طریق الاولیاء رکھا، اس میں مصنف نے آدمؑ سے یعقوبؑ تک انبیاء علیہم السلام کے حالات کتاب پیدائش اور اس کی تفسیروں سے جو علماء پروٹسٹنٹ کے نزدیک معتبر ہیں، نقل کرکے لکھے ہیں ہم بعض موقعوں پر اس کتاب سے بھی نقل کریں گے

حضرت آدمؑ نے توبہ نہیں کی، الزام نمبر ۱

آدم علیہ السلام کا واقعہ عیسائیوں میں مشہور اور کتاب پیدائش کے باب نمبر ۳ میں مذکور ہے ان کا اعتراف ہے کہ آدمؑ نے قصداً گناہ کیا، خدا کے مطالبہ کرنے کے بعد بھی انھوں نے اپنی غلطی اور جرم کا اعتراف نہیں کیا، عیسائیوں کے نزدیک آدمؑ سے تا دمِ آخر توبہ کرنا ثابت نہیں[1]، طریق الاولیاء صفحہ ۲۳ میں ہے:

---

[1] واضح رہے کہ حضرت آدمؑ سے اجتہادی لغزش صادر ہو جانے کے قائل مسلمان بھی ہیں، لیکن اول تو قرآن کریم میں اس بات کی تصریح ہے کہ یہ لغزش ایک اجتہادی غلطی تھی، جان بوجھ کر اس کا ارتکاب نہیں کیا گیا تھا، پھر قرآن کریم ہی نے یہ بھی بتلایا ہے کہ حضرت آدمؑ نے اس لغزش پر بھی پورے خلوصِ دل کے ساتھ توبہ کرلی تھی، (سورۂ بقرہ)

"افسوس صد ہزار افسوس، کہ آدمؑ سے توبہ کرنا ثابت نہیں، اور مزید افسوس یہ کہ انھوں نے کبھی ایک بار بھی اپنی خطا کی معافی کی درخواست نہیں کی۔"

حضرت نوحؑ کا شراب پی کر برہنہ ہو جانا؛ الزام نمبر ۲،

کتاب پیدائش باب ۹ آیت ۱۸ میں ہے:

"نوحؑ کے بیٹے جو کشتی سے نکلے سِم، حام اور یافت تھے، اور حام کنعان کا باپ تھا، یہی تینوں نوحؑ کے بیٹے تھے، اور انہی کی نسل ساری زمین پر پھیلی، اور نوحؑ کاشتکاری کرنے لگا، اور اس نے ایک انگور کا باغ لگایا اور اس نے اس کی مے پی، اور اسے نشہ آیا، اور وہ اپنے ڈیرے میں برہنہ ہو گیا، اور کنعان کے باپ حام نے اپنے باپ کو برہنہ دیکھا، اور اپنے دونوں بھائیوں کو باہر آ کر خبر دی۔" (آیات ۱۸ تا ۲۲)

پھر آیت ۲۴ میں ہے:

"جب نوحؑ اپنی مے کے نشہ سے ہوش میں آیا تو جو اس کے چھوٹے بیٹے نے اس کے ساتھ کیا تھا اسے معلوم ہوا، اور اس نے کہا کہ کنعان ملعون ہو وہ اپنے بھائیوں کے غلاموں کا غلام ہو گا۔"

اس میں یہ الزام شرمناک طریقہ پر لگایا جا رہا ہے کہ نعوذ باللہ نوحؑ نے شراب پی، بدمست ہوئے، اور برہنہ ہو گئے، اور سر پیٹنے کا مقام یہ ہے کہ اپنے باپ کو برہنہ دیکھنے کا قصوروار تو حام ہے جو کنعان کا باپ تھا، اور ملعون ہونے کی سزا دی جاتی ہے اس کے بیٹے غریب کنعان کو، ظاہر ہے کہ باپ کے

قصور میں بیٹے کو پکڑنا قطعی عدل و انصاف کے خلاف ہے، جیساکہ اس کی شہادت کے لئے حزقیال پیغمبر کا قول کافی ہے، جو اُن کی کتاب کے باب ۱۸ آیت ۲۰ میں اس طرح درج ہے:

"بیٹا باپ کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا، اور نہ باپ بیٹے کے گناہ کا بوجھ، صادق کی صداقت اسی کے لئے ہوگی اور شریر کی شرارت شریر کے لئے"۔

اور اگر تھوڑی دیر کے لئے ہم یہ مان بھی لیں کہ بیٹے پر باپ کا گناہ لادنا انصاف کے خلاف نہیں ہے، تو پھر ہم کو کوئی یہ سمجھا دے کہ پھر کنعان ہی کی تخصیص کیوں ہوئی؟ اس لئے کہ حام کے چار بیٹے تھے، کوش، مصر، فوط اور کنعان جیساکہ باب ۱۰ میں تصریح موجود ہے[۱]۔

حضرت ابراہیم کا شرک، الزام نمبر ۳

طریق الاولیاء صفحہ ۴۷ پر ابراہیم علیہ السلام کے احوال میں یوں کہا گیا ہے:-

"ان کی ستر سالہ ابتدائی زندگی کا حال معلوم نہیں ہے، آپکی پرورش بت پرستوں میں ہوئی، عمر کا بیشتر حصہ ان کی صحبت ہی میں بسر ہوا، ان کے باپ کے متعلق معلوم ہوتا ہے کہ وہ خدائے برحق کو نہیں جانتے تھے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ ابراہیم بھی جب تک خدا نے ان کی رہنمائی نہیں کی، بت پرستی کرتے رہے ہوں، پھر جب اُن پر حقیقت منکشف ہوئی تو خدا نے ان کو دنیا والوں میں سے منتخب کیا، اور اپنا خاص بندہ بنا لیا"۔

---

[۱] پیدائش ۱۰: ۶۔

لیجئے عیسائیوں کے ناپاک حملے سے ابراہیم علیہ السلام کی ذاتِ گرامی بھی نہ بچ سکی، اُن کا گمان ہے کہ ابراہیمؑ اپنی ابتدائی ستر سالہ زندگی میں بُت پرستی کرتے رہے، بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ عیسائی اصول کے مطابق یہ صرف ظن وگمان کا درجہ نہیں ہے، بلکہ قریب یقین کے ہے، اس لئے کہ ان کے نزدیک اُس وقت ساری دنیا بت پرست تھی، اور ابراہیمؑ کی نشو ونما بھی انہی میں ہوئی والدین بھی بُت پرست تھے، اور اس وقت تک ابراہیمؑ پر اللہ کی الوہیت اور ربوبیت بھی منکشف نہیں ہوئی تھی، ادھر بُت پرستی سے پاک ہونے کی شرط ان کے نزدیک نبی بننے کے بعد بھی نہیں ہے، چہ جائیکہ نبوت سے قبل شرط ہو، ان تمام باتوں کے پیش نظر ان کا اس عرصہ میں بت پرستی میں ملوث ہونا تقریباً یقینی ہے، جب انبیاء علیہم السلام کے جدِّ امجد کا نبوت سے پہلے کا حال اور ستر سالہ زندگی کا نقشہ آپ دیکھ چکے تو اب نبوت کے بعد کا رخ ملاحظہ فرمائیے:-

حضرت ابراہیمؑ کا لالچ، الزام نمبر ۴

کتاب پیدائش باب نمبر ۱۲ آیت نمبر ۱۱ میں ہے کہ:

"اور ایسا ہوا کہ جب وہ (حضرت ابراہیمؑ) مصر میں داخل ہونے کو تھا تو اس نے اپنی بیوی سارہ سے کہا کہ دیکھ میں جانتا ہوں سو وہ مجھے مار ڈالیں گے مگر تجھے زندہ رکھ لیں گے، کہ تو دیکھنے میں خوب صورت عورت ہے۔ اور یوں ہوگا کہ مصری تجھے دیکھ کر کہیں گے کہ یہ اُس کی بیوی ہے۔ تو یہ کہہ دینا کہ میں اس کی بہن ہوں، تاکہ تیرے سبب سے میری خیر ہو، اور میری جان تیری بدولت بچی رہے" (آیات ۱۱ تا ۱۳)

اس کلام سے معلوم ہوا کہ جھوٹ بولنے کی وجہ محض خوف ہی نہ تھا، بلکہ بھلائی کے حصول کی توقع اور طمع بھی بڑا سبب تھا، بلکہ وہی بڑا قوی سبب تھا، اسی لئے اس کا ذکر پہلے کیا، چنانچہ وہ متوقع خیر حاصل بھی ہوئی جس کی تصریح آیت ۱۶ میں ہے[۱]، اس کے علاوہ ان کو قتل کا اندیشہ سراسر وہمی تھا، بالخصوص اس حالت میں کہ وہ سارہ کے چھوڑنے پر بھی راضی اور تیار تھے، اس کے بعد تو پھر ڈرانے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا،

اب عقل سے پوچھا جا سکتا ہے کہ ابراہیمؑ اپنی بیوی کو چھوڑنے اور کافر دشمنوں کے حوالے کر دینے پر جہاں یقینی طور پر آبرو ریزی کا خطرہ ہے کیسے راضی اور تیار ہو سکتے ہیں؟ ایک ادنیٰ غیر تمند شخص بھی اس کے لئے تیار نہیں ہو سکتا، تو ابراہیمؑ جیسا باعزت انسان کیونکر اس بے غیرتی کو قبول کر سکتا ہے؟

الزام نمبر ۵

کتاب پیدائش باب ۲۰ آیت ۱ میں ہے:

"اور ابرہام وہاں سے (تیمان[۲]) کی طرف چلا، اور قادس اور شور کے درمیان ٹھہرا، اور جرار میں قیام کیا، اور ابرہام نے اپنی بیوی سارہ کے حق میں کہا کہ وہ میری بہن ہے، اور جرار کے بادشاہ ابی ملک نے سارہ کو بلوالیا، لیکن رات کو خدا ابی ملک کے پاس خواب میں آیا اور

---

[۱] "اور اس نے اس کی خاطر ابرام پر احسان کیا، اور بھیڑ بکریاں اور گائے بیل اور گدھے اور غلام اور لونڈیاں اور گدھیاں اور اونٹ اس کے پاس ہو گئے" (پیدائش ۱۲: ۱۶)

[۲] موجودہ اردو ترجمہ میں یہاں "تیمان" کی بجائے "جنوب کے ملک" کا لفظ ہے، واضح رہے کہ بائبل میں جنوبی ملک سے مراد ہمیشہ عرب یا یمن ہوتا ہے، اور تیمان یمن کا قدیم نام ہے۔

اسے کہا کہ دیکھ تو اس عورت کے سبب سے جسے تو نے لیا ہے ہلاک ہوگا کیونکہ

وہ شوہر والی ہے پر ابی ملک نے اس سے صحبت نہیں کی تھی، سو اس نے کہا

اے خداوند کیا تو صادق قوم کو بھی مارے گا ؟ کیا اس نے خود مجھ سے نہیں کہا

کہ یہ میری بہن ہے ؟ اور وہ آپ بھی یہی کہتی تھی کہ وہ میرا بھائی ہے " (آیات ا تا ۵)

لیجئے اس جگہ ابراہیمؑ اور سارہؓ نے دوسری بار جھوٹ بولا، غالباً بڑا اور قوی سبب یہاں پر خوف کے علاوہ منفعت کے حاصل ہونے کی توقع اور لالچ تھا جس کی تصریح آیت ۱۴ میں ہے، پھر جبکہ ابراہیم بغیر کسی مزاحمت کے سارہؓ کو حوالہ کرنے پر تیار تھے، پھر تو خوف کی کوئی وجہ ہی نہیں ہو سکتی، چنانچہ طریق الاولیاء صفحہ ۹۹ میں ہے کہ:

"غالباً جب ابراہیمؑ نے پہلی بار سارہ کے بیوی ہونے کا انکار کیا، اس وقت دل میں پختہ ارادہ کر لیا تھا کہ آئندہ اس قسم کے گناہ کا ارتکاب نہیں کروں گا مگر پھر غفلت کے سبب شیطان کے پرانے جال میں پھنس گئے"

لہ یہاں یہ واضح رہے کہ اس جگہ مصنفؒ یہ اعتراض الزامی طور پر کر رہے ہیں، اس لئے کہ خود مسیحی علماء (مثلاً مصنف طریق الاولیاء) نے اسے حضرت ابراہیمؑ کی غلطی قرار دیا ہے، ورنہ جہاں تک نفسِ واقعہ کا تعلق ہے ہمارے نزدیک وہ غلط نہیں ہے، اور حضرت ابراہیمؑ نے حضرت سارہؓ کو اپنی بہن قرار دیا، وہ درحقیقت جھوٹ نہ تھا، بلکہ ایک قسم کا توریہ تھا، اس لئے کہ ایک طرف تو حضرت سارہؓ ان کی علاتی بہن تھیں، دوسری طرف چونکہ اس وقت مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی، اس لئے وہ ان کی تنہا دینی بہن بھی تھیں، بہن سے حضرت ابراہیمؑ کی مراد یہی تھی، اور جہاں کفار کی طرف سے قتل ہو جانے کا اندیشہ ہو وہاں اس قسم کا توریہ باتفاق جائز، بلکہ بعض حالات میں واجب ہو، (باقی بر صفحہ آئندہ)

الزام نمبر ۶

طریق الاولیاء کے صفحہ ۹۲ و ۹۳ پر لکھا ہے:

"ابراہیمؑ ہاجرہؓ سے نکاح کرنے میں مجرم ہونے سے کسی حال میں نہیں بچ سکتے، کیونکہ ان کو مسیح کا یہ قول جو انجیل میں لکھا ہوا ہے خوب اچھی طرح معلوم تھا کہ "وہ ذات جس نے کائنات کو بنایا اس نے انسان کو مرد و عورت دو قسم کا پیدا کیا اور کہا کہ اسی لئے آدمی اپنے ماں باپ کو چھوڑ دیتا ہے، اور بیوی کے ساتھ مل کر دونوں جسدِ واحد بن جاتے ہیں"

اس کے ساتھ ہی بعینہٖ ہم بھی یہ کہہ سکتے ہیں کہ ابراہیمؑ سارہؓ سے نکاح کرنے میں بھی اسی طرح مجرم ہونے سے نہیں بچ سکتے، کیونکہ موسیٰؑ کا قول جو توریت میں لکھا ہے ان کو اچھی طرح معلوم تھا کہ:

"تو اپنی بہن کے بدن کو چاہے وہ تیرے باپ کی بیٹی ہو، چاہے تیری ماں کی اور خواہ وہ گھر میں پیدا ہوئی ہو خواہ کہیں اور، بے پردہ نہ کرنا"[لہ]

نیز یہ ارشاد ہے کہ:

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) یہاں مصنفؒ نے اس واقعہ کو حضرت ابراہیمؑ پر ایک الزام کی حیثیت سے صرف اس لئے ذکر فرمایا ہو کہ یہ مسیحی علماء کے نزدیک ان کا گناہ تھا، دوسرے اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ علاتی بہن سے نکاح ابراہیمی شریعت میں جائز تھا، اور موسوی شریعت میں اسے منسوخ کر دیا گیا، یہ سطور تحریر کرنے کے بعد اس بات پر مصنف کی ایک عبارت مل گئی وہ ازالۃ الشکوک میں لکھتے ہیں: "اور بعضے ہمارے نزدیک گو خطا نہیں، مگر یہ لوگ جو خطا سمجھتے ہیں، تو الزاماً اس کو بھی نقل کیا گیا" (ازالۃ الشکوک، ص ۳۴۸ ج ۲)

(حاشیہ صفحہ ہٰذا) لہ احبار ۱۸: ۹، واضح رہے کہ سارہؓ حضرت ابراہیمؑ کی باپ شریک بہن تھیں، (دیکھئے پیدائش ۲۰: ۱۲)۔

"اور اگر کوئی مرد[1] اپنی بہن کو جو اس کے باپ کی یا اس کی ماں کی بیٹی ہو، لے کر اس کا بدن دیکھے تو یہ شرم کی بات ہے، وہ دونوں اپنی قوم کے لوگوں کی آنکھوں کے سامنے قتل کئے جائیں، اس نے اپنی بہن کے بدن کو بے پردہ کیا، اس کا گناہ اسی کے سر لگے گا۔"

اسی طرح توراۃ میں یہ بھی ہے کہ :۔

"لعنت اس پر جو اپنی بہن سے مباشرت کرے خواہ وہ اس کے باپ کی بیٹی ہو خواہ ماں[2] کی۔"

جیساکہ اس کتاب کے باب ۳ سے واضح طور پر معلوم ہو چکا ہے[3] اس قسم کا نکاح علماء پروٹسٹنٹ کے نزدیک زنا کے برابر ہے، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نعوذ باللہ منہ ابراہیم علیہ السلام نبوت سے پہلے بھی زانی تھے، اور نبوت کے بعد بھی زانی رہے، اور ان کی جس قدر اولاد سارہؓ کے بطن سے ہے وہ سب زنا کی اولاد ہوئی، اور اگر اس اعتراض سے بچنے کے لئے عیسائی لوگ یہ بہانہ بنائیں کہ ان کی شریعت میں بہن سے نکاح جائز تھا تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ ان کی شریعت میں تعدد ازدواج بھی جائز تھا، اس لئے صحیح بات یہی ہے کہ نہ ہاجرہؓ سے نکاح میں کوئی اعتراض لازم آتا ہے، اور نہ سارہؓ سے نکاح کرنے میں، ہمارے نزدیک یہی مذہب حق ہے،

البتہ عیسائی اصول کی بناء پر یہ بات ضرور لازم آتی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام جیسی مقدس ہستی جو انبیاء علیہم السلام کے جدّ امجد ہیں، وہ نعوذ باللہ جس طرح

---

[1] احبار ۲۰: ۱۷ ، [2] استثناء ۲۷: ۲۲ [3] ص ۸۱۵، ج ۲،

جھوٹے ثابت ہوتے، اسی طرح شروع سے آخر تک ان کی پوری زندگی زناکاری کی نذر ہوئی، اور اس کے باوجود وہ "خلیل اللہ" کے ممتاز منصب پر فائز ہیں، کیا اللہ کے خلیل ایسے ہی ہوتے ہیں؟ ہٰذا بہتان عظیم،

حضرت لوط کا اپنی بیٹیوں سے زنا کرنا، الزام نمبر ۷

کتاب پیدائش باب ۱۹ آیت ۳۰ میں ہے:

"اور لوط ضغر سے نکل کر پہاڑ پر جا بسا اور اس کی دونوں بیٹیاں اس کے ساتھ تھیں، کیونکہ اُسے ضغر میں بستے ڈر لگا، اور وہ اور اس کی دونوں بیٹیاں ایک غار میں رہنے لگے تب پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ ہمارا باپ بوڑھا ہے، اور زمین پر کوئی مرد نہیں جو دنیا کے دستور کے مطابق ہمارے پاس آئے، آؤ ہم اپنے باپ کو مے پلائیں اور اس سے ہم آغوش ہوں تاکہ اپنے باپ سے نسل باقی رکھیں، سو انھوں نے اسی رات اپنے باپ کو مے پلائی، اور پہلوٹھی اندر گئی اور اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی پر اس نے نہ جانا کہ وہ کب لیٹی اور کب اٹھ گئی، اور دوسرے روز یوں ہوا کہ پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ دیکھ کل رات کو میں اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی، آؤ آج رات بھی اس کو مے پلائیں اور تو بھی جا کر اس سے ہم آغوش ہو تاکہ ہم اپنے باپ سے نسل باقی رکھیں، سو اس رات بھی انھوں نے اپنے باپ کو مے پلائی اور چھوٹی گئی اور اس سے ہم آغوش ہوئی، پر اس نے نہ جانا کہ وہ کب لیٹی اور کب اُٹھ گئی،

سو لوط کی دونوں بیٹیاں اپنے باپ سے حاملہ ہوئیں، اور بڑی کے ایک بیٹا ہوا، اور اس کا نام موآب رکھا، وہی موآبیوں کا باپ ہے جو اب تک موجود ہیں، اور چھوٹی کے بھی ایک بیٹا ہوا، اور اس نے اس کا نام بن عمی رکھا، وہی بنی عمون کا باپ ہے، جو اب تک موجود ہیں" (آیات ۳۰ تا ۳۸)

طریق الاولیاء کے صفحہ ۱۲۸ میں اس حال کو نقل کرنے کے بعد کہا گیا ہے کہ:

"اس کی حالت پر سخت رونا آتا ہے، ہم سخت افسوس کے ساتھ اپنے دلوں میں خوف اور خشیت لئے ہوئے حیران ہیں کہ کیا یہی وہ شخص ہے کہ جو سدوم کی بستی کی تمام بدیوں اور گندگیوں سے پاک دامن رہا تھا، اور اللہ کی راہ چلنے میں بڑا مضبوط تھا، اس شہر کی تمام نجاستوں سے ہزاروں کوس دور رہا تھا، مگر جنگل میں نکل جانے کے بعد اس پر ایک دم بدی اور فسق کا اس قدر شدید غلبہ ہوگیا! پھر اس کے بعد کون شخص ہے جو کسی شہر یا جنگل وغار میں محفوظ رہ سکتا ہو"

اب جبکہ پادری صاحبان لوط کے حال پر خود ہی اس قدر رونا آرہا ہے تو ہم کو کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں رہی، ان کا رونا ہی کافی ہے، مگر ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ موآب اور عمون جو دونوں زنا کی پیداوار ہیں، ان کو تو خدا نے قتل نہ کیا، اور اس بچہ کو جو داؤد علیہ السلام کے اوریا کی بیوی کے ساتھ زنا کرنے سے پیدا ہوا تھا خدا نے قتل کر ڈالا[1]، شاید یہ فرق ہو کہ دوسری کی بیوی سے زنا کرنا اپنی بیٹیوں سے زنا کرنے کی نسبت عیسائیوں کے یہاں زیادہ شدید وسنگین ہوگا،

اصل یہ ہے کہ یہ دونوں بزرگ اللہ کے مقبول بندے تھے، موآب تو اس لئے کہ عوبید جو داؤد علیہ السلام کے دادا ہیں ان کی والدہ کا نام راعوت[2] تھا (جیسا کہ انجیل متی کے باب میں تصریح ہے) اور یہ راعوت موآبیہ ہیں، یعنی موآب کی اولاد میں،

---

[1] بائبل میں حضرت داؤد پر زنا کی جو من گھڑت تہمت لگائی گئی ہے (جو عنقریب آپ کے سامنے آئے گی) اس میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اللہ نے حضرت داؤد کا گناہ تو معاف کر دیا، اور کہہ دیا کہ: "تو مرے گا نہیں" لیکن: "وہ لڑکا بھی جو تجھ سے پیدا ہوگا مر جائیگا" (۲ سموئیل ۱۲: ۱۴)

[2] اردو ترجمہ میں ان کا نام روت (Ruth) ہے (تعارف کیلئے دیکھئے ص ۳۰۰ ج ۱ کا حاشیہ ۳)

اس لئے وہ بھی داؤدؑ و سلیمانؑ و عیسیٰؑ کی دادی ہوتی ہیں، اور داؤدؑ خدا کے نوجوان بیٹے اور سلیمانؑ بھی خدا کے فرزند، اسی طرح عیسیٰؑ بھی خدا کے یکتا سپوت، بلکہ عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق خود خدا ہیں،

رہے عمون تو ان کی مقبولیت کی دلیل یہ ہے کہ رحبعام بن سلیمانؑ جو عیسیٰؑ کے اجداد میں سے ہیں (جیسا کہ انجیل متی کے باب میں تصریح موجود ہے) ان کی والدہ بھی عمونیہ یعنی عمون کی اولاد میں سے ہیں، جس کی تصریح کتاب سلاطین اول باب ۱۴ میں موجود ہے تو یہ بھی اللہ کے یکتا بیٹے کی دادی ہوئیں، بلکہ عیسائی عقیدے کے مطابق خود خدا کی،

اور کتاب استثنا، باب ۲ آیت ۱۹ میں ہے کہ:

"اور جب تو بنی عمون کے قریب جا پہنچے تو ان کو مت ستانا، اور نہ ان کو چھیڑنا کیونکہ میں بنی عمون کی زمین کا کوئی حصہ تجھے میراث کے طور پر نہیں دوں گا، اس لئے کہ اسے میں نے بنی لوط کی میراث میں دیا ہے"

پھر موآب اور عمون کیلئے جو دونوں ولد الزنا ہیں، اس سے بڑھ کر کیا شرف ہو سکتا ہے کہ پہلے کی بیٹیاں اللہ کے بیٹوں بلکہ خود خدا کی نانی قرار پائیں، اور دوسرے کی بعض بیٹیاں اللہ کے یکتا بیٹے کی بلکہ خود خدا کی نانی ہوں، حالانکہ خود خدا نے بنی اسرائیل کو جو توریت کی نص کے مطابق اللہ کے بیٹے ہیں، اس کی اولاد کی زمین کے وارث بنانے سے منع کیا تھا، البتہ ایک خدشہ باقی رہ جاتا ہے، وہ یہ کہ جب عیسیٰ علیہ السلام کا نسب ان دونوں نانیوں کے لحاظ سے موآب اور عمون سے جا ملا تو عیسیٰ علیہ السلام بھی موآبی اور عمانی ہو جاتے ہیں، حالانکہ عمانیوں اور

موآبیوں کے لئے یہ پابندی لگی ہوئی ہے کہ وہ کبھی بھی خدا کی جماعت میں داخل نہیں ہوسکتے، جیساکہ کتاب استثناء باب ۲۳ آیت ۳ میں اس طرح ہے کہ:

"کوئی عمونی یا موآبی خداوند کی جماعت میں داخل نہ ہو، دسویں پشت تک ان کی نسل میں سے کوئی خداوند کی جماعت میں کبھی نہ آنے پائے۔"

سوال یہ ہو کہ پھر عیسیٰ علیہ السلام کس طرح نہ صرف خدا کی جماعت میں داخل ہوگئے بلکہ ان کے سردار ہوگئے؟ بلکہ عیسائیوں کے خیال کے مطابق خدا کے بیٹے بن گئے؟

اور اگر یہ کہا جائے کہ نسب میں باپ کا اعتبار کیا جاتا ہے نہ کہ ماں کا، اس لئے عیسیٰ علیہ السلام نہ موآبی ہیں نہ عمانی، تو ہم عرض کریں گے کہ اگر ایسا ہی ہے تو لازم آئے گا کہ عیسیٰ علیہ السلام نہ اسرائیلی ہوں، نہ یہودادی، نہ داؤدی، نہ سلیمانی، کیونکہ یہ تمام نسبتیں اور اوصاف بھی ان کو ماں ہی کی جانب سے حاصل ہوتے ہیں، نہ کہ باپ کی طرف سے، لہٰذا اگر ماں کی جانب کا اعتبار کیا جائے تو آپ مسیح موعود[1] بھی نہیں ہوسکتے، ایک طرف آپ کے ابن داؤد ہونے کو ماں کی طرف سے معتبر بھی ماننا، اور دوسری طرف نانیوں کی جانب سے عمونی اور موآبی ہونے کا اعتبار نہ کرنا محض ترجیح بلا مرجح ہے، اور یہی اعتراض بعینہ داؤد و سلیمانؑ پر بھی راعوت کے اعتبار سے وارد ہوگا، مگر ہم اس بحث کو طویل کرنا نہیں چاہتے، اور اصل واقعہ کی جانب رجوع کرتے ہیں کہ لوط علیہ السلام جن کا یہ حال مذکور ہوا، عیسائیوں کے نزدیک

---

[1] کیونکہ مسیح موعود کے بارے میں بائبل کی تصریح یہ ہے کہ وہ حضرت داؤد علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوگا،

اس لائق ہیں کہ اُن پر رُد کیا جائے، اس میں کوئی بھی شک نہیں کہ انجیل کے فیصلہ کے مطابق وہ پھر بھی نیک قدیس ہیں، ان کے نزدیک اُن کی قدیسیت میں ذرہ بھر کمی اور فرق نہیں ہوا باوجود اس کے کہ ایسی شنیع حرکت کے مرتکب ہوئے، جو ایسے کمینہ لوگوں میں بھی کبھی نہیں سُنی گئی جو اکثر اوقات شراب میں بدمست رہتے ہیں، کیونکہ یہ لوگ بھی بدمستی کی حالت میں اپنی بیٹیوں اور اجنبی عورتوں میں فرق اور امتیاز کو سمجھتے ہیں،

دوسرے جب شرابی کی حالت شدت نشہ سے اس درجہ پر پہونچ جائے کہ وہ اپنی بیٹیوں اور اجنبی عورتوں میں تمیز نہ کرسکے تو ایسی حالت میں وہ جماع کرنے پر بھی قادر نہیں ہوسکتا، جیسا کہ اس کی شہادت ان لوگوں نے دی ہے، جو دائمی طور سے شراب کے عادی ہیں، ہم نے آج تک ہندوستان میں یہ نہیں سُنا کہ کسی کمینہ انسان نے شراب کی بدمستی میں اس قسم کی حرکت اپنی ماں بیٹی کے ساتھ کی ہو، اگر شراب کی مستی اس درجہ تک پہنچا سکتی ہے تو یورپ کے عیسائیوں کی حالت پر رونے کو جی چاہتا ہے، اور افسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنی ماؤں بیٹیوں اور بہنوں کو اپنے ہاتھوں سے بچنے کی کیونکر امید کرسکتے ہیں؟ کیونکہ ان کی تو عورتیں اور مرد سب ہی اکثر اوقات شراب میں بدمست رہتے ہیں، بالخصوص جبکہ ان میں جو کمینے لوگ ہیں ان کو پیش نظر رکھا جائے تو کوئی بھی گارنٹی ان کے محفوظ رہنے کی نہیں ہوسکتی،

تعجب بالائے تعجب یہ ہے کہ یہ قدیس[1] پہلی شب میں اس شنیع حرکت

---

[1] یعنی حضرت لوط علیہ السلام،

میں مبتلا ہونے کے باوجود پھر اگلی رات بھی اسی طرح اس میں ملوث ہوجاتے ہیں سوائے اس کے کہ یہ کہا جائے کہ یہ اٹل تقدیری فیصلہ تھا کہ اللہ کے بیٹے بلکہ خود خدا بھی اس کے بعض بیٹوں سے پیدا ہوا، اور وہ خود بھی اللہ کے یکتا بیٹے کے سلسلۂ نسب میں داخل ہونے کا شرف حاصل کرے، اس قسم کا واقعہ اگر کسی ادنیٰ انسان کو بھی پیش آتا تو اس کے لئے زمین باوجود اپنی فراخی اور کشادگی کے تنگ ہوجاتی، پھر لوطؑ کی ذات پر بڑا ہی تعجب ہے، ہم اس تمام خرافات سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں، اور دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ قصہ بالکل جھوٹا اور من گھڑت ہے، پطرس کے رسالہ نمبر۲ کے باب ۲ آیت ۷ میں ہے کہ:

"اور راستباز لوط کو جو بے دینوں کے ناپاک چال چلن سے دق تھا، رہائی بخشی، (چنانچہ وہ راستباز ان میں رہ کر اور ان کے بے شرع کاموں کو دیکھ دیکھ کر اور سُن سُن کر گویا ہر روز اپنے سچے دل کو شکنجہ میں کھینچتا تھا)"۔

اس میں پطرس نے لوط علیہ السلام کے لئے "راستباز" کا لفظ استعمال کیا ہے، اور ان کی مدح کی ہے، ہم بھی یہی شہادت دیتے ہیں کہ وہ بڑے نیکوکار اور ان الزامات سے پاک اور بری تھے، جو ان کی نسبت دشمنانِ خدا لگاتے ہیں،

حضرت اسحٰقؑ کا جھوٹ
الزام نمبر ۸

کتاب پیدائش باب ۲۶ آیت ۶ میں ہے:

"پس اضحاق جرار میں رہنے لگا، اور وہاں کے باشندوں نے اس سے اس کی بیوی کی بابت پوچھا، اس نے کہا وہ میری بہن ہے، کیونکہ وہ اسے اپنی بیوی بتلاتے ہوئے ڈرا، یہ سوچ کر کہ کہیں رِبقہ کے سبب سے وہاں کے لوگ اُسے قتل نہ کر ڈالیں"

کیونکہ وہ خوبصورت تھی۔" (آیات ۶ تا ۸)

دیکھئے! یہاں "اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ" کا کیسا صاف نقشہ نظر آرہا ہے، کہ بیٹے نے بھی جان بوجھ کر باپ کی طرح جھوٹ بولا، اور بالکل اُسی قسم کا، چنانچہ طریق الاولیا صفحہ ۱۶۸ پر لکھا ہے:

"اسحاق کا ایمان برباد ہوگیا، کیونکہ اس نے اپنی بیوی کو بہن بتایا۔"

پھر صفحہ ۱۶۹ پر لکھا ہے کہ:

"ہائے افسوس! کسی انسان میں کوئی کمال نہیں پایا جاتا، سوائے وحدہٗ لاشریک بے نظیر کے، اور بڑا تعجب خیز ہے یہ معاملہ کہ وہی شیطانی جال جس میں ابراہیم پھنسے تھے اسی میں اسحاقؑ بھی جا پھنستے ہیں، اور بیوی کو بہن بتلاتے ہیں، بڑا ہی افسوس ہوتا ہے کہ ایسے ایسے مقربین خداوند بھی نصیحت کے محتاج ہیں۔"

چونکہ پادری صاحبان نے اس بات پر اظہارِ افسوس کیا ہے کہ ان کا ایمان زائل ہوگیا تھا، انھیں کوئی کمال حاصل نہ تھا، وہ اسی شیطانی جال میں پھنس گئے جس میں ابراہیم پھنسے تھے، اور وہ خود وعظ و نصیحت کے محتاج تھے، اس لئے ہم بھی اس گفتگو کو طویل نہیں کرتے[1]،

حضرت یعقوبؑ کی خود غرضی
الزام نمبر ۹

کتاب پیدائش باب ۲۵ آیت ۲۹ میں ہے:

"اور یعقوب نے دال پکائی، اور عیسو جنگل سے آیا، اور بے دم ہو رہا تھا، اور

[1] صفحہ ۱۵۴۵ کے حاشیہ پر ہم نے جو نوٹ دیا ہے یہاں بھی اُسے پیش نظر رکھا جائے،

۔۔۔ عیسو نے یعقوب سے کہا کہ یہ جو لال لال ہے مجھے کھلا دے، کیونکہ میں بے دم ہو رہا ہوں، اس لئے اس کا نام ادوم بھی ہو گیا، تب یعقوب نے کہا کہ تو آج اپنا پہلوٹھے کا حق میرے ہاتھ بیچ دے، عیسو نے کہا دیکھ میں تو مرا جاتا ہوں پہلوٹھے کا حق میرے کس کام آئے گا، تب یعقوب نے کہا کہ آج ہی مجھ سے قسم کھا اس نے اس سے قسم کھائی اور اس نے اپنا پہلوٹھے کا حق یعقوب کے ہاتھ بیچ دیا، تب یعقوب نے عیسو کو روٹی اور مسور کی دال دی، وہ کھا پی کر اٹھا، اور چلا گیا، یوں عیسو نے اپنے پہلوٹھے کے حق کو ناچیز جانا" (آیات ۲۹ تا ۳۴)

ملاحظہ کیجئے؛ غریب عیسو کی دیانت کو: جو اسحاقؑ کے بڑے بیٹے ہیں کہ انھوں نے پہلوٹھے[1] کے حق جیسی جلیل القدر دولت کو جس کے سبب سے نبوت کے منصب جلیل کا استحقاق ہوتا ہے، اور اس کی برکات کو روٹی اور مسور کی دال کے عوض فروخت کر ڈالا، شاید ان کی نگاہ میں نبوت اور برکت کی قدر و قیمت روٹی اور مسور کی دال سے کم تھی، پھر یعقوب علیہ السلام کی محبت پر بھی نظر ڈالئے اور ان کی سخاوت کا جائزہ لیجئے! کہ وہ اپنے ماں جائے بڑے بھائی کو جس کا بھوک سے دم نکل رہا ہے، اور جو جفاکشی و محنت کی وجہ سے کوفتہ بیختہ اور نڈھال ہے، کھانا دینے پر اس وقت تک راضی اور تیار نہ ہوئے جب تک بھائی نے حقوقِ منصبِ نبوت کو فروخت نہ کر ڈالا، اور رشتۂ اخوت کا یا بلا عوض

---

[1] پہلوٹھے کا حق کتاب استثناء ۲۱: ۱۵ سے معلوم ہوتا ہو کہ موسوی شریعت میں کسی شخص کے پہلے بیٹے کو چند مخصوص حقوق حاصل ہوتے تھے، جن میں سے اہم ترین یہ تھا کہ تنہا وہی اپنے باپ ۔۔۔ کا مادی اور روحانی وارث ہوتا تھا، اسی لئے نبوت بھی اسی کو ملتی تھی ۱۲

احسان کرنے کا قطعی لحاظ نہ کیا،

دسواں الزام جس شخص نے بھی کتاب پیدائش کے باب ۲۷ کو دیکھا ہوگا، اس کو یقینی طور پر معلوم ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے تین بار جھوٹ بولا[۱]، اور اپنے باپ کو دھوکہ دیا، اور ان کی فریب دہی جس طرح اسحاق کے یہاں کارگر اور مؤثر ہوگئی، اسی طرح خدا کے یہاں بھی مؤثر ہوئی .... کیونکہ اسحاق سچے دل سے اپنے بیٹے عیسو کے حق میں دعاء مانگا کرتے تھے، نہ یعقوب کے لئے، پھر جس طرح اسحاق دعاء میں دونوں بھائیوں کے درمیان تمیز نہ کرسکے، اسی طرح دعاء کی قبولیت کے مرحلہ پر خدا بھی دونوں بھائیوں میں امتیاز نہ کرسکا،

حیرت ہے کہ خدا کی ولدیت اور نبوت وصلاح جیسی چیزیں بھی محال ذرائع سے حاصل ہوجاتی ہیں، مجھ کو اس موقع کے مناسب ایک واقعہ بے ساختہ یاد آگیا کہ فرقہ نانو کے ایک بدکار نے اپنے گھوڑے کے لئے کسی گدھے والے سے تھوڑی گھاس مانگی، گدھے والے نے انکار کردیا، اُس نے کہا اگر تو مجھ کو گھانس نہیں دے گا، تو میں گدھے کے لئے بد دُعاء کروں گا، اور آج رات ہی میں مرجائے گا، یہ کہہ کر چلا گیا، اسی رات خود اس کا گھوڑا مر گیا، بیدار ہونے پر اپنے گھوڑے کو مردہ دیکھ کر تعجب سے اپنا سر پکڑ کر آیا اور کہنے لگا ہائے تعجب بالائے تعجب کہ ہمارے خدا کو خدائی کرتے ہوئے لاکھوں سال بیت گئے، مگر آج تک اس کو گدھے اور گھوڑے میں امتیاز اور پہچان نہ ہوسکی، میں نے تو گدھے کو ہلاک کرنے کی دعاء کی تھی اور ہلاک کر دیا میرا گھوڑا،

[۱] یہ پورا قصہ ہم نے صفحہ ۱۲۱۶ کے حاشیہ پر مفصل طریقہ سے لکھدیا ہے وہاں ملاحظہ فرمایا جائے،

اور اگر اسرائیلی پیغمبروں کے جد امجد کی دیانت کا یہ حال ہے، یا خدا کے علم کی یہ کیفیت ہے تو مخالف کو یہ کہنے کی گنجائش ہو سکتی ہے کہ اسرائیلی پیغمبروں کے معاملات کی بنیاد بھی خدا کے ساتھ فریب کاری اور دھوکہ بازی کی اسی طرح ہو سکتی ہے جس طرح ان کے جد امجد کی تھی، اور ممکن ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے بھی خدا سے وعدہ کر لیا ہو کہ اگر آپ مجھ کو کرامات پر قدرت دیدیں تو میں مخلوق کو آپ کی خدائی اور ربوبیت کی طرف بلاؤں گا، لیکن اتفاق سے خدا علیم کے سچ اور جھوٹ میں امتیاز نہ کر سکا، اور ان کو قدرت دیدی، عیسیٰ علیہ السلام نے وعدہ شکنی کرتے ہوئے لوگوں کو اپنی خدائی کی دعوت دیدی، اور خدا کی نافرمانی کی، ہم ان خرافات اور واہیات باتوں سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں، البتہ بعض فقرے طریق الاولیاء صفحہ ۱۷۹ وصفحہ ۱۸۰ وصفحہ ۱۸۱ سے نقل کرتے ہیں، ابتداء میں کہتا ہے کہ:

"یہ انتہائی خوف کا مقام ہے کہ اس قسم کے شخص نے بھی پے درپے جھوٹ بولا اور اپنی فریب کاری میں خدا کے نام کو شامل کیا۔"

پھر کہتا ہے کہ:

"یعقوبؑ نے ایک ایسی بات کہی جو انتہائی کفر کی ہے کہ خدا کا ارادہ یہ تھا کہ میں شکار جلد حاصل کروں"

پھر کہتا ہے کہ:

"اس معاملہ میں ہم یعقوبؑ کی حمایت میں کوئی بھی عذر خواہی کرنا پسند نہیں کرتے، اور ہر شخص کو اس بات سے نفرت کرنی چاہئے، اور ایسی حرکت سے گریز کرنا ضروری ہے۔"

پھر کہتا ہے:

"خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اس نے بدی کا ارتکاب خیر کے حاصل کرنے کے لئے کیا، اور انجیل کی رُو سے اس قسم کی حرکت پر سزا واجب ہے"

پھر کہتا ہے کہ:

"جس طرح یعقوب نے گناہ کیا اسی طرح اس کی ماں نے اس سے زیادہ گناہ کیا تھا، کیونکہ وہی اس فساد کی بانی تھی، اسی نے یعقوب کو اس قسم کی فریب کارانہ حرکتوں کا حکم دیا تھا"

حضرت یعقوبؑ کے نکاح کا شرمناک قصہ، الزام نمبر ۱۱

کتاب پیدائش باب ۲۹ آیت ۱۵ میں ہے:

"تب لابن[1] نے یعقوب سے کہا، چونکہ تو میرا رشتہ دار ہے، تو کیا اس لئے لازم ہے کہ تو میری خدمت مفت کرے؟ سو مجھے بتا کہ تیری اجرت کیا ہو گی؟ اور لابن کی دو بیٹیاں تھیں، بڑی کا نام لیاہ اور چھوٹی کا نام راحل تھا، لیاہ کی آنکھیں چُندھی تھیں، پر راحل حسین اور خوبصورت تھی، اور یعقوب راحل پر فریفتہ تھا، سو اس نے کہا کہ تیری چھوٹی بیٹی راحل کی خاطر میں سات برس تیری خدمت کروں گا، لابن نے کہا اسے غیر آدمی کو دینے کی جگہ تجھی کو دینا بہتر ہے، تو میرے پاس رہ چنانچہ یعقوبؑ سات برس تک راحل کی خاطر خدمت کرتا رہا، پر وہ اسے راحل کی محبت کے سبب سے چند دنوں کے برابر معلوم ہوئے، اور یعقوب نے لابن سے

[1] لابن حضرت یعقوبؑ کے ماموں کا نام ہے ۱۲ منہ

کہا کہ میری مدت پوری ہوگئی، سو میری بیوی مجھے دے، تاکہ میں اس کے پاس جاؤں، تب لابن نے اس جگہ کے سب لوگوں کو بلاکر جمع کیا، اور ان کی ضیافت کی، اور جب شام ہوئی تو اپنی بیٹی لیاہ کو اس کے پاس لے آیا، اور یعقوب اس سے ہم آغوش ہوا، اور لابن نے اپنی لونڈی زلفہ اپنی بیٹی لیاہ کے ساتھ کردی، کہ اس کی لونڈی ہو، جب صبح کو معلوم ہوا کہ یہ تو لیاہ ہے، تب اس نے لابن سے کہا کہ تو نے مجھ سے یہ کیا کیا؟ کیا میں نے جو تیری خدمت کی وہ راخل کی خاطر نہ تھی؟ پھر تو نے مجھے کیوں دھوکا دیا؟ لابن نے کہا ہمارے ملک میں یہ دستور نہیں کہ پہلوٹھی سے پہلے چھوٹی کو بیاہ دیں، تو اس کا ہفتہ پورا کردے، پھر ہم دوسری بھی تجھے دیدیں گے، جس کی خاطر تجھے سات برس اور میری خدمت کرنی ہوگی، یعقوبؑ نے ایسا ہی کیا، کہ لیاہ کا ہفتہ پورا کیا تب لابن نے اپنی بیٹی راخل بھی اسے بیاہ دی، اور اپنی لونڈی بلہاہ اپنی بیٹی راخل کے ساتھ کردی کہ اس کی لونڈی ہو، سو وہ راخل سے بھی ہم آغوش ہوا، اور وہ لیاہ سے زیادہ راخل کو چاہتا تھا، اور سات برس اور ساتھ رہ کر لابن کی خدمت کی۔" (آیات ۱۵ تا ۳۰)

اس داستان پر تین اعتراض واقع ہوتے ہیں:

۱۔ جبکہ یعقوب علیہ السلام لابن ہی کے گھر میں رہتے تھے، اور اس کی دونوں بیٹیوں کو ہزار بار دیکھا تھا تو ان کو ہر لحاظ سے چہرہ مہرہ بدن اور آواز غرض ہر اعتبار سے جانتے پہچانتے تھے، پھر لیاہ کے چہرہ میں ایک مخصوص علامتی نشان آنکھوں کا چُندھاپن موجود تھا، ایسی صورت میں تعجب اور حیرت

ہوتی ہے کہ لیاہ ان کے پاس ان کے بستر پر تمام رات موجود رہے، اور وہ اس کو نہ پہچان سکیں، اس کے سوا اور کیا کہا جائے کہ وہ بھی لوطؑ کی طرح نشہ میں بدمست ہوں گے، اور جس طرح لوطؑ نے اپنی بیٹی اور غیر عورت میں کوئی تمیز نہ کی اسی طرح یعقوبؑ بھی کوئی تمیز نہ کر سکے،

۲۔ یعقوبؑ کو صرف راحیل سے محبت و عشق تھا، جس کی خاطر انھوں نے اس کے باپ کی سات برس تک خدمت کی، اور اسی لئے اس قدر طویل مدت بھی ان کو چند ایام سے زیادہ محسوس نہیں ہوئی، مگر جب اُن کے خسر لابن نے ان سے دھوکہ کیا تو یعقوبؑ نے ان کے ساتھ جھگڑا کیا، اور مزید سات سال کی خدمت کے عوض راحیل کو حاصل کر سکے، یہ سب حرکتیں عیسائیوں کے نظریہ کے مطابق نبوت جیسے جلیل القدر منصب اور ایک عظیم الشان پیغمبر کی شان سے گری ہوئی ہیں، مگر چونکہ یعقوبؑ نے اپنے باپ کو دھوکہ دیا تھا[1]، اس لئے اس کی سزا میں اُن کے خسر نے ان کو دھوکہ دیا،

۳۔ یعقوبؑ نے ایک بیوی پر اکتفاء نہیں کیا، حالانکہ دو عورتوں سے نکاح کرنا، بالخصوص دو بہنوں سے عیسائیوں کے نظریہ کے مطابق حرام اور ناجائز ہے[2]،

---

[1] وہی دھوکہ جس کا ذکر ص ۱۲۱۶ کے حاشیہ پر گزرا ہے،

[2] اس کے علاوہ اسی واقعہ کے اندر بائبل میں یہ بھی مذکور ہے کہ جب حضرت یعقوبؑ پہلی مرتبہ لابن کے گاؤں میں پہنچے تو ابھی لوگوں سے ان کے گھر کا پتہ پوچھ ہی رہے تھے کہ اتنے میں راحل اپنی بکریاں لیکر وہاں پہنچ گئی، اور یعقوبؑ نے راحل کو چوما اور چلّا چلّا کر رو دیا، (پیدائش ۲۹: ۱۰) یہ واقعہ شادی سے بہت پہلے کا ہے، سوال یہ ہے کہ ایک نامحرم کنواری لڑکی کو چومنا کہاں تک جائز ہے ۱۲

طریق الاولیاء کا جواب

طریق الاولیاء کے مصنف نے صفحہ ۱۸۹ میں حسب ذیل معذرت کی ہے کہ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر یعقوب سے ان کا خسر لابن فریب کاری اور دھوکہ بازی نہ کرتا تو شاید یعقوب دوسرا نکاح نہ کرتے، اس لئے ایسی مجبوری والی صورت کی بناء پر تعدد ازواج کے جواز پر استدلال نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ نہ تو یہ بات حکم خداوندی کے تحت ہوئی، اور نہ یعقوب کی رضا سے،

جواب الجواب

یہ عذر لنگ کسی درجہ میں بھی مفید ثابت نہیں ہو سکتا، اور نہ یعقوبؑ کو ارتکاب حرام کے جرم سے نجات دے سکتا ہے، اس لئے کہ یعقوبؑ دوسرا نکاح کرنے پر کسی طرح بھی مجبور نہیں تھے، نہ ان پر اس سلسلہ میں کوئی اکراہ یا جبر کیا گیا تھا جس سے معذور خیال کیا جا سکے، ان کا فرض تھا کہ ایک نکاح پر قناعت کرتے، اور مزید ہوس نہ کرتے، اس موقع پر ہم بھی وہی بات کہہ سکتے ہیں جو مصنف طریق الاولیاء نے ابراہیم علیہ السلام کے طعن کے سلسلہ میں کہی تھی، کہ یعقوبؑ کو مسیحؑ کا وہ قول جو انجیل میں لکھا ہے خوب اچھی طرح معلوم تھا کہ جس ذات نے دنیا کو بنایا اسی نے مرد و عورت کو تخلیق کیا، اسی طرح ان کو موسیٰؑ کا وہ قول بھی خوب اچھی طرح معلوم تھا کہ دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا قطعی حرام ہے، جیسا کہ باب ۳ میں معلوم ہو چکا ہے، اس لئے یقیناً یہ ایک نکاح باطل تھا، اور جس عورت کا نکاح بھی باطل کہا جائے گا اس کی اولاد اور اولاد کی اولاد سب کا ولد الزنا ہونا لازم آئے گا، اور دونوں صورتوں میں ہزاروں اسرائیلی پیغمبروں کو نعوذ باللہ ولد الزنا تسلیم کرنا پڑے گا،

اب ذرا عیسائیوں کی دیانت داری ملاحظہ کیجئے، کہ محض اپنے فاسد اور غلط

اصولوں کے بچاؤ اور تحفظ کی خاطر کس بے باکی کے ساتھ پیغمبروں پر شرمناک الزام لگانے سے نہیں ڈرتے، اور ایسی گندی باتیں اُن کی مقدس ہستیوں کی طرف منسوب کرنے میں شرم نہیں کرتے، لیکن بات دراصل یہ ہے کہ "دروغ گورا حافظہ نباشد" اس لئے کہ اس کھینچ تان کے باوجود یہ عذر اور بہانہ زلفا اور بلہاہ کے سلسلہ میں کچھ بھی کارآمد نہیں ہو سکتا جن سے یعقوب نے لیاہ اور راحیل کے اشارے اور کہنے پر نکاح کیا، جس کی تصریح کتاب پیدائش باب ۳۰ میں موجود ہے، عیسائی اصول کے مطابق ان کی تمام اولاد بھی اسی طرح ولدالزنا قرار پاتی ہے،

راحیل کی چوری، جھوٹ اور بُت پرستی؛ الزام نمبر ۱۲

کتاب پیدائش باب ۳۱ آیت ۱۹ میں ہے:

"اور لابن اپنی بھیڑوں کی پشم کترنے کو گیا ہوا تھا، سو راحل اپنے باپ کے بتوں کو چُرا لے گئی۔ اور یعقوب لابن ارامی کے پاس سے چوری سے چلا گیا، کیونکہ اسے اس نے اپنے بھاگنے کی خبر نہ دی، سو وہ اپنا سب کچھ لے کر بھاگا، اور دریا پار ہو کر اپنا رخ کوہِ جلعاد کی طرف کیا اور تیسرے دن لابن کو خبر ہوئی، کہ یعقوب بھاگ گیا تب اس نے اپنے بھائیوں کو ہمراہ لے کر سات منزل تک اس کا تعاقب کیا، اور جلعاد کے پہاڑ پر اُسے جا پکڑا"۔

پھر آیت نمبر ۲۹[۵] میں ہے:

"تب لابن نے یعقوب سے کہا کہ تو نے یہ کیا کیا، کہ میرے پاس سے چوری سے چلا آیا اور میری بیٹیوں کو بھی اس طرح لے آیا گویا وہ تلوار سے اسیر کی گئی ہیں"۔

---

[۵] اظہار الحق میں ایسا ہی ہے، مگر صحیح آیت ۲۶ ہے، موجودہ ترجموں میں یہ عبارت آیت ۲۶ میں ہے ۱۲ منہ

پھر آیت نمبر ۳۰ میں ہے :

"تیرا تو چلا آیا تو چلا آیا، کیونکہ تو اپنے باپ کے گھر کا بہت مشتاق ہے، لیکن میرے بتوں کو کیوں چرا لایا ؟ تب یعقوب نے لابن سے کہا.........
اب جس کے پاس تجھے تیرے بت ملیں وہ جیتا نہیں بچے گا، تیرا جو کچھ میرے پاس نکلے اسے ان بھائیوں کے آگے پہچان کر لیلے...... چنانچہ لابن، یعقوب اور لیاہ اور دونوں لونڈیوں کے خیموں میں گیا، پر ان کو وہاں نہ پایا..... اور راحل ان بتوں کو لے کر اور ان کو اونٹ کے کجاوہ میں رکھ کر ان پر بیٹھ گئی تھی، اور لابن نے سارے خیمہ میں ٹٹول ٹٹول کر دیکھ لیا، پر ان کو نہ پایا، تب وہ اپنے باپ سے کہنے لگی کہ اے میرے بزرگ ! تو اس بات سے ناراض نہ ہو نا کہ میں تیری آگے اٹھ نہیں سکتی، کیوں کہ میں ایسے حال میں ہوں جو عورتوں ہوا کرتا ہے سو اس نے ڈھونڈا پر وہ بت اس کو نہ ملے " (آیات ۳۰ تا ۳۵)

غور کیجئے کہ راحیل باپ کے بتوں کو چوری کرنے کے باوجود کس طرح صاف جھوٹ بول رہی ہے، اور بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے، کہ اس نے ان بتوں کو عبادت کرنے ہی کی غرض سے چوری کیا تھا، جب کہ کتاب پیدائش باب ۳۵ کی عبارت سے صاف ظاہر ہوتا ہے، چنانچہ آنے والے شاہد میں آپ کو معلوم ہو جاتا ہے، اور اس لئے بھی کہ یہ عورت بت پرست گھرانے کی لڑکی تھی، اس کا باپ بھی بت پرستی کرتا تھا جیسا کہ آیت ۳۰ اور ۳۲ اس پر دلالت کرتی ہیں، اس لئے ظاہر یہی ہو کہ یہ عورت بھی اپنے باپ کے مذہب پر تھی، لیجئے یعقوبؑ کی محبوبہ بیوی چور بھی نکلی، جھوٹی بھی ثابت ہوئی اور بت پرست بھی،

خاندانِ یعقوبؑ کی بُت پرستی
الزام نمبر ۱۳

کتاب پیدائش باب ۳۵ آیت ۲ میں ہے:

"تب یعقوبؑ نے اپنے گھرانے اور اپنے سب ساتھیوں سے کہا کہ بیگانہ دیوتاؤں کو جو تمھارے درمیان ہیں دُور کرو، اور طہارت کر کے اپنے کپڑے بدل ڈالو، ..... تب انھوں نے سب بیگانہ دیوتاؤں کو جو اُن کے پاس تھے ، اور مُندروں[1] کو جو اُن کے کانوں ... میں تھے یعقوبؑ کو دیدیا، اور یعقوبؑ نے ان کو اس بلوط کے درخت کے نیچے جو سکم کے نزدیک تھا دبا دیا"

(آیات ۲ تا ۴)

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یعقوبؑ کی نہ صرف بیویاں بلکہ پورا گھرانہ اس وقت تک بتکدہ بنا ہوا تھا، اور یہ سب بُت پرستی کر رہے تھے، یعقوبؑ کے گھرانے کی شان کو دیکھئے تو یہ حرکت بڑی ہی شنیع اور قبیح معلوم ہوتی ہے، کیا اس سے پہلے یعقوبؑ نے کبھی ان کو اس شیطانی فعل سے منع نہیں کیا؟ اور پھر جب اُن لوگوں نے تمام بُت یعقوبؑ کے حوالے کر دیئے تھے تو ظاہر یہی ہے کہ راحیل نے بھی وہ مسروقہ بت سپرد کر دیا ہوگا۔ ... اب اصولاً یعقوبؑ پر واجب تھا کہ اس بت کو لابن کے پاس بھیج دیتے، نہ یہ کہ سکم کے پاس جو درخت تھا اس کے نیچے دفن کر ڈالیں، اور راحیل کو بھی اس کے چوری کرنے پر قابلِ معافی قرار دے

حضرت یعقوبؑ کی اولاد پر تہمت
الزام نمبر ۱۴

کتاب پیدائش باب نمبر ۳۴ آیت نمبر ۱ میں ہے:

[1] مُندرے جو کانوں میں پہنے جاتے ہیں،

"اور لیاہ کی بیٹی دینہ جو یعقوبؑ سے اس کے پیدا ہوئی تھی اُس ملک کی لڑکیوں کو دیکھنے کے لئے باہر گئی، تب اس ملک کے امیر حوی حمور کے بیٹے سکم نے اسے دیکھا اور اسے لے جاکر اس کے ساتھ مباشرت کی اور اُسے ذلیل کیا، اور اس کا دل یعقوب کی بیٹی دینہ سے لگ گیا، اور (خود اس نے دینہ کے دل میں جگہ کرلی[1]) اور سکم نے اپنے باپ حمور سے کہا کہ اس لڑکی کو میرے لئے بیاہ لا دے۔"

آگے آیت میں ہے:

"تب حموران سے کہنے لگا (کہ میرا بیٹا سکم تمھاری بیٹی کو دل سے چاہتا ہے اسے اس کے ساتھ بیاہ دو)[2] سب یعقوب کے بیٹوں نے ..... جواب دیا اور کہنے لگے کہ ہم یہ نہیں کر سکتے کہ نامختون مرد کو اپنی بہن دیں کیوں کہ اس میں ہماری بڑی رسوائی ہے، لیکن جیسے ہم ہیں اگر تم ویسے ہی ہو جاؤ کہ تمھارے ہر مرد کا ختنہ کر دیا جائے تو ہم راضی ہو جائیں گے۔"

پھر آیت ۲۴ میں ہے:

"ان میں سے ہر مرد نے ختنہ کرایا اور تیسرے دن جب وہ درد میں مبتلا تھے تو یوں ہوا کہ یعقوبؑ کے بیٹوں میں سے دینہ کے دو بھائی شمعون اور لاوی

۱؎ اظہار الحق میں یہاں یہ الفاظ ہیں: "وَوَقَعَ بِقَلْبِهَا" لیکن موجودہ تمام اردو، عربی، اور انگریزی تراجم میں اس کی جگہ یہ جملہ ہے: "اور اس نے اس لڑکی سے عشق میں میٹھی میٹھی باتیں کیں"
۲؎ قوسین کی عبارت مصنفؒ نے اختصار کے پیش نظر حذف کر دی تھی، مگر چونکہ اردو میں اس کے بغیر مطلب واضح نہ ہوتا اس لئے ہم نے بائبل سے نقل کر کے اُسے بھی لکھ دیا ہے،

اپنی اپنی تلوار لے کرناگہاں شہر پر آپڑے اور سب مردوں کو قتل کیا، اور حمور اور اس کے بیٹے سکم کو بھی تلوار سے قتل کر ڈالا، اور سکم کے گھر سے دینہ کو نکال کر لے گئے، اور یعقوب کے بیٹے مقتولوں پر آئے، اور شہر کو لوٹا اس لئے کہ انھوں نے ان کی بہن کو بے حرمت کیا تھا، انھوں نے اُن کی بھیڑ بکریاں اور گائے بیل اور گدھے اور جو کچھ شہر اور کھیت میں تھا لے لیا اور اُن کی سب دولت لوٹی، اور ان کے بچوں اور بیویوں کو اسیر کر لیا اور جو کچھ گھر میں تھا سب لوٹ کھسوٹ کر لے گئے "

(آیات ۲۴ تا ۲۸)

ذرا یعقوب کی بیٹی دینہ کی پاک دامنی ملاحظہ کیجئے، جس کا مندرجہ بالا نقشہ عیسائیوں کا کھینچا ہوا آپ کے سامنے ہے، کہ وہ زنا کرتی ہے اور سکم سے عشق بازیاں کرتی ہے، (چنانچہ یہ الفاظ کہ "خود دینہ کے دل میں اس نے جگہ کرلی" اس دعوے کی واضح دلیل ہیں) پھر یعقوبؑ کے بیٹوں کا ظلم اور بربریت دیکھئے کہ شہر کے تمام مردوں کا قتلِ عام کیا، عورتوں اور بچوں کو غلام باندی بنایا، اور ان کے تمام اموال لُوٹ لئے، ان ظالموں کا ظلم اور زیادتی محتاج دلیل نہیں ہے، البتہ تعجب کا بندیہ ہے کہ یعقوبؑ نے بھی ظلم میں کچھ کسر نہیں اٹھا رکھی، اس لئے کہ انھوں نے ذرہ برابر بھی اپنے بیٹوں کو اس شنیع حرکت کے ارتکاب سے نہیں روکا، اور یہ واقعہ پیش آنے کے بعد قانونی طور پر اس کا قصاص نہیں لیا، اور نہ چھینا ہوا مال و اسباب اور لونڈی غلام واپس کرائے، اور اگر یہ کہا جائے کہ یعقوبؑ اس معاملہ میں قطعی بے بس تھے، اور بیٹوں کی چھینی ہوئی اشیاء کے

واپس کرلینے کی ان کو قدرت نہیں تھی تو کم از کم ایسے ظالموں کا بائیکاٹ اور ان سے ترکِ تعلق تو کر سکتے تھے، اور اُن کی ہمراہی اور رفاقت سے دستبردار تو ہو سکتے تھے، پھر یہ بات بھی بعید از عقل معلوم ہوتی ہے کہ اکیلے دو شخص پورے شہر کے ہزاروں لوگوں کو قتل کر دیں خواہ وہ لوگ ختنہ کی وجہ سے کتنے ہی بدحال اور کرب میں ہوں،

باپ کی بیوی سے زنا، الزام نمبر ۱۵

کتاب پیدائش باب ۳۵ میں ہے[1]: "روبن نے جاکر اپنے باپ کی حرم بلہاہ سے مباشرت کی اور اسرائیل کو یہ معلوم ہوگیا"

غور کیجئے! کہ یعقوبؑ کا بڑا بیٹا اپنے باپ کی بیوی سے زنا کرتا ہے، اور پھر یعقوبؑ کو دیکھئے کہ انھوں نے نہ تو اپنے بیٹے پر حد جاری کی اور نہ تعزیر کی، اور نہ بلہاہ ہی کو کوئی سزا دی، حالانکہ بظاہر اس زمانہ میں زانی اور زانیہ کی سزا یہ تھی کہ دونوں کو آگ میں جلایا جائے، جیسا کہ پیدائش باب ۳۸ آیت ۲۴ سے یہی[2] معلوم ہوتا ہے، البتہ اس بیٹے کے لئے صرف مرنے کے وقت بددعاء کی تھی، جیسا کہ باب ۴۹ میں تصریح[3] ہے:

[1] آیت ۲۲،

[2] اس آیت میں ایک زانی عورت کو جلانے کا حکم دیا گیا ہے، اگلے الزام میں اس کا پورا واقعہ آرہا ہے

[3] "تو پانی کی طرح بے ثبات ہے اس لئے تجھے فضیلت نہیں ملے گی، کیونکہ تو اپنے باپ کے بستر پر چڑھا، تونے اسے نجس کیا، روبن میرے بچھونے پر چڑھ گیا" (پیدائش ۴۹: ۴)۔

یہوداہ نے اپنی بہو سے زنا کیا؛ الزام نمبر ۱۶	کتاب پیدائش باب ۳۸ آیت ۶ میں ہے: "اور یہوداہ اپنے پہلوٹھے بیٹے عیر کے لئے ایک

عورت بیاہ لایا، جس کا نام تمر تھا، اور یہوداہ کا پہلوٹھا بیٹا عیر خداوند کی نگاہ میں شریر تھا، سو خداوند نے اسے ہلاک کر دیا، تب یہوداہ نے اونان سے کہا کہ اپنے بھائی کی بیوی کے پاس جا، اور دیور کا حق ادا کر تاکہ تیرے بھائی کے نام سے نسل چلے، اور اونان جانتا تھا کہ یہ نسل میری نہ کہلائے گی، سو یوں ہوا کہ جب وہ اپنے بھائی کی بیوی کے پاس جاتا تو نطفہ کو زمین پر گرا دیتا تھا کہ مبادا اس کے بھائی کے نام سے نسل چلے، اور اس کا یہ کام خداوند کی نظر میں بہت بُرا تھا، اس لئے اُس نے اُسے بھی ہلاک کیا،

تب یہوداہ نے اپنی بہو تمر سے کہا کہ میرے بیٹے سیلہ کے بالغ ہونے تک تو اپنے باپ کے گھر بیوہ بیٹھی رہ، کیونکہ اس نے سوچا کہ کہیں یہ بھی اپنے بھائیوں کی طرح ہلاک نہ ہو جائے، سو تمر اپنے باپ کے گھر میں جا کر رہنے لگی؛

اور ایک عرصہ کے بعد ایسا ہوا کہ سوع کی بیٹی جو یہوداہ کی بیوی تھی مر گئی، اور جب یہوداہ اس کا غم بھولا تو وہ اپنے عدلامی دوست حیرہ کے ساتھ اپنی بھیڑوں کے پشم کے کترنے والوں کے پاس تمنت کو گیا، اور تمر کو یہ خبر ملی کہ تیرا خسر اپنی بھیڑوں کی پشم کترنے کے لئے تمنت کو جا رہا ہے تب اس نے رنڈاپے کے کپڑوں کو اتار پھینکا، اور برقع اوڑھا، اور اپنے کو ڈھانکا، اور عینیم کے پھاٹک کے برابر جو تمنت کی راہ پر ہے جا بیٹھی، کیونکہ اس نے دیکھا کہ سیلہ بالغ ہو گیا، مگر یہ اس سے بیاہی نہیں گئی،

یہوداہ نے اُسے دیکھ کر سمجھا کہ کوئی کسبی[1] ہے، کیونکہ اس نے اپنا مُنہ ڈھانک رکھا تھا، سو وہ راستہ سے اس کی طرف کو پھرا، اور اس سے کہنے لگا کہ ذرا مجھے اپنے ساتھ مباشرت کر لینے دے، کیونکہ اُسے بالکل نہیں معلوم تھا کہ وہ اس کی بہو ہے، اس نے کہا تو مجھے کیا دے گا تاکہ میرے ساتھ مباشرت کرے؟ اس نے کہا میں ریوڑھ میں سے بکری کا ایک بچّہ تجھے بھیج دوں گا، اس نے کہا کہ اس کے بھیجنے تک تو میرے پاس کچھ رہن کر دے گا؟ اُس نے کہا اپنی مُہر اور اپنا بازوبند اور اپنی لاٹھی جو تیرے ہاتھ میں ہے،

اس نے یہ چیزیں اُسے دیں اور اس کے ساتھ مباشرت کی، اور وہ اس سے حاملہ ہو گئی، پھر وہ اُٹھ کر چلی گئی، اور برقع اُتار کر رنڈاپے کا جوڑا پہن لیا"

پھر آیت ۲۴ میں ہے:

"اور قریباً تین مہینے کے بعد یہوداہ کو یہ خبر ملی کہ تیری بہو تمر نے زنا کیا، اور اسے چھنالے کا حمل بھی ہے، یہوداہ نے کہا کہ اسے باہر نکال لاؤ کہ وہ جلائی جائے، جب اُسے باہر نکالا تو اس نے اپنے خسر کو کہلا بھیجا کہ میرے اسی شخص کا حمل ہے، جس کی یہ چیزیں ہیں، سو تو پہچان تو سہی کہ یہ مہر اور بازوبند اور لاٹھی کس کی ہے؟ تب یہوداہ نے اقرار کیا اور کہا کہ وہ مجھ سے زیادہ صادق ہے، کیونکہ میں نے اسے اپنے بیٹے سیلہ سے نہیں بیاہا، اور پھر کبھی اس کے پاس نہ گیا،

[1] "کسبی" یعنی عصمت فروش، طوائف،

اور اس کے وضعِ حمل کے وقت معلوم ہوا کہ اس کے پیٹ میں توام ہیں اور جب وہ جننے لگی تو ایک بچے کا ہاتھ باہر آیا، اور دائی نے پکڑ کر اس کے ہاتھ میں لال ڈورا باندھ دیا، اور کہنے لگی کہ یہ پہلے پیدا ہوا، اور یوں ہوا کہ اس نے اپنا ہاتھ پھر کھینچ لیا، اتنے میں اس کا بھائی پیدا ہوگیا، تب وہ دائی بول اٹھی کہ تو کیسے زبردستی نکل پڑا؟ سو اس کا نام فارض[1] رکھا گیا، پھر اس کا بھائی جس کے ہاتھ میں لال ڈورا بندھا تھا پیدا ہوا، اور اس کا نام زارح[2] رکھا گیا۔" (آیات ۱ تا ۳۰)

اس موقع پر چند امور غور طلب ہیں:۔

۱۔ اول یہ کہ خدا نے عیر کو محض اس لئے قتل کر دیا کہ وہ شریر تھا، مگر اس کی شرارت کی کوئی وضاحت نہیں کی جاتی، کیا اس غریب کی شرارت اس کے بڑے چچا کی شرارت سے بھی کچھ زیادہ تھی؟ جس نے اپنے باپ کی بیوی سے زنا کیا تھا، اور اپنے دوسرے دو چچاؤں شمعون اور لاوی سے بھی زیادہ تھی؟ جنھوں نے پورے شہر کے تمام مردوں کو قتل کر ڈالا تھا، اور ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام باندی بنایا تھا؟ اور کیا اس کا کمینہ پن اپنے باپ کی کمینگی سے بھی بڑھا ہوا تھا جس نے اس کی موت کے بعد اس کی بیوی سے زنا کیا؟ کیا یہ سب لوگ تو شفقت اور عنایت کے مستحق اور قتل کے لائق نہ تھے اور عیر غریب

[1] فارض (Pharez) عبرانی زبان کا لفظ ہے، اس کے معنی ہیں "چاک" (دیکھئے آکسفورڈ بائیبل کنکارڈنس، ص ۲۲۴)

[2] زارح (Zarah) عبرانی میں اس کے معنی ہیں: "طلوع آفتاب" (کنکارڈنس ص ۳۲۳)

واجب القتل تھا؟ جس کو خدا نے قتل کر دیا،

۲- دوسرے یہ کہ خدا نے اونان کو نطفہ کے زمین پر ڈال دینے کے جرم میں قتل کر دیا، مگر اس کے چچاؤں اور باپ کو مذکورہ سنگین جرائم کے باوجود جو ان سے سرزد ہوئے قتل نہیں کیا، کیا محض نطفہ کا زمین پر ڈال دینا ان جرائم سے بھی زیادہ شدید تھا؟

۳- تیسرے یعقوبؑ نے اپنے اس پیارے بیٹے پر نہ تو حدِّ زنا جاری کی، اور نہ کوئی سزا دی، اور اس بدکار عورت کو کوئی سزا دی، بلکہ نہ تو اس باب سے اور نہ کسی اور باب سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یعقوبؑ ... اپنے بیٹے کی اس سیہ کاری پر اس سے ذرا بھی رنجیدہ ... ہوئے ہوں، پیدائش کا باب ۴۹ اس کے رنجیدہ نہ ہونے کا سچا گواہ موجود ہے، کہ یعقوبؑ نے روبن و شمعون ولاوی کی حرکتوں پر تو کچھ مذمت بھی کی، مگر یہوداہ کی حرکت پر کچھ بھی بُرا نہیں مانا، بلکہ خاموشی اختیار کی اور اس کی بے شمار تعریف کی اور دوسرے بھائیوں پر اس کو ترجیح دی،

۴- چوتھے تمر جیسی فاحشہ زانیہ کے حق میں اس کا خسر یہوداہ بڑی نیک ہونے کی شہادت[1] دیتا ہے، سبحان اللہ! کیا کہنے ہیں، فیصلہ کرنیوالا بھی ماشاء اللہ خود اعلیٰ درجہ کا نیک اور وہ عورت بھی کمال درجہ کی پارسا،

---

[1] غالباً اس سے مراد یہوداہ کا یہ جملہ ہے، "وہ مجھ سے زیادہ صادق ہے" (۳۸: ۲۶) یہاں صادق کا لفظ صرف "سچے" کے معنی میں نہیں بلکہ "نیک" کے معنی میں ہے، اس لئے کہ بائبل میں صادق کا لفظ بکثرت نیک کے معنے میں آیا جو عربی ترجموں میں یہاں "تبررت اکثر منی" اور انگریزی میں "more righteous than I" کے الفاظ ہیں، ان سے بھی نیکی ہی کا مفہوم نکلتا ہے

بھلا وہ عورت اعلیٰ درجہ کی نیک کیوں نہ ہو جس نے اپنی شرمگاہ اپنے شسر کے علاوہ اور کسی کے سامنے نہ کھولی ہو؟ اور زنا بھی کیا تو کسی اجنبی کے ساتھ نہیں بلکہ اپنے شوہر کے باپ سے، یا اس لئے کہ اس ہی زنا سے دو کامل فرزندوں کی ولادت عمل میں آئی،

۵۔ پانچویں یہ کہ داؤد، سلیمان اور عیسیٰ علیہم السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر سب کے سب فارض کی اولاد سے ہیں، جو خود زنا کی پیدا وار ہے، چنانچہ انجیل متیٰ کے باب میں تصریح موجود ہے[1]،

۶۔ تعجب ہے کہ خدا نے فارض اور زارح کو قتل نہ کیا، حالانکہ یہ دونوں ولدالزنا تھے، بلکہ ان دونوں کو اور لوطؑ کے زنا سے پیدا ہونے والے دونوں بیٹوں کو زندہ رکھا، داؤد علیہ السلام کے بیٹے کی طرح قتل نہیں کیا، جو داؤد کے اوریا کی بیوی سے زنا کرنے سے پیدا ہوا تھا، شاید یہ وجہ ہو کہ اجنبی عورت سے زنا کرنا بیٹے کی بیوی کے ساتھ زنا کرنے سے زیادہ شدید اور سنگین ہے،

حضرت ہارونؑ نے بچھڑے کو دیوتا بنایا، الزام نمبر ۱۷

کتاب خروج باب ۳۲ آیت میں ہے:

"اور جب لوگوں نے دیکھا کہ موسیٰؑ نے پہاڑ سے اترنے میں دیر لگائی، تو وہ ہارونؑ کے پاس جمع ہو کر اس سے کہنے لگے کہ اٹھ ہمارے لئے دیوتا بنا دے جو ہمارے آگے آگے چلے، کیونکہ ہم نہیں جانتے کہ اس مرد موسیٰؑ کو جو ہم کو ملکِ مصر سے نکال کر لایا، کیا ہو گیا؟ ہارونؑ نے ان سے کہا تمہاری بیویوں اور لڑکوں اور لڑکیوں کے کانوں میں جو سونے

[1] اس کی تفصیل پیچھے ص ۳۳۴، جلد اوّل وغیرہ پر گذر چکی ہے،

کی بالیاں ہیں، اُن کو اتار کر میرے پاس لے آؤ، اور اس نے ان کو ان کے ہاتھوں سے لے کر ایک ڈھلا ہوا بچھڑا بنایا، جس کی صورت چھینی سے ٹھیک کی، تب وہ کہنے لگے، اے اسرائیل یہی وہ تیرا دیوتا ہے جو تجھ کو ملک مصر سے نکال کر لایا، یہ دیکھ کر ہارون نے اس کے آگے ایک قربان گاہ بنائی، اور اس نے اعلان کر دیا کہ کل خداوند کے لئے عید ہوگی، اور دوسرے دن صبح سویرے اُٹھ کر انھوں نے قربانیاں چڑھائیں، اور سلامتی کی قربانیاں گذرائیں پھر ان لوگوں نے بیٹھ کر کھایا پیا اور اُٹھ کر کھیل کود میں لگ گئے"

(آیات ۱ تا ۶)

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہارون نے ایک بچھڑا بنایا تھا، اور اس کے آگے ایک قربان گاہ بھی بنائی تھی، اور اعلان کیا تھا کہ کل خدا کے لئے عید ہوگی پھر بچھڑے کی پوجا کی، اور بنی اسرائیل کو بھی اس کی عبادت کا حکم دیا، پھر لوگوں نے قربانی کی، اور جانوروں کو ہنکایا، یہ بات یقینی ہے کہ حضرت ہارون رسول ہیں، پادری اسمتھ نے اپنی کتاب مسمّٰی تحقیق الدین الحق مطبوعہ ۱۸۴۲ء ص ۴۲ قسم اول میں لکھا ہے کہ:

"جس طرح پر اُن کے درمیان یعنی بنی اسرائیل کے درمیان کوئی بادشاہ نہیں تھا، اسی طرح سوائے موسیٰ اور ہارون اور ان کے ستر مددگاروں کے کوئی نبی بھی نہ تھا"

پھر کہتا ہے کہ:

"ان کا موسیٰ اور ہارون اور دونوں کے مددگاروں کے سوا کوئی نبی نہ تھا"

معلوم ہوا کہ حضرت ہارونؑ عیسائیوں کے نزدیک بھی نبی ہیں، ناظرین کو یہ بات خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ ہم نے یہ دونوں عبارتیں نسخہ مطبوعہ ۱۸۴۲ء سے نقل کی ہیں، اور اس نسخہ کا رد بھی لکھا ہے جس کا نام ...... تقلیب المطاعن ہے، اسی طرح صاحب استفسار نے بھی اس نسخہ کا رد لکھا ہے میں نے سنا ہے کہ رد لکھے جانے کے بعد اُس پادری نے اپنی کتاب میں تحریف کر ڈالی، اور بعض مقامات پر کمی بیشی اور بعض جگہ تبدیلی کی، جس طرح میزان الحق کے مصنف نے میزان کے نسخہ میں تحریف کی تھی، اب ہم کو علم نہیں کہ اس پادری نے ان دونوں عبارتوں کو بھی آخری محرف نسخہ میں باقی رکھا ہے یا نہیں؟ عہد عتیق کی عبارتیں بھی ہارونؑ کی نبوت پر دلالت کرتی ہیں، اور ہارونؑ کا موسیٰؑ کی شریعت کا تابع ہونا ان کی نبوت کے منافی نہیں ہے، جس طرح یوشعؑ، داؤدؑ اور اشعیاؑ وارمیاؑ اور حزقیال وغیرہ نبیوں کی نبوت کے منافی نہیں، جو موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کے درمیان میں ہوئے ہیں،

کتاب خروج باب ۴ آیت ۲۷ میں ہے:

"اور خداوند نے ہارون سے کہا کہ بیابان میں جا کر موسیٰؑ سے ملاقات کر، وہ گیا، اور خدا کے پہاڑ پر اُس سے ملا "

اور کتاب گنتی باب ۱۸ آیت ۱ میں ہے:

"اور خداوند نے ہارون سے کہا کہ الخ "

اس پورے باب میں درحقیقت حضرت ہارونؑ ہی مخاطب ہیں، اور باب ۲، ۴، ۱۴، ۱۶، ۱۹ میں یہ عبارت موجود ہے کہ:

"اور خداوند نے موسیٰؑ اور ہارونؑ سے کہا":

یہ عبارت چھ مقامات پر ہے، اور کتاب خروج باب ۶ آیت ۱۳ میں ہے:

"تب خداوند نے موسیٰؑ اور ہارونؑ کو بنی اسرائیل اور مصر کے بادشاہ فرعون کے حق میں اس مضمون کا حکم دیا کہ وہ بنی اسرائیل کو ملکِ مصر سے نکال لے جائیں[1]"

اِن عبارات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ نے ہارونؑ کے پاس تنہا بھی وحی بھیجی، اور موسیٰؑ کی شرکت میں بھی، اور انھیں فرعون و بنی اسرائیل کی جانب اسی طرح رسول بنا کر بھیجا، جس طرح موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا تھا، نیز جو شخص بھی کتاب الخروج کا مطالعہ کرے گا اس پر یہ بات اچھی طرح روشن ہو جائے گی کہ فرعون کے مقابلہ میں جس قدر بھی معجزات دکھلائے گئے تھے، ان میں سے بیشتر ہارونؑ کے ہاتھ سے ظاہر ہوئے، اسی طرح ہارونؑ و موسیٰؑ کی بہن مریم بھی نبیہ تھیں، جس کی تصریح کتاب خروج باب ۱۵ آیت ۲۰ میں یوں کی گئی ہے کہ:

"تب ہارون کی بہن مریم نبیہ نے دف ہاتھ میں لیا"

اور زبور نمبر ۱۰۵ آیت ۲۶ میں ہے:

"اس نے اپنے بندہ موسیٰؑ کو اور اپنے برگزیدہ ہارون کو بھیجا"

اور زبور نمبر ۱۰۶ آیت ۱۶ میں ہے:

[1] اس کے علاوہ خروج میں یہ عبارت بھی موجود ہے: "ہارون نے سب باتیں جو خداوند نے موسیٰؑ سے کہی تھیں ان کو بتائیں اور لوگوں کے سامنے معجزے کئے" (۳۰:۴) اس عبارت میں معجزوں کی نسبت حضرت ہارون کی طرف کی گئی ہے۔

"انھوں نے خیمہ گاہ میں موسیٰ کو اور خداوند کے مقدس مرد ہارون (کو غضبناک کردیا[2])

ایسی شکل میں مصنف میزان الحق کا اپنی کتاب مسمّیٰ حل الاشکال مطبوعہ ۱۸۴۷ء میں حضرت ہارون علیہ السلام کی نبوت سے انکار کردینا بالکل ہی غلط ہے،

اٹھارہواں الزام

کتاب خروج باب ۲ آیت ۱۱ میں ہے:

"اتنے میں جب موسیٰ بڑا ہوا تو باہر اپنے بھائیوں کے پاس گیا، اور ان کی مشقتوں پر اس کی نظر پڑی، اور اس نے دیکھا کہ ایک مصری اس کے ایک عبرانی بھائی کو مار رہا ہے، پھر اس نے اِدھر اُدھر نگاہ کی، اور جب دیکھا کہ وہاں کوئی دوسرا آدمی نہیں ہے تو اس مصری کو جان سے مار کر اسے ریت میں چھپا دیا"

(آیات ۱۱، ۱۲)

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس شخص کو محض قومی عصبیت کی بنا پر مار ڈالا تھا،[3]

انیسواں الزام

کتاب خروج باب ۴ آیت نمبر ۱۰ میں ہے:

"تب موسیٰ نے خداوند سے کہا اے خداوند! میں فصیح نہیں، نہ تو پہلے ہی تھا، اور نہ جب سے تو نے اپنے بندے سے کلام کیا، بلکہ رُک رُک کر بولتا ہوں

---

[1] موجودہ ترجموں میں یہاں (پر) ہے،

[2] موجودہ تمام ترجموں میں قوسین کی جگہ یہ الفاظ ہیں "پر حسد کیا"

[3] واضح رہے کہ اس سلسلہ میں قرآن کریم کا بیان یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسرائیلی شخص کو قبطی کے ظلم سے چھڑانے کے لئے اسے ایک مکا مارا تھا، جس سے وہ مرگیا، گویا جان سے مارنے کا ارادہ نہ تھا، لیکن اتفاقاً وہ مکا ہی اس کی موت کا باعث ہوگیا،

تب خداوند نے اس سے کہا کہ آدمی کا مُنہ کس نے بنایا ہے؟ اور کون گونگا یا بہرا یا بینا یا اندھا کرتا ہے؟ کیا میں ہی جو خداوند ہوں یہ نہیں کرتا؟ سو اب تو جا، اور میں تیری زبان کا ذمہ لیتا ہوں، اور تجھے سکھاتا رہوں گا، کہ تو کیا کیا کہے، تب اُس نے کہا اے خداوند میں تیری منت کرتا ہوں کسی اور کے ہاتھ سے جسے تو چاہے یہ پیغام بھیج، تب خداوند کا قہر موسیٰ پر بھڑکا"

(آیات ۱۰ تا ۱۴)

ذرا غور فرمائیے: اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کرتے ہیں، اور پورا اطمینان دلاتے ہیں، مگر اس کے باوجود موسیٰ علیہ السلام کو وعدۂ خداوندی پر قطعی اعتماد اور بھروسہ نہیں ہوتا، اور وہ برابر نبوت سے انکار کئے جارہے ہیں، اور منصبِ نبوت کے قبول کرنے سے عذر کرتے ہیں، جس کے نتیجہ میں خدا ان پر ناراض اور غضبناک ہوجاتا ہے،

تختیاں توڑ دیں
الزام نمبر ۲۰

کتاب خروج باب ۳۲ آیت ۱۹ میں ہے:

" اور لشکر گاہ کے نزدیک آکر اس نے وہ بچھڑا اور ان کا ناچنا دیکھا، تب موسیٰ کا غضب بھڑکا اور اس نے اُن لوحوں کو اپنے ہاتھوں میں سے پٹک دیا اور ان کو پہاڑ کے نیچے توڑ ڈالا"

یہ دونوں تختیاں خدا کی صنعت تھیں، اور خدا کی تحریر کی حامل تھیں، جس کی تصریح اس باب میں موجود ہے، جن کو موسیٰؑ نے غلطی سے توڑ ڈالا، اور پھر اس جیسی تختیاں نصیب نہیں ہوسکیں، کیونکہ وہ دو تختیاں جو بعد میں حاصل ہوئیں وہ موسیٰؑ کی بنائی ہوئی اور ان کے قلم کی لکھی ہوئی تھیں، جس کی تصریح سفر خروج

باب ۳۴ میں موجود ہے،

موسیٰ و ہارون کی نافرمانی
الزام نمبر ۲۱

کتاب گنتی باب ۲۰ آیت ۱۲ میں ہے:

"موسیٰ و ہارون سے خداوند نے کہا چونکہ تم نے میرا یقین نہیں کیا کہ بنی اسرائیل کے سامنے میری تقدیس کرتے، اس لئے تم اس جماعت کو اس ملک میں جو میں نے اُن کو دیا ہے نہیں پہنچانے پاؤ گے۔"

اور کتاب استثنا باب ۳۲ آیت ۴۸ میں ہے:

"اور اُسی دن خداوند نے موسیٰؑ سے کہا کہ تو اس کوہ عباریم پر چڑھ کر (جو جبل مجازات ہے)[1] بنو کی چوٹی کو جا جو یریحو کے مقابل ملکِ موآب میں ہے، اور کنعان کے ملک کو جسے میں میراث کے طور پر بنی اسرائیل کو دیتا ہوں دیکھ اور اسی پہاڑ پر جہاں تو جائے وفات پاکر اپنے لوگوں میں شامل ہو، جیسے تیرا بھائی ہارون ہور کے پہاڑ پر مرا اور اپنے لوگوں میں جا ملا، اس لئے کہ تم دونوں نے بنی اسرائیل کے درمیان دشت سین کے قادس میں مریبہ کے چشمہ پر میرا گناہ کیا، کیونکہ تم نے بنی اسرائیل کے درمیان میری تقدیس نہ کی، سو تو اس ملک کو اپنے آگے دیکھ لے گا، لیکن تو وہاں اس ملک میں جو میں بنی اسرائیل کو دیتا ہوں جانے نہ پائے گا۔"

(آیات ۴۸ تا ۵۲)

اب ان دونوں عبارتوں میں صاف اس امر کی تصریح پائی جاتی ہے کہ

[1] موجودہ ترجمہ میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔

موسیٰؑ اور ہارونؑ دونوں سے خطا صادر ہوئی، جس کے نتیجہ میں یہ دونوں ارض مقدس میں داخلہ سے محروم کر دیئے گئے، پھر خدا نے ان کو دھمکی دیتے ہوئے کہا کہ نہ تم میری تصدیق کرتے ہو اور نہ میری پاکی بیان کرتے ہو، اور تم دونوں نے میری نافرمانی کی،

شمسون اور دلیلہ کا قصہ
الزام نمبر ۲۲

شمسون نبی نے ایک زانیہ عورت کے ساتھ زنا کیا، جو غزہ میں رہتی تھی، پھر ایک[1] دوسری عورت سے جس کا نام دلیلہ تھا، اور جو وادیٔ سورق کی رہنے والی تھی، عشق بازی کی، اور اس کے پاس جایا کرتا تھا، اس عورت سے فلسطین کے کافروں نے کہا کہ تو اس سے دریافت کر کہ وہ کونسا طریقہ ہے جس سے فلسطین کے لوگ تجھ پر غالب آ سکیں؟ اور تجھ کو باندھ سکیں؟ اور پھر تو اس بندش کو نہ توڑ سکے؟ اور اس عورت کو بہت بڑے انعام کا لالچ دیا،

چنانچہ اس زانیہ نے شمسون سے پوچھا، اس نے تین بار اس عورت سے جھوٹ بولا، اور غلط باتیں بتلاتا رہا، اس پر دلیلہ نے کہا کہ تو کیسے مجھ سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے جبکہ تیرا دل میرے ساتھ نہیں ہے؟ یہی وجہ ہے کہ تو نے تین بار مجھ سے جھوٹ بولا، اور بہت روز تک وہ عورت اپنی باتوں سے اس کو مجبور کرتی رہی، آخر کار اس نے مجبور ہو کر اس عورت کو ہر بات بتا دی، اور کہا کہ اگر وہ لوگ میرے سر کے بال مونڈ دیں تو میری قوت و طاقت ختم ہو سکتی ہے، اور پھر میں ایک معمولی آدمی کے مانند ہو جاؤں گا، جب اس عورت کو یقین ہو گیا کہ اس نے اپنے دل

---

[1] "پھر شمسون غزہ کو گیا۔ وہاں اس نے ایک کسبی دیکھی اور اس کے پاس گیا" (قضاۃ ۱۶: ۱)

کی سب بات بتادی ہے تو فلسطین کے رؤسا کو بلایا، اور اس کو اپنے گھٹنے پر سُلادیا، اور نائی کو بلاکر اس کے سر کے بال مونڈ دیئے، جس سے اس کی قوت ختم ہوگئی پھر لوگوں نے اس کو پکڑ کر دونوں آنکھیں نکال ڈالیں اور اس کو قید خانہ میں ڈالدیا آخر اسی جگہ اس کی وفات ہوئی،

اس واقعہ کی تصریح کتاب قضاۃ کے باب ۱۶ میں موجود ہے، اور شمسون نبی تھے، جن کی نبوت پر کتاب مذکور کے باب ۱۳ کی آیت ۵[1] و ۲۵ اور باب ۱۴ کی آیت[2] ۶ و ۱۹ اور باب ۱۵ کی آیات[3] ۱۸ و ۱۹ اور عبرانیوں کے نام خط باب ۱۱ کی آیت[4] ۳۲ دلالت کر رہی ہیں،

حضرت داؤدؑ کا جھوٹ
الزام نمبر ۲۳

کتاب سموئیل اول باب ۲۱ آیت میں اُس وقت کا حال لکھا ہے جب حضرت داؤد علیہ السلام شاہ اسرائیل ساؤل سے ڈر کر بھاگے، اور نوب میں اخی ملک کاہن کے پاس پہنچے:

"اور داؤد، نوب میں اخیملک کاہن کے پاس آیا، اور اخیملک داؤد سے ملنے کو کانپتا ہوا آیا، اور اس سے کہا تو کیوں اکیلا ہے؟ اور تیرے ساتھ کوئی آدمی نہیں؟ داؤد نے اخیملک کاہن سے کہا کہ بادشاہ نے مجھے ایک کام کا حکم کرکے

---

[1] "وہ لڑکا پیٹ ہی سے خدا کا نذیر ہوگا" (۱۳: ۵)

[2] "تب خدا کی روح اس پر زور سے نازل ہوئی" (۱۴: ۶)

[3] "تب خداوند نے اسے پکارا" (۱۵: ۱۸)

[4] "اتنی فرصت کہاں کہ جدعون اور برق اور شمسون اور افتاہ اور داؤد اور سموئیل اور نبیوں کے احوال بیان کروں" (عبرانیوں ۱۱: ۳۲)۔

کہا ہو کہ جس کام پر میں تجھے بھیجتا ہوں، اور جو حکم میں نے تجھے دیا ہے وہ کسی شخص پر ظاہر نہ ہو، سو میں نے جوانوں کو فلانی فلانی جگہ بٹھا دیا ہے، پس اب تیرے ہاں کیا ہے؟ میرے ہاتھ میں روٹیوں کے پانچ گرد ے یا جو کچھ موجود ہو دے"

پھر آیت ۶ میں ہے کہ:

"تب کاہن نے مقدس روٹی اس کو دی"

اور آیت ۸ میں ہے کہ:

"پھر داؤد نے اخیملک سے پوچھا کیا یہاں تیرے پاس کوئی نیزہ یا تلوار نہیں؟ کیونکہ میں اپنی تلوار اور اپنے ہتھیار ساتھ نہیں لایا، کیونکہ بادشاہ کے کام کی جلدی تھی"

دیکھئے داؤد علیہ السلام نے پے در پے جھوٹ بولا، اور اس دروغ بیانی کا نتیجہ یہ نکلا کہ بنی اسرائیل کے سفاک بادشاہ ساؤل نے شہر نوب کے تمام باشندوں کو قتل کر ڈالا، مردوں کو بھی، عورتوں کو بھی، بچوں کو بھی، یہاں تک کہ ان کے جانوروں، گایوں، بکریوں اور گدھوں کو بھی، نیز اس حادثہ میں ۸۵ کاہن بھی مارے گئے، اخیملک کا صرف ایک بیٹا جس کا نام ابیاتر تھا بمشکل جان بچا کر بھاگا، اور داؤد علیہ السلام کے پاس پہنچا، تب داؤد نے اقرار کیا، کہ میں تیرے سارے گھرانے کے قتل کا سبب ہوں، جس کی تصریح اسی کتاب کے باب ۲۲ میں موجود ہے۔

حضرت داؤد کا زنا
الزام نمبر ۲۴

سفر سموئیل ثانی باب ۱۱ میں ایک قصہ لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ داؤد علیہ السلام ظہر کے بعد اپنے بستر سے اٹھے اور شاہی محل کی چھت پر ٹہلنے لگے، اتفاقاً ان کی نگاہ ایک عورت پر پڑی جو غسل

کر رہی تھی، اور بڑی ہی خوب صورت تھی، داؤدؑ نے کسی آدمی کو بھیج کر اس عورت کی نسبت معلوم کرایا، تو لوگوں نے بتایا کہ یہ اوریاؑ کی بیوی بت سبع ہے، پھر داؤدؑ نے آدمیوں کو بھیج کر اس عورت کو پکڑ والیا، اور اس کے ساتھ صحبت کی، پھر وہ اپنے گھر واپس چلی گئی، اور حمل رہ گیا، عورت نے اس کو اس کی اطلاع دی اور کہا، کہ میں حاملہ ہوں، پھر داؤدؑ نے یوآب کو اوریا کی جانب یہ کہہ کر روانہ کیا کہ اوریا کو میرے پاس بھیج دے، یوآب نے اوریاہ کو داؤدؑ کے پاس بھیجا، داؤدؑ نے اوریا سے یوآب اور قوم کی سلامتی اور لڑائی کے بارے میں سوالات کئے، پھر کہا تو اپنے گھر جا،

اوریا نکلا، اور شاہی محل کے دروازہ پر سو گیا، اور اپنے گھر نہ گیا، لوگوں نے داؤد کو اطلاع دی، کہ اوریا اپنے گھر نہیں گیا، حضرت داؤدؑ نے اوریا سے پوچھا کہ تو اپنے گھر کیوں نہیں گیا ؟ اوریا نے جواب دیا کہ اللہ کا تابوت اور اسرائیل اور یہوداہ تو خیموں میں ہوں، اور میرا مالک یوآب اور اس کے خادم کھلے میدان میں پڑے ہوں، اور اس حالت میں میں اپنے گھر چلا جاؤں ؟ اور کھاؤں پیوں ؟ اور اپنی بیوی کے ساتھ سوؤں ؟ نہیں ! ہرگز نہیں ! قسم ہے آپ کی جان کی میں ہرگز ایسا نہیں کروں گا، داؤد علیہ السلام نے کہا کہ تو آج یہاں قیام کر، اور کل میں تجھ کو بھیج دوں گا،

اس دن اوریا یروشلیم میں رہا، اگلے روز داؤد علیہ السلام نے اس کو بلایا

لہ اوریا حضرت داؤد علیہ السلام کی فوج کا ایک جرنیل تھا، اور یوآب فوج کا سپہ سالار،

تاکہ اس کے سامنے کھائے پیئے. پھر اس کو شراب پلائی، یہاں تک کہ شام کا وقت گذر گیا، اور وہ اسی جگہ اپنے آقا کے غلاموں کے پاس سو گیا، اور اپنے گھر نہ گیا، پھر جب صبح ہو گئی تو داؤد نے ایک خط یوآب کو لکھا، اور اوریا کے ہاتھ اس کو بھیجا، اور کہا کہ اوریا کو میدانِ جنگ کی اوّل صف میں بھیجو، اور لڑائی جب خوب گھمسان کی ہونے لگے تو لوٹ آؤ، اور اس کو اکیلا چھوڑ دو، تاکہ مارا جائے،

پھر جب یوآب نے شہر کا محاصرہ کیا تو اوریا کو اس جگہ رکھا، جہاں کی نسبت معلوم ہوا کہ بہادر لوگوں کا اجتماع ہے، چنانچہ بستی والے نکلے اور یوآب سے لڑائی شروع کر دی. قوم کے بہت سے لوگ داؤدؑ کے غلام اور اوریا گر پڑے، اور اوریا مارا گیا، یوآب نے داؤد علیہ السلام کے پاس آدمی بھیجا، اور اطلاع دی کہ اوریا مارا گیا، اس کی بیوی نے جب سنا کہ اس کا انتقال ہو گیا، تو اس پر نوحہ کرنے لگی، پھر جب نوحہ کے دن ختم ہو گئے تو داؤد علیہ السلام نے اس کو بلوا کر اپنے گھر رکھ لیا، اور وہ اس کی بیوی بن گئی، اس سے ایک لڑکا بھی جنا، اور یہ حرکت بہت ہی بُری ہوئی جو داؤد علیہ السلام نے خدا کے سامنے کی، کتاب سموئیل دوم باب ۱۲ آیت ۹ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ناتن پیغمبر کی معرفت حضرت داؤد علیہ السلام کو یہ پیغام بھیجا کہ:

"تو نے کیوں خداوند کی بات کی تحقیر کر کے اس کے حضور بدی کی؟ تو نے حتی اوریا کو تلوار سے مارا، اور اس کی بیوی لے لی، تاکہ وہ تیری بیوی بنے. اور اس کو بنی عمون کی تلوار سے قتل کروایا"

پھر آیت ۱۴ میں ہے:

"تو بھی چونکہ تو نے اس کام سے خدا کے دشمنوں کو کفر بکنے کا بڑا موقع دیا ہے"

اس لئے وہ لڑکا بھی جو تجھ سے پیدا ہوگا مر جائے گا "

غور فرمائیے! اس واقعہ میں داؤد علیہ السلام سے مسلسل آٹھ جرائم کا ارتکاب ہوا:

اوّل تو یہ کہ انھوں نے ایک اجنبی اور نامحرم عورت کو شہوت کی نظر سے دیکھا حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام کا مقولہ ہے کہ "جو شخص شہوت کی نگاہ سے کسی عورت کو دیکھتا ہے تو گویا اس نے اپنے قلب سے زنا کا ارتکاب کر لیا" جس کی تصریح انجیل متی باب ۵ میں موجود ہے،

دوسرے یہ کہ انھوں نے صرف شہوت سے دیکھنے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اس کو بلایا اور اس کے ساتھ زنا کیا، حالانکہ زنا کی حرمت قطعی ہے، اور احکام عشرہ میں سے ہے، چنانچہ خدا نے توریت میں فرمایا کہ، "تو زنا مت کر"

تیسرے یہ کہ زنا بھی پڑوسی کی بیوی سے کیا، جو زنا کی شدید اور سنگین قسم ہو اور خود ایک مستقل دوسرا گناہ ہے،

چوتھے یہ کہ حدِ زنا نہ اپنے اوپر جاری کی، اور نہ اس عورت پر، حالانکہ سفر احبار کے باب ۲۰ آیت ۱۰ میں یوں لکھا ہے کہ "اور جو شخص دوسرے کی بیوی سے یعنی اپنے ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرے وہ زانی اور زانیہ دونوں ضرور جان سے مار دیئے جائیں" اور کتاب استثناء باب ۲۲ آیت ۲۲ میں ہے: "اگر کوئی مرد کسی شوہر والی عورت سے زنا کرتے پکڑا جائے تو وہ دونوں مار ڈالے جائیں" یعنی وہ مرد بھی جس نے اس عورت سے صحبت کی، اور وہ عورت بھی، یوں تو اسرائیل میں سے ایسی برائی کو دفع کرنا "

پانچویں یہ کہ داؤد علیہ السلام نے اوریا کو لشکر سے بلایا اور اس کو گھر جانے کا حکم دیا، اور بڑی غرض داؤد کی یہ تھی کہ اس طرح اس کو بھیج کر اپنے عیب پر پردہ ڈالے، اور یہ حمل اوریا کی جانب منسوب ہو جائے، اور جب وہ اپنی دینداری کی وجہ سے نہ گیا، اور قسم کھا بیٹھا کہ میں نہیں جاؤں گا، تو اس کو داؤد نے دوسرے روز بھی ٹھہرایا، اور اس کو بہت سی شراب پلا کر بدمست کر دیا، تاکہ خمار کی حالت میں گھر چلا جائے، مگر وہ اس حالت میں بھی اپنی دینداری میں پختہ رہا، اور اپنی اس حسین بیوی کی جانب جو شرعاً و عقلاً اس کے لئے جائز اور حلال تھی، قطعی متوجہ نہ ہوا، اللہ اکبر! کیا ٹھکانا ہے اہلِ کتاب کے یہاں عوام کی دینداری اور دیانتداری کا کہ ایک جائز کام کو محض دیانت کی وجہ سے چھوڑ دیتے ہیں، اور دوسری جانب اسرائیلی پیغمبروں کی بدکاریوں اور سیہ کاریوں کا یہ حال ہے کہ نہایت بے باکی سے اس گندگی میں ملوّث ہوتے رہتے ہیں،

چھٹے یہ کہ جب داؤد علیہ السلام کا مقصود اوریا کو شراب پلانے اور بدمست کرنے سے بھی حاصل نہ ہوا تو اس کے قتل کا ارادہ کیا، اور بنی عمون کی تلوار سے اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا، حالانکہ کتاب خروج کے باب ۲۳ آیت ۷ میں یوں ہے کہ: "بے گناہوں اور صادقوں کو قتل مت کرنا"

ساتویں یہ کہ داؤد علیہ السلام پھر بھی اپنی غلطی پر متنبہ نہیں ہوئے، اور اس وقت تک توبہ نہیں کی جب تک ناتن پیغمبر نے ان کو ملامت نہیں کی،

آٹھویں یہ کہ خدا کا حکم داؤد کو پہنچ چکا تھا کہ یہ لڑکا مرے گا جو زنا سے پیدا ہوا ہے، اس کے باوجود انھوں نے اس کی سلامتی کے لئے نہ صرف دعا مانگی بلکہ روزہ بھی رکھا اور زمین پر سوئے،

پچیسواں الزام

کتاب سموئیل ثانی باب ۱۳ میں یہ لکھا ہے کہ داؤدؑ کے بڑے صاحبزادے امنون نے تمر سے زبردستی زنا کیا، پھر اس سے کہا کہ نکل جا! اور جب اس نے نکلنے سے انکار کیا تو اپنے نوکر کو حکم دیا، اس نے اس کو نکال کر دروازہ بند کر لیا، وہ چیختی چلاتی ہوئی نکلی، داؤد علیہ السلام نے یہ تمام باتیں سنیں، اور ان کو گراں معلوم ہوئیں. مگر پدری محبت کی وجہ سے انھوں نے بیٹے کو کچھ بھی نہ کہا، اور نہ تمر ہی کو کچھ کہا، حالانکہ یہ تمر ابی سلوم بن داؤد کی بہن تھی، اسی لئے ابی سلوم امنون کا دشمن ہو گیا، اور اس کے قتل کا ارادہ کیا. اور جب اس کو موقع ملا اس نے اس کو قتل کر ڈالا،

ابی سلوم کا زنا الزام نمبر ۲۶

کتاب سموئیل ثانی باب ۱۶ آیت ۲۲ میں ہے:

"سو انھوں نے محل کی چھت پر ابی سلوم کے لئے ایک تنبو کھڑا کر دیا. اور ابی سلوم سب بنی اسرائیل کے سامنے اپنے باپ کی حرموں کے پاس گیا"

اس کے بعد باب ۱۸ میں یہ بھی مذکور ہے کہ ابی سلوم نے اس حرکت کے بعد اپنے والد حضرت داؤدؑ کے ساتھ جنگ کی، اور اس جنگ میں بیس ہزار بنی اسرائیل قتل ہوتے،

لیجئے! داؤدؑ کا یہ بیٹا یعقوبؑ کے بڑے بیٹے روبن سے بھی تین وجوہات سے بازی لے گیا:

اوّل یہ کہ اس نے باپ کی تمام بیویوں سے زنا کیا، بخلاف روبن کے کہ اس نے باپ کی صرف ایک ہی بیوی سے زنا کیا تھا،

دوؔم یہ کہ اس نے بنی اسرائیل کے بھرے مجمع میں علانیہ زنا کیا، جبکہ رؔوبن نے پوشیدہ طور پر کیا تھا۔

سوؔم یہ کہ اس نے اپنے باپ کا مقابلہ کیا، اور لڑائی کی یہاں تک کہ بیس ہزار اسرائیلی مارے گئے، حالانکہ داؤد علیہ السلام نے اس ناخلف اور بدکار لڑکے کی ان بدکاریوں کے باوجود امراء لشکر کو حکم دیا تھا، کہ اس کو جان سے نہ مارا جائے[1]، مگر یوآب نے اس کے حکم کی خلاف ورزی کی، اور اس ناخلف لڑکے کو قتل کر ڈالا، پھر جب داؤد علیہ السلام نے سُنا تو دھاڑیں مار کر اس کو خوب روئے اور بہت غمگین ہوئے[2]،

ہم کو تو ان واقعات پر کچھ بھی تعجب نہیں ہے، اس لئے کہ اس قسم کے واقعات اگر انبیاءؑ کی اولاد سے بلکہ خود انبیاء سے بھی صادر ہوں تو کتبِ مقدسہ کے فیصلہ کے بموجب اس میں کچھ بھی تعجب نہیں ہے، البتہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ بائبل کے بیان کے مطابق ابی سلوم کا اپنے باپ کی تمام بیویوں سے زنا کرنا خدائی عدل کے عین مطابق تھا، اور درحقیقت خدا ہی نے اس کے جذبات برانگیختہ کر کے اُسے اس فعلِ بد پر آمادہ کیا تھا، اس لئے کہ کتاب سموئیل دوم ہی کے باب ۱۲

---

[1] "اور بادشاہ نے یوآب اور ابیشے اور اتی کو فرمایا کہ میری خاطر اس جوان ابی سلوم کے ساتھ نرمی سے پیش آنا" (۲۔ سموئیل ۱۸: ۵)

[2] تب بادشاہ بہت بے چین ہوگیا، اور اس کوٹھڑی کی طرف جو پھاٹک کے اوپر تھی روتا ہوا چلا اور چلتے چلتے یوں کہتا جاتا تھا، ہائے میرے بیٹے ابی سلوم! میرے بیٹے! میرے بیٹے ابی سلوم! کاش! میں تیرے بدلے مرجاتا! اے ابی سلوم! میرے بیٹے! میرے بیٹے! (۲۔ سموئیل ۱۸: ۳۳)

میں یہ تصریح موجود ہے کہ جب داؤد علیہ السلام نے (معاذ اللہ) اوریا کی بیوی سے زنا کیا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے ناتن نبی کی معرفت ان سے اسی بات پر تنبیہ کی تھی، ملاحظہ ہو:

"سو خداوند یوں فرماتا ہے کہ دیکھ میں شر کو تیرے ہی گھر سے تیرے خلاف اٹھاؤں گا، اور میں تیری بیویوں کو لے کر تیری آنکھوں کے سامنے تیرے ہمسایہ کو دوں گا، اور وہ دن دھاڑے تیری بیویوں سے صحبت کرے گا، کیونکہ تو نے چھپ کر یہ کیا، پر میں اسرائیل کے روبرو دن دہاڑے یہ کروں گا"

(آیات ۱۱ و ۱۲)

حضرت سلیمانؑ کی فحاشی اور بت پرستی، الزام نمبر ۲۷

کتاب سلاطین اوّل باب ۱۱ آیت ۱ میں ہے:

"اور سلیمان بادشاہ فرعون کی بیٹی کے علاوہ بہت سی اجنبی عورتوں سے یعنی موآبی، عمونی، ادومی، صیدانی، اور حتی عورتوں سے محبت کرنے لگا، یہ اُن قوموں کی تھیں جن کی بابت خداوند نے بنی اسرائیل سے کہا تھا کہ تم ان کے بیچ ... نہ جانا، اور نہ وہ تمہارے بیچ آئیں، کیونکہ وہ ضرور تمہارے دلوں کو اپنے دیوتاؤں کی طرف مائل کرلیں گی، سلیمان انہی کے عشق کا دم بھرنے لگا، اور اس کے پاس سات سو شاہزادیاں اس کی بیویاں اور تین سو حرمیں تھیں، اور اس کی بیویوں نے اس کے دل کو غیر معبودوں کی طرف مائل کرلیا، اور اس کا دل خداوند اپنے خدا کے ساتھ کامل نہ رہا، جیسا اس کے باپ داؤد کا دل تھا، کیونکہ سلیمان صیدانیوں کی دیوی

عستارات[1] اور عمونیوں کے نفرتی ملکوم کی پیروی کرنے لگا، اور سلیمان نے خداوند کے آگے بدی کی، اور اس نے خداوند کی پوری پیروی نہ کی، جیسی اس کے باپ داؤد نے کی تھی،

پھر سلیمان نے موآبیوں کے نفرتی مکوس کے لئے اس پہاڑ پر جو یروشلیم کے سامنے ہے، اور بنی عمون کے نفرتی مولک کے لئے بلند مقام بنا دیا، اس نے ایسا ہی اپنی سب اجنبی بیویوں کی خاطر کیا جو اپنے دیوتاؤں کے حضور بخور جلاتی اور قربانی گذرانتی تھیں،

اور خداوند سلیمان سے ناراض ہوا، کیونکہ اس کا دل خداوند اسرائیل کے خدا سے پھر گیا تھا، جس نے اسے دو بارہ دکھائی دے کر اس کو اس بات کا حکم کیا تھا کہ وہ غیر معبودوں کی پیروی نہ کرے، پر اس نے وہ بات نہ مانی، جس کا حکم خداوند نے دیا تھا، اس سبب سے خداوند نے سلیمان کو کہا، چونکہ تجھ سے یہ فعل ہوا، اور تو نے میرے عہد اور میرے آئین کو جن کا میں نے تجھے حکم دیا نہیں مانا، اس لئے میں ضرور (ٹکڑے[2] ٹکڑے کر کے) تیرے خادم کو دیدوں گا۔ (آیات ۱ تا ۱۱)

ملاحظہ کیجئے! سلیمان علیہ السلام سے پانچ خطاؤں کا صدور ظاہر ہو رہا ہے، اوّل؛ جو سب سے بڑی خطاء ہے وہ یہ ہے کہ وہ اپنی آخری عمر میں جو عام طور پر

---

[1] عستارات، ملکوم، مکوس اور مولک اُن بتوں کے نام ہیں جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں مختلف اقوام نے بنا رکھے تھے،

[2] موجودہ ترجمہ میں اس کی جگہ یہ الفاظ ہیں: "تجھ سے چھین کر"

اللہ کی طرف متوجہ ہونے کا زمانہ ہوتا ہے، مرتد ہو جاتے ہیں، اور موسوی شریعت میں مرتد کی سزا سنگساری ہے، چاہے اس کا ارتکاب کسی صاحبِ معجزات پیغمبر ہی سے کیوں نہ ہوا ہو، جس کی تصریح کتاب استثناء کے باب نمبر ۱۳ و ۱۷ میں موجود ہے، توریت کے کسی مقام سے یہ بات بھی ثابت نہیں ہوتی، کہ مرتد کی توبہ قبول ہو سکتی ہے، اور اگر مرتد کی توبہ قبول ہونا ممکن ہو سکتا ... تو پھر موسیٰ علیہ السلام گوسالہ پرستوں کے قتل کا حکم نہ دیتے جس میں تیئس ہزار جانیں چلی گئی تھیں،

دوسرے سلیمان علیہ السلام نے بتوں کے لئے بڑے بڑے بت خانے یروشلیم کے سامنے پہاڑ پر بنوائے جو دو سو سال تک باقی رہے، یہاں تک کہ یوسیاہ بن آمون شاہ یہودا نے اپنے دورِ سلطنت میں سلیمان علیہ السلام کی وفات کے ۳۳۰ سال کے بعد ان بت خانوں کو گندہ کر کے بتوں کو توڑ ڈالا، جس کی تصریح کتاب سلاطین ثانی باب ۲۳ میں موجود ہے،

تیسرے یہ کہ سلیمانؑ نے ان قبیلوں کی لڑکیوں سے شادی کی جن کے ساتھ تعلق رکھنے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا تھا، استثناء کے باب میں ہے کہ:

"تو اُن[1] سے کوئی عہد نہ باندھنا، اور نہ اُن پر رحم کرنا، تو ان سے بیاہ شادی بھی نہ کرنا، نہ اُن کے بیٹوں کو اپنی بیٹیاں دینا، اور نہ اپنے بیٹوں کے لئے ان سے بیٹیاں لینا"

چوتھے یہ کہ سلیمانؑ نے ایک ہزار عورتوں سے نکاح کیا، حالانکہ بنی اسرائیل

---

[1] یہ حکم حتیوں، جرجاسیوں، اموریوں، کنعانیوں، فرزیوں، حویوں، اور یبوسیوں کے بارے میں ہے، دیکھئے استثناء ۷: ۱ تا ۴،

کے بادشاہ کے لئے زیادہ شادیاں کرنا ممنوع تھا کتاب استثناء کے باب ۱۷ آیت ۱۷ میں ہے کہ:

"وہ بہت سی بیویاں بھی نہ رکھے تا نہ ہو کہ اس کا دل پھر جائے"

پانچویں یہ کہ سلیمانؑ کی بیویاں بتوں پر خوشبوئیں لگاتیں اور اُن کے لئے قربانی کیا کرتی تھیں، حالانکہ کتاب خروج باب ۲۲ میں تصریح ہے کہ: "جو کوئی واحد خداوند کو چھوڑ کر کسی اور معبود کے آگے قربانی چڑھائے، وہ بالکل نابود کر دیا جائے"[1] لہٰذا ان عورتوں کا قتل واجب تھا، نیز انھوں نے سلیمانؑ کے دل کو گمراہ کیا، اس لئے ان کو سنگسار کرنا ضروری تھا، جس کی تصریح کتاب استثناء باب ۱۳ میں موجود ہے[2] حالانکہ سلیمان علیہ السلام نے اُن عورتوں پر تا حیات کوئی سزا جاری نہیں کی، پھر تعجب ہے کہ داؤدؑ وسلیمانؑ نے توریت کی مقرر کردہ سزائیں نہ اپنے اوپر جاری کیں، نہ اپنے گھر والوں پر، اس سے زیادہ بڑھ کر اور کیا مداہنت ہو سکتی ہے؟ کیا یہ تمام سزائیں خدائے تعالیٰ نے صرف غریب مفلس لوگوں پر جاری کرنے کے لئے مقرر کی تھیں؟ نیز عہد عتیق کے کسی مقام سے سلیمانؑ کا توبہ کرنا ثابت نہیں، بلکہ بظاہر توبہ نہ کرنا مفہوم ہوتا ہے، کیونکہ اگر وہ توبہ کرتے تو سب سے پہلے اپنے بنائے ہوئے بُت خانے گرا تے، اور اُن بتوں کو توڑتے جن کو بت خانوں کی زینت بنا رکھا تھا، اور اُن عورتوں کو سنگسار کرتے جنھوں نے گمراہ کیا تھا، گو پھر بھی توبہ قبول ہونے کے لائق نہیں ہو سکتی، کیونکہ توریت میں مرتد کی

---

[1] خروج ۲۲ : ۲۰ ، [2] آیات ۶ تا ۱۰ ،

سزا سنگساری کے سوا کچھ نہیں ہے[۱]، مصنف میزان الحق، کتاب طریق الحیوٰۃ

[۱] میں نے ایک عیسائی عالم سے ایک مرتبہ حضرت سلیمانؑ کے بارے میں بائبل کے ان الزامات کا ذکر کیا، اور کہا کہ انبیاء علیہم السلام سے کبیرہ گناہوں کا صدور تو آپ کے نزدیک ممکن ہے لیکن کیا نبی کے مرتد ہوجانے کو بھی آپ تسلیم کرتے ہیں ؟

اس کے جواب میں انھوں نے کہا کہ نہیں! ہم نبی سے شرک کا صدور ممکن نہیں سمجھتے، میں نے اس پر حضرت سلیمانؑ کے اس قصہ کا ذکر کیا تو وہ کہنے لگے کہ درحقیقت سلیمان ہمارے نزدیک پیغمبر ہی نہ تھے، وہ تو ایک بادشاہ تھے، اور بہت سے بادشاہ مرتد ہوجاتے ہیں

لیکن ان کا یہ جواب بائبل سے ناواقفیت کی دلیل تھی، اس لئے کہ بائبل سے حضرت سلیمانؑ کا نبی ہونا ثابت ہوتا ہے، اول تو اس لئے کہ بائبل کے مجموعۂ کتب میں سے کم از کم کتاب امثال باتفاقِ نصاریٰ حضرت سلیمان علیہ السلام کی تصنیف ہے، اور دوسری طرف عیسائیوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ بائبل کی تمام کتابیں صاحبِ الہام اشخاص کی لکھی ہوئی ہیں، دوسرے بائبل کے متعدد مقامات پر یہ تصریح موجود ہے کہ حضرت سلیمانؑ پر وحی نازل ہوتی تھی، مثلاً کتاب سلاطین اوّل میں ہے :

"اور خداوند کا کلام سلیمانؑ پر نازل ہوا کہ یہ گھر جو تو بناتا ہے، سو اگر تو میرے آئین پر چلے الخ" (۱۔ سلاطین ۶: ۱۱)

اس کے علاوہ جب جبعون کے مقام پر حضرت سلیمانؑ کو خواب میں خدا نظر آیا تھا تو اس نے ان سے یہ وعدہ کیا تھا کہ ،

"میں نے ایک عاقل اور سمجھنے والا دل تجھ کو بخشا، ایسا کہ تیری مانند نہ تو کوئی تجھ سے پہلے ہوا اور نہ کوئی تیرے بعد تجھ سا برپا ہوگا" (۱۔ سلاطین ۳: ۱۲)

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمانؑ آخر تک نیک رہیں گے اور کوئی ان کی طرح صاحبِ عقل و خرد اور صاحب دل نہ ہوگا،

بات دراصل یہ ہے کہ عیسائی حضرات کو یہ بھی منظور ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کو مرتد

مطبوعہ ۱۸۴۷ء صفحہ ۵۵ یہ دعویٰ کرنا کہ سلیمانؑ اور آدمؑ نے توبہ کی تھی محض جھوٹا دعویٰ ہے

اٹھائیسواں الزام ۲۸ کتاب کے مقدمہ کے نمبرے میں یہ بات بھی معلوم ہو چکی ہے کہ وہ نبی جو بیت ایل میں تھا، اس نے وحی کے پہونچانے میں کذب بیانی کی، اور اللہ کے مسکین بندے کو دھوکہ دیا، اور اس کو غضبِ خداوندی میں ڈال دیا، اور ہلاک کر ڈالا[۵۲]۔

انتیسواں الزام ۲۹ کتاب سموئیل اول باب ۱۰ میں اسرائیل کے خون ریز اور ظالم بادشاہ ساؤل کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"اور جب وہ ادھر اس پہاڑ کے پاس آئے تو نبیوں کی ایک جماعت اس کو ملی اور خدا کی روح اس پر زور سے نازل ہوئی، اور وہ بھی ان کے درمیان نبوت کرنے لگا، اور خدا کی روح اس پر زور سے نازل ہوئی، اور ایسا ہوا کہ جب

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) فاسق نہیں بلکہ کافر اور مرتد تک قرار دیدیں، اور یہ بھی منظور ہو کہ کسی نبی کی نبوت سے بلا دلیل انکار کر دیں، لیکن یہ منظور نہیں کہ وہ ایک مرتبہ جرأت کے ساتھ یہ کہہ دیں کہ بائبل ناقابلِ اعتماد ہے، اور اس میں بیان کیا ہوا یہ قصہ سراسر من گھڑت ہے، حق کو واشگاف کرنے کا یہ منصب تو درحقیقت قرآن کریم کا ہے، جس نے آج سے تیرہ سو سال پہلے ڈنکے کی چوٹ یہ اعلان کر دیا تھا کہ یہ پورا قصہ حضرت سلیمانؑ پر ایک شرمناک تہمت ہے، اور

وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا (بقرہ ۱۰۲)	"سلیمان کافر نہیں ہوا تھا بلکہ شیاطین نے کفر کیا تھا"

[۵۱] مطلب یہ ہے کہ بائبل سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا،

[۵۲] دیکھئے صفحہ ۲۵۳ جلد اوّل،

اُس کے اگلے جان پہچانوں..... نے یہ دیکھا کہ وہ نبیوں کے درمیان نبوت کر رہا ہے تو وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے قیس کے بیٹے کو کیا ہو گیا؟ کیا ساؤل بھی نبیوں میں شامل ہے؟ اور وہاں کے ایک آدمی نے جواب دیا کہ بھلا ان کا باپ کون ہے؟ تب ہی سے یہ مثل چلی، کیا ساؤل بھی نبیوں میں ہے؟ اور جب وہ نبوت کر چکا تو اونچے مقام میں آیا" (آیات ۱۰ تا ۱۲)

اور سموئیل اوّل باب ۱۱ آیت ۶ میں ہے:

تجب ساؤل نے یہ باتیں سُنیں تو خدا کی رُوح اس پر زور سے نازل ہوئی اور اس کا غصہ نہایت بھڑکا"

ان عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ساؤل روح القدس سے مستفیض تھا، اور زمانہ آئندہ کی خبریں دیا کرتا تھا، لیکن پھر سفر مذکور باب ۱۶ میں لکھا ہے کہ:

"اور خداوند کی رُوح ساؤل سے جدا ہو گئی، اور خداوند کی طرف سے ایک بُری رُوح اُسے ستانے لگی"[1]

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ساؤل کو مقامِ نبوت سے معزول کر دیا گیا اور شیطانی رُوح اس پر مسلط ہو گئی، لیکن پھر کتاب مذکور باب ۱۹ آیت ۲۳ میں ہے:

"تب وہ ادھر رامہ کے نیوت کی طرف چلا اور خدا کی روح اس پر بھی نازل ہوئی، اور وہ چلتے چلتے نبوت کرتا ہوا رامہ کے نیوت میں پہنچا، اور اس نے بھی اپنے کپڑے اتارے، اور وہ بھی سموئیل کے آگے نبوت کرنے لگا، اور وہ سارے دن اور ساری رات ننگا پڑا رہا، اس لئے یہ کہاوت چلی کیا ساؤل بھی نبیوں میں ہے؟"

[illegible]

دیکھئے! یہ نبی جسے نبوت کے مقام سے معزول کر دیا گیا تھا اس کو یہ جلیل القدر منصب دوبارہ حاصل ہو گیا، اور روح القدس اس پر اس قدر قوت کے ساتھ نازل ہوئی کہ کپڑے اتار کر بالکل ہی ننگا ہو گیا، اور ایک رات دن اسی حالت میں ننگ دھڑنگ پڑا رہا، یہ پیغمبر صاحب بھی جن میں روح شیطانی اور رُوح رحمانی دونوں کا حسین امتزاج تھا، پورے عجائب خانہ تھے، جو صاحب چاہیں ان کے ظلم وسفاکی کے حالات اسی کتاب میں ملاحظہ کر سکتے ہیں،

یہوداہ کی چوری
الزام نمبر ۳

یہوداہ اسکریوتی بھی ایک حواری تھا، اور روح القدس سے مستفیض ہونے والا اور صاحب کرامات شخص تھا، جس کی تصریح انجیل متی کے باب ۱۰ میں ہے،[1] اس نبی نے اپنے دین کو دنیا کے عوض فروخت کر ڈالا، اور صرف تیس درہم کے لالچ میں عیسٰی علیہ السلام کو یہودیوں کے حوالے کر دیا، پھر ان کا گلا گھونٹ کر مار ڈالا، جس کی تصریح انجیل متی کے باب ۲۷ میں موجود ہے، اور اس کے حق میں یوحنا نے اپنی انجیل کے باب ۱۲ میں شہادت دی ہے کہ یہ شخص چور تھا، اور ایک تھیلا ساتھ رکھتا تھا، اور جمع شدہ مال لادے پھرتا تھا،[2] کیا ایسا جرائم پیشہ چور جس نے دین جیسی دولت کو دنیا کے عوض فروخت کر ڈالا ہو وہ بھی کہیں نبی ہو سکتا ہے،

---

[1] "پھر اس نے اپنے بارہ شاگردوں کو پاس بلا کر ان کو ناپاک روحوں پر اختیار بخشا، کہ ان کو نکالیں اور ہر طرح کی بیماری اور ہر طرح کی کمزوری دور کریں" (متی ۱:۱۰) آگے ان بارہ حواریوں میں یہوداہ اسکریوتی کا نام بھی ہے،

[2] "اس لئے کہ چور تھا اور چونکہ اس کے پاس انکی تھیلی رہتی تھی اس میں جو کچھ پڑتا وہ نکال لیتا تھا" (یوحنا ۱۲:۶)

حواریوں کی بیوفائی
الزام نمبر ۳۱

وہ حواری حضرات جن کا درجہ عیسائیوں کے نزدیک حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر رسول اور تمام اسرائیلی پیغمبروں سے بھی برتر ہے، اس رات کو جس میں یہودیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کیا تھا، ان کو تنہا دشمنوں کے ہاتھوں میں چھوڑ کر بھاگ گئے، غور کیجئے! کس قدر عظیم الشان جرم ہے؟ اور اگر عذر گناہ کے طور پر عیسائی یہ کہیں کہ اس حرکت کا صدور ان سے بزدلی کی بناء پر ہوا، جو ایک طبعی چیز اور غیر اختیاری امر ہے، تو جواباً ہم عرض کریں گے کہ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے تو ایک دوسری چیز ایسی موجود ہے جس میں ان کا یہ عذر کسی طور پر بھی نہیں چل سکتا، حالانکہ وہ کام بہت ہی سہل اور آسان تھا، وہ یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام اس روز تمام رات بے چین رہے اور حواریوں سے فرمایا کہ میرا دل بہت غمگین ہے، اس لئے تم لوگ آج یہاں میرے پاس ٹھیرو، اور میرے ساتھ جاگو، پھر نماز کے لئے آگے بڑھے، پھر اُن کے پاس آئے تو ان کو سوتا ہوا پایا، اور پطرس سے فرمایا کہ کیا تم اتنا بھی نہ کر سکتے تھے کہ میرے ساتھ ایک گھڑی بھر جاگو؟ اس لئے تم لوگ جاگو اور نماز پڑھو، پھر دوبارہ نماز کے لئے تشریف لے گئے، پھر آئے تو ان کو بدستور سوتا ہوا پایا، پھر ان کو چھوڑ کر چل دیئے، اور اپنے شاگردوں کے پاس پہونچے، اور ان سے کہا کہ تم لوگ سو جاؤ اور آرام کرو، جس کی تصریح انجیل متی کے باب ۲۶ میں موجود ہے[1]،

دیکھئے! اگر ان لوگوں کو ذرا بھی اپنے پیغمبر سے محبت ہوتی، تو ایسی حرکت

---

[1] آیات ۳۶ تا ۴۶،

نہیں کر سکتے تھے، کون نہیں جانتا کہ اگر دنیا داروں اور گنہگاروں کا کوئی مقتدا یا کوئی رشتہ دار بھی رات کو کسی بے چینی یا بیماری میں مبتلا ہوتا ہے تو خواہ وہ کتنا ہی فاسق و فاجر شخص کیوں نہ ہو اس رات سو نہیں سکتا،

پطرس کا جھوٹ الزام نمبر ۳۲،

پطرس حواری جو رئیس الحوارین شمار کئے جاتے ہیں، اور فرقہ کیتھولک کے عقیدہ کی رُو سے عیسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ ہیں، اگرچہ وہ بھی دوسرے حواریوں کے ساتھ گذشتہ بیان کردہ وصف میں برابر کے شریک ہیں، مگر ان کو دوسرے حواریوں پر اس لحاظ سے فوقیت حاصل ہے، کہ یہودیوں نے جب عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کر لیا، تو یہ دُور سے ان کے پیچھے کا تماشہ دار کاہن کے مکان تک گئے، اور مکان کے باہر بیٹھ گئے، ایک باندی یہ کہتی ہوئی آئی کہ تو بھی یسوع کا ساتھی معلوم ہوتا ہے، تو انھوں نے تمام مجمع کے سامنے انکار کیا، پھر اس باندی نے ان کو دوبارہ دیکھا، تو پھر ان لوگوں سے جو وہاں موجود تھے کہنے لگی کہ یہ شخص بھی مسیح ناصری کا ساتھی ہے، پطرس نے حلف سے انکار کیا اور کہا کہ میں تو اس شخص کو جانتا بھی نہیں ہوں،

کچھ دیر کے بعد نگراں لوگ آئے انھوں نے بھی پطرس سے کہا کہ یقیناً تو بھی انہی لوگوں میں سے ہے، تب پطرس نے عیسیٰ علیہ السلام پر لعنت برسانی[1] شروع کی، اور قسم کھا کر کہا کہ میں اس شخص کو قطعی نہیں جانتا، اسی وقت ایک مرغا بولا تو پطرس کو عیسےٰ علیہ السلام کا قول یاد آیا، کہ تو مرغ کی آواز سے قبل تین بار مجھ کو جاننے

---

[1] اُس پر وہ لعنت کرنے اور قسم کھانے لگا کہ میں اس آدمی کو نہیں جانتا " (متی ۲۶: ۷۴)

سے انکار کرے گا، جس کی تصریح انجیل متی کے باب ۲۶ میں موجود ہے، نیز عیسیٰ علیہ السلام نے انہی کے حق میں یہ الفاظ استعمال کئے کہ:

"اے شیطان میرے سامنے سے دُور ہو، تو میرے لئے ٹھوکر کا باعث ہے، کیونکہ تو خدا کی باتوں کا نہیں بلکہ آدمیوں کی باتوں کا خیال رکھتا ہے"

اس کی تصریح بھی انجیل متی کے باب ۱۶[1] میں موجود ہے، اور نصاریٰ کے مقدس پولس صاحب نے گلتیوں کے نام اپنے خط باب ۲ آیت ۱۱ میں ان کے بارے میں لکھا ہے:

"لیکن جب (پطرس[2]) انطاکیہ میں آیا تو میں نے روبرو ہو کر اس کی مخالفت کی، کیونکہ وہ ملامت کے لائق تھا، اس لئے کہ یعقوب کی طرف سے چند شخصوں کے آنے سے پہلے تو وہ غیر قوم والوں کے ساتھ کھایا کرتا تھا، مگر جب وہ آگئے تو مختونوں سے ڈر کر باز رہا، اور کنارہ کیا، اور باقی یہودیوں نے بھی اس کے ساتھ ہو کر ریاکاری کی، یہاں تک کہ برنباس بھی ان کے ساتھ ریاکاری میں پڑ گیا، جب میں نے دیکھا کہ وہ خوش خبری کی سچائی کے

---

[1] آیت ۲۳، مذکورہ اقتباس بعینہ بائبل کے الفاظ میں ہے،

[2] اظہار الحق میں ایسا ہی ہے، قدیم انگریزی ترجمہ اور جدید عربی ترجمہ میں بھی یہاں بعینہٖ یہی لفظ ہے، لیکن جدید اردو اور جدید انگریزی ترجمے، نیز کیتھولک بائبل میں یہاں پطرس کی بجائے کیفا کا لفظ لکھ دیا گیا ہے، اس آیت کے جدید شارحین بھی یہاں پطرس ہی کا لفظ ذکر کرتے ہیں اور نسخوں کے کسی اختلاف کو ذکر نہیں کرتے، (دیکھئے آر، اے ناکس کی تفسیر عہد نامۂ جدید، ص ۲۱۸ ج ۲) لیکن چونکہ کیفا بھی پطرس ہی کا دوسرا نام ہے (دیکھئے گلتیوں ۲: ۱۱ تا ۱۳) اس لئے مقصد ایک ہی ہے،

موافق سیدھی چال نہیں چلتے تو میں نے سب کے سامنے (پطرس) اسے کہا کہ جب تو باوجود یہودی ہونے کے غیر قوموں کی طرح زندگی گذارتا ہے، نہ کہ یہودیوں کی طرح، تو غیر قوموں کو یہودیوں کی طرح چلنے پر کیوں مجبور کرتا ہے؟"

(آیات ۱۱ تا ۱۴)

اور پطرس عام طور سے گفتگو میں تمام حواریوں سے آگے رہتے تھے، مگر بعض اوقات ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا بات کریں؟ جس کی تصریح انجیل لوقا کے باب ۹ آیت ۳۳ میں موجود ہے[1]، اور کتاب الثلاث عشرہ رسالہ مطبوعہ ۱۸۴۹ء بیروت کے دوسرے رسالہ صفحہ ۶۰ میں ہے کہ:

"ایک پوپ کہتا ہے کہ وہ بہت سخت ظالم اور مخالفت میں شدید تھا"[2]

"..............................."

نیز صفحہ ۱۶ پر ہے کہ:

"فم الذہب کہتا ہے کہ وہ بہت کمزور اور ناقص العقل تھا، اور سینٹ آگسٹائن پطرس کی نسبت بیان کرتا ہے کہ وہ کسی بات پر ثابت قدم

---

[1] لیکن وہ جانتا نہ تھا کہ کیا کہتا ہے" (لوقا ۹: ۳۳)

[2] اظہار الحق کے عربی نسخہ میں اس جگہ ایک عبارت ہے: "یوحنا فم الذہب مقالہ ۸۲ و ۸۳ فی متی" (ص ۱۹۵ ج ۲) لیکن بظاہر اس عبارت میں طباعت کی کوئی غلطی ہوئی ہے، اظہار الحق کے انگریزی ترجمہ میں بھی اس جملہ کا کوئی ترجمہ نہیں کیا گیا، کافی غور و خوض کے باوجود اس عبارت کا مطلب میں نہیں سمجھ سکا، اس لئے یہاں سے اس جملے کے ترجمہ کو حذف کر کے نقطے ڈال دیئے گئے ہیں، تقی

نہ رہتا تھا، کیونکہ کبھی ایک بات پر یقین لاتا اور کبھی اس میں شک کرنے لگتا،
کبھی اس کو یہ یقین ہو جاتا کہ مسیح مر چکے ہیں، اور کبھی ان کے مرنے کے تصوّر
سے ڈرتا اور خوف کھاتا، مسیح بھی کبھی اس کی نسبت یوں فرماتے کہ تیرے
لئے بشارت اور خوشخبری ہے، اور کبھی اس کو کہتے کہ اے شیطان "
ملاحظہ کیا آپ نے کہ یہ حواری جو عیسائیوں کے نزدیک موسیٰؑ اور دوسرے
تمام اسرائیلی پیغمبروں سے بھی افضل ہے، اس کا یہ کچا چٹھا ہے تو "قیاس کن
زگلستانِ من بہارِ مرا" بیچارے مفضولین کا کیا حال ہوگا ؟

کائفا کی غداری الزام نمبر ۳۳

سردار کاہن کائفا بھی یوحنا کی شہادت کے مطابق نبی اور پیغمبر تھا، جیسا کہ انجیلِ یوحنا باب ۱۱ آیت ۵۱
(ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۳۱ء و ۱۸۴۴ء) میں اس کے متعلق یوحنا کا یہ قول مذکور ہے:
"مگر اس نے یہ اپنی طرف سے نہیں کہا، بلکہ اس سال سردار کاہن ہو کر
نبوّت کی، کہ یسوعؑ اس قوم کے واسطے مرے گا "
اس عبارت میں "نبوّت کی" کے الفاظ کائفا کے نبی ہونے پر دلالت
کر رہے ہیں، لیکن اس نبی نے عیسیٰؑ کے قتل کا فتویٰ دیا تھا، اور ان کے ساتھ
کفر کیا، اور ان کی توہین کی تھی، اب اگر یہ افعال اور حرکتیں نبوّت اور الہامِ الٰہی
کے مطابق تھیں تو لازم آتا ہے کہ نعوذ باللہ عیسیٰ علیہ السلام کا انکار و کفر
واجب تھا، اور اگر یہ باتیں شیطانی وساوس کا نتیجہ تھیں تو اس سے بڑھ کر
اور کونسا جرم ہو سکتا ہے ؟
اب ہم صرف اتنی ہی مثالوں پر اکتفاء کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ان جرائم

اور گناہوں کی تصریح دونوں عہد کی کتابوں میں موجود اور صاف مذکور ہیں، جب ایسے شدید معاصی اور گناہ بھی ان پیغمبروں کی پیغمبری اور نبوت کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکے تو پھر اُن کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر معمولی معمولی باتوں پر اعتراض کرتے ہوئے شرم کیوں نہیں آتی ؟

ان باتوں کو قارئین کے ذہن نشین کرنے کے بعد اب ہم عیسائیوں کے مطاعن اور اعتراضات کو لے کر ان کا جواب ذکر کرتے ہیں :

عیسائیوں کا اسلام پر پہلا اعتراض، جہاد کے حکم پر

یہ اعتراض اسلامی مسئلہ جہاد سے متعلق ہے جو عیسائیوں کے خیال کے مطابق سب سے بڑا اعتراض ہے، جس کو یہ لوگ اپنے رسائل اور کتابوں میں عجیب وغریب عنوان اور اسلوب سے بیان کرتے رہتے ہیں، جس کا منشاء خالص عناد اور بغض ہے، جو اُن کو اسلام اور تعلیماتِ اسلامی کے ساتھ چلا آتا ہے، اس اعتراض کے جواب سے قبل بطور تمہید ہم پانچ ضروری امور کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں،

پانچ بنیادی باتیں

پہلی بات ؛

خدا تعالیٰ کو کفر قطعی ناپسند ہے، جس کی سزا آخرت میں یقینی اور قطعی ہے، بالکل اسی طرح وہ نافرمانی اور گناہ کو بھی مبغوض رکھتا ہے، کبھی کبھی کافروں اور نافرمانوں کو دنیا میں بھی سزا دیتا ہے، چنانچہ کبھی تو اس نے عمومی طوفان کے ذریعہ کافروں کو سزا دی، جس کی مثال عہدِ نوح کا مشہور طوفان ہے،

جس کے نتیجہ میں کشتی نوحؑ میں سوار ہونے والوں کے سوا ہر جاندار کو ہلاک کر ڈالا، اور کبھی خصوصی طور پر کسی جماعت کو ڈبو کر سزا دیتا ہے، مثلاً موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں فرعون اور اس کی قوم کو غرق کر دیا گیا، اور کبھی اچانک اور ایک دم بھی ہلاک کر دیا جاتا ہے، مثلاً مصر کے تمام انسانوں اور جانوروں کی بڑی اولاد کو اس ایک رات میں ہلاک کر دیا جس میں بنی اسرائیل مصر سے نکلے تھے، یہ واقعہ سفر خروج باب ۱۲ میں موجود ہے،

اور کبھی آسمان سے گندھک اور آگ برسا کر اور بستیوں کو اُلٹ کر ہلاک کیا گیا، جس کی مثال عہد لوطؑ کا واقعہ ہے، جس میں سدوم اور عمورہ کی بستیوں اور ان کے قریبی علاقوں پر گندھک اور آگ برسا کر بستیوں کو اُلٹ دیا گیا، اور کبھی امراض اور بیماریوں کے ذریعہ ہلاک کیا گیا، جس کی مثال قوم اشدودیین ہی، جن کو بواسیر کے مرض میں مبتلا کر کے ختم کر ڈالا، جس کا قصہ کتاب سموئیل اول باب ۵[1] میں موجود ہے، کبھی کسی فرشتے کو بھیج کر اُن کو ہلاک کر دیا، جیسا کہ اسور میں لشکر پر ایک فرشتہ بھیج دیا، جس نے ایک رات میں ایک لاکھ پچاسی ہزار انسانوں کو ہلاک کر ڈالا، جس کی تصریح کتاب سلاطین ثانی باب ۱۹ میں موجود[2] ہے، اور کبھی پیغمبروں اور اُن کو ماننے والی جماعت کے جہاد کی شکل میں ان کو ہلاک کر دیا، جس کی تفصیل نمبر ۲ میں آپ کو معلوم ہو جائے گی،

---

[1] دیکھئے کتاب ہذا ص ۱۲۰۴ جلد ہذا اور اس کا حاشیہ،

[2] "سو اُسی رات کو خداوند کے فرشتہ نے نکل کر اسور کی لشکرگاہ میں ایک لاکھ پچاسی ہزار آدمی مار ڈالے، اور صبح کو جب لوگ سویرے اُٹھے تو دیکھا کہ وہ سب مرے پڑے ہیں" (۲-سلاطین ۱۹ : ۳۵)

اسی طرح گنہگاروں اور نافرمانوں کو کبھی کبھی زمین میں دھنسا کر یا آگ میں جلا کر فنا کر دیا گیا، مثلاً جب قورح، داتن اور ابیرام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کی تو زمین شق ہوئی، اور ان تینوں کو، ان کی عورتوں، بچوں اور مال و اسباب سمیت نگل گئی، پھر ایک آگ آئی جو ڈھائی سو انسانوں کو بھسم کر گئی، اس کا پورا واقعہ کتاب گنتی باب ۱۶ میں موجود ہے،

اسی طرح کبھی اچانک اور بیخبری میں ہلاک کر دیا جاتا ہے، مثلاً چودہ ہزار سات سو آدمیوں کو اس وقت ہلاک کر دیا جبکہ انھوں نے قورح وغیرہ کی ہلاکت کے اگلے روز مخالفت پر کمر باندھی تھی، اور اگر اتفاق سے ہارون علیہ السلام مُردوں اور زندوں کے درمیان کھڑے ہو کر زندوں کی معافی اور مغفرت کی درخواست نہ کرتے تو اس روز غضبِ خداوندی کے نتیجہ میں پوری قوم ہلاک ہو جاتی، جس کی تصریح اسی باب میں موجود ہے، یا جس طرح بیت الشمس کے باشندوں میں پچاس ہزار ستر افراد کو اس بنا پر ہلاک کر ڈالا، کہ انھوں نے صندوقِ شہادت کو جھانک کر دیکھ لیا تھا جس کی تصریح کتاب سموئیل اول باب ۶ میں موجود ہے[1]،

اور کبھی موذی سانپوں اور اژدہوں کے ذریعہ ہلاک کر دیا، جیسا کہ جب بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کی دوبارہ مخالفت کی تھی، تو خدا نے اُن پر

---

[1] "اور اس نے بیت شمس کے لوگوں کو مارا، اس لئے کہ انھوں نے خداوند کے صندوق کے اندر جھانکا تھا، سو اس نے ان کے پچاس ہزار اور ستر آدمی مار ڈالے" (۱-سمو ۶: ۱۹)

مزید دیکھئے کتاب ہذا، ص ۶۶۸ ج دوم،

موذی اژدہے بھیجدیئے، جنھوں نے ان کو ڈسنا اور کاٹنا شروع کردیا، جس سے بے شمار آدمی مارے گئے، جس کی تصریح کتاب گنتی باب ۲۴ میں ہے، اور کبھی فرشتہ کے ذریعہ ہلاک کردیا گیا، جیساکہ ایک ہی روز میں ستر ہزار آدمی مار ڈالے، حالانکہ جرم صرف یہ تھا کہ حضرت داؤدؑ نے مردم شماری کی تھی، جس کی تصریح سفر سموئیل ثانی باب ۲۴ میں کی گئی،

اور گاہے ایسا بھی ہوتا ہے کہ کافروں یا عاصیوں کو دنیا میں سزا نہیں دی جاتی، کیا آپ نے غور نہیں کیا کہ حواری حضرات عیسائیوں کے اعتقاد کے مطابق موسیٰؑ اور تمام اسرائیلی پیغمبروں سے بلکہ صندوقِ شہادت سے بھی زیادہ افضل تھے، اور مسیحی حضرات کے نزدیک اُن کا قاتل عہدِ نوحؑ و لوطؑ و موسیٰ علیہم السلام کے کافروں سے زیادہ بدتر ہے، ادھر شہنشاہِ روم نیرو نے جو ظالم اور مشرک تھا، پطرس اور اس کی بیوی کو، نیز پولس اور بہت سے عیسائیوں کو شدید طور پر قتل کیا، اور یہی حرکت حواریوں کے منکروں نے کی، مگر خدا نے نہ تو ان کو ڈبویا، اور نہ گندھک اور آگ برسائی، نہ بستیوں کو اُلٹا، نہ اُن کی بڑی اولاد کو قتل کیا، اور نہ ہی بیماریوں میں مبتلا کیا، نہ فرشتہ یا موذی جانوروں کے ذریعہ ان کو ہلاک کیا،

دُوسری بات:

گذشتہ پیغمبروں نے بھی کافروں کو قتل اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قید کیا، اور ان کے اموال کو لوٹا ہے، اور یہ چیزیں شریعتِ محمدیؐ کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہیں، یہ بات اُس شخص پر مخفی نہیں ہوسکتی جس نے دونوں عہد کی

کتابوں کا مطالعہ کیا ہوگا، گو اس کی مثالیں اور شواہد بکثرت ہیں، مگر ہم نمونہ کے طور پر چند کے بیان پر اکتفاء کرتے ہیں؛

دوسری شریعتوں میں جہاد کی پہلی مثال؛

کتاب استثناء باب ۲۰ آیت ۱۰ میں ہے:

"جب تو کسی شہر سے جنگ کرنے کو اس کے نزدیک پہنچے تو پہلے اسے صلح کا پیغام دینا، اور اگر وہ تجھ کو صلح کا جواب دے اور اپنے پھاٹک تیرے لئے کھول دے، تو وہاں کے سب باشندے تیرے باجگذار بن کر تیری خدمت کریں، اور اگر وہ تجھ سے صلح نہ کرے بلکہ تجھ سے لڑنا چاہے تو تو اس کا محاصرہ کرنا، اور جب خداوند تیرا خدا اُسے تیرے قبضہ میں کر دے تو وہاں کے ہر مرد کو تلوار سے قتل کر ڈالنا، لیکن عورتوں، اور بال بچوں اور چوپایوں اور اس شہر کے سب مال اور لوٹ کو اپنے لئے رکھ لینا اور تو اپنے دشمنوں کی اُس لوٹ کو جو خداوند تیرے خدا نے تجھ کو دی ہو، کھانا، ان سب شہروں کا یہی حال کرنا جو تجھ سے بہت دُور ہیں، اور ان قوموں کے شہر نہیں ہیں، پر اُن قوموں کے شہروں میں جن کو خداوند ... تیرا خدا میراث کے طور پر تجھ کو دیتا ہے، کسی ذی نفس کو جیتا نہ بچا رکھنا، بلکہ تو ان کو یعنی حتی اور اموری اور کنعانی اور فرزی اور حوی اور یبوسی قوموں کو جیسا خداوند تیرے خدا نے تجھ کو حکم دیا ہے بالکل نیست کر دینا۔" (آیات ۱۰ تا ۱۷)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ نے چھ قبائل یعنی حتی، اموری، کنعانی، فرزی، حوی اور یبوسی لوگوں کے حق میں یہ حکم دیا تھا کہ ان میں سے

ہر جاندار کو تلوار کی دھار سے قتل کیا جائے، خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں یا بچے،

ان کے علاوہ دوسری قوموں کے لئے یہ حکم دیا گیا کہ پہلے ان کو صلح کی دعوت دی جائے، پھر اگر وہ قبول کرلیں اور اطاعت قبول کریں اور جزیہ ادا کرنا منظور کریں تو بہتر ہے، اور اگر وہ تیار نہ ہوں اور لڑائی کریں تو ان پر فتح حاصل کرنے کے بعد اُن کے مردوں کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا جائے، عورتوں اور بچوں کو قید کرلیا جائے اور ان کے جانوروں اور اموال کو لُوٹ لیا جائے، اور مجاہدین پر تقسیم کردیا جائے اور یہی معاملہ ان بستیوں کے ساتھ کیا جائے جو ان مذکورہ چھ قبائل سے دور واقع ہوں

صرف اکیلی یہ ایک ہی عبارت عیسائیوں کے تمام واہیات اعتراضات کے جواب میں کافی وشافی ہے، علماءِ اسلام نے، متقدمین نے بھی اور پچھلوں نے بھی اس عبارت کو عیسائیوں کے مقابلہ میں نقل کیا ہے، مگر عیسائی ہمیشہ اس کے جواب سے ایسے خاموش رہتے ہیں گویا انھوں نے مخالف کے کلام میں اس عبارت کو دیکھا ہی نہیں، اور اس کا جواب ہی نہیں دیتے، نہ اقرار کے ساتھ نہ تاویل کی صورت میں،

دوسری مثال؛

کتاب خروج باب ۲۳ آیت ۲۳ میں ہے:

"اس لئے کہ میرا فرشتہ تیرے آگے آگے چلے گا، اور تجھے اموریوں اور حتیوں اور فرزیوں اور کنعانیوں اور حویوں اور یبوسیوں میں پہنچا دے گا، اور میں ان کو ہلاک کر ڈالوں گا، تو ان کے معبودوں کو سجدہ نہ کرنا، نہ ان کی عبادت کرنا، نہ اُن کے سے کام کرنا، بلکہ تو ان کو بالکل اُلٹ دینا، اور ان کے ستونوں

کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنا" (آیات ۲۳ و ۲۴)

تیسری مثال؛

کتاب خروج باب ۳۴ آیت ۱۲ میں انہی چھ قوموں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ:

"سو خبردار رہنا کہ جس ملک کو تو جاتا ہے اس کے باشندوں سے کوئی عہد نہ باندھنا، ایسا نہ ہو کہ وہ تیرے لئے پھندا ٹھہرے، بلکہ تو اُن کی قربانگاہوں کو ڈھادینا، اور اُن کے (ستونوں)[1] کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا، اور انکی یسیرتوں کو کاٹ ڈالنا"

چوتھی مثال؛

کتاب گنتی باب ۳۳ آیت ۵۱ میں ہے:

"بنی اسرائیل سے یہ کہہ دے کہ جب تم یردن کو عبور کرکے ملکِ کنعان میں داخل ہو تو تم اس ملک کے سب باشندوں کو (وہاں[2] سے نکال دینا) اور ان کے شبیہ دار پتھروں کو اور اُن کے ڈھلے ہوئے بتوں کو توڑ ڈالنا اور ان کے (سب[3] اونچے مقاموں) کو مسمار کر دینا"

آگے آیت ۵۵ میں ہے:

---

[1] یہ موجودہ اردو ترجمہ کی عبارت ہے، اظہار الحق میں یہاں "اصنام" کا لفظ ہے، مثال نمبر ۵ میں استثناء کی جو عبارت آرہی ہے اس میں بھی یہی صورت ہے،

[2] اظہار الحق میں اس کی جگہ "ہلاک کر دینا" لکھا ہے، کیتھولک بائبل بھی اس کے مطابق ہے، آیت ۵۵ میں بھی ایسا ہی ہے،

[3] اظہار الحق میں مذابح (قربان گاہوں) کا لفظ ہے،

"لیکن اگر تم اس ملک کے باشندوں کو اپنے آگے سے دور نہ کرو تو جن کو تم باقی رہنے دوگے وہ تمہاری آنکھوں میں خار اور تمہارے پہلو میں (کانٹے)[1] ہونگے اور اُس ملک میں جہاں تم بسوگے تم کو دق کریں گے، اور آخر کو یوں ہوگا کہ جیسا میں نے ان کے ساتھ کرنے ارادہ کیا ویسا ہی تم کروں گا۔"

(آیات ۵۵ و ۵۶)

پانچویں مثال؛

کتاب استثناء باب ۷ آیت ۱ میں ہے:

"جب خداوند تیرا خدا تجھ کو اس ملک میں جس پر قبضہ کرنے کے لئے تو جا رہا ہے پہنچادے، اور تیرے آگے سے ان بہت سی قوموں کو یعنی حتیوں اور جرجاسیوں اور اموریوں اور کنعانیوں اور فرزیوں اور حویوں اور یبوسیوں کو جو سات قومیں تجھ سے بڑی اور زور آور ہیں (نکال دے)[2] اور جب خداوند تیرا خدا ان کو تیرے آگے شکست دلائے اور تو اُن کو مار لے تو تُو ان کو بالکل نابود کر ڈالنا تو ان سے کوئی عہد نہ باندھنا، اور نہ اُن پر رحم کرنا بلکہ تم ان سے یہ سلوک کرنا کہ ان کے مذبحوں کو ڈھا دینا، ان کے (ستونوں) کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا، اور ان کی یسیرتوں کو کاٹ ڈالنا، اور ان کی تراشی ہوئی مورتیں آگ میں جلا دینا۔"　　(آیات ۱ تا ۵)

---

[1] اظہار الحق: "نیزے"
[2] اظہار الحق: "ھلاک کردے"

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سات قوموں کی نسبت یہ حکم دیا تھا کہ ان کے ہر جاندار کو قتل کیا جائے، اور قطعی اُن پر رحم نہ کیا جائے، نہ ان سے کوئی معاہدہ کیا جائے، ان کے مذبح خانوں کو برباد اور بتوں کو توڑ دیا جائے، اور بتوں کو آگ لگا دی جائے، عبادتوں کو موقوف کیا جائے، اور اُن کی بربادی میں کوئی کسر باقی نہ رکھی جائے، اور یہ بھی کہہ دیا کہ اگر تم ان کو ہلاک نہیں کرو گے تو میں پھر تمہارے ساتھ وہی معاملہ کروں گا جو اُن کے ساتھ کرنے کا ارادہ کیا تھا، ان سات اقوام کی نسبت یہ بھی کہا گیا کہ "جو ساتوں قومیں تجھ سے بڑی اور زور آور ہیں" ادھر کتاب گنتی کے باب میں یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ بنی اسرائیل کے ان لوگوں کی تعداد جو لڑنے کے لائق اور بیس سال یا اس سے زیادہ عمر تک کے تھے چھ لاکھ تین ہزار پانسو پچاس[1] تھی، اور لاوی کی اولاد مرد ہوں یا عورت اسی طرح باقی گیارہ خاندان کے لوگ اور وہ مرد جن کی بیس سال سے کم عمر تھی وہ اس شمار سے خارج ہیں، اس لئے اگر ہم تمام بنی اسرائیل کی تعداد کو ملحوظ رکھیں اور متروک مردوں عورتوں کو بھی شمار کئے گئے افراد کے ساتھ شامل کر لیں تو پچیس لاکھ یعنی ڈھائی ملین سے کسی حال میں کم نہیں ہوں گے، اور یہ سات قومیں جب تعداد میں بھی ان سے زیادہ اور قوت میں ان سے بڑھے ہوئے تھے تو یقیناً ان کی تعداد بنی اسرائیل کے شمار سے زیادہ ہوگی،

---

[1] "بنی اسرائیل میں سے جتنے آدمی بیس برس یا اس سے اوپر اوپر کی عمر کے اور جنگ کرنے کے قابل تھے وہ سب گنے گئے، اور ان سبھوں کا شمار چھ لاکھ تین ہزار پانچسو پچاس تھا" (گنتی ۱: ۴۵)

ڈاکٹر کیتھ نے انگریزی زبان میں ایک کتاب تالیف کی ہے، جس میں ان پیشینگوئیوں کی سچائی کا بیان ہے، جو کتبِ مقدسہ میں آئندہ پیش آنے والے واقعات کی نسبت کی گئی ہیں، جس کا ترجمہ پادری مریک نے فارسی زبان میں ... کشف الاستار فی قصصِ انبیار بنی اسرائیل کے نام سے کیا ہے، یہ ترجمہ ایڈنبرگ میں ۱۸۴۶ء مطابق ۱۲۶۲ھ میں چھپا ہے، اس ترجمہ کے صفحہ ۲۶ پر کہا گیا ہے کہ:

"قدیم کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودی شہروں میں ہجرت سے ۵۵۰ سال قبل آٹھ کروڑ انسان آباد تھے، یعنی اسّی ملین"

غالباً یہ تمام شہر عہدِ موسوی میں آباد اور بارونق اسی طرح یا اس سے بھی زیادہ تھے، اب خدا اسّی ملین یا اس سے بھی بیشتر انسانوں کے قتل کا حکم دے رہا ہے،

چھٹی مثال:

کتاب خروج باب ۲۲ آیت ۲۰ میں یوں ہے کہ:

"جو کوئی واحد خداوند کو چھوڑ کر کسی اور معبود کے آگے قربانی چڑھائے" بالکل نابود کر دیا جائے"

ساتویں مثال:

جس شخص نے بھی کتاب استثنا، باب ۱۳ کا مطالعہ کیا ہوگا، وہ خوب جانتا ہے کہ غیر اللہ کی عبادت کی دعوت دینے والا خواہ وہ نبی ہی کیوں نہ ہو واجب القتل ہے، اسی طرح بتوں کی پرستش کی دعوت دینے والے کو سنگسار کیا جانا ضروری ہے، خواہ وہ رشتہ دار یا کوئی دوست ہی کیوں نہ ہو، اور اگر کسی بستی کے لوگ ایسا

کریں تو سب کے سب واجب القتل ہیں، یہاں تک کہ اُن کے جانور بھی ہتھیاروں کی دھاروں سے قتل کئے جائیں، اور بستی کو آگ لگادی جائے، اور اس کی املاک و اموال کو بھی ایسا ڈھیر بنادیا جائے کہ پھر نہ بن سکے۔

آٹھویں مثال:

کتاب استثناء باب ۱۷ آیت ۲ میں ہے:

"اگر تیرے درمیان تیری بستیوں میں جن کو خداوند تیرا خدا تجھ کو دے کہیں کوئی مرد یا عورت ملے جس نے خداوند تیرے خدا کے حضور یہ بدکاری کی ہو کہ اس کے عہد کو توڑا ہو اور جاکر اور معبودوں کی، یا سورج یا چاند یا اجرام فلک میں سے کسی کی جس کا حکم میں نے تجھ کو نہیں دیا، پوجا اور پرستش کی ہو، اور یہ بات تجھ کو بتائی جائے، اور تیرے سننے میں آئے تو تُو جانفشانی سے تحقیقات کرنا، اور اگر یہ ٹھیک ہو اور قطعی طور پر ثابت ہوجائے کہ اسرائیل میں ایسا مکروہ کام ہوا تو تُو اس مرد یا اُس عورت کو جس نے یہ بُرا کام کیا ہو باہر اپنے پھاٹکوں پر نکال لے جانا اور ان کو ایسا سنگسار کرنا کہ وہ مرجائیں"

نویں مثال:

کتاب خروج باب ۳ آیت ۲۱ میں ہے:

"اور میں ان لوگوں کو مصریوں کی نظر میں عزت بخشوں گا، اور یوں ہوگا کہ جب تم نکلوگے تو خالی ہاتھ نہ نکلوگے، بلکہ تمھاری ایک ایک عورت اپنی اپنی پڑوسن سے اور اپنے اپنے گھر کی مہمان سے سونے چاندی کے زیور اور لباس مانگ لے گی، ان کو تم اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو پہناؤ گے، اور

مصریوں کو لوٹ لو گے "　(آیات ۲۱ و ۲۲)

پھر اسی کتاب کے باب ۱۲ آیت ۳۵ میں ہے :

"اور بنی اسرائیل نے موسیٰ کے کہنے کے مطابق یہ بھی کیا کہ مصریوں سے سونے چاندی کے زیور اور کپڑے مانگ لئے، اور خداوند نے ان لوگوں کو مصریوں کی نگاہ میں ایسی عزت بخشی کہ جو کچھ انھوں نے مانگا انھوں نے دیدیا، سو انھوں نے مصریوں کو لوٹ لیا"　(آیات ۳۵ و ۳۶)

اب جب کہ بنی اسرائیل کی تعداد اس قدر تھی جتنی کہ گزشتہ مثال میں معلوم ہو چکی ہے، اور ان کے ہر مرد و عورت نے مصریوں سے مستعار چیزیں لیں، تو مستعار لی ہوئی اشیاء کی مقدار و تعداد کا شمار یقین احاطہ سے خارج ہے، جس طرح خدا نے ان سے پہلے وعدہ کیا تھا کہ تم مصر کو لوٹو گے، پھر دوبارہ خبر دی کہ مصریوں کو لوٹا، مگر خدا نے لوٹنے کے لئے مکاری اور فریب دہی کو جائز کر دیا، جو سراسر ظاہر میں غدر اور دھوکہ ہے،

دسویں مثال؛

کتاب خروج باب ۳۲ آیت ۲۵ میں بچھڑے کی پرستش کا واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :

"جب موسیٰؑ نے دیکھا کہ لوگ (عریاں [1]) ہو گئے، کیونکہ ہارونؑ نے ان کو (ننگا کرکے [2]) ان کو ان کے دشمنوں کے درمیان ذلیل کر دیا، تو موسیٰؑ نے

---

[1] موجودہ ترجمہ میں "بے قابو" کا لفظ ہے ۔

[2] موجودہ ترجمہ "بے لگام چھوڑ کر"

لشکرگاہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہا جو جو خداوند کی طرف ہے وہ میرے پاس آجائے، تب سب بنی لاوی اس کے پاس جمع ہو گئے، اور اس نے ان سے کہا کہ خداوند اسرائیل کا خدا یوں فرماتا ہے کہ تم اپنی اپنی ران سے تلوار لٹکاکر پھاٹک پھاٹک گھوم کر سارے لشکرگاہ میں اپنے اپنے بھائیوں اور اپنے اپنے ساتھیوں اور اپنے اپنے پڑوسیوں کو قتل کرتے پھرو، اور بنی لاوی نے موسیٰؑ کے کہنے کے موافق عمل کیا، چنانچہ اس دن لوگوں میں سے قریباً (تئیس ہزار) مرد کھیت آئے "

یاد رکھئے! کہ عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۱ء و ۱۸۴۴ء و ۱۸۴۸ء جس سے میں نے یہ عبارت نقل کی ہے اس میں "تئیس ہزار" ہی کا لفظ[1] ہے،

گیارہویں مثال:

کتاب گنتی باب ۲۵ میں ہے کہ بنی اسرائیل نے جب موآب کی ..... بیٹیوں سے زنا کیا، اور ان کے بتوں کو سجدہ کیا، تو خدا نے ان کے قتل کا حکم دیا، پھر موسیٰ علیہ السلام نے اُن کے چوبیس ہزار آدمی قتل کئے،

بارہویں مثال:

جس شخص نے کتاب گنتی باب ۳۱ کا مطالعہ کیا ہوگا، اس پر یہ بات واضح ہوگئی ہوگی کہ موسیٰ علیہ السلام نے فنیحاس بن عاذار کے ہمراہ بارہ ہزار آدمیوں کا لشکر اہل مدین سے جنگ کرنے کے لئے روانہ کیا، پھر انھوں نے لڑکر اُن پر غلبہ حاصل

---

[1] موجودہ ترجموں میں یہاں "تین ہزار" کا لفظ لکھدیا گیا ہے، البتہ کیتھولک بائبل (ناکس ورژن) میں ابتک "تئیس ہزار" موجود ہے۔ مزید دیکھئے صفحہ ۲۶۷ جلد اوّل کا حاشیہ،

کرلیا، اوران کے تمام مردوں کو، نیز پانچ بادشاہوں اور بلعام کو بھی قتل کیا، اور ان کی عورتوں، بچوں اور تمام جانوروں کو قید کیا، بستیوں اور شراب خانوں اور شہروں کو آگ لگا کر خاکستر کر ڈالا، پھر جب وہ واپس لوٹے تو موسیٰ علیہ السلام ان پر غضبناک ہوئے کہ تم نے عورتوں کو زندہ کیوں چھوڑا ؟ پھر ہر نابالغ بچے اور ہر شادی شدہ عورت کے قتل کا حکم دیا، اور کنواریوں کے چھوڑنے کا، پھر انھوں نے حکم کے مطابق عمل کیا، صرف مالِ غنیمت سے حاصل ہونے والی بکریوں کی تعداد چھ لاکھ پچھتر ہزار تھی، نیز بہتر ہزار بیل، اکسٹھ ہزار گدھے، اور بتیس ہزار کنواری لڑکیاں تھیں، اور ہر مجاہد کو جانوروں اور انسانوں کے سوا وہ سب مال دیدیا گیا جو اُس نے لوٹا تھا، جس کی مقدار اس باب میں کچھ واضح نہیں کیگئی اس کے علاوہ ہزاروں اور سینکڑوں کے افسران نے موسیٰ علیہ السلام اور عازار کو جو سونا پیش کیا اس کی مقدار سولہ ہزار سات سو پچاس مثقال تھی، اور جب کہ صرف کنواری لڑکیوں کی تعداد بتیس ہزار تھی، تو مقتول مردوں کا اندازہ آپ خود کر سکتے ہیں کہ کس قدر ہوں گے ؟ بوڑھے ہوں خواہ جوان، یا بچے اور شادی شدہ عورتیں،

تیرھویں مثال :

یوشع علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد توریت کے احکام پر عمل کرتے ہوئے لاکھوں انسان قتل کئے، جو صاحب چاہیں کتاب یوشع کے باب سے ۱۱ تک مطالعہ فرمائیں، اور اپنی کتاب کے باب ۱۲ میں انھوں نے تصریح کی ہے کہ میں نے اکتیس سلاطین کفار کو قتل کیا ہے، جن کے ممالک پر

بنی اسرائیل قابض ہوتے،

چودہویں مثال:

کتاب قضاۃ کے باب ۱۵ میں شمسون کے حال میں یوں لکھا ہے کہ:

"اور اسے گدھے کے جبڑے کی نئی ہڈی مل گئی، سو اُس نے ہاتھ بڑھا کر اسے اُٹھا لیا، اور اس سے اس نے ایک ہزار آدمیوں کو مار ڈالا[1]"

پندرہویں مثال:

کتاب سموئیل اول باب ۲۷ آیت ۸ میں ہے:

"اور داؤد اور اس کے لوگوں نے جا کر جسوریوں اور جزریوں اور عمالیقیوں پر حملہ کیا، کیونکہ وہ شور کی راہ سے مصر کی حد تک اس سرزمین کے باشندے تھے' اور داؤد نے اس سرزمین کو تباہ کر ڈالا، اور عورت مرد کسی کو جیتا نہ چھوڑا. اور ان کی بھیڑ، بکریاں اور بیل اور گدھے اور اونٹ اور کپڑے لے کر لوٹا اور اکیس کے پاس گیا" (آیات ۸ و ۹)

ذرا داؤد علیہ السلام کی رحم دلی ملاحظہ کیجیے، کہ وہ ملکوں کو اُجاڑتے تھے، اور جسوریوں، جزریوں اور عمالیقیوں میں سے کسی کو انھوں نے زندہ سلامت نہیں چھوڑا، اور ان کے مویشیوں اور اسباب کو لوٹا.

سولھویں مثال:

کتاب سموئیل ثانی باب ۸ آیت ۲ میں ہے:

"اور اس نے موآب کو مارا، اور ان کو زمین پر لٹا کر رسّی سے ناپا، سو اس نے

[1] قضاۃ ۱۵: ۱۵،

قتل کرنے کے لئے دو رسیوں سے ناپا، اور جیتا چھوڑنے کے لئے ایک پوری رسی سے، یوں موآبی داؤد کے خادم بن کر ہدیئے لانے لگے، اور داؤد نے ضوباہ کے بادشاہ رحوب کے بیٹے ھددعزر کو بھی مار لیا۔ (آیات ۲ و ۳)

داؤد علیہ السلام کے کارنامے ملاحظہ کیجئے کہ موآبیوں اور ھددعزر اور اس کے لشکر نیز ارام کے لشکر کے ساتھ کس قدر رحم دلی کا معاملہ کیا،

سترہویں مثال:

کتاب سموئیل ثانی باب ۱۰ آیت ۱۸ میں یوں ہے کہ:

"اور ارامی اسرائیلیوں کے سامنے سے بھاگے، اور داؤد نے ارامیوں کے سات سو رتھوں کے آدمی اور چالیس ہزار سوار قتل کر ڈالے، اور انکی فوج کے سردار سوبک کو ایسا مارا کہ وہ وہیں مر گیا۔"

اٹھارہویں مثال:

کتاب سموئیل ثانی باب ۱۲ آیت ۲۹ میں ہے:

"تب داؤد نے سب لوگوں کو جمع کیا، اور ربّہ کو گیا، اور اس سے لڑا اور اسے لے لیا اور اس نے انکے بادشاہ کا تاج اس کے سر پر سے اتار لیا، اس کا وزن سونے کا ایک قنطار تھا۔ اور اس میں جواہر جڑے ہوئے تھے، سو وہ داؤد کے سر پر رکھا گیا، اور وہ اسی شہر سے لوٹ کا بہت سا مال نکال لایا، اور اس نے ان لوگوں کو جو اس میں تھے باہر نکال کر ان کو آروں اور لوہے کے ہینگوں اور لوہے کے کلہاڑوں کے نیچے کر دیا، اور ان کو اینٹوں کے پزاوے میں سے چلوایا، اور اس نے بنی عمون کے سب شہروں سے ایسا ہی کیا، پھر

داؤد اور سب لوگ یروشلیم کو لوٹ آئے "۔ (آیات ۲۹ تا ۳۱)

ہم نے یہ عبارت ترجمۂ عربی مطبوعہ ۱۸۳۱ء و ۱۸۴۴ء سے لفظ بہ لفظ نقل کی ہے[1]، اب دیکھئے کہ داؤد علیہ السلام نے کس بیدردی کے ساتھ اور کس بُرے طریق سے بنی عمون کو قتل کیا ہے ؟ اور ایسے دردناک زہرہ گداز مظالم کے ساتھ کہ جس سے زیادتی کا تصور بھی نہیں ہو سکتا، تمام بستیوں کو ہلاک کر ڈالا۔

اُنیسویں مثال :

کتاب سلاطین اوّل باب ۱۸ میں ہے کہ ایلیا علیہ السلام نے ایسے چار سو پچاس اشخاص کو جن کا دعویٰ تھا کہ وہ بعل کے فرستادہ نبی ہیں ذبح کر ڈالا تھا

بیسویں مثال :

جب چار بادشاہوں نے سدوم اور عمورہ کو فتح کیا، اور وہاں کے باشندوں کے تمام اموال لُوٹ لئے، اور لوط علیہ السلام کو قید کیا، اور ان کا مال بھی لُوٹا، اور یہ خبر ابراہیم علیہ السلام تک پہنچی تو اس حالت کو بیان کرتے ہوئے کتاب پیدائش باب ۱۴ آیت ۱۴ میں کہا گیا ہے کہ :

"جب ابرام نے سُنا کہ اس کا بھائی گرفتار ہوا تو اس نے اپنے تین سو اٹھارہ مشاق خانہ زادوں کو لے کر دان تک ان کا تعاقب کیا، اور رات کو اس نے اور اس کے خادموں نے غول غول ہو کر ان پر دھاوا کیا، اور ان کو مارا اور خوبہ تک جو دمشق کے بائیں ہاتھ ہے ان کا پیچھا کیا، اور وہ

[1] موجودہ اردو ترجمہ بھی اس کے مطابق ہے، اس لئے ہم نے یہ عبارت اسی سے نقل کر دی ہے،

سارے مال کو اور اپنے بھائی لوط کو اور اس کے مال اور عورتوں کو بھی اور
اور لوگوں کو واپس پھیر لایا، اور جب وہ کدر لاعمر اور اس کے ساتھ کے
بادشاہوں کو مار کر پھرا تو سدوم کا بادشاہ اس کے استقبال کو سوی کی وادی
تک جو بادشاہی وادی ہے آیا۔" (آیات ۱۴ تا ۱۸)

اکیسویں مثال :

عبرانیوں کے نام خط کے باب ۱۱ آیت ۳۲ میں ہے :

"اب اور کیا کہوں ؟ اتنی فرصت کہاں کہ جدعون اور برق اور شمسون اور
افتاہ اور داؤد اور سموئیل اور نبیوں کا حال بیان کروں ؟ انھوں نے
ایمان ہی کے سبب سے سلطنتوں کو مغلوب کیا، راست بازی کے کام کئے،
شیروں کے منہ بند کئے، آگ کی تیزی کو بجھایا، تلوار کی دھار سے بچ نکلے،
کمزوری میں زور آور ہوئے، لڑائی میں بہادر بنے، غیروں کی فوجوں کو
بھگا دیا۔" (آیات ۳۲ تا ۳۴)

"مقدس" پولس کے کلام سے یہ بات صاف ہوگئی کہ ان پیغمبروں کا ان لوگوں
کو مغلوب کرلینا، اور ان کی آگ کو بجھا دینا اور تلوار کی دھار سے نجات پانا اور
کافروں کے لشکروں کو شکست دینا، نیکیوں میں شمار کیا گیا ہے، نہ کہ گناہ کی قسم میں،
جس کا منشاء ایمانی قوت ہے، اور خدائی وعدوں کی تکمیل، نہ کہ قساوتِ قلبی اور
ظلم، اگرچہ ان میں سے بعض کے افعال ظلم کی شدید ترین صورت تھے، بالخصوص
معصوم اور بے گناہ بچوں کو قتل کرنا،

ادھر داؤد علیہ السلام اپنی لڑائیوں کو نیکی اور حسنہ شمار کرتے ہیں، چنانچہ زبور ۱۸

آیت ۲۰ میں فرمایا ہے کہ :

"خداوند نے میری راستی کے موافق مجھے جزا دی، اور میرے ہاتھوں کی پاکیزگی کے مطابق مجھے بدلہ دیا، کیونکہ میں خداوند کی راہوں پر چلتا رہا، اور شرارت سے اپنے خدا سے الگ نہ ہوا، کیونکہ اس کے سب فیصلے میرے سامنے رہے اور میں اس کے آئین سے برگشتہ نہ ہوا ..... اور میرے ہاتھوں کی پاکیزگی کے مطابق جو اس کے سامنے تھی بدلہ دیا" (آیات ۲۰ تا ۲۴)

نیز خود اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی شہادت دی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے جہاد اور ان کی ساری نیکیاں بارگاہِ خداوندی میں مقبول ہیں، چنانچہ کتاب سلاطین اوّل باب ۱۴ آیت ۸ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

"تو میرے بندے داؤد کی مانند نہ ہوا، جس نے میرے حکم ملنے اور اپنے سارے دل سے میری پیروی کی، تاکہ فقط وہی کرے جو میری نظر میں ٹھیک تھا"

اب خود فیصلہ فرمالیجیے کہ میزان الحق کے مصنف کا یہ دعویٰ کہ داؤد علیہ السلام کے تمام جہاد محض ملک گیری کی ہوس کے سلسلہ میں تھے، قطعی بددیانتی ہے، اس لئے کہ عورتوں اور بچوں کے قتل اسی طرح بعض بعض پوری آبادیوں کا قتل کرنا اس مقصد کے لئے بالکل غیر ضروری تھا، اس کے علاوہ ہم یہ بھی فرض کئے لیتے ہیں کہ یہ قتل و خوں ریزی محض سلطنت کی خاطر تھی، مگر بہرحال دو صورتوں سے خالی نہیں ہوسکتی، یا یہ فعل خدا کے نزدیک پسندیدہ تھا، یا مکروہ اور مبغوض و حرام، اوّل صورت میں ہمارا دعویٰ ثابت ہو جاتا ہے، اور اگر دوسری صورت ہو تو ان کا قول بھی غلط اور عیسائیوں کے مقدس کا قول بھی جھوٹ، اور داؤد کے

حق میں خدائی شہادت بھی جھوٹی ثابت ہوتی ہے، اور مزید برآں ہزاروں لاکھوں معصوم اور بے گناہوں کا قتل ان کی گردن پر لازم آتا ہے، جبکہ صرف ایک ہی.. بے گناہ کا خون ہلاک ہونے کے لئے کافی ہے، پھر ایسے شخص کو اخروی نجات کیونکر حاصل ہو سکتی ہے؟

یوحنا کے پہلے خط باب ۳ میں ہے:

"اور تم جانتے ہو کہ کسی خونی میں ہمیشہ کی زندگی موجود نہیں رہتی"[1]

اور مشاہدات کے باب ۲۱ میں ہے:

"مگر بزدلوں اور بے ایمانوں اور گھناؤنے لوگوں اور خونیوں اور حرام کاروں اور جادوگروں اور بت پرستوں اور سب جھوٹوں کا حصہ آگ اور گندھک سے جلنے والی جھیل میں ہوگا، یہ دوسری موت ہے"[2]

خدا کی پناہ! ہم تطویل کے خوف سے یہاں صرف اسی مقدار پر اکتفار کرتے ہیں،

تیسری بات گذشتہ شریعت کے تمام عملی احکام کے لئے ضروری نہیں کہ آنے والی شریعت میں بھی وہ بعینہٖ باقی رہیں، بلکہ یہ بھی ضروری نہیں کہ عملی احکام کسی ایک شریعت میں ہمیشہ یکساں رہیں، بلکہ ہو سکتا ہے کہ مصالح اور زمانہ اور مکلفین کے بدل جانے سے وہ احکام بالکل بدل جائیں، یہ تفصیل باب ۳ میں کافی سے زیادہ قارئین کو معلوم ہو چکی ہے، لہٰذا شریعت موسویہ

---

[1] ۱۔ یوحنا ۳:۱۵ ، [2] مکاشفہ ۲۱:۸ ،

میں جہاد" ایسے شنیع ظلم والے طریقوں کے ساتھ مشروع تھا، جس کی مشروعیت شریعتِ عیسوی میں باقی نہیں رہی، بنی اسرائیل کو بھی جہاد کا حکم مصر سے نکلنے کے بعد ہوا تھا، اس سے قبل جہاد کی ان کو اجازت نہ تھی،

عیسیٰ علیہ السلام اپنے نزول کے بعد دجال اور اس کے لشکر کو قتل کریں گے، جس کی تصریح تھسلنیکیوں کے نام دوسرے خط کے باب ۲ اور مشاہدات کے باب ۱۹ میں موجود[1] ہے،

اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ کافروں اور گنہگاروں کی تنبیہ اور سزا کا طریقہ ہمیشہ یکساں ہی ہو، جیسا کہ "پہلی بات" میں معلوم ہو چکا ہے، اس لئے کسی شخص کے لئے جو نبوّت اور وحی کو مانتا ہو کسی شریعت کے اس قسم کے مسائل پر اعتراض کرنے کی گنجائش نہیں ہے، لہٰذا کسی شخص کو یہ کہنے کا حق نہ ہو گا کہ طوفانِ نوحؑ کے موقع پر کشتی والوں کے سوا ہر جاندار کو ہلاک کر دینا اور سدوم وعمورہ کی تمام آبادیوں کو لوطؑ کے عہد میں ختم کر دینا، اور موسیٰؑ کے عہد میں بنی اسرائیل کے مصر سے نکلنے کی شب میں مصریوں کے ہر بڑے لڑکے اور جانوروں کو ہلاک کرنا ظلم تھا، بالخصوص حادثہ طوفان میں لاکھوں انسان ہلاک

---

[1] "اس وقت وہ بے دین ظاہر ہو گا جسے خداوند یسوع اپنے مُنہ کی پھونک سے ہلاک اور اپنی آمد کی تجلّی سے نیست کریگا" (تھسلنیکیوں ۲: ۸) بائبل کے شارحین "اس بے دین" سے دجال (Antichrist) مراد لیتے ہیں جو آخر زمانے میں نمودار ہو گا (دیکھئے تفسیر عہد نامہ جدید از ناکس ص ۳۱۱ ج ۲) اور کتاب مکاشفہ باب ۱۹ میں دجال کی آمد وغیرہ کو تمثیلات کے ذریعہ بیان کیا گیا ہے، تقی

ہوتے، اور بقیہ دونوں حادثوں میں چھوٹے چھوٹے انسانی بچے اور جانوروں کے بچے برباد ہو گئے جو قطعی بے گناہ اور معصوم تھے،

اسی طرح یہ کہنا بھی جائز نہ ہوگا کہ سات[1] قوموں کے ہر ہر فرد کو قتل کر دینا کہ کوئی بھی متنفس باقی نہ بچے، نیز معصوم چھوٹے بچوں کو موت کے گھاٹ اتار دینا ظلم ہے یا ان ہفت اقوام کے علاوہ دوسری قوموں کے مردوں کو قتل اور عورتوں، بچوں کو لونڈی غلام بنانا اور ان کے اموال کو لوٹنا یا مدین والوں کو قتل کرنا، یہاں تک کہ ان کے شیر خوار بچوں کو بھی نہ چھوڑنا، اور ان کی شادی شدہ عورتوں کو قتل اور کنواریوں کو باقی رکھنا تاکہ اپنے کام آئیں، اور ان کے اموال اور جانوروں کو لوٹ لینا ظلم ہے، یا یہ کہنا کہ داؤد علیہ السلام کے جہاد یا دوسرے اسرائیلی پیغمبروں کی لڑائیاں، یا ایلیا علیہ السلام کا چار سو پچاس بعل کے نبیوں کو ذبح کرنا یا عیسیٰ ؑ کے نزول کے بعد دجال اور اس کے لشکر کو قتل کرنا ایسا ظلم ہے کہ خدا کا ایسے ظلم کی اجازت دینا عقل سے خارج ہے،

اسی طرح یہ کہنا بھی جائز نہیں کہ بتوں کے نام پر ذبح کرنے والے کو قتل کرنا یا ایسے شخص کو جو غیر اللہ کی عبادت کی ترغیب دے، یا کسی بستی کے تمام باشندوں کو اس بناء پر قتل کرنا کہ ان سے ترغیب دینا ثابت ہوا،

اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کا تیئس ہزار گوسالہ پرستوں کو قتل کرنا، اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کا ان چوبیس ہزار انسانوں کو قتل کرنا جنھوں نے موآب کی

---

[1] یعنی فرزّی، یبوسی، حوتی، حتی، جرجاسی، اموری اور کنعانی جن کا ذکر استثناء ۷: ۱ میں آیا ہے۔

بیٹیوں سے زنا کیا تھا، اور ان کے بتوں کو سجدہ کیا تھا، یہ بدترین ظلم تھا، اور یہ کہ اس قسم کے احکام جاری کرنے کا مطلب لوگوں کو شریعت موسوی پر مجبور کرنا ہے، تاکہ وہ قتل کے اندیشہ سے اس مذہب کو نہ چھوڑیں حالانکہ یہ بات قطعی واضح ہے کہ ایمان قلبی جس کا نام ہے وہ زبردستی پیدا نہیں کیا جاسکتا، بلکہ یہ بات بھی محال ہے کہ زبردستی خدا کی محبت پیدا کی جائے، اس لئے یہ احکام خدا کے احکام نہیں ہوسکتے،

البتہ جو شخص نبوت اور شریعتوں کو ہی تسلیم نہیں کرتا اور ملحد و زندیق ہے اور اس قسم کے واقعات کا منکر ہے، تو یہ بات اس سے بے شک بعید نہیں، مگر اس کتاب میں ہمارا روئے سخن ایسے لوگوں کی طرف نہیں ہے، بلکہ ہمارے مخاطب عموماً عیسائی لوگ اور خصوصاً فرقۂ پروٹسٹنٹ کے علماء ہیں،

چوتھی بات

علماء پروٹسٹنٹ بڑی بے باکی کے ساتھ یہ دروغ بیانی کرتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے، یہ بات بالکل بے بنیاد اور خلاف واقعہ ہے، جیسا کہ قارئین کو مقدمۃ الکتاب کے نمبر ۔ سے معلوم ہوچکا ہو، خود ان کے افعال، ان کے اقوال کی تردید کرتے ہیں، اس لئے کہ یہ لوگ اور ان کے بڑوں نے جب کبھی پورا پورا تسلط اور غلبہ کسی قوم پر حاصل کیا ہے ہمیشہ اپنے مخالفوں کے مٹانے اور نیست ونابود کرنے میں امکانی حد تک پوری کوشش کی ہو ہم ان کی کتابوں سے بعض واقعات نمونہ کے طور پر نقل کرتے ہیں، پہلے تو ہم یہود کے ساتھ کئے جانے والے معاملات کو کتاب کشف الآثار فی قصص انبیاء بنی اسرائیل سے نقل کرتے ہیں:۔

(یہ واقعات اگلے صفحہ سے ملاحظہ فرمائیں)

عیسائیوں کے لرزہ خیز مظالم، یہودیوں پر،

مصنف کشف الآثار صفحہ ۲۷ پر بیان کرتا ہے:

"قسطنین اعظم جو ہجرت سے تقریباً تین سو سال قبل گذرا ہے، اس نے یہودیوں کے کان کاٹنے، اور ان کو مختلف ملکوں میں جلاوطن کرنے کا حکم دیا، پھر پانچویں صدی عیسوی میں شہنشاہِ روم نے ان کو شہر اسکندریہ سے جو عرصہ دراز سے ان کی جائے پناہ تھی، نکال دینے کا حکم جاری کیا، یہ لوگ اس شہر میں ہر طرف سے آکر پناہ لیا کرتے تھے، اور وہاں امن و سکون کی زندگی ان کو نصیب تھی، اس نے ان کے عبادت خانوں کے مسمار کرنے اور ان کو عبادت سے روکنے اور ان کی شہادت قبول نہ کرنے اور ان کی اس مالی وصیت کے نافذ نہ ہونے کا حکم دیا، جو آپس میں ایک دوسرے کے حق میں کیا کرتے تھے، اور جب ان ظالمانہ احکام کے نتیجہ میں ان محکوموں کی طرف سے کچھ بغاوت کے آثار ظاہر ہوئے، تو ان کے سب اموال کو لوٹ لیا، اور بہتوں کو قتل کر ڈالا، اور ایسی خوں ریزی کی کہ جس سے اس ملک کی تمام یہودی آبادی کانپ اٹھی"،

پھر صفحہ ۲۸ پر کہتا ہے کہ:

"شہر انطیوُخ کے یہودی جب شکست خوردہ اور مغلوب ہو کر گرفتار ہوئے تو بعض کے اعضاء کو کاٹا، اور بعض کو قتل کیا، اور باقی ماندہ تمام افراد کو جلاوطن کیا، پھر شہنشاہ نے اپنی تمام مملکت میں قسم قسم کے ظلم

گئے، آخرکار پھر ان کو اپنی حدودِ سلطنت سے باہر کر دیا، بلکہ دوسرے ملکوں کے سلاطین کو بھی اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ بھی یہودیوں کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کریں، نتیجہ یہ نکلا کہ انھوں نے ایشیا سے لے کر یورپ کی آخری حد تک پیٹ بھر کر ظلم کیا، پھر کچھ عرصہ کے بعد اسپینول کی سلطنت میں ان کو تین شرطوں میں سے کسی ایک کے قبول کرنے پر مجبور کیا گیا کہ اولاً عیسائی مذہب کو قبول کریں، اور اگر یہ منظور نہ ہو تو قید کئے جائیں، اور اگر دونوں باتیں منظور نہ ہوں تو جلا وطنی قبول کریں، ملکِ فرانس میں بھی اُن کے ساتھ کچھ اسی قسم کا معاملہ کیا گیا، یہ مسکین لاچار ایک ملک سے دوسرے میں اور دوسرے سے تیسرے میں مارے مارے پھرتے تھے، مگر کہیں ان کو ٹھکانا نصیب نہ ہوتا تھا، اور ایشیائے بزرگ میں ان کو چین و قرار حاصل نہ تھا، بلکہ اکثر اوقات ان کا قتلِ عام ہوا، جیسا کہ فرنچ سلطنتوں میں پیش آیا۔"

پھر صفحہ ۲۹ پر کہتا ہے کہ:

فرقہ کیتھولک والے اُن پر اس خیال سے ظلم کرتے تھے کہ یہ کافر ہیں، اس فرقہ کے بڑے لوگوں نے ایک مجلسِ شوریٰ منعقد کی، اور یہودیوں پر چند احکام جاری کئے

۱۔ جس شخص نے کسی عیسائی کے مقابلہ میں کسی یہودی کی حمایت و جانب داری کی، وہ مجرم شمار ہو کر اپنے مذہب سے خارج کر دیا جائے گا،

۲- اور سلطنت کے مناصب میں سے کوئی چھوٹے سے چھوٹا منصب وعہدہ کسی یہودی کو نہیں دیا جائے گا،

۳- اگر کوئی عیسائی کسی یہودی کا غلام ہوگا تو وہ آزاد ہو جائے گا،

۴- کوئی شخص کسی یہودی کے ساتھ نہ کھائے، نہ اس سے کوئی معاملہ کرے

۵- ان کے بچوں کو ان سے چھین کر مذہبِ عیسوی کی تربیت دی جائے،

اسی طرح کے دوسرے احکام ہیں، یقیناً ان مذکورہ احکام میں سے حکم نمبر ۵ بلاشک وشبہ جبر واکراہ کی انتہائی صورت ہے "

پھر کہتا ہے کہ:-

"شہر تو موس جو فرانس کا شہر ہے وہاں کے باشندوں کی عادت تھی کہ وہ عید الفصح کے روز یہودیوں کے چہروں پر چپت مارا کرتے تھے، شہر بزمیرس کے لوگوں کے یہاں یہ رسم تھی کہ وہ اپنی عید کے پہلے روز سے آخری دن تک یہودیوں کو پتھر مارا کرتے، اور اس سنگباری کے نتیجہ میں بیشمار لوگ مارے جاتے، حاکمِ شہر جو عیسائی تھا شہر کے باشندوں کو اس نامعقول اور ظالمانہ حرکت پر آمادہ کیا کرتا تھا "

پھر صفحہ ۳۰ و ۳۱ پر کہتا ہے کہ:-

"سلاطینِ فرانس نے یہودیوں کے لئے ایک عجیب انتظام کیا کہ وہ یہودیوں کو تجارت اور کمانے کی پوری آزادی اور سہولت دیتے تھے، یہاں تک کہ جب وہ کما کر خوب مالدار بن جاتے تو ان کے اموال کو لوٹ لیا جاتا، ان کا یہ ظلم انتہائی طمع وحرص کا نتیجہ تھا، پھر جب

فلپ آغسطس فرانس کا بادشاہ ہوا، تو اس نے اولاً یہودیوں کے ان قرضوں کا ⅕ جو عیسائیوں کے ذمہ تھا بطور ٹیکس وصول کر کے بقایا رقم عیسائیوں کو معاف کر دی، اور قرضخواہ یہودیوں کو ایک حبہ بھی نہیں دیا گیا، پھر اپنی سلطنت سے تمام یہودیوں کو جلا وطن کر دیا،

پھر جب تخت سلطنت پر سینٹ لوئیس فائز ہوا تو اس نے دوبارہ یہودیوں کو اپنی سلطنت میں بلایا، اور دوّم مرتبہ جلا وطن کیا، پھر چارلس ششم نے یہودیوں کو ملکِ فرانس سے نکال باہر کیا، تواریخ شاہد ہیں کہ ملکِ فرانس سے سات مرتبہ یہودیوں کو دیس نکالا ملا، ان یہودیوں کی تعداد جن کو اسپینول سے جلا وطن کیا گیا اگر کم از کم بھی فرض کی جائے تو ایک لاکھ ستّر ہزار گھرانوں سے کسی طرح کم نہ ہوگی، ملکِ غسا میں بہت سے یہودیوں کا قتلِ عام ہوا، بہت سے لوٹے گئے، اور بہت کم ان میں سے بچ سکے، وہ بھی صرف وہ تھے جنھوں نے عیسائیت قبول کر لی ... ان میں بہت سے اس طریقہ پر مرے کہ پہلے اپنے گھروں کے دروازے بند کر لئے، پھر خود اپنے آپ کو اپنے بچّوں اور اپنی بیویوں کو اور اپنے اموال کو ہلاک کر ڈالا، یا تو دریا میں ڈبو دیا، یا آگ میں جلا دیا نیز ان میں سے بے شمار لوگ جہادِ مقدس میں قتل ہوئے،

انگریزوں نے یہودیوں پر ظلم کرنے میں اتفاق کر لیا، جب شہر یرک کے یہودیوں کو اس جور و ستم کی وجہ سے نا امیدی ہو گئی، تو انھوں نے آپس میں ایک دوسرے کو قتل کیا، اس طرح یہ پندرہ ہزار مرد، عورتیں، بچے مارے گئے، اور اس مُلک میں ان کی پوزیشن اس قدر گر گئی تھی کہ جب امراء

نے بادشاہ کے خلاف بغاوت کی، تو سات سو یہودی قتل کئے اور ان کے مالوں کو لوٹا، تاکہ لوگوں پر ان کا رعب خوب

رچرڈ و جان اور ہنری سوم جو انگلستان کے بادشاہ ہوئے ہیں انھوں نے بارہا یہودیوں کو لوٹا، بالخصوص ہنری سوم نے کیونکہ اس کی یہ عادت بن گئی تھی کہ وہ مختلف شکلوں میں ظلم اور بے رحمی سے ان کو لوٹا کرتا تھا، اس لئے بڑے بڑے دولت مند سیٹھ یہودیوں کو کنگال بنا دیا تھا، اور اس قدر شدید ظلم کیا کہ وہ جلا وطنی پر راضی ہو گئے، اور انھوں نے ملک سے نکل جانے کی اجازت مانگی، مگر ان کی یہ درخواست بھی قبول نہیں کی گئی، پھر جب ایڈورڈ اول تخت نشین ہوا تو اس نے معاملہ کو یوں ختم کیا کہ پہلے تو ان کے تمام اموال کو لوٹا، اور پھر سب کو اپنی مملکت سے جلا وطن کر دیا، پندرہ ہزار سے زیادہ یہودی انتہائی فقر و فاقہ کی حالت میں جلا وطن ہوئے"

پھر صفحہ ۳۲ پر کہتا ہے کہ:

"ایک مسافر جس کا نام مسوق ہے اس کا بیان ہے کہ پرتگالیوں کی حالت آج سے پچاس سال قبل یہ تھی کہ وہ یہودیوں کو پکڑ لیا کرتے اور زندہ آگ میں جلا دیتے تھے، اُن بدنصیب جلنے والوں کا تماشہ دیکھنے کے لئے عید کی طرح اجتماع ہوتا، جس میں ان کی عورتیں اور مرد سب جمع ہوتے تھے، جو خوشیاں مناتے تھے، اور یہودیوں کے جلائے جانے پر عورتیں مارے خوشی کے چیختی تھیں"

پھر صفحہ ۳۳ پر کہتا ہے کہ:

"پوپ نے جو فرقہ کیتھولک کا سب سے بڑا پیشوا ہوتا ہے، یہودیوں کے

حق میں بڑے سخت قوانین بنائے تھے "

اس کے علاوہ سیر المتقدمین کا مصنف کہتا ہے کہ :

"قسطنطین اوّل کے بعد چھٹے بادشاہ نے اپنے امراء سلطنت کے مشورہ سے ۳۷۹ء میں یہ حکم جاری کیا کہ ہر وہ شخص جو سلطنتِ روم میں آباد ہو اس کو عیسائیت اختیار کرنا لازم ہوگا، اور جو عیسائیت اختیار نہیں کرے گا وہ قتل کو دیا جائے گا "

بھلا بتایا جائے کہ اس سے بڑھ کر اور کیا جبر ہو سکتا ہے ، طامس نیوٹن نے ان پیشینگوئیوں کے متعلق ایک تفسیر لکھی ہے جو کتبِ مقدسہ میں موجود ہیں ، یہ تفسیر لندن میں ۱۸۰۳ء میں طبع ہوئی، اس تفسیر کے صفحہ ۶۵ جلد دوم میں یروشلیم پر عیسائیوں کے تسلط کے حال میں یوں کہا گیا ہے کہ :-

"رومی ماہ تموز[1] کی ۱۵ر تاریخ ۱۰۹۹ء میں پانچ ہفتہ کے طویل محاصرہ کے بعد یروشلیم کو عیسائیوں نے فتح کیا، اور جو عیسائی نہ تھے ان کا قتل عام کیا گیا، ستر ہزار سے زیادہ مسلمان قتل کئے ، یہودیوں کو ایک جگہ جمع کر کے زندہ آگ میں جلا دیا، مسجدوں میں بڑی بڑی غنیمتیں پائیں "

یہودیوں کے حق میں عیسائیوں کے ظلم وستم کی داستان اور بالعموم رعایا کی سلطنت کے باب میں ان کے جور وستم کا حال تو آپ سُن چکے ہیں، اور یروشلیم پر قبضہ کے بعد جو جو سفاکیاں انھوں نے کیں وہ بھی آپ معلوم کر چکے ہیں، اب

---

[1] تموز شامی زبان میں ماہ جولائی کا نام ہے،

نمونہ کے طور پر فرقہ کیتھولک کے وہ کارنامے بھی ملاحظہ کیجئے جو انھوں نے غیرعیسائی قوموں کے ساتھ کئے، ہم یہ واقعات کتاب الثلاث عشرۃ رسالہ سے نقل کرتے ہیں، جو بیروت میں ۱۸۴۹ء میں عربی زبان میں طبع ہوا، اس کے ص ۱۵ و ۱۶ میں کہا گیا ہے کہ:

"رومی کلیسا نے بارہا جبری تبدیلِ مذہب اور استیصالِ کلی کے حربے پروٹسٹنٹوں کے لئے استعمال کئے ہیں، یورپ کے ملکوں میں بکثرت یہ واقعات پیش آئے خیال یہ ہے کہ کم از کم تیس ہزار ایسے لوگ جو یسوع پر تو بیشک ایمان لاتے تھے مگر پوپ پر ایمان نہ رکھتے تھے، اور اپنے ایمان اور اعمال کے لئے صرف کتبِ مقدسہ کو راہنما مانتے تھے آگ میں جلائے گئے، ان میں سے ہزاروں لوگ اور بڑی بڑی جماعتیں تلواروں، جبوس اور کلبتین کے ذریعہ (یہ ایک اوزار ہے جس سے بدن کے جوڑ الگ الگ کرکے کھینچ لئے جاتے ہیں) قتل کئے گئے اور قسم قسم کے شدید عذاب ان کو دیئے گئے، ملکِ فرانس کے اندر صرف ایک دن میں تیس ہزار مرد اس روز قتل کئے گئے جو ماریہ توطاوس کے نام سے مشہور ہے، اسی طرح ان کا دامن قدیسیوں کے خون سے رنگین ہے۔"

کتاب مذکور کے رسالہ نمبر ۱۲ صفحہ ۳۳۸ میں ہے کہ:

"ایک ایسا قانون موجود ہے جو اسپانیا کے مقام طلیطلہ کی مجلسِ شوریٰ میں وضع کیا گیا تھا، جس میں یوں کہا گیا کہ ہم یہ قانون مقرر کرتے ہیں کہ جو شخص اس ملک میں رہنا قبول کرتا ہے اس کو اجازت نہ ہوگی کہ وہ اُس وقت تک کرسی پر بیٹھ سکے جب تک اس امر کی قسم نہ کھالے کہ وہ اپنے ملک میں

کیتھولک عیسائی کے سوا اور کسی کو زندہ نہیں چھوڑے گا، اور اگر کوئی شخص اس حکم کے بعد اس عہد کی خلاف ورزی کرے گا تو وہ ابدی خدا کے سامنے بدبخت ہوگا، اور ابدی آگ کا ایندھن بنے گا"

کارٹر کی مجموع المجامع وجہ ۴۰۴ میں لکھا ہے کہ:

"لاٹرانی مجلس کہتی ہے کہ تمام سلاطین اور امراء وارباب سلطنت اس چیز کی قسم کھائیں کہ وہ اپنی پوری کوشش اور دلی توجہ کے ساتھ اپنی محکوم رعایا کے استیصال میں مشغول رہیں گے، جو کنیسوں کے پیشوا ہیں، چونکہ وہ مصلح ہیں، اس لئے ان میں سے کسی کو اپنے علاقوں میں باقی نہ چھوڑیں گے، اور اگر انھوں نے اپنے اس عہد کو ملحوظ نہ رکھا، تو ان کی قوم ان کی اطاعت سے آزاد ہوگی"

راس ۳، یہ قانون قسطنطنیہ کی مجلس میں بھی پاس ہوا، "جلسہ نمبر ۴۵" کے حال میں لکھا ہے کہ یہی قانون پوپ مرٹینوس پنجم کے قوانین میں سے ہے، اور اس حلف میں جس کو تمام پادریوں نے پوپ پولس ثالث کی صدارت میں ۱۵۵۱ء میں اٹھایا تھا، یہ عبارت موجود ہے کہ:

"بے دینوں اور ہمارے سردار پوپ اور ان کے خلفاء کے مخالف اور نافرمان لوگوں کو میں اپنی پوری طاقت سے کچل دوں گا، لاٹرانی مجلس اور قسطنطنیہ کے جلسہ کے اراکین کہتے ہیں کہ جو شخص بھی اراتقہ[1] کو گرفتار کرے گا اس کو

---

[1] اراتقہ (Heugenots)

...... اس امر کی اجازت ہوگی کہ وہ گرفتار شدہ کے تمام اموال کو ضبط کرلے، اور بغیر کسی رکاوٹ کے اپنے استعمال میں لائے "

مجلس لاٹرانی جلد ۴ فصل نمبر ۱ روجہ ۱۵۲ اور مجلس قسطنطنیہ جلسہ ۴۵ جلد میں لکھا ہے کہ:

"پوپ اینوسنتیوس سوم کہتا ہے کہ ارا تقہ سے قصاص لینے کا ہم تمام سلاطین اور حکام کو حکم دیتے ہیں، اور کلیسائی قصاصوں کے تحت ہم اس کو ان پر لازم اور واجب کرتے ہیں "

قانون نمبر ۷ کتاب نمبر ۵ میں یوں ہے کہ:-

"اور ۱۷۲۴ء میں بادشاہ لوئیس یازدہم نے ۱۸ قانون معتبر رکھے:

(۱) یہ کہ ہم حکم دیتے ہیں کہ ہماری مملکت میں صرف کیتھولک مذہب ہی جاری رہ سکتا ہے، جو لوگ اس کے علاوہ کسی اور مذہب کو اختیار کرتے ہیں ان کو زندگی بھر قید رہنا پڑے گا، اور عورتوں کے بال کاٹ دیئے جائیں گے اور مرتے دم تک قید رکھی جائیں گی،

(۲) ان تمام واعظوں کو جنھوں نے کیتھولک عقائد کے خلاف لوگوں کو دوسرے عقائد پر جمع کیا ہے ....، یا وہ لوگ جن کو دوسرے عقائد کا علم یا ممارست ہے موت کی سزا دی جائے گی"

نیز اس گفتگو میں جو پادریوں نے اسپانیا میں بادشاہ سے ۱۷۶۵ء میں کی تھی انھوں نے بادشاہ سے کہا کہ آپ قوانین کو مضبوط کیجئے، اور مذہب کو عزت بخشئے. تاکہ یہ چیز ہماری جانب سے ۱۷۲۴ء کے قوانین کی

تجدید کا سبب بن جائے۔

آگے لکھا ہے کہ:

"منجملہ انگریزی قوانین کے جو پوپ کے حکم سے جاری ہوئے یہ بھی ایک قانون تھا کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ مورتوں کو سجدہ کرنا ناجائز ہے اس کو سخت قید میں ڈال دیا جائے جب تک کہ وہ ان کو سجدہ کرنے کی قسم نہ کھائے، اور پادری قاضی کلیسائی کو اس بات کا اختیار دیا جاتا ہے کہ اس کو جس شخص کے ارتقی ہونے کا ذرا بھی شبہ ہو، اس کو گرفتار کر کے قوم اور حکام کے سامنے آگ میں جلا دے، اور تمام حکام اس بات کا حلف اُٹھائیں کہ وہ ارتقہ کی بیخ کنی میں قاضی کی اعانت کریں گے، اور جب ان کا ارتقہ ہونا ثابت ہو جائے تو ان کا مال لوٹ لیا جائے اور ان کو اس کے حوالے کر دیا جائے اور ان کا جرم صرف آگ کی لپٹ اور شعلے مٹا سکیں گے۔"

کوک فرائض[1]، عدد ۳ وجہ ۴۰ و ۴۱ نیز عدد ۴ وجہ ۱۵ میں لکھا ہے کہ:

"اور بار دینوس کہتا ہے کہ شاہ کارلوس پنجم اپنی غلط رائے کی بنا پر خیال کرتا تھا کہ وہ ارتقہ کو بجائے تلوار کے بات سے نیست و نابود کر دے گا، کتاب مقدس کی فہرست میں جو روم میں لاطینی اور عربی زبان میں طبع ہوئی ہے، حرف ھ کے تحت میں یہ تعلیم موجود ہے کہ ہمارے لئے مناسب ہے کہ ارتقہ کو ہم ہلاک کریں، اس دعوے کا ثبوت یہ ہے کہ بادشاہ یا ہو نے جھوٹے

[1] "کوک فرائض"، اظہار الحق میں ایسا ہی ہے، مگر اظہار الحق کے انگریزی ترجمہ میں کوت فرائض (ہے)،

کاہنوں کو قتل کیا، اور ایلیاء نے بعل کے کاہنوں کو ذبح کیا، وغیرہ وغیرہ اسی طرح کلیسا کی اولاد کے لئے بھی مناسب ہو کہ وہ بھی اراتقہ کو ہلاک کریں"

پھر صفحہ ۳۴۷ و ۳۴۸ میں ہے کہ:

"مورخ منتوان سلطنت کرملین والا اور اس کے ساتھ دوسرے مورخین نے انجیل کے معتبر واعظ کے بارے میں جسکو تو مامن رودن کہا جاتا تھا خبر دی ہے کہ اس کو پوپ نے اس لئے آگ میں جلوادیا تھا کہ اس نے رومی کلیسا کے فسادات کے خلاف وعظ کہا تھا، مورخین اس شخص کو قدیس شہید اور مسیح کا سچا گواہ کہتے ہیں"

اور صفحہ ۳۵۰ سے ۳۵۵ میں ہے کہ:

"۱۱۹۴ء میں ڈی فانسو شاہ ارغوان نے اندلس میں حکم جاری کیا کہ اس کی سلطنت سے تمام واضیین[1] کو جلاوطن کیا جائے، کیونکہ یہ لوگ اراتقہ ہیں اور ۱۲۰۶ء میں امیر رایمون شہر ثولوس کے حاکم کے خلاف پوپ نے محکمہ جاسوسی کے افسران کو اس شہر کی طرف روانہ کیا، کیونکہ حاکم مذکور نے واضیین کو جلاوطن کرنے سے انکار کردیا تھا، پھر کچھ عرصہ کے بعد بادشاہ فرانس نے ایک بڑا لشکر جرار جسکی تعداد تین لاکھ بتائی جاتی ہو پوپ کے طلب کرنے پر اس شہر کی طرف روانہ کیا۔ امیر رایمون نے اپنے شہر میں محصور ہو کر اپنی مدافعت کی، تاکہ قوت کا جواب قوت سے دے اس لڑائی میں لاکھوں آدمی مارے گئے، رایمون کے لوگوں نے شکست کھائی، اور ہر قسم کی ذلتوں اور عذابوں نے اُن کو گھیر لیا، پوپ اس

---

[1] واضیین (Vaudoi·)

... لڑائی کے دوران اپنی قوم سے کہتا تھا کہ ہم تم کو بزرگی دیتے ہیں، اور تم پر واجب کرتے ہیں کہ تم ان خبیث ارا تقہ یعنی واضیین کو نیست کرنے میں خوب جدوجہد کرو، اور ان کو دفع کرنے میں اس سے زیادہ شدت و قوت سے کام لو جس قدر سارا جیون یعنی مسلمانوں کے خلاف کرتے ہو"

۱۴۲۰ء ماہ کانون اول[1] کے آخر میں پوپ کے لوگوں نے اچانک واضیین پر ملک سر دینیا کے شہر اوڈیا بیٹ مونٹ میں حملہ کر دیا، نتیجہ میں وہ لوگ بغیر لڑائی کے بھاگ کھڑے ہوئے، لیکن ان میں سے بہت سے لوگ تلوار کے گھاٹ اتار دیئے گئے، اور بہت سے لوگ برف باری کی نذر ہو گئے، پھر پوپ نے اس واقعہ کے ۸۰ سال بعد البرٹوس ارشید یاکو نوس کو شہر کارمونیا میں اس امر کا پابند کیا کہ فرانس کے مغربی اطراف میں اور اوڈیا بیٹ مونٹ میں واضیین سے جنگ کرے، جہاں کچھ لوگ ان میں کے بقایا چلے آتے تھے، جو ۱۴۲۰ء کی جنگ سے بچ کر لوٹ آئے تھے، یہ شخص فوراً آگے بڑھا، اس کے ساتھ اٹھارہ ہزار جنگجو تھے اور یہ لڑائی تقریباً ۳۰ سال تک ان عیسائیوں کے خلاف جاری رہی جو یہ کہتے تھے کہ ہم ہر وقت بادشاہ کا اکرام کرتے ہیں، جزیہ ادا کرتے ہیں، مگر ہمارا ملک اور ہمارا مذہب جس کے ہم اللہ کی طرف سے مالک ہیں اور اپنے باپ داداؤں سے ترکہ میں پایا ہے اس کو ہم کسی حال میں نہیں چھوڑ سکتے،

[1] کانون اول شامی زبان میں دسمبر کے مہینہ کو کہتے ہیں،

اسی طرح اٹلی کے شہر کالابریا میں سنہ ۱۵۶۱ء کے اندر لاکھوں پروٹسٹنٹوں کا قتلِ عام ہوا، بعض لوگ لشکر کے ہاتھوں مارے گئے، اور بعض لوگ محکمۂ جاسوسی کے ذریعے فنا کے گھاٹ اُتر گئے، ایک رومی پروفیسر کہتا ہے کہ میرا رونگٹا کھڑا ہو جاتا ہے، جب کبھی میں اس منظر کا تصور کرتا ہوں کہ ایک جلاد ہو اور اس کے دانتوں میں خون آلود خنجر ہے، اس کے ہاتھ میں جو رومال ہو اس سے خون کے قطرے ٹپک رہے ہیں، اس کے تمام ہاتھ پہنچوں تک خون میں لت پت ہیں، ایک ایک قیدی کو قید خانے سے اس طرح گھسیٹ کر لاتا ہے جس طرح قصائی بکری کو،

سنہ ۱۶۰۱ء میں ڈیوک سافوی نے واضیین کے پانچ سو خاندانوں کو جلاوطن کیا، نیز سنہ ۱۶۵۵ء اور سنہ ۱۶۸۶ء میں اوڈیابیٹ مونٹ میں ان کے خلاف پھر جبری تبدیلیٔ مذہب کا سلسلہ شروع ہوا، کیوں کہ بادشاہ لوئیس چہاردہم پوپ کے اشارے سے اپنے لشکر کے ساتھ ان کی طرف بڑھا جبکہ وہ لوگ بڑے اطمینان سے اپنے گھروں میں پڑے ہوئے تھے، چنانچہ فوج نے اُن میں سے بہت سوں کو قتل کر ڈالا، اور دس ہزار سے زیادہ نفوس کو جیل خانہ میں ڈال دیا، جہاں گھُٹ کر اور بھوک سے نڈھال ہوکر ان لوگوں نے جان دیدی، اور جو اُن میں سے بچ گئے اُن کو نکال کر جلاوطن کردیا، یہ کارروائی ایسے موسم میں ہوئی جبکہ کڑاکے کی سردی پڑ رہی تھی، اور زمین برف پوش تھی، جس کے سبب سے بہت سی مائیں اور اُن کے شیرخوار بچے سردی سے اکڑ کر راستے ہی میں مر گئے،

چارلس پنجم نے ۱۵۲۱ء میں ایک حکم نامہ پروٹسٹنٹوں کی جلا وطنی کی نسبت شہر فلیمنک میں پوپ کی رائے سے جاری کیا، جس کے نتیجے میں پانچ لاکھ آدمی مارے گئے، چارلس کے بعد اس کا بیٹا فلپس بادشاہ ہوا، اس نے ۱۵۵۹ء میں اندلس جا کر امیر الفا کو پروٹسٹنٹوں کے جلا وطن کرنے کے لئے اپنا جانشین بنایا، اس شخص نے چند مہینوں میں شاہی شرعی جلاد کے ہاتھوں اٹھارہ ہزار آدمی قتل کئے، اس کے بعد یہ شخص فخریہ کہا کرتا تھا کہ میں نے پورے ملک میں چھتیس ہزار انسانوں کو قتل کیا، اور وہ مقتولین جن کا ذکر... پروفیسر کین کرتا ہے، اور جن کو عید برتلمائی[1] کے موقع پر ماہِ آب[2] ۱۵۷۲ء میں کامل امن دامان کے زمانے میں قتل کیا گیا، ان کا واقعہ یہ ہے کہ:

فرانس کے بادشاہ نے اپنی بہن کی نسبت امیر فافار کو جو علماء پروٹسٹنٹ اور شرفاء میں سے تھا، دینے کا وعدہ کر لیا تھا، پھر وہ اور اس کے دوست احباب اور ان کے کلیسا کے بڑے بڑے لوگ پیرس میں جمع ہوئے، تاکہ شادی کے وعدے کی تکمیل ہو جائے، اور جب صبح کی نماز کے لئے ناقوس بجنے شروع ہوئے تو لوگوں نے پہلے سے طے شدہ سازش کے مطابق امیر اور اس کے ساتھیوں اور سارے پروٹسٹنٹوں پر جو پیرس میں موجود تھے اچانک حملہ کر کے اسی گھڑی دس ہزار آدمی موت کے گھاٹ اتار دیئے؛

اسی طرح کا واقعہ روبن ولیون میں پیش آیا، بلکہ اس علاقہ کے اکثر

---

[1] عید برتلمئی ر Lord's Feist by Bartholmew

[2] آب شامی زبان میں ماہ اگست کو کہتے ہیں،

شہروں میں بھی یہی سانحہ پیش آیا، بعض مورخین نے تو کہا ہے کہ تقریباً ساٹھ ہزار انسان ہلاک کئے گئے، اور برابر تیس سال تک یہ جبر وظلم وقتل عام جاری رہا، اس لئے کہ پروٹسٹنٹوں نے بھی ہتھیار سنبھال لئے تھے، تاکہ طاقت کا جواب طاقت سے دیں، غرض اس لڑائی میں کُل نولاکھ پروٹسٹنٹ مارے گئے، اور جب لوگوں نے شاہِ فرانس کا یہ کارنامہ جو عید برتلمائی میں انجام دیا گیا تھا، سُنا تو اس خوشی میں برجوں سے توپیں داغی گئیں، اور پوپ تمام کارڈنیلوں کے ساتھ ماریطرس کے کلیسا میں شکریہ کا نغمہ پڑھنے گیا اور بادشاہ کو بھی اس کارنامہ کے صلہ میں جو اس نے رُومی کلیسا کے حق میں انجام دیا تھا شکریہ کا مضمون لکھا، پھر جب بادشاہ ہنری چہارم تخت نشین ہوا تو اس نے ۱۵۹۳ء میں یہ مظالم موقوف کر دیئے، مگر خیال کیا جاتا ہے کہ وہ اسی جرم میں قتل کیا گیا کہ اس نے دین کے معاملہ میں قہر وظلم کے لئے آمادگی کیوں نہ ظاہر کی؟ پھر ۱۶۷۵ء میں دوبارہ ظلم و ستم شروع ہوا، اور بے شمار مخلوق کے قتل کے بعد مورخین کے بیان کے مطابق پچاس ہزار آدمی ترکِ وطن پر مجبور ہوئے، تاکہ موت کے چنگل سے نکل جائیں "

ہم نے یہ تمام عبارتیں مطابق اصل کے لفظ بہ لفظ رسالہ نمبر ۱۲ سے نقل کی ہیں،

فرقہ کیتھولک کے مظالم کا نقشہ تو قارئین نے خوب اچھی طرح ملاحظہ کر لیا ہے، اب تصویر کا دوسرا رخ یعنی فرقہ پروٹسٹنٹ کے مظالم کے کارنامے

بھی سنتے جائیے، جو کہ کسی طرح اُن سے کم نہیں ہیں، یہ واقعات ہم کتاب مرآۃ الصدق سے نقل کرتے ہیں، جس کا ترجمہ پادری طامس انگلس نے جو کیتھولک کا عالم ہے انگریزی سے عربی میں کیا ہے، اور جو ۱۸۵۱ء میں طبع ہوئی ہے، یہ کتاب اس فرقہ کے لوگوں کے پاس ہندوستان میں بکثرت موجود ہے، اس کے صفحہ ۴۱ و ۴۲ پر لکھا ہے کہ:

"پروٹسٹنٹوں نے اپنے ابتدائی دور میں ۶۴۵ خانقاہیں اور ۹۰ مدارس اور ۲۳۷۶ عبادت خانے، ۱۱۰ شفا خانے ان کے مالکوں سے چھین کر معمولی قیمت میں بیچ ڈالے، اور ان کی قیمت امراء نے آپس میں تقسیم کرلی، اور ہزاروں مفلوک اور غریبوں کو برہنہ کرکے ان مقامات سے نکال دیا"

پھر صفحہ ۴۵ پر کہتا ہے کہ:

"اُن کی طمع اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ انھوں نے مُردوں تک کو نہیں بخشا، ان کے جسموں کو جو عدم کی نیند سو رہے تھے اذیت دی اور اُن کے کفن اُتار لیے"

پھر صفحہ ۴۸ و ۴۹ پر کہتا ہے کہ:

"اس لوٹ مار میں بے شمار کتب خانے ضائع ہوگئے، جن کا ذکر جبی بیل ان الفاظ سے کرتا ہو کہ انھوں نے کتابوں کو لوٹ کر ان کے اوراق کو کھانا پکانے میں، شمعدانوں اور جوتوں کو صاف کرنے میں استعمال کیا، کچھ کتابیں عطاروں کے ہاتھ بیچ ڈالیں، اور کچھ صابن فروشوں کے ہاتھ، بہت سی کتابوں کو سمندر پار جلد بنانے والوں کے ہاتھ فروخت کر دیا، یہ کتابیں سو پچاس نہ تھیں، بلکہ سواریاں ان کتابوں سے لدی ہوئی ہوتی تھیں، اور اس بُری طرح ان کتابوں کو ضائع کیا کہ دوسری قوموں کو بھی تعجب ہوا، میں ایک

ایسے تاجر کو جانتا ہوں جس نے دو بڑے کتب خانے صرف بیس۲۰ روپے میں خریدے تھے، ان مظالم کے بعد انھوں نے کنیسوں کے خزانوں میں سے سوائے ننگی دیواروں کے کچھ بھی نہ چھوڑا، اس کے باوجود وہ لوگ اپنے آپ کو شائستہ سمجھتے ہیں، اور کنیسوں میں سب اپنے مذہب کے لوگ بھر دئیے ''

پھر صفحہ ۵۲ لغایۃ صفحہ ۵۶ پر کہتا ہے کہ :۔

''اب ہم اُن ظالمانہ افعال پر غور کرتے ہیں جو پروٹسٹنٹوں نے فرقہ کیتھولک کے حق میں آج تک روا رکھے ہیں انھوں نے ایک سو سے زیادہ ایسے قوانین مقرر کئے جو سب کے سب عدل ورحم کے خلاف اور محض ظالمانہ ہیں، ہم ان میں سے چند بیان کرتے ہیں :

نمبر ۱ : کوئی کیتھولک ماں باپ کا ترکہ نہیں پا سکتا،

نمبر ۲ : ان کا کوئی شخص جب تک پروٹسٹنٹ نہ ہو جائے اٹھارہ سال کی عمر ہو جانے کے بعد کسی زمین کے خریدنے کا مجاز نہیں،

نمبر ۳ : ان کے لئے کوئی مدرسہ نہ ہوگا،

نمبر ۴ : ان کو لکھنے پڑھنے اور تعلیم حاصل کرنے کی اجازت نہیں ہے، اس حکم کی خلاف ورزی پر دوامی قید ہوگی،

نمبر ۵ : اس مذہب کے لوگوں کو دوگنا خراج ادا کرنا ہوگا،

نمبر ۶ : اگر ان لوگوں کا کوئی پادری نماز ادا کرے گا تو اس کو اپنے مال سے تین سو تیس روپے جرمانہ ادا کرنا ہوگا، اور اگر غیر پادری نماز ادا

کرے گا تو اس کو سات سو . . . . جرمانہ اور ایک سال کی قید ہوگی،

نمبر ۷ ؛ ان میں سے اگر کوئی شخص اپنے بچے کو انگلستان سے باہر غیر ممالک میں تعلیم کے لئے بھیجے گا تو باپ بیٹے دونوں قتل کئے جائیں گے، اور تمام مال و مویشی ضبط کرلئے جائیں گے،

نمبر ۸ ؛ سلطنت کا کوئی بھی عہدہ ان کو نہیں دیا جا سکتا،

نمبر ۹ ؛ ان میں سے جو شخص اتوار کے دن یا عید کے روز پروٹسٹنٹ کلیسا میں حاضری نہیں دے گا، اس کو دو سو روپیہ ماہوار جرمانہ ادا کرنا ہوگا، اور جماعت سے خارج شمار ہو کر کسی عہدہ کے لائق نہ رہے گا،

نمبر ۱۰ ؛ ان میں اگر کوئی لندن سے ۵ میل کی مسافت پر سفر کرے گا تو ایک ہزار روپیہ جرمانہ لیا جائے گا،

نمبر ۱۱ ؛ قانون کے مطابق حکام کے یہاں کسی کی فریاد نہیں سنی جائیگی،

نمبر ۱۲ ؛ ان میں سے کوئی شخص مال و متاع لوٹے جانے کے اندیشے سے ۵ میل سے زیادہ سفر نہ کرے، اسی طرح ایک ہزار روپیہ جرمانے کے اندیشہ سے کوئی شخص حکام تک اپنی فریاد پہونچانے پر قادر نہ تھا،

نمبر ۱۳ ؛ نہ اُن کے نکاح درست ہیں، نہ اُن کے مردوں کی تجہیز و تکفین ٹھیک ہے، نہ اُن کے بچوں کی پاکی بپتسمہ سے صحیح ہے، جب تک یہ سب کام انگریزی کلیسا کے طریقہ کے مطابق انجام نہ دیئے جائیں،

نمبر ۱۴ ؛ اس مذہب کی کوئی عورت اگر نکاح کرے گی تو حکومت اس کے

جہیز میں سے ۱/۲ لے لے گی، یہ عورت اپنے خاوند کے ترکہ میں وارث نہ ہوگی، نہ خاوند کو اس کے حق میں کوئی وصیت کرنا جائز ہوگا، ان کی بیویاں اس وقت تک قید میں رہیں گی، جب تک اُن کے خاوند دس روپے ماہانہ ٹیکس نہ ادا کریں، یا پھر اپنی زمین کا ۱/۳ حصہ حکومت کو نہ دیدیں،

نمبر ۱۵؛ آخر کار حکومت کا یہ حکم جاری ہوا کہ اگر یہ لوگ سب کے سب پروٹسٹنٹ ہونا قبول نہ کرلیں تو ان کو قید کر کے ہمیشہ کے لئے جلاوطن کر دیا جائے، اور اگر یہ لوگ حکم ماننے سے انکار کریں، یا جلاوطنی کے بعد پھر بغیر اجازت واپس آئیں تو بڑے سنگین جرم کے مرتکب شمار کئے جائیں گے،

نمبر ۱۶؛ ان کے قتل کئے جانے یا تجہیز و تکفین کے موقع پر پادری نہ آئے،

نمبر ۱۷؛ کسی کے گھر میں ہتھیار نہ رہنے پائیں،

نمبر ۱۸؛ کسی کو ان لوگوں میں ایسے گھوڑے پر سوار ہونے کی اجازت نہ ہوگی جس کی قیمت پچاس روپے سے زیادہ ہو،

نمبر ۱۹؛ ان کا کوئی پادری اگر اپنے متعلقہ کام انجام دے گا تو دوامی قید کا مستحق ہوگا،

نمبر ۲۰؛ جس پادری کی پیدائش انگلستان کی ہو مگر وہ پروٹسٹنٹ طریقے پر نہ ہو اگر وہ انگلستان میں تین دن سے زیادہ قیام کرے گا تو غدار شمار ہو کر واجب القتل ہوگا،

نمبر ۲۱؛ جو شخص ایسے پادری کو پناہ دے گا وہ بھی واجب القتل ہوگا،
نمبر ۲۲؛ عدالت میں کسی کیتھولک عقیدہ والے کی گواہی معتبر نہ ہوگی، ان ظالمانہ قوانین کے تحت ملکہ ایلزبتھ کے عہد میں دو سو چار اشخاص کو قتل کیا گیا جس میں سے ایک سو چار پادری تھے، باقی یا دولتمند طبقے کے لوگ تھے یا وہ لوگ جن کا قصور اس کے علاوہ اور کچھ نہ تھا کہ انھوں نے اپنے کیتھولک ہونے کا اقرار کیا تھا، نوّے پادری اور دوسرے بڑے لوگ جیل خانے میں سڑ کر مر گئے، ایک سو پانچ اشخاص کو عمر بھر کے لئے جلا وطن کیا گیا، بہتوں کے کوڑے مارے گئے، جرمانہ کیا گیا، اور اپنے اموال و املاک سے محروم کر دیئے گئے، یہاں تک کہ ان کا پورا خاندان ہلاک ہوگیا، ملکہ اسکاٹ لینڈ ملکہ میری جو ملکہ ایلزبتھ کی خالہ زاد بہن تھی محض کیتھولک ہونے کی وجہ سے قتل کی گئی"۔

پھر صفحہ ۶۱ لغایۃ ۶۶ پر کہتا ہے کہ:

"ملکہ ایلزبتھ کے حکم سے ان کے بہت سے راہب اور علماء کو کشتی میں سوار کر کے سمندر میں ڈبو دیا گیا، اس کا لشکر آئرلینڈ میں اس غرض سے داخل ہوا کہ کیتھولک فرقہ کے لوگوں کو پروٹسٹنٹ مذہب میں جبراً داخل کرلیں، اس فوج نے ان کے تمام گرجے جلا ڈالے، ان کے علماء کو قتل کیا، ان کو اس طرح شکار کیا کرتے تھے جس طرح جنگل کے وحشی جانوروں کو شکار کیا جاتا ہے، یہ لوگ کسی کو امن نہیں دیتے تھے، اور اگر کسی کو امن دیدیتے تو امن دینے کے بعد بھی اس کو قتل کر دیتے، اور جو لشکر سمر دک

کے قلعہ میں تھا، انھوں نے ان کو بھی ذبح کر دیا، اور تمام بستیوں اور شہروں کو آگ لگا دی، اور کھیتوں اور جانوروں کو برباد کر دیا، وہاں کے باشندوں کو عمر و درجہ کا لحاظ کئے بغیر جلاوطن کر دیا، یہ قسم قسم کے مظالم کا سلسلہ جیمس اول کے عہد تک برابر جاری رہا، اس کے زمانہ میں البتہ کسی قدر تخفیف ہو گئی تھی پھر ۱۷۷۸ء میں اس بادشاہ نے اُن پر رحم کیا، مگر پروٹسٹنٹ فرقہ بادشاہ سے بگڑ گیا، اور ایک محضر نامہ چوالیس ہزار پروٹسٹنٹوں کی جانب سے ماہِ حزیران[1] ۱۷۸۰ء کی دوسری تاریخ کو بادشاہ کی خدمت میں پیش کر کے درخواست کی گئی کہ پارلیمنٹ کیتھولک والوں کے لئے ان ظالمانہ قوانین کو بدستور جاری رکھے، مگر پارلیمنٹ نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی، تب ایک لاکھ پروٹسٹنٹ لندن میں جمع ہوئے، اور کنیسوں میں آگ لگا دی، اور کیتھولک والوں کے مکانات مسمار کر دیئے، ایک جگہ سے چھتیس مقامات پر لگی ہوئی آگ دکھائی دیتی تھی، یہ فتنہ برابر چھ روز قائم رہا، مجبور ہو کر بادشاہ نے ایک دوسرا قانون ۱۷۹۱ء میں وضع کیا، اور کیتھولک والوں کو کچھ حقوق دیئے گئے، جو اُن کو آج تک حاصل ہیں۔

پھر صفحہ ۳۷ و ۴۷ پر کہتا ہے کہ:

"تم نے آئرلینڈ کے چارٹر اسکول کا حال نہیں سنا؟ یہ بات محقق اور یقینی ہے کہ پروٹسٹنٹ فرقہ کے لوگ پچیس لاکھ روپیہ جمع کرتے ہیں، بڑے بڑی

[1] حزیران شامی زبان میں ماہ جون کو کہتے ہیں،

مکانات کا کرایہ اس کے علاوہ بے شمار ہے، اس رقم کے ذریعہ کیتھولک والوں کے بچوں کو خرید لیتے ہیں جو بیچارے غریب اور مفلوک ہوتے ہیں، اور ان کو خفیہ طور پر گاڑیوں میں سوار کر کے دوسرے ممالک میں بھیج دیتے ہیں، تاکہ ان کے ماں باپ نہ دیکھ سکیں، اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ یہ بدبخت بچے بڑے ہو کر جب اپنے وطن کو واپس آتے ہیں تو تعارف و امتیاز نہ ہونے کے سبب اپنی بہنوں اور بھائیوں اور ماں باپ سے نکاح کر لیتے ہیں "

اور وہ مظالم جو فرقہ پروٹسٹنٹ والوں نے آپس میں ایک دوسرے پر کئے ہیں ان کا تذکرہ تطویل کے خوف سے ہم نہیں کرتے، اور صرف اس مقدار پر اکتفار کرتے ہیں،

اب ہم کہتے ہیں کہ ذرا ان معترضین کو دیکھئے جو ملّتِ محمدیہ پر کس بے حیائی اور بے شرمی سے یہ الزام لگاتے ہیں کہ مسلمانوں نے اپنا مذہب ظلم و ستم کے ذریعہ دنیا میں پھیلایا ہے ؟

جہاد کی حقیقت

پانچویں بات شریعتِ محمدیہ میں جہاد کے حکم کی صورت یہ ہے کہ پہلے کافر دل کو وعظ و نصیحت کے ذریعہ اسلام کی دعوت دی جاتی ہو اگر وہ اس کو قبول کر لیں تو بہتر ہے، اور ایسی صورت میں ان کی حیثیت اور پوزیشن بالکل ہمارے برابر ہو گی، لیکن اگر وہ اسلام قبول نہ کریں تو وہ اگر عرب کے مشرک ہیں تو ان کا حکم شریعتِ محمدی میں وہی ہے جو شریعت موسوی میں ساتوں قومو

کے لئے اور مرتد اور بتوں کی قربانی کرنے والے اور بتوں کی عبادت کی دعوت دینے والے کے لئے تھا، یعنی قتل کیا جانا، اور مشرکینِ عجم کو قبولِ جزیہ اور اطاعت کی صورت میں صلح کی دعوت دی جائے گی، اگر وہ مان لیں اور جزیہ کی ادائیگی کا عہد کر کے مسلمانوں کی رعایا بن کر رہنا پسند کریں تو بہتر ہے، ایسی صورت میں ان کی جانیں اور اموال ہماری جان و مال کی طرح محفوظ ہوں گے، اور اگر قبول نہ کریں تو ان سے ان شرائط کی پابندی اور لحاظ رکھتے ہوئے جن کی وضاحت فقہ کی کتابوں میں کی گئی ہے، لڑائی کی جائے گی، اور وہ شرائط تقریباً اسی نوع کی ہیں جو شریعت موسوی میں مذکورہ سات اقوام کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لئے بیان کی گئی ہیں،

اور وہ خرافات اور لغو باتیں جو اس مسئلہ کے بیان کرنے میں علماء پروٹسٹنٹ نے کی ہیں کچھ تو بالکل ہی من گھڑت اور جھوٹ ہیں، اور کچھ بکواس اور ہذیان کے سوا اور کچھ نہیں، اس موقع پر ہم حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا وہ خط جو رئیس لشکرِ فارس کو لکھا گیا، اور امن کی وہ تحریر جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شام کے عیسائیوں کے لئے لکھی تھی نقل کرتے ہیں، تاکہ ناظرین پر صورتِ حال پورے طور پر واضح ہو جائے،

خالد بن ولیدؓ کا خط امیر لشکرِ فارس کے نام

"بسم اللہ الرحمن الرحیم؛ خالد بن ولید کی طرف سے رستم و مہران کے نام:

ان لوگوں کے لئے سلامتی ہو جو راہِ ہدایت پر چلتے ہیں، اما بعد!

ہم تم کو اسلام کی دعوت دیتے ہیں، اگر تم کو اس سے انکار ہو تو ماتحت

اور رعایا بن کر جزیہ ادا کرو، لیکن اگر اس سے بھی انکار کرو گے تو پھر سن لو کہ میرے ہمراہ ایسے لوگ ہیں جن کو خدا کی راہ میں جان دینا ایسا محبوب ہے جیسا اہلِ فارس کو شراب محبوب ہے، والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔[1]

صلح بیت المقدس کا معاہدہ[2]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب بیت المقدس فتح کیا تو وہاں کے عیسائیوں کو امان دینے کے لئے مندرجہ ذیل تحریر لکھی[2]:۔

---

[1] بسم اللہ الرحمٰن الرحیم من خالد بن الولید الیٰ رستم و مہران فی ملاء فارس، سلام علیٰ من اتبع الہدیٰ، اما بعد فانا ندعوکم الی الاسلام فان ابیتم فاعطوا الجزیۃ عن ید وانتم صاغرون، فان معی قوما یحبون القتل فی سبیل اللہ کما یحب فارس الخمر والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ رواہ فی شرح السنۃ (مشکوٰۃ المصابیح، ص ۳۴۲ کتاب الجہاد باب الکتاب الی الکفار الفصل الثالث، اصح المطابع، کراچی)

[2] یرموک اور اجنادین کی فتوحات کے بعد حضرت ابو عبیدہؓ نے بیت المقدس کا محاصرہ کیا، جو بہت دنوں تک جاری رہا، جب اہلِ شہر بالکل مایوس ہوگئے، تو انھوں نے کہا کہ ہم صلح کرکے شہر کا دروازہ کھولنے کے لئے تیار ہیں، بشرطیکہ حضرت عمرؓ خود آکر شرائط صلح طے کریں اور صلحنامے پر بنفس نفیس دستخط فرمائیں، غالباً اس سے ان کا مقصد یہ ہوگا، کہ خلیفہ ان کے ساتھ زیادہ نرمی برتیں گے، حضرت ابو عبیدہؓ نے یہ شرط تسلیم کرلی، اور امیر المؤمنین کو بلوایا، وہ تشریف لائے اور یہ صلح نامہ لکھوایا: (دیکھئے طبری ص ۱۵۹ ج ۴ کامل ابن اثیر، ص ۱۹۳ ج ۲، وابن عساکر، ص ۴، ۱ج اوّل مطبعۃ الروضہ بالشام ۱۳۲۹ھ)

(باقی بر صفحہ آئندہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، یہ وہ امان ہے جو اللہ کے بندے عمر
امیر المؤمنین نے ایلیاء والوں کو دیا ہے، اُن کی جانیں بھی محفوظ رہیں گی،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) یہاں ہم صلحنامہ کے وہ الفاظ نقل کرتے ہیں جو حافظ طبریؒ نے نقل کئے ہیں، یہ الفاظ "اظہار الحق" میں نقل کئے ہوئے الفاظ سے کہیں کہیں معمولی طور پر مختلف ہیں:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، ھٰذا ما اعطی عبد اللہ عمر امیر المؤمنین اھل ایلیاء من الامان اعطاھم امانا لانفسھم واموالھم ولکنائسھم وصُلبانھم وسقیمھا وبریئھا وسائر ملتھا انہ لا تسکن کنائسھم ولا تھدم ولا ینتقص منھا ولا من حیزھا ولا من صلیبھم ولا من شئ من اموالھم ولا یکرھون علیٰ دینھم ولا یضار احد منھم ولا یسکن بایلیاء منھم احد من الیھود وعلیٰ اھل ایلیاء ان یعطوا الجزیۃ کما یعطی اھل المدائن وعلیھم ان یخرجوا منھا الروم واللصوص فمن خرج منھم فانہ آمن علیٰ نفسہ ومالہ حتیٰ یبلغ مأمنہ، ومن اقام منھم فھو آمن و علیہ مثل ما علیٰ اھل ایلیاء من الجزیۃ، ومن احبّ من اھل ایلیاء ان یسیر بنفسہ ومالہ مع الرّوم ویخلّی بیعھم وصلبھم فانّھم آمنون علیٰ انفسھم وعلیٰ بیعھم وصُلبھم حتیٰ یبلغوا مأمنھم ومن کان بھا من اھل الارض قبل مقتل فلان فمن شاء منھم قعد وعلیہ مثل ما علیٰ اھل ایلیاء من الجزیۃ ومن شاء سار مع الرّوم ومن شاء رجع الیٰ اھلہ فانّہ لا یؤخذ منھم شئ حتیٰ یحصد حصادھم وعلیٰ ما فی ھٰذا الکتاب عھد اللہ وذمۃ رسولہ وذمۃ المؤمنین اذا اعطوا الذی علیھم من الجزیۃ، (تاریخ الطبری، ص ۱۵۹ ج ۳)

اور ان کے عبادت خانے بھی اور صلیبیں بھی، خواہ وہ اچھی حالت
میں ہوں یا بُری حالت میں، اور پوری قوم کیلئے انکے عبادتخانوں میں نہ سکونت
اختیار کی جائے، نہ ان کو گرایا جائے، نہ توڑا جائے، اور نہ کسی قسم
کا نقصان پہنچایا جائے، نہ عبادت خانوں کو نہ صلیبوں کو، نہ انکے
کسی مال کو اور نہ اُن کی اپنے دین پر چلنے میں کوئی مزاحمت کی جائے،
اور نہ کسی قسم کی مضرت پہنچائی جائے، نہ ایلیاء میں کوئی یہودی رہنے
پائے، ایلیاء والوں پر اس کے عوض میں اہلِ مدائن کی طرح
جزیہ ادا کرنا واجب ہوگا، نیز ان کے ذمہ ضروری ہوگا کہ وہ اپنے
شہر سے رومیوں اور ڈاکوؤں کو نکال باہر کریں، پھر جو اُن میں سے
نکلے گا اس کی جان و مال کی اس وقت تک حفاظت کی جائیگی،
جب تک وہ اپنی جائے پناہ تک نہ پہنچ جائے، اور جو اُن میں سے
قیام کریں گے ان کو امن حاصل رہے گا، اور اُن پر دوسرے باشندگان
ایلیاء کی طرح جزیہ واجب ہوگا، نیز ایلیاء والوں میں سے اگر کوئی
رومیوں کے ساتھ مع اپنے مال کے جانا پسند کرے اور اپنے عبادتخانے
اور صلیبیں چھوڑ دے، تو اُن کی جانوں اور گرجوں اور صلیبوں کے
لئے امن حاصل ہوگا، جب تک وہ اپنے ٹھکانے پر نہ پہونچ جائیں گے،
اس کے علاوہ وہ دوسری قومیں جو ایلیاء میں ہیں ان میں سے جو
وہاں رہنا چاہے اس پر بھی دوسرے باشندوں کی طرح جزیہ
واجب ہوگا، اور جس کا دل چاہے اپنے ملک کو واپس چلا جائے،

ایسے لوگوں سے کچھ نہیں لیا جائے گا، جب تک کہ ان کی کھیتیاں نہ کٹیں گی، اس خط میں جو عہد لکھا گیا ہے، وہ خدا اور رسولؐ کا عہد اور ذمہ داری ہے، اور اس کے رسولؐ کے خلفاء اور سارے مسلمانوں کی، جب کہ یہ لوگ معتزرہ رقم جزیہ کی ادا کر دیں، صحابہ میں سے اس پر خالد بن ولیدؓ اور عمرو بن العاصؓ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور معاویہ بن ابی سفیانؓ گواہی دیتے ہیں۔

ادھر دنیا کو اس امر کا اعتراف ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلامی معاملات میں بڑے سخت تھے، اور شام کا جہاد آپ کا عظیم جہاد تھا، چنانچہ ایلیا کے محاصرہ کے وقت آپ بنفسِ نفیس خود تشریف لے گئے تھے، مگر جب ایلیاء پر آپ کا تسلط کامل ہو گیا، اور عیسائیوں نے جزیہ کی رقم ادا کرنا منظور کر لیا[1] تو تاریخ شاہد ہے کہ کسی ایک متنفس کو نہ تو آپ نے قتل کیا، اور نہ ایمان قبول کرنے پر مجبور کیا، اور بہترین و قابلِ قبول شرطیں ان کے سامنے پیش کیں، جس کا اعتراف عیسائیوں کے مؤرخین اور مفسرین کو بھی ہے، چنانچہ باب ۱، فصل ۳ میں ... پادری طامس نیوٹن کا اقرار گذر چکا ہے، اور اس مبحث کے نمبر ۴ میں مفسر مذکور ہی کے بیان سے یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ عیسائیوں نے اس کے برعکس مسلمانوں اور یہودیوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا، جب کہ اسی ایلیاء پر ان کا تسلط ہوا،

البتہ شریعتِ محمدیہ اور شریعت موسوی کے درمیان مسئلہ جہاد میں جو عظیم الشان

---

[1] دیکھئے صفحہ ۵۱۲ و ۵۱۳،

فرق قابلِ امتیاز، یہ ہے کہ شریعتِ محمدیہ کے اصول کے تحت سب سے پہلے مخالف کو اسلام قبول کرنے کی باضابطہ دعوت دی جاتی ہے، بخلاف شریعتِ موسویہ کے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ اس دعوت میں اور ایمان لانے کے بعد قتل سے محفوظ رہنے میں کوئی بھی قباحت نہیں، بلکہ عین انصاف ہے، کتاب حزقیال باب ۳۳ آیت ۱۱ میں ہے کہ:

"خداوند خدا فرماتا ہے مجھے اپنی حیات کی قسم: شریر کے مرنے میں مجھے کچھ خوشی نہیں، بلکہ اس میں ہے کہ شریر اپنی راہ سے باز آئے[1]"

اور کتاب یسعیاہ باب ۵۵ آیت ۷ میں ہے کہ:

"شریر اپنی راہ کو ترک کرے اور بدکردار اپنے خیالوں کو، اور وہ خداوند کی طرف پھرے، اور وہ اس پر رحم کرے گا، اور ہمارے خداوند کی طرف، کیونکہ وہ کثرت سے معاف کرے گا"

دوسرا فرق یہ ہے کہ شریعتِ موسوی میں مخصوص سات اقوام کے حق میں یہ حکم تھا کہ ان کے بچوں اور عورتوں کو بھی قتل کیا جائے، بخلاف شریعتِ محمدیہ کے کہ ہمارے مذہب میں ان کا قتل مطلق جائز نہیں، خواہ وہ عرب ہی کے مشرک کیوں نہ ہوں، جس طرح مخصوص سات اقوام کے سوا دوسرے لوگوں کے لئے شریعتِ موسویہ میں بھی یہی حکم تھا،

---

[1] قرآن کریم کی اس آیت کا بھی قریب قریب یہی مفہوم ہے، جس میں ارشاد ہے:
مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ "اللہ تمھیں عذاب دے کر کیا کرے گا، اگر تم شکر کرو اور ایمان لے آؤ"

اب جب آپ کے خیال میں مذکورہ پانچوں باتیں ذہن نشین ہوگئیں تو اب ہم کہتے ہیں کہ اسلامی شریعت کی رُو سے جہاد میں کوئی بھی نقلی یا عقلی قباحت آپ ثابت نہیں کر سکتے، نقلی حیثیت سے تو اس لئے کہ مذکورہ پانچ وجوہ سے اس کا جواز ثابت ہے، عقلاً اس لئے کہ دلیل صحیح کے ذریعے ثابت ہو چکا ہے کہ قوت نظری کی اصلاح قوتِ عملی پر مقدم ہے، لہٰذا عقائد کی اصلاح اعمال کی اصلاح پر یقیناً مقدم ہوگی، یہ مقدمہ تمام عقلاء کا مسلّمہ ہے، اور بغیر ایمان کے نیک اعمال ان کے نزدیک مفید اور کار آمد نہیں ہو سکتے، عیسائی اس نظریئے میں ہماری مخالفت کر ہی نہیں سکتے، کیونکہ ان کا عقیدہ تو یہ ہے کہ بغیر مسیح پر ایمان لائے اعمالِ صالحہ ذریعۂ نجات نہیں بن سکتے، اور یہ بھی ان کو تسلیم ہو کر سخی، کریم، متواضع جو عیسیٰؑ کا منکر ہو وہ اُن کے نزدیک اس بخیل، غصیلے اور متکبّر سے زیادہ خبیث ہے جو عیسیٰؑ پر ایمان لاتا ہے،

اسی طرح صحیح تجربات سے یہ بات بھی ثابت ہو چکی ہے کہ انسان کبھی کبھی اپنی خطاء اور بُرائی پر دوسرے کی تنبیہ سے واقف اور متنبہ ہو جاتا ہے، اسی طرح یہ بھی صحیح تجربات کا نچوڑ ہے کہ انسان کبھی کبھی محض اپنی قومی وجاہت اور شوکت کی وجہ سے حق کو نہیں مانتا، اور کسی دوسری قوم کے فرد کی باتوں کو سننے کے لئے تیار نہیں ہوتا، بلکہ اس کی بات سننے سے بھی اس کو عار آتی ہے، بالخصوص اس وقت جب کہ اس کی بات، اس کی صنف کی طبائع اور ان کے اصول کے خلاف ہو، اور اس کے ماننے اور قبول کرنے کی صورت میں اور عباداتِ بدنیہ اور مالیہ کی ادائیگی میں مشقت اور دشواری پیش آتی ہو، بخلاف اس صورت کے جبکہ اس کی قوم

کی وجاہت اور شوکت توڑ دی جائے، تو اس کو بات کی طرف دھیان دینے اور سننے میں کوئی عار نہیں آتی۔

اسی طرح یہ بات بھی تجربہ سے ثابت ہے کہ دشمن کو جب یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس کا مخالف آرام طلب ہے تو اس کی ہوس ملک گیری کا تقاضہ ہوتا ہے کہ اس کے ملک پر قبضہ کرلے، قدیم سلطنتوں کے عام طور پر فنا ہونے کا بڑا سبب یہی تھا، اور پھر اس کے مسلط ہونے پر دین و دیانت کو نقصانِ عظیم اُٹھانا پڑتا ہے، اسی لئے عیسائی سب کے سب اپنی مروجہ انجیل کے احکام کی خلاف ورزی کرنے پر مجبور ہیں، چنانچہ کیتھولک والے کہتے ہیں کہ رومی کلیسا کو ہر عیسائی پر بواسطہ عماد کے پورا اعتماد حاصل ہے، کیونکہ ہر معتمد رومی کلیسا کے سامنے سرنگوں اور محکوم ہے، اور کلیسا پابند ہے کہ گنہگاروں سے کلیسائی سزائیں جاری کرکے بدلہ لے، اور اس امر کا پابند ہے کہ ان لوگوں کو جو گمراہی پر اصرار کریں اور عوام کے لئے مضرت رساں ہوں موت کی سزا دینے کے لئے حکام کے حوالے کرے، اور اس کے لئے ممکن ہو کہ وہ لوگوں کو کیتھولکی ایمان اور کلیسائی احکام کی حفاظت کرنے کا پابند بنائے، خواہ وہ کسی قصاص کی صورت میں ہو، ان کے یہ اقوال اسحاق بردنے جو ایک پروٹسٹنٹ عالم ہے اپنی کتاب الثلاث عشرۃ رسالۃ کے رسالہ نمبر ۱۲ صفحہ ۳۶۰ مطبوعہ ۱۸۴۹ء بیروت میں نقل کئے ہیں،

نیز انگلستان کے علماء پروٹسٹنٹ کہتے ہیں کہ انگلستان اور دوسرے متعلقہ ملکوں میں بادشاہ کو اقتدار اعلیٰ حاصل ہے، وہ کلیسائی ہوں یا مدنی اور کلیسا کسی کا تابع نہیں ہے، بلکہ یہ جائز ہی نہیں کہ وہ کسی اجنبی حاکم کے سامنے جھک جائے

اور عیسائیوں کے لئے جائز ہے کہ حکام کی اجازت اور ان کے حکم سے مسلح ہوں، اور جنگ کریں، جس کی تصریح ان کے دینی عقائد میں سے عقیدہ نمبر ۳۷ میں موجود ہے،

غرض دونوں فرقوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے ان ظاہری اقوال کو قطعی ترک کر دیا، جن میں کہا گیا تھا کہ شر کا مقابلہ مت کرو، بلکہ جو تمھارے داہنے رخسار پر چپت رسید کرے تم اس کے آگے دوسرا رخسار بھی کر دو، اور جو تم سے جھگڑنا چاہے اور تمھارا کرتا چھینے تم اپنی چادر بھی اس کے حوالے کر دو، اور جو تم سے ایک میل تک بیگار لینا چاہے تم دو میل تک اس کے ساتھ جاؤ، جو تم سے سوال کرے اس کو دیدو۔[1]

یہ اقوال ان کے مقررہ قوانین کے سراسر مخالف ہیں، اور اگر عیسائی حضرات ان اقوال پر عمل کرتے تو ہم اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتے کہ ہندوستان سے انگریز کی سلطنت چند روز ہی میں ختم ہو جاتی، اور ہندوستانی بغیر کسی دشواری کے ان کو نکال باہر کر دیتے، اسی لئے ایک ظریف دانشمند نے ان اقوال پر اعتراض کرتے ہوئے الزاماً کہا ہے کہ:

"ان اقوال میں انسان کو ایسی باتوں کا مکلف بنایا گیا ہے جو اس کے احاطہ

---

[1] شریر کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو کوئی تیرے دہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے، اور اگر کوئی تجھ پر نالش کر کے تیرا کرتا لینا چاہے تو چوغہ بھی اسے لے لینے دے، اور جو کوئی تجھے ایک کوس بیگار میں لے جائے اس کے ساتھ دو کوس چلا جا، جو کوئی تجھ سے مانگے اُسے دے اور جو تجھ سے قرض چاہے اس سے منہ نہ موڑ"

(انجیل متی ۵: ۳۹ تا ۴۲، نیز دیکھئے لوقا ۶: ۲۹)

قدرت سے خارج ہیں، کیونکہ کسی بھی سلطنت کے لئے اُن پر عمل کرنا ممکن نہیں ہے، اور نہ کسی کو ان احکام کا پابند بنانا ممکن ہے، سوائے ان بعض شکاریوں کے جن کے پاس چادر ہی نہ ہو، کہ ان سے چھین لی جائے، اور وہ اضاعتِ وقت کی پرواہ نہ کریں ''

پھر انھوں نے فرمایا کہ

" اور یہ اقوال نہ تو مرقس میں موجود ہیں، اور نہ یوحنا میں مذکور، اس کے باوجود عیسائی سوفی صدی ان احکام کو نظر انداز کرتے ہوئے ہمیشہ ان اقوال سے اپنے مذہب کی افضلیت پر استدلال کرتے ہیں، پھر مرقس اور یوحنا کے لئے ان اقوال کو چھوڑنے کی گنجائش کب ہو سکتی تھی؟ اور دونوں گدھی کے بچے کے قصہ میں اتفاق کر لیتے ہیں[1]، تو کیا مؤرخین کا یہی شیوہ ہے کہ وہ معمولی معمولی باتوں کو ذکر کریں، اور بڑے اہم معاملات کو نظر انداز کر جائیں؟ بالخصوص جبکہ وہ خود ہی اس کے مخاطب بھی ہوں، ہو سکتا ہے کہ یہ کہا جائے کہ جس نے اُن اقوال کو ذکر کیا ہے اس کے پیش نظر دوسروں کو مکلف بنانا ہو، اور جس نے سلوک کیا اس کے پیش نظر اپنے مکلف ہونے کا اندیشہ تھا،

ایک ملحد کا قول ہے کہ یہ احکام جن پر عیسائی حضرات فخر کرتے ہیں، یا تو بعض حالات کے پیش نظر مستحب ہیں، یا واجب، اگر مستحب ہیں تو کوئی مضائقہ نہیں،

---

[1] دیکھئے متی ۲۱: ۱ تا ۹، مرقس ۱۱: ۱ تا ۱۰، لوقا ۱۹: ۲۹ تا ۳۸، اور یوحنا ۱۲: ۱۲ تا ۱۵

مگر اس شکل میں ملتِ عیسوی کے ساتھ کچھ تخصیص نہیں، کیونکہ یہ اسباب بعض حالات کے لحاظ سے دوسرے مذاہب میں بھی موجود ہیں، اور اگر واجب ہیں تو یقیناً مفاسد اور شرارتوں کا سرچشمہ ہیں، اور سلطنتوں کے راحت و اطمینان اور سرور و خوشی کے زوال کا سبب ہیں،

ہمارے مندرجہ بیان کے بعد جہاد کے عقلاً مستحسن ہونے میں ذرہ برابر شک نہیں رہا، بشرطیکہ وہ جہاد ان شرائط کو جامع ہو جو شریعتِ محمدیہ میں مذکور ہیں، اس جگہ کے مناسب ایک حکایت یاد آگئی، ہندوستان کے انگریزی محکمہ افتار میں ایک پادری آیا، اور کہنے لگا کہ مفتی صاحب! میرا مسلمانوں کے خلاف ایک سوال ہے، جس کے جواب کے لئے میں ایک سال کی مہلت دیتا ہوں، مفتی صاحب نے محکمہ کے ناظر کی طرف اشارہ کیا، جو ایک ظریف اور خوش طبع شخص تھا، اس نے پوچھا فرمائیے، کیا سوال ہے؟ کہنے لگا کہ آپ کے پیغمبر کا دعویٰ ہے کہ میں مامور بالجہاد ہوں، حالانکہ موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو جہاد کا حکم نہیں ہوا، ناظر نے کہا کیا یہی وہ سوال ہو جس پر غور کرنے کے لئے آپ نے ہم کو ایک سال کی مہلت دی ہے؟ پادری نے کہا، ہاں! اس پر ناظر نے کہا کہ ہم آپ سے کوئی مہلت نہیں مانگتے، اور دو وجہ سے اسی وقت جواب دیتے ہیں، اوّل تو یہ کہ ہم سرکار انگریزی کے ملازم ہیں، اور ہم کو ایامِ تعطیل کے علاوہ قطعی فرصت نہیں، تو ہم کو کون ایک سال کی مہلت دے گا، دوسرے یہ سوال کسی غور و خوض کا محتاج بھی نہیں ہے، جج کے بارے میں (جو انگریزی حکومت میں بمنزلہ شرعی قاضی کے ہوتا ہے) آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا اس کے لئے جائز ہے کہ جب اس کے سامنے قاتل پر جرم

قتل ثابت ہو جائے، تو وہ مجرم کو پھانسی دیدے؟ پادری نے کہا کہ نہیں، کیونکہ اس کو یہ اختیار نہیں، بلکہ اس کا منصب یہ ہے کہ وہ اُس قاتل کو سیشن جج کے پاس بھیجدے، جو اس سے بڑا حاکم ہے، ناظر نے کہا، تو کیا اس بڑے حاکم کو اختیار ہے کہ جب اس کے نزدیک جرم قتل ثابت ہو جائے تو قانون کے مطابق وہ اس کو قتل کردے؟ پادری نے کہا نہیں، کیونکہ اس کو بھی اختیار نہیں، بلکہ اس کا منصب صرف یہ ہے کہ معاملہ کی دوبارہ تحقیق کرے، اور جو حاکم اس سے بالاتر ہے اس کو اطلاع دے، تاکہ عدالتِ بالاسے قتل کا حکم صادر ہو، تب وہ بڑا حاکم اس کے قتل کا حکم کرے گا، ناظر نے کہا تو کیا یہ تینوں حاکم ایک ہی انگریزی حکومت کے مقرر کردہ نہیں ہیں؟ پادری نے کہا، بیشک! لیکن یہ اختیارات کا اختلاف عہدوں اور منصب کے اختلاف کی بناء پر ہے،

ناظر نے کہا آپ کے سوال کا جواب خود آپکے کلام سے نکل آیا، اب سنئے کہ موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کی مثال پہلے دونوں حاکموں کی طرح ہے، اور ہمارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال حاکمِ اعلےٰ جیسی ہے، پھر جس طرح پہلے دونوں حاکموں کے بااختیار نہ ہونے سے تیسرے بڑے حاکم کا بااختیار نہ ہونا لازم نہیں آیا، اسی طرح موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام کے بااختیار نہ ہونے سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بااختیار نہ ہونا لازم نہیں آتا، پادری لاجواب ہو گیا۔

اب جو شخص بھی ہماری تقریر کو انصاف کی نگاہ سے دیکھے گا، اور عناد و مخالفت سے یکسو ہو کر غور کرے گا تو اس کو یقینی طور پر معلوم ہو سکتا ہے کہ جو سختی اور تشدد شریعت موسوی میں مسئلۂ جہاد اور مرتد کے قتل اور بت پرستی کی ترغیب دینے والے کے قتل کی نسبت پایا جاتا ہے وہ شریعتِ محمدیہ کے احکامِ جہاد سے کس قدر

زائد ہے، اور عیسائیوں کا اعتراض انصاف سے قطعی دُور ہے، ہم کو تو عیسائیوں پر رہ رہ کر تعجب ہوتا ہے کہ وہ اپنے بزرگوں اور اسلاف کو نہیں دیکھتے کہ انھوں نے اپنے مذہب کی اشاعت کیسے کیسے ظلم وجبر کے ساتھ کی؟ اور اپنے مخالفوں کے لئے کیسے کیسے ظالمانہ قوانین وضع کئے؟ اور چونکہ یہ بحث کافی طویل ہو چکی ہے اس لئے ہم اس بکواس کو جو اُن کے رسالوں میں پائی جاتی ہے نظر انداز کرتے ہیں اور ہماری تقریر میں اس کا شافی جواب موجود بھی ہے،[1]

---

[1] قرآن وسنت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں جہاد کے چار مقاصد ہیں:

(۱) اگر کوئی اسلامی حکومت پر حملہ آور ہو تو اس کا دفاع کرنا (مثلاً جنگ اُحد واحزاب)

(۲) اگر مسلمانوں کی کوئی جماعت کسی غیر مسلم ریاست میں مظلوم ومقہور ہو تو اُسے آزادی دلانے کی جدوجہد (مثلاً فتح مکہ)

(۳) اگر غیر مسلموں کی قوت وشوکت اتنی بڑھ گئی ہو کہ اس سے اسلامی ریاست کے بقاء وارتقاء کو خطرہ لاحق ہو تو ازخود اقدام جنگ کرکے غیر مسلموں کی شوکت توڑ دینا (مثلاً غزوۂ بدر)

(۴) غیر مسلم نظام ہائے حکومت میں انسانوں کے مختلف گروہ اگر بے انصافی اور ظلم کا شکار ہوں تو انھیں اسلام کا نظامِ عدل مہیا کرنا، خواہ وہ مذہبِ اسلام قبول کریں یا نہ کریں (مثلاً فتح اندلس)

ان چاروں مقاصد کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو سیرۃ المصطفیٰ از حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی، اشاعتِ اسلام از حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب دیوبندیؒ، الجہاد فی الاسلام از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب، کروسیڈ اور جہاد، از میجر جنرل محمد اکبر خاں صاحب،

عیسائیوں کا اسلام پر دوسرا اعتراض آنحضرتؐ کے پاس معجزے نہ تھے،

عیسائیوں کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ نبوت کے شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ مدعیِ نبوت کے ہاتھوں معجزات ظاہر ہوں، حالانکہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاتھ سے کوئی معجزہ ظاہر نہیں ہوا، جیساکہ سورۂ انعام کی مندرجہ ذیل آیت سے معلوم ہوتا ہے:

مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفَاصِلِيْنَ	"میرے پاس وہ چیز نہیں ہو جس کی تم جلدی کر رہے ہو، فیصلہ تو اللہ ہی کا ہو وہ حق بات بیان کرتا ہے، اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے"

نیز اسی سورت میں ایک اور آیت بھی اس پر دلالت کرتی ہے:

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا، قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ،	"اور یہ اللہ کی قسم کھاتے ہیں پختہ قسمیں کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آگئی، تو یہ ضرور اس پر ایمان لے آئینگے آپ کہدیجئے کہ نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں، اور تمھیں کیا خبر کہ اگر نشانیاں آگئیں تو (بھی) یہ ایمان نہ لائیں گے"

اسی طرح سورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد ہے:

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْبُوْعًا	"اور یہ کہتے ہیں کہ ہم آپ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے، یہاں تک کہ آپ ہمارے لئے

أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِّن نَّخِيلٍ	زمین سے ایک چشمہ نکال دیں، یا آپ کا
وَعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْأَنْهَارَ	کوئی کھجور یا انگور کا باغ ہو، پھر آپ
خِلَالَهَا تَفْجِيرًا أَوْ تُسْقِطَ	اس کے درمیان سے خوب نہریں
السَّمَاءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا	نکالیں، یا آپ ہم پر اپنے زعم کے مطابق
كِسَفًا أَوْ تَأْتِيَ بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ	آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے گرا دیں
قَبِيلًا أَوْ يَكُونَ لَكَ بَيْتٌ	یا آپ اللہ اور سلسلے فرشتوں کو لے
مِّن زُخْرُفٍ أَوْ تَرْقَىٰ فِي السَّمَاءِ	آئیں، یا آپ کا ایک سونے کا گھر ہو
وَلَن نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتَّىٰ	یا آپ آسمان میں چڑھ جائیں، اور ہم
تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَّقْرَؤُهُ	آپ کے چڑھنے پر ایمان نہ لائیں گے
قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنتُ	تاوقتیکہ آپ ہم پر ایک کتاب نازل
إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا ۝	نہ کریں، جسے ہم پڑھیں، آپ فرما دیجئے

میرا پروردگار پاک ہے میں تو صرف ایک بشر پیغمبر ہوں "

یہ تینوں چیزیں جو معترض نے پیش کی ہیں دھوکہ میں ڈالنے والی ہیں، پہلی بات تو اس لئے کہ معجزہ کا صدور ہرگز ہرگز انجیل متعارف کے فیصلہ کے بموجب نبوت کے شرائط میں سے نہیں ہے، اس لئے اس کا صادر نہ ہونا نبی نہ ہونے کی دلیل نہیں ہوسکتا، انجیل یوحنا باب۱۰ آیت ۴۱ میں ہے کہ:

"اور بہتیرے اس کے پاس آئے اور کہتے تھے کہ یوحنا[1] نے کوئی معجزہ نہیں دکھایا۔"

---

[1] یعنی حضرت یحییٰ علیہ السلام،

اور انجیل متی باب ۲۱ آیت ۲۷[1] میں ہے:

"سب یوحنا کو نبی جانتے ہیں"۔

عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۲۵ء میں یہ الفاظ ہیں:

"سب کا گمان یحییٰؑ کے بارے میں نبی ہونے کا ہے"۔

اور انجیل متی باب ۱۱ میں حضرت یحییٰؑ کے متعلق حضرت مسیحؑ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ وہ نبی سے بھی افضل ہیں[2]، حالانکہ یہ انبیاء سے افضل قرار پانے والے یحییٰ علیہ السلام وہ ہیں جن سے عمر بھر کبھی کسی قسم کا معجزہ صادر نہیں ہوا، جس کی بے شمار شہادتیں موجود ہیں، حالانکہ ان کا نبی ہونا عیسائیوں کے یہاں مسلّم ہے،

دوسری بات بھی قطعی غلط ہے، چنانچہ فصل نمبر ۱ امر ثالث سے معلوم ہو چکا ہے، یا ان کی غلط فہمی ہے، یا وہ دوسروں کو دھوکہ میں ڈالنا چاہتے ہیں،... کیونکہ پہلی آیت میں اللہ کے قول مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ (جس کی تم جلدی کر رہے ہو) سے مراد وہ عذاب ہے جس کا تقاضہ کفار اپنے اس کلام سے کیا کرتے تھے کہ:

فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ،	"پس تم ہم پر آسمان سے پتھر برساؤ یا (اور) کوئی دردناک عذاب لے کر آؤ"،

معنی آیت کے یہ ہوتے کہ جس عذاب کا تقاضا اور عجلت مجھ سے چاہتے ہو،

---

[1] اظہار الحق میں ایسا ہی ہے، مگر موجودہ تراجم میں یہ آیت نمبر ۲۶ ہے،
[2] "کیا ایک نبی دیکھنے کو؟ ہاں میں تم سے کہتا ہوں بلکہ نبی سے بڑے کو" (متی ۱۱: ۱۰)

اس کا واقع کرنا میرے اختیار میں نہیں ہے، یقیناً حکم تو صرف خدا کے ساتھ مخصوص ہے، جلد عذاب واقع کرنے یا تاخیر کرنے میں وہ ٹھیک فیصلہ کرتا ہے، تعجیل کا ہو یا تاخیر کا،

اب حاصل آیت کا یہ ہوا کہ تم پر عذاب ٹھیک اس وقت نازل ہوگا جس وقت خدا کی مرضی اور ارادہ ہوگا، مجھ کو خود کوئی اختیار اس کے جلد یا بدیر نازل کرنے کا نہیں ہے، چنانچہ وہ عذاب بدر میں اور اس کے بعد نازل ہوا، اس آیت سے یہ کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ آپ سے کوئی معجزہ صادر نہیں ہوا،

دوسری آیت کے معنی یہ ہیں کہ انھوں نے بڑی زور دار قسمیں کھائی تھیں کہ اگر ان کا کوئی فرمائشی اور مطلوبہ معجزہ صادر ہو جائے تو اس پر ضرور ایمان لائیں گے آپ کہہ دیں کہ معجزات تو خدا کے اختیار و قدرت میں ہیں، ان میں سے جو معجزہ چاہتے ہیں اس کو ظاہر کرتے ہیں، اور یہ تم کو معلوم نہیں ہے کہ جب فرمائشی اور مطلوبہ معجزہ صادر ہو جائے گا تب بھی تم ایمان نہیں لاؤ گے، یہ قول اس امر پر دلالت کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس معجزے کو اس لئے ظاہر نہیں کیا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس کے ظاہر ہونے پر بھی یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے،

تیسری آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم آپ کی بات اُس وقت تک نہیں مانیں گے جبتک آپ مکہ کی سرزمین سے ایک چشمہ نہ جاری کردیں، جس کا پانی کبھی خشک نہ ہو، یا آپ کا کوئی ایسا باغ معرضِ وجود میں آجائے جس میں کھجور یا انگور ہوں، یا آپ اپنے قول کے مطابق آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے ہم پر نازل کردیں، اس سے ان کا اشارہ باری تعالیٰ کے اس ارشاد

کی طرف تھا، جس میں فرمایا گیا ہے کہ:

اِنْ نَّشَأْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ،

"اگر ہم چاہیں تو ان کو زمین میں دھنسا دیں یا اُن پر آسمان سے ٹکڑے ..... برسائیں"

مزید وہ یہ کہتے تھے کہ آپؐ اپنے دعوے کی سچائی پر شہادت دینے کے لئے خود اللہ تعالیٰ یا فرشتوں کا ایک لشکر لے آیئے، یا اپنا گھر سونے کا بنا ڈالئے، یا آسمان پر چڑھ کر دکھلایئے، اور ہم محض آپؐ کے کہنے سے آپؐ کے آسمان میں جانے کو تسلیم نہ کریں گے، بلکہ ہم پر ایک تحریر نازل ہونی چاہیئے، جس میں آپ کی تصدیق کی گئی ہو۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے کہ عبداللہ بن امیہ نے کہا تھا کہ ہم آپؐ کی بات اس وقت تک نہیں مانیں گے جب تک آپؐ آسمان تک جانے کے لئے ایک سیڑھی نہ بنائیں، پھر اس پر چڑھیں اور ہم واپسی تک آپؐ کو دیکھتے رہیں پھر آپؐ اس طرح واپس ہوں کہ آپؐ کے پاس ایک کھلا ہوا رقعہ ہو اور ساتھ میں چار فرشتے بھی اتر کر شہادت دیں کہ آپؐ جیسا کہتے ہیں ویسا ہی ہے،

غرض کفار کا مقصد اس مطالبے سے محض اپنے عناد اور ہٹ دھرمی کا اظہار ہے، ورنہ اگر یہ مطلوبہ معجزہ صادر بھی ہو جاتا تو وہ اپنی عادت کے مطابق اس کو بھی جادو کہہ کر ..... انکار کر دیتے، جیسا کہ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِي قِرْطَاسٍ الخ اور وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ الخ میں باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے اسی طرح اور بعض آیات سے بھی بظاہر معجزات کی نفی معلوم ہوتی ہے، مگر مقصود سب جگہ مطلوبہ اور فرمائشی معجزات کی نفی ہے، اس نفی سے مطلقاً معجزات کا انکار

لازم نہیں آتا[1]، کیونکہ انبیاء علیہم السلام پر ہرگز یہ لازم نہیں کہ جس معجزہ کا بھی منکرین مطالبہ کریں وہ ان کو دکھلائیں، بلکہ یہ حضرات ایسی حالت میں جبکہ منکرین کا مطالبہ محض عناد یا امتحان یا استہزاء کے طور پر ہو، ہرگز وہ معجزہ نہیں دکھایا کرتے[2]۔ اس دعوے پر عہد جدید میں بہت سے شواہد اور نظیریں موجود ہیں،

عہدِ جدید، مطلوبہ معجزہ پیش نہ کرنے کے شواہد

پہلا شاھد:

انجیل مرقس باب ۸ آیت ۱۱ میں ہے:

"پھر فریسی نکل کر اس سے بحث کرنے لگے، اور اُسے آزمانے کے لئے اس سے کوئی آسمانی نشان طلب کیا۔ اس نے اپنی روح میں آہ کھینچ کر کہا اس زمانے کے لوگ کیوں نشان طلب کرتے ہیں؟ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اس زمانے کے لوگوں کو کوئی نشان نہ دیا جائے گا۔" (آیات ۱۱ و ۱۲)

---

[1] دیکھئے تفسیر ابن کثیر، ص ۶۲ تا ۶۴، جلد ۳ مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۵۶ھ،

[2] ورنہ جہاں تک دوسرے معجزات کا تعلق ہے ان میں سے بعض کا ذکر خود قرآن کریم میں موجود ہے مثلاً: سورۂ قمر میں معجزہ شق قمر کے واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، قرآن کا مقصد صرف یہ ہے کہ یہ لوگ جب کھلے کھلے معجزات اور واضح دلائل کا مشاہدہ کرنے کے باوجود ایمان نہیں لائے تو اب ان کے معاندانہ مطالبات کو پورا کرنے کا کوئی سوال نہیں، اگر اس طرح کے ہر بیہودہ مطالبہ پر معجزات دکھلائے جاتے رہیں اور یہ ہر مرتبہ انکار کرکے ایک نئے معجزے کا مطالبہ کر دیا کریں تو اس کا نتیجہ سوائے اس کے اور کیا ہوگا کہ پیغمبر کے قیمتی اوقات ضائع ہوں، اور اللہ کے معجزات ایک تماشا بن کر رہ جائیں، کافروں کی پرانی روش کا طویل تجربہ یہ ثابت کرنے کے لئے کافی تھا کہ اگر ان کے مطالبات پورے کر دیئے گئے تب بھی وہ یہ کہہ کر جان چھڑانے کی کوشش کریں گے کہ یہ تو جادو ہے، چنانچہ پچھلے معجزات کو وہ جادو ہی قرار دیے جس کا ذکر قرآن کریم نے کئی جگہ کیا ہے،

ملاحظہ کیجیے کہ فریسیوں نے عیسیٰ علیہ السلام سے بطور امتحان معجزہ طلب کیا ہو، پھر عیسیٰ ؑ نے نہ تو کوئی معجزہ دکھایا، نہ اس وقت کسی سابقہ معجزہ کا حوالہ دیا جو اس سے قبل ان سے صادر ہو چکے تھے، نہ آئندہ دکھانے کا وعدہ کیا، بلکہ اُن کا یہ قول کہ " اس زمانہ کے لوگوں کو کوئی نشان نہیں دیا جائے گا " صاف اس امر پر دلالت کر رہا ہو کہ ان سے اس کے بعد کبھی کوئی معجزہ صادر نہیں ہوگا، کیونکہ انکے قول میں اُس زمانہ کے تمام موجود انسان مراد ہیں،

دوسرا شاھد؛

انجیل لوقا باب ۲۳ آیت ۸ میں ہے:

"ھیرودیس یسوع کو دیکھ کر بہت خوش ہوا، کیونکہ وہ مدت سے اُسے دیکھنے کا مشتاق تھا، اس لئے کہ اس نے اس کا حال سُنا تھا اور اس کا کوئی معجزہ دیکھنے کا امیدوار تھا، اور وہ اس سے بہتیری باتیں پوچھتا رہا، مگر اس نے اسے کچھ جواب نہ دیا، اور سردار کاہن اور فقیہ کھڑے ہوئے زور شور سے اس پر الزام لگاتے رہے، پھر ہیرودیس نے اپنے سپاہیوں سمیت اسے ذلیل کیا اور ٹھٹھوں میں اُڑایا، اور چمک دار پوشاک پہنا کر اس کو پیلاطس کے پاس واپس بھیجا " (آیات ۸ تا ۱۱)

دیکھئے! عیسیٰ علیہ السلام نے اس وقت کوئی معجزہ نہیں دکھایا، حالانکہ بادشاہ ہیرودیس یہ امید لے کر آیا تھا کہ ان کا کوئی معجزہ دیکھے، اور غالب یہی ہے کہ اگر وہ کوئی معجزہ دیکھ لیتا تو یہودیوں کی شکایت کے خلاف ان کو لاجواب اور ساکت کر دیتا اور نہ خود ان کی تحقیر کرتا، نہ اُس کا لشکر یہ حرکت کرتا،

تیسرا شاھد؛

انجیل لوقا باب ۲۲ آیت ۶۳ میں ہے:

"اور جو آدمی یسوع کو پکڑے ہوئے تھے، اس کو ٹھٹھوں میں اڑاتے اور مارتے تھے اور اس کی آنکھیں بند کر کے اس سے پوچھتے تھے کہ نبوت سے بتا تجھے کس نے مارا؟ اور انھوں نے طعنہ سے اور بھی بہت سی باتیں اس کے خلاف کہیں"

ظاہر ہے کہ چونکہ ان کا سوال محض استہزاء کے طور پر ہوتا تھا، اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا،

چوتھا شاھد؛

انجیل متی باب ۲۷ آیت ۳۹ میں ہے:

"اور راہ چلنے والے سر ہلا ہلا کر اس کو لعن طعن کرتے اور کہتے تھے، اے مقدس کے ڈھانے والے اور تین دن میں بنانے والے اپنے تئیں بچا، اگر تو خدا کا بیٹا ہو تو صلیب پر سے اتر آ، اسی طرح سردار کاہن بھی فقیہوں اور بزرگوں کے ساتھ مل کر ٹھٹھے سے کہتے تھے، اس نے اوروں کو بچایا، اپنے تئیں نہیں بچا سکتا، یہ تو اسرائیل کا بادشاہ ہے، اب صلیب پر سے اتر آئے، تو ہم اس پر ایمان لائیں، اس نے خدا پر بھروسہ کیا ہے، اگر وہ اسے چاہتا ہے تو اب اس کو چھڑا لے، کیونکہ اس نے کہا تھا میں خدا کا بیٹا ہوں، اسی طرح ڈاکو بھی جو اس کے ساتھ مصلوب ہوئے تھے اس پر لعن طعن کرتے تھے" (آیات ۳۹ تا ۴۴)

مگر عیسیٰ علیہ السلام اس وقت اپنے آپ کو نہ چھڑا سکے، اور نہ سولی سے اتر سکے، اگرچہ گزرنے والوں اور کاہنوں اور فقیہوں اور بزرگوں نے ان کا کیسا ہی مذاق

اڑایا؟ یہ لوگ کہتے تھے کہ اگر تم سُولی سے اتر آؤ، تو ہم تم پر ایمان لے آئیں گے، ایسی صورت میں عیسیٰ علیہ السلام پر ننگ عار دور کرنے اور اتمام حجت کی خاطر ضروری تھا کہ ایک مرتبہ سولی سے اُتر آتے، پھر خواہ چڑھ جاتے، لیکن چونکہ ان کا مقصود محض عناد اور استہزاء تھا، اس لئے عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو کوئی جواب نہیں دیا،

پانچواں شاہد:

انجیل متی باب ۱۲ آیت ۳۸ میں ہے:

"اس پر بعض فقیہوں اور فریسیوں نے جواب میں اس سے کہا، اے استاد! ہم تجھ سے ایک نشان دیکھنا چاہتے ہیں' اُس نے جواب دے کر ان سے کہا، اس زمانہ کے بُرے اور زناکار لوگ نشان طلب کرتے ہیں، مگر یوناہ نبی کے نشان کے سوا کوئی اور نشان اُن کو نہ دیا جائے گا، کیونکہ جیسے یوناہ تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں رہا ویسے ہی ابن آدم تین رات دن زمین کے اندر رہے گا"

(آیات ۳۸ تا ۴۰)

ذرا غور کیجئے کہ فقیہ اور فریسی عیسیٰ ؑ سے معجزے کے طالب ہیں، مگر عیسیٰ علیہ السلام نے نہ تو اس وقت کوئی معجزہ دکھایا، نہ اپنے گزشتہ معجزات میں سے کسی معجزہ کا حوالہ دیا جو اُن سے صادر ہو چکے تھے، بلکہ ان کو بُرا بھلا کہا، اور فاسق اور شریر جیسے الفاظ اُن کے حق میں استعمال کئے، اور ایسے معجزہ کا وعدہ کیا جو اُن سے صادر نہیں ہوا، کیونکہ ان کا یہ قول کہ "جیسے یوناہ تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں رہا" یقیناً بلاشبہ غلط ہے، جیسا کہ باب اوّل کی فصل ۳ میں معلوم ہو چکا ہے[1]

[1] دیکھئے صفحہ ۵۰۳ جلد اوّل، غلطی نمبر ۶۰، ۶۱، ۶۲، اس میں مصنفؒ نے ثابت کیا ہے کہ حضرت مسیح انجیل کی روایات کے مطابق تین دن قبر میں نہیں رہے، بلکہ صرف ایک دن اور دو

اور اگر ہم اس کے غلط ہونے سے قطعِ نظر بھی کرلیں تو مطلقاً ان کا قبر سے زندہ ہوکر کھڑا ہوجانا فریسیوں اور فقیہوں نے اپنی آنکھوں سے ہرگز نہیں دیکھا، اور اگر واقعی عیسیٰ مُردوں میں سے زندہ ہوکر کھڑے ہوگئے تھے تو ان کا فرض تھا کہ وہ اپنے کو ان منکوین اور معجزہ کے طلبگار پر ظاہر کرتے، تاکہ اُن پر حجت قائم ہوجاتی، اور وعدہ بھی پورا ہوجاتا، مگر عیسیٰؑ نہ اُن پر ظاہر ہوئے، اور نہ یہودیوں پر، اسی لئے وہ لوگ عیسیٰؑ کے زندہ ہونے کو تسلیم نہیں کرتے، بلکہ اس وقت سے آج تک یہ لوگ برابر یہ کہتے آرہے ہیں کہ ان کے شاگردوں نے رات کے وقت اُن کی نعش قبر سے اُڑالی تھی،

چھٹا شاھد،

انجیل متی باب ۴ آیت ۳ میں ہے:

" اور آزمانے والے نے پاس آکر اس سے کہا اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو فرما کہ یہ پتھر روٹیاں بن جائیں، اُس نے جواب میں کہا لکھا ہے کہ آدمی[1] صرف روٹی ہی سے جیتا نہ رہے گا، بلکہ ہر بات سے جو خدا کے مُنہ سے نکلتی ہے، تب ابلیس اُسے مقدس شہر میں لے گیا، اور ہیکل کے کنگرے پر کھڑا کرکے اس سے کہا کہ اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو اپنے تئیں نیچے گرادے، کیونکہ لکھا ہے کہ وہ[2] تیری بابت اپنے فرشتوں کو حکم دے گا اور وہ تجھے ہاتھوں پر اٹھالیں گے، ایسا نہ ہو کہ تیرے پاؤں کو پتھر سے ٹھیس لگے، یسوع نے اس سے کہا یہ بھی لکھا ہے کہ تو خداوند

لہ استثنا ۸: ۳ کی طرف اشارہ ہے،

لہ زبور ۹۱: ۱۱ و ۱۲ کی طرف اشارہ ہے،

اپنے خداوند کی آزمائش نہ کر"۔ (آیات ۳ تا ۸)

دیکھئے! ابلیس نے عیسیٰ علیہ السلام سے امتحان کے طور پر دو معجزوں کا مطالبہ کیا تھا مگر عیسیٰ علیہ السلام نے ایک کو بھی منظور نہیں کیا، اور دوسری مرتبہ اعتراف کیا کہ بندہ کی شان یہ نہیں کہ اپنے خدا کا امتحان لے، بلکہ بندگی کا تقاضا ادب واحترام ہو نہ کہ آزمائش۔

ساتواں شاھد:

انجیل یوحنا باب ۶ آیت ۲۹ میں ہے:

"یسوع نے جواب میں ان سے کہا خدا کا کام یہ ہے کہ جسے اس نے بھیجا ہے اس پر ایمان لاؤ، پس انھوں نے اس سے کہا، پھر تو کونسا نشان دکھاتا ہے؟ تاکہ ہم دیکھ کر تیرا یقین کریں، تو کونسا کام کرتا ہے؟ ہمارے باپ دادا نے بیابان میں منّ کھایا، چنانچہ لکھا ہے کہ اس نے انھیں کھانے کے لئے آسمان سے روٹی دی"۔[۱] (آیات ۲۹ تا ۳۱)

یعنی یہودیوں نے مسیحؑ سے معجزہ طلب کیا، مگر عیسیٰ علیہ السلام نے اس کے جواب میں نہ تو کوئی معجزہ دکھایا اور نہ کسی ایسے معجزہ کا حوالہ دیا جو اس درخواست سے پہلے دکھلا چکے تھے، بلکہ ایسا مجمل کلام استعمال کیا جس کو اکثر سننے والوں نے نہیں سمجھا، بلکہ محض اس وجہ سے ان کے بہت سے شاگرد مرتد ہوگئے، جس کی تصریح باب مذکور کی آیت نمبر ۶۶ میں کی گئی ہے، جو ترجمۂ عربی مطبوعہ ۱۸۶۰ء[۳] میں اس طرح ہے

---

[۱] استثنا ۸: ۱۶ کی طرف اشارہ ہے،

[۲] نحمیاہ ۹: ۱۵ کی طرف اشارہ ہے،

[۳] موجودہ اردو ترجمہ اسی کے مطابق ہے، یہ عبارت اسی سے نقل کر دی گئی ہے،

کہ "اس پر اس کے شاگردوں میں سے بہتیرے اُلٹے پھر گئے، اور اس کے بعد اس کے ساتھ نہ رہے"۔ اور عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۲۵ء میں اس طرح ہے کہ: "اور اس وجہ سے ان کے بہت سے شاگرد اپنے پچھلے پاؤں لوٹ گئے، اور پھر کبھی ان کے ساتھ نہ چلے"

آٹھواں شاہد:

کرنتھیوں کے نام پہلے خط کے باب اوّل آیت ۲۲ میں ہے کہ:

"یہودی نشان چاہتے ہیں، اور یونانی حکمت تلاش کرتے ہیں، مگر ہم اس مسیحِ مصلوب کی منادی کرتے ہیں جو یہودیوں کے نزدیک ٹھوکر اور غیر قوموں کے نزدیک بیوقوفی ہے"

یہودی جس طرح مسیح سے معجزہ طلب کیا کرتے تھے، اسی طرح انھوں نے معجزہ کا مطالبہ حواریوں سے بھی کیا، عیسائیوں کے مقدس پولس نے اقرار کیا ہے کہ یہ لوگ معجزہ طلب کرتے ہیں، اور ہم ان کے سامنے مسیح مصلوب کا وعظ کہتے ہیں۔

ان منقولہ عبارتوں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ عیسیٰؑ اور حواریوں نے ان اوقات میں جبکہ ان سے کسی معجزہ کا مطالبہ کیا گیا، کبھی کوئی معجزہ نہیں دکھایا اور نہ منکرین کے سامنے ان معجزات کا حوالہ پیش کیا جو اس سے قبل دکھا چکے تھے، اب اگر کوئی شخص ان آیات سے اس امر پر استدلال کرے کہ عیسیٰ علیہ السلام اور حواریوں کو کسی ایسے امر کے اظہار کی کوئی قدرت نہ تھی جو خلافِ عادت ہو، ورنہ وہ کام ان اوقات میں ان سے صادر ہوتا، پھر جب اُن سے کوئی بات صادر نہیں ہوئی تو ثابت ہوگیا کہ ان کو اس کے اظہار کی قطعی کوئی قدرت نہیں تھی، تو یقیناً پادری صاحبان کے نزدیک یہ استدلال ظلم و کج روی پر محمول ہوگا، اور اس کی بات انصاف کے خلاف

شمار ہوگی، بالکل اسی طرح ہمارے نزدیک بعض ان آیاتِ قرآنیہ سے استدلال کرتے ہوئے جن کے مطالب ہم واضح کرچکے ہیں، پادریوں کا اعتراض انصاف کے خلاف اور ظلم پر محمول ہوگا، اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں جا بجا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی تصریح موجود ہے، جیسا کہ فصل اوّل میں معلوم ہو چکا ہے، اور قرآن کریم میں بھی بعض مقامات پر اجمالاً ذکر کیا گیا ہے جو درج ذیل ہیں :

قرآنی آیات سے معجزات کا ثبوت

پہلا شاھد :

سورہ صافات میں ارشاد ہے وَ اِذَا رَاَوْا اٰیَةً یَّسْتَسْخِرُوْنَ، یعنی جب کبھی اللہ کی واضح نشانیوں میں سے کوئی نشانی دیکھتے ہیں جیسے شق القمر وغیرہ، تو یہ لوگ مذاق اڑانے میں مبالغہ کرتے ہیں، یا ان میں سے ایک دوسرے سے مذاق اڑانے کا مطالبہ کرتا ہے، اور تفسیر کبیر میں ہے کہ :

"اور چوتھی بات جسکو حق تعالیٰ نے نقل کیا ہے یہ ہے کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ تو صرف ایک کھلا ہوا جادو ہے، یعنی جب کبھی کوئی معجزہ یا نشانی دیکھتے ہیں تو اس کا مذاق اڑاتے ہیں، اور منشاء ان کی طرف سے اس تمسخر کا یہ ہو کہ وہ اس معجزے کو جادو کی قبیل سے سمجھتے ہیں، مبین کا مطلب یہ ہے کہ اس کا جادو ہونا ایسا واضح ہے کہ جس میں کسی کے لئے کسی قسم کے شبہ کی گنجائش نہیں ہو"[1]

---

[1] تفسیر کبیر، ص ۱۳۰ ج ۷ مطبوعہ استنبول ۱۳۰۷ھ،

بیضاوی میں ہے کہ :

یعنی جب وہ کوئی ایسی نشانی دیکھتے ہیں جو قائل کی سچائی پر دلالت کرتی ہے تو تمسخر میں مبالغہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جادو ہے، یا ان میں سے ایک دوسرے سے تمسخر کا مطالبہ کرتا ہے، اور کہتے ہیں کہ یہ معجزہ جو ہم نے دیکھا ہے اس کا جادو ہونا واضح ہے[1]"

نیز جلالین میں ہے کہ :

"جب وہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں جیسے چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا، تو مذاق اڑاتے ہیں، اور اس معجزے کی نسبت کہتے ہیں کہ یہ واضح جادو ہے"

اسی طرح تفسیر حسینی میں بھی ہے۔

دوسرا شاہد :

سورۂ قمر میں ہے کہ :

وَاِنْ یَّرَوْا اٰیَةً یُّعْرِضُوْا وَیَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ،

اس کا بیان پہلی فصل میں آچکا ہے ،

تیسرا شاھد

سورۂ آلِ عمران میں ہے :

کَیْفَ یَهْدِی اللّٰهُ قَوْمًا کَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ	"اللہ ان لوگوں کو کیسے ہدایت دے جنھوں نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا

[1] تفسیر البیضاوی المطبوع فی مجموعۃ التفاسیر الاربعۃ، ص ۲۲۹ ج ۵ مطبوعہ استنبول،

اَلرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ، — حالانکہ وہ شہادت دے چکے تھے کہ رسول حق ہو اور ان کے پاس بیّنات آچکی تھیں۔

تفسیر کشاف میں البیّنات کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے:

"اس سے مراد قرآن کریم کے تمام شواہد اور وہ تمام معجزات ہیں جن سے نبوت کا اثبات ہوتا ہے[۱]"

اور قرآن میں لفظ بیّنات کا جب موصوف محذوف ہوتا ہے تو یہ لفظ عموماً معجزات کے معنی میں ہوتا ہے، اس صورت میں کسی دوسرے معنی میں اس کا استعمال بہت قلیل ہے، اس لئے بغیر کسی قوی قرینہ کے اس معنی پر محمول نہیں کیا جائے گا[۲]۔ چنانچہ سورہ بقرہ میں: وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ، اور سورۂ نساء میں، ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ اور سورۂ مائدہ میں، اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ، پھر اسی سورۃ میں دوسرے مقام پر فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ اور سورۂ نحل میں، بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ اور سورۂ طٰہٰ میں، لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ اور سورۂ مؤمن میں: وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ، اور سورۂ حدید میں: لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ اور سورۂ تغابن میں: ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ، اور اسی طرح بہت سے مواقع پر معجزات ہی کے معنی مراد ہیں،

[۱] تفسیر الکشاف، ص ۳۸۱ ج اول مطبعۃ الاستقامۃ بالقاہرۃ، ۱۳۶۵ھ،

[۲] یہ درحقیقت اس شبہ کا جواب ہو کہ بیّنات کے لغوی معنی "روشن دلائل" کے ہیں، اور ان کا اطلاق معجزات پر ہونا ضروری نہیں،

چوتھا شاهد:

سورۂ انعام میں ہے کہ:

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ۝	"اور ان لوگوں سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ بہتان باندھیں، یا اس کی نشانیوں کی تکذیب کریں، بلاشبہ ظالم لوگ فلاح نہ پائیں گے۔"

تفسیر بیضاوی میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ:

(اللہ پر جھوٹ بہتان باندھیں) مثلاً وہ یہ کہتے تھے کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں، یا بتوں کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ خدا کے سامنے ہماری سفارش کریں گے (یا اس کی نشانیوں کی تکذیب کریں) مثلاً وہ قرآن کی تکذیب کرتے تھے اور معجزات کو جھٹلا کر انھیں جادو قرار دیتے تھے، اور اگرچہ وہ جھوٹ بہتان باندھنے اور نشانیوں کی تکذیب دونوں باتوں کے مرتکب تھے، لیکن لفظ "اَوْ" (بمعنیٰ "یا") اس بات پر تنبیہ کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہے کہ ان میں سے ہر بات انتہائی ظلم ہے[1]"

اور کشاف میں ہے کہ:

"انھوں نے دو متناقض چیزوں کو جمع کیا، ایک طرف خدا کی تکذیب کی، دوسری طرف اس چیز کی تکذیب کی جو حجت دلیل اور برہان صحیح سے ثابت تھی، کیونکہ ان کا قول تھا کہ اگر خدا کی مرضی ہوتی تو ہم شرک نہ کرتے،

---

[1] تفسیر البیضاوی، ص ۲۵۷ ج اول، مطبوعہ مصر، ۱۳۵۸ھ۔

اور نہ ہمارے بڑے شرک کے مرتکب ہوتے اور یہ بھی کہتے کہ خدا نے ہم کو شرک کا حکم دیا ہے، اور کہتے تھے کہ ملائکہ خدا کی بیٹیاں ہیں، اور یہ بُت خدا کے یہاں ہماری سفارش کریں گے، اور خدا کی طرف بحیرہ[1] اور سائبہ کی حرمت منسوب کرتے، پھر قرآن کو اور معجزات کو جھٹلایا اور ان کا نام سحر اور جادو رکھا، اور رسول پر ایمان نہ لائے[2]،،

اور تفسیر کبیر میں ہے کہ:

"ان کے خسارے اور نقصان کی دوسری قسم یہ ہے کہ انھوں نے اللہ کی نشانیوں کو جھٹلایا، یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں عیب جوئی اور نکتہ چینی کی، اور قرآن کو واضح معجزہ ماننے سے انکار کیا[3]"

پانچواں شاہد:

سورۂ انعام ہی میں دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَ اِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا "اور جب ان کے پاس کوئی نشانی آتی ہے

[1] بحیرہ، مشرکینِ عرب اس اونٹنی کو کہتے تھے جو پانچ دفعہ بچے جَن چکی ہو، اور آخری بار اس کے ہاں نر بچہ ہوا ہو، یہ لوگ اس کا کان چیر کر اسے آزاد چھوڑ دیتے تھے، اور اس پر سواری کرنے، اس کا دودھ پینے، اسے ذبح کرنے اور اس کا ... اون اُتار کر استعمال کرنے کو حرام سمجھتے تھے، اور سائبہ اس اونٹ یا اونٹنی کو کہتے تھے جسے کسی منّت کے پورا ہونے پر بُن کر دیا گیا ہو، اُسے بھی حرام سمجھا جاتا تھا، قرآن نے ان سب صورتوں کی تردید کی ہے (مائدہ آیت نمبر ۱۰۳)

[2] تفسیر الکشاف ص ۱۲ جلد دوم،

[3] تفسیر کبیر، ص ۲۳ ج ۴،

لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰی نُؤْتٰی مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ رُسُلُ اللّٰہِ، اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ سَیُصِیْبُ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰہِ وَعَذَابٌ شَدِیْدٌۢ بِمَا کَانُوْا یَمْکُرُوْنَ ۝

تو وہ کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے، جب تک کہ ہمیں وہ چیز نہ دی جائے جو اللہ کے رسولوں کو دی گئی ہے، اللہ خوب جانتا ہے کہ اپنا پیغام کہاں رکھے، ان مجرموں کو اللہ کے ہاں ذلت پہنچے گی، اور شدید عذاب پہنچے گا ان کے مکر کے بدلے میں "

تفسیر کبیر میں وَاِذَا جَآءَتْھُمْ اٰیَۃٌ کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"جب اُن کے سامنے کوئی زبردست معجزہ آتا ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلالت کرتا ہو تو .... الخ"[1]

نیز پوپ الگزنڈر کا یہ اعتقاد تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم صاحبِ الہام ہیں، مگر اس کے خیال میں یہ الہام واجب التسلیم نہیں تھا، اس کی کتاب مسمّٰی ڈون سدھی[2] جلد ۵ میں یہ فقرہ پایا جاتا ہے کہ:

"اے محمدؐ! کبوتر تیرے کانوں کے پاس ہے"

ہم نے یہ فقرہ جلد مطبوعہ ۱۸۹۲ء و ۱۸۰۶ء لندن سے نقل کیا ہے، مگر یہ فقرہ پہلے نسخہ کے صفحہ ۲۶۰ پر اور دوسرے نسخہ کے صفحہ ۳۰۳ پر ہے، غالباً پوپ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے الہام کو کبوتر کی طرف منسوب کیا ہے، کیونکہ عیسائیوں

[1] تفسیر کبیر، ص ۱۴۱ جلد ۴ مطبوعہ استنبول ۱۳۲۴ھ

[2] اظہار الحق کے عربی نسخہ میں یہ نام "دنسید" مذکور ہے، مگر انگریزی ترجمہ میں Don Sidhi ہے (تقی)

کے نزدیک الہام روح القدس کے واسطے سے ہوتا ہے، اور روح القدس عیسیٰ علیہ السلام پر بپتسمہ کے بعد جب نازل ہوئی تو کبوتر کی شکل میں تھی، جس کی تصریح انجیل متی کے باب۳ میں موجود ہے، اس لئے اس نے سمجھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا الہام بھی کبوتر کے واسطے سے ہے،

عیسائیوں کا اسلام پر تیسرا اعتراض، تعدد ازدواج

یہ اعتراض عورتوں کے بارے میں ہے جس کی پانچ صورتیں ہیں:

۱۔ مسلمانوں کے لئے چار سے زیادہ بیویاں رکھنا جائز نہیں کیا گیا، مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تعداد پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اپنے لئے تعداد بڑھا کر نو کرلی، اپنے متعلق خدا کا یہ حکم ظاہر کیا کہ اللہ نے مجھ کو اجازت دی ہے کہ میں چار سے زیادہ کرسکتا ہوں،

۲۔ مسلمانوں کے لئے اپنی بیویوں کے درمیان مساوات اور عدل ضروری ہے، مگر اپنے متعلق محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کا یہ حکم ظاہر کیا کہ مجھ پر یہ عدل واجب نہیں،

۳۔ آپ زید بن حارثہؓ کے گھر میں اچانک داخل ہو گئے، اور جب پردہ ہٹایا تو آپ کی نگاہ زینب بنت جحشؓ پر پڑ گئی، جو زیدؓ کی بیوی تھیں، اور آپ ان پر فریفتہ ہو گئے، اور فرمایا کہ سبحان اللہ! پھر جب زیدؓ کو یہ حال معلوم ہوا تو انھوں نے بیوی کو طلاق دیدی، اور آپ نے ان سے شادی کر لی، اور یہ ظاہر کیا کہ خدا نے مجھ کو اس سے شادی کرنے کی اجازت دی ہے۔

۴۔ آپ نے ماریہ قبطیہؓ سے حضرت حفصہؓ کے مکان میں ان کی باری

کے دن صحبت کی، جس پر حضرت حفصہؓ سخت غضبناک ہوئیں، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہنا پڑا کہ میں نے ماریہؓ کو اپنے لئے حرام کر دیا، مگر آپؐ تحریم پر اپنے آپ کو ثابت قدم رکھنے پر قادر نہ ہو سکے، اور یہ ظاہر کیا کہ خدا نے مجھ کو اجازت دی ہے کہ کفارہ ادا کر کے اپنی قسم کو ختم کر دوں،

۵۔ آپؐ کی امت کے لئے یہ بات جائز ہے کہ اگر کوئی شخص مر جائے تو دوسرا شخص عدت گزرنے پر اس سے شادی کر سکتا ہے، مگر اپنی نسبت آپ نے خدا کا یہ حکم ظاہر کیا کہ کسی شخص کو اس امر کی اجازت نہیں ہے کہ میری وفات کے بعد میری کسی بیوی سے شادی کرے،

عیسائیوں نے بڑی جد وجہد اور انتہائی کوشش کے بعد عورتوں کے سلسلہ میں یہ پانچ قسم کے اعتراض کئے ہیں جو سب کے سب اُن کے اکثر رسالوں میں مثلاً میزان الحق، تحقیق الدین الحق، دافع البہتان، دلائل اثبات رسالۃ المسیح دلائل النبوت اور رد اللغو وغیرہ میں پائے جاتے ہیں، اس موقع پر ہم آٹھ باتیں بطور تمہید کے پیش کرتے ہیں، جن سے ان تمام صورتوں کا جواب نکل آتا ہے:

جواب کی تمہید

پہلی بات:

گذشتہ شریعتوں میں ایک سے زیادہ شادی کرنا جائز تھا، اس لئے کہ ابراہیم علیہ السلام نے پہلے سارہؓ سے نکاح کیا، اور ان کی موجودگی میں پھر ہاجرہؓ سے شادی کی، حالانکہ وہ خلیل اللہ تھے، اور خدا کی وحی ان کے پاس

آتی تھی، اور خدا ان کی اچھے کاموں کی طرف رہنمائی کرتا تھا، اگر نکاح ثانی جائز نہ ہوتا تو خدا ابراہیم کو ایسے ناجائز کام پر باقی نہ چھوڑتا، بلکہ ان کو نکاح فسخ کرنے کا حکم دیتا، اور اس کو حرام قرار دیتا، دوسرے یعقوبؑ نے چار عورتوں، لیا، راحیل، بلہاہ، زلفا سے شادی کی، پہلی دونوں عورتیں لابن کی بیٹیاں اور آپ کے ماموں کی لڑکیاں اور آپس میں حقیقی بہنیں تھیں، تیسری اور چوتھی باندیاں تھیں، حالانکہ شریعت موسوی میں دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا قطعی حرام تھا، جیساکہ باب ۳ میں معلوم ہو چکا ہے[ل]،

اب اگر ایک سے زیادہ شادیاں کرنا حرام مانا جائے تو لازم آتا ہے کہ ان عورتوں سے جو اولاد ہوئی وہ سب کی سب حرام کی اولاد تھی، نعوذ باللہ منہ، حالانکہ ان کے پاس برابر خدا کی وحی آتی تھی، اور ان کی نیک کاموں کی طرف رہنمائی کی جاتی تھی، پھر یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ خدا بُرے کاموں کی طرف ان کی رہبری کرتا، اور اس اہم معاملہ میں ان کو کچھ ہدایت نہ دیتا، لہٰذا خدا کا یعقوب کے چاروں نکاحوں کو بالخصوص دو حقیقی بہنوں کو برقرار رکھنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ان کی شریعت میں ایسا کرنا جائز تھا،

نیز جدعون بن یوآس نے بہت سی عورتوں سے نکاح کیا، کتاب قضاۃ باب ۸ آیت ۳۰ میں ہے کہ :

"اور جدعون کے ستر بیٹے تھے جو اس ہی کے صلب سے پیدا ہوئے تھے، کیونکہ اس کی بہت سی بیویاں تھیں، اور اس کی ایک حرم کے بھی جو سکم

ل یہ حکم احبار ۱۸: ۱۸ میں موجود ہے، دیکھئے کتاب ہذا، ص ۸۱۸ جلد ۲،

ہی تھی اس سے ایک بیٹا ہوا اور اس نے اس کا نام ابی ملک رکھا ۔ (آیات ۳۰ و ۳۱)

اور جدعون کا نبی ہونا کتاب قضاۃ کے باب ۶ و ۷ سے[1] اور رسالہ عبرانیہ کے باب ۱۱ سے[2] ثابت ہے ،

حضرت داؤدؑ کی بیوی کا مہر | نیز داؤد علیہ السلام نے بہت سی عورتوں سے شادی کی ، سب سے پہلا نکاح میکل بنت شاؤل سے کیا ، اور مہر میں فلسطینوں کے ایک سو آلاتِ تناسل مقرر کئے گئے تھے ، لیکن داؤدؑ نے شاؤل کو دو سو[3] آلاتِ تناسل دیئے ، پھر شاؤل نے داؤدؑ کو اپنی بیٹی میکل بیاہ دی ، کتاب سموئیل اوّل باب ۱۸ آیت ۲۷ میں ہے :

"اور ہنوز دن پورے بھی نہیں ہوئے تھے کہ داؤد اٹھا ، اور اپنے لوگوں کو لیکر گیا ، اور دو سو فلستی قتل کر ڈالے ، اور داؤد ان کی (کھلڑیاں) لایا ، اور انھوں نے ان کی پوری تعداد میں بادشاہ کو دیا ، تاکہ وہ بادشاہ کا داماد ہو ، اور ساؤل نے اپنی بیٹی میکل اُسے بیاہ دی "

بد دین لوگ اس مہر کا مذاق اڑاتے ہیں ، اور کہتے ہیں کہ کیا شاؤل کی یہ غرض تھی کہ ان آلاتِ تناسل سے ایک گدھے کا بوجھ تیار کر کے اپنی بیٹی کو جہیز میں دے ، یا کوئی دوسری غرض تھی ؟ مگر ہم ان کے مذاق سے قطعِ نظر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب داؤد علیہ السلام نے شاؤل سے بغاوت کی تھی تب اس نے میکل کی شادی

---

[1] تب خداوند نے جدعون سے کہا "(قضاۃ ۷ : ۲ و ۴ و ۹ نیز دیکھئے ۶ : ۱۱ و ۱۲)

[2] عبارت کے لئے دیکھئے ص ۸۰۵ جلد ہذا کا حاشیہ ،

[3] یعنی آلاتِ تناسل کی کھالیں ۔ عربی ترجمہ میں یہاں "غُلَف" کا لفظ ہے ،

فلطی بن لیس جلیمی سے کردی تھی، جس کی تصریح سفر مذکور کے باب ۲۵ میں ہے،

اس کے علاوہ داؤد علیہ السلام نے چھ دوسری عورتوں سے نکاح کیا:

(۱) اخینوعم یزرعیلی (۲) ابجیل (۳) معکہ بنت تلمی شاہ جسور (۴) حجیت (۵) ابیطال (۶) عجلاہ، جس کی تصریح کتاب سموئیل ثانی باب۳ میں موجود ہے، ... ان چھ بیویوں کے باوجود میکل کی محبت آپ کے دل سے دُور نہیں ہوئی، اگرچہ وہ دوسرے کے نکاح میں تھی، اسی لئے جب ساؤل مارا گیا تو داؤد نے اس کے بیٹے اشبوست سے اپنی بیوی کا مطالبہ کیا، اور کہا کہ میری بیوی مجھ کو واپس کر، جس کا مہر میں نے فلطینیوں کے ایک سو آلاتِ تناسل دے کر ادا کر دیا تھا، مجبوراً اشبوست نے فلطی بن لیس سے جبراً میکل کو لے کر داؤد کے پاس بھیج دیا، اور اس کا شوہر فلطی اس کے پیچھے پیچھے روتا ہوا مقام بحوریم تک آیا، پھر مجبوراً واپس ہو گیا، جس کی تصریح مذکورہ باب میں ہے،[1]

پھر جب دوبارہ میکل داؤد کے پاس پہنچی تب اُن کی مستقل بیوی بن گئی، اور سات بیویوں کا عدد مکمل ہو گیا، پھر داؤد نے اور دوسری عورتوں سے نکاح کیا اسی طرح بہت سی باندیاں جمع کیں، جن کی تعداد کی تصریح ان کی کتب مقدسہ میں نہیں ہے، کتاب سموئیل ثانی باب۵ آیت ۱۳ میں ہے:

---

[1] "اور داؤد نے ساؤل کے بیٹے اشبوست کو قاصدوں کی معرفت کہلا بھیجا کہ میری بیوی میکل کو جس کو میں نے فلطینیوں کی سو کھلڑیاں دے کر بیاہا تھا میرے حوالے کر، سو اشبوست نے لوگ بھیج کر اسے اس کے شوہر لیس کے بیٹے فلطی ایل سے چھین لیا، اور اس کا شوہر اس کے ساتھ چلا، اور اس کے پیچھے پیچھے بحوریم تک روتا ہوا چلا آیا۔"
(۲-سموئیل ۳: ۱۴ تا ۱۶)

"داؤد نے یروشلیم سے اور حرمیں رکھ لیں، اور بیویاں کیں، اور داؤد کے ہاں اور بیٹے، بیٹیاں پیدا ہوئیں"

پھر داؤدؑ نے اوریا کی بیوی سے زنا کیا، اور حیلہ سے اس کے شوہر کو مروادیا، جس پر خدا نے داؤد پر عتاب کیا، جیساکہ اس فصل کے شروع میں معلوم ہو چکا ہے،[1] اور داؤد علیہ السلام اگرچہ اس زنا میں اور اس عورت سے نکاح کرنے میں غلط کار تھے، مگر اور دوسری بہت سی عورتوں سے نکاح کرنے میں گنہگار نہیں تھے، ورنہ خدا اُن سے نکاح کرنے پر بھی اسی طرح عتاب کرتا جس طرح اوریا کی عورت سے نکاح کرنے پر کیا تھا، پھر ان عورتوں سے شادی کرنے پر عتاب کی جگہ اپنی رضا کا اظہار کیا، اور ان کے دینے کو اپنی طرف منسوب کیا، اور کہا کہ اگر یہ عورتیں کم ہیں تو میں اسی قدر اسی قدر اور دوں گا" اور اللہ کا قول داؤدؑ کے حق میں ناتن نبی کی معرفت کتاب سموئیل ثانی باب ۱۲ آیت ۸ ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۲۲ء و ۱۸۳۱ء و ۱۸۴۴ء لندن ونسخہ مطبوعہ روما ۱۶۷۱ء میں اس طرح مذکور ہے:

"اور میں نے تیرے آقا کا گھر تجھے دیا، اور تیرے آقا کی بیویاں تیری گود میں کردیں، اور اسرائیل اور یہوداہ کا گھرانا تجھ کو دیا، اور اگر یہ سب کچھ تھوڑا تھا تو میں تجھ کو (ان جیسی[2] اور) اور دوں گا)"

---

[1] دیکھئے ص ۵۷۹ جلد ہٰذا،

[2] اظہار الحق میں یہاں یہ عبارت ہے: "فان کانت قلیلۃ فأزید لک مثلھن ومثلھن" اسی کا ترجمہ ہم نے قوسین میں لکھ دیا ہے، لیکن موجودہ تمام ترجموں میں اس کی جگہ یہ الفاظ ہیں: "اور اور چیزیں بھی دیتا" موجودہ عربی اور انگریزی ترجمے بھی اسی کے مطابق ہیں، مصنفؒ نے جن نسخوں کا حوالہ دیا ہے، ان میں یہ عبارت متن کے مطابق رہی ہوگی،

اس عبارت میں یہ لفظ کہ "میں نے دیا" اور یہ الفاظ کہ "اگر یہ سب کچھ تھوڑا تھا تو میں تجھ کو ان جیسی اور اور دوں گا" ہمارے دعوے پر صریح دلالت کر رہے ہیں، اور ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۱۱ء میں آخری جملہ یوں ہے کہ:

فاذا کانت عِندَکَ قلیلۃ	"پس اگر یہ تیرے خیال میں کم تھیں تو
کانَ یَنبَغِی لَکَ اَن تقول	تجھے چاہئے تھا کہ کہتا تو میں ان جیسی
فَاَزِیدُ مِثلَھُنَّ وَمِثلَھُنَّ،	اور اور بڑھا دیتا"

داؤدؑ نے نہ صرف اس قدر شادیوں پر اکتفار کیا، بلکہ آخری عمر میں ایک نوجوان کنواری لڑکی جس کا نام ابی شاگ شوعنت ہے، اور جو بلا کی خوب صورت تھی، اس سے آپ نے نکاح کیا، جس کی تصریح کتاب سلاطین اول باب اول میں ہے[1]،

چوتھے سلیمان علیہ السلام نے ایک ہزار عورتوں سے شادی کی، جن میں سات سو آزاد شہزادیاں تھیں اور تین سو باندیاں تھیں، یہاں تک کہ ان کے دامِ فریب میں آکر آخر عمر میں آپ نعوذ باللہ مرتد بھی ہوگئے، اور بُت خانے بھی تعمیر کرائے جن کی تصریح کتاب سلاطین اول باب ۱۱ میں موجود ہے،

نیز توریت کے کسی بھی مقام سے ایک نکاح سے زیادہ کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی، اور اگر یہ چیز حرام ہوتی تو موسیٰ علیہ السلام اس کی حرمت کی اسی طرح تصریح کرتے، جس طرح دوسری حرام چیزوں کی تصریح کی ہے، اور ان کی تحریم کے اظہار میں بہت سختی کی ہے، اس کے برعکس توریت سے تعددِ ازدواج کا جواز ثابت ہوتا ہے، کیونکہ پہلے اعتراض کے جواب میں آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ وہ کنواری

---

[1] ۱۔ سلاطین ۱: ۳ و ۴ ۔

لڑکیاں جو مدیانیوں کی غنیمت سے حاصل ہوئی تھیں ان کی تعداد بتیس ہزار تھی،
اور ان کو بنی اسرائیل پر تقسیم کیا گیا تھا، بلالحاظ اس کے کہ وہ شادی شدہ ہیں یا
غیر شادی شدہ، اس میں کوئی تخصیص کنوارے لوگوں کی تھی"[۱]

نیز کتاب استثناء باب ۲۱ آیت ۱۰ میں ہے کہ:

"جب تو اپنے دشمنوں سے جنگ کرنے کو نکلے اور خداوند تیرا خدا ان کو تیرے ہاتھ
میں کر دے، اور تو اُن کو اسیر کر لائے اور اُن اسیروں میں کسی خوب صورت
عورت کو دیکھ کر تو اس پر فریفتہ ہو جائے، اور اس کو بیاہ لینا چاہے تو تو اسے
اپنے گھر لے آنا، اور وہ اپنا سر منڈوائے اور اپنے ناخن ترشوائے، اور اپنی
اسیری کا لباس اتار کر تیرے گھر میں رہے، اور ایک مہینہ تک اپنے ماں باپ
کے لئے ماتم کرے، اس کے بعد تو اس کے پاس جا کر اس کا شوہر ہونا اور وہ
تیری بیوی بنے، اور اگر وہ تجھ کو نہ بھائے تو جہاں وہ چاہے اس کو جانے دینا،
لیکن روپے کی خاطر اس کو ہرگز نہ بیچنا، اور اس سے لونڈی کا سا سلوک نہ کرنا
اس لئے کہ تو نے اس کی حرمت لے لی ہے،

اگر کسی مرد کی دو بیویاں ہوں، اور ایک محبوبہ اور دوسری غیر محبوبہ ہو
اور محبوبہ اور غیر محبوبہ دونوں سے لڑکے ہوں، اور پہلوٹھا بیٹا غیر محبوبہ سے ہو
تو جب وہ اپنے بیٹوں کو اپنے مال کا وارث کرے تو وہ محبوبہ کے بیٹے کو غیر محبوبہ
کے بیٹے پر جو فی الحقیقت پہلوٹھا ہے فوقیت دے کر پہلوٹھا نہ ٹھہرائے، بلکہ وہ

---

[۱] دیکھئے گنتی ۳۱: ۳۵ د کتاب ہذا، ص ۱۶۱۲ جلد ہذا،

غیر محبوبہ کے بیٹے کو اپنے سب مال کا دونا حصہ دے کر اسے پہلوٹھا مانے، کیونکہ وہ اس کی قوت کی ابتداء ہے، اور پہلوٹھے کا حق اسی کا ہے" (آیات ۱۰ تا ۱۷)

ان آیات میں صرف اس شخص سے خطاب نہیں ہے جس کی پہلی بیوی نہ ہو، بلکہ عام ہے، خواہ اس کی پہلی بیوی ہو یا نہ ہو، نیز اس میں یہ تصریح بھی نہیں ہے کہ یہ حکم ایک ہی باندی کے ساتھ مخصوص ہے، اس کے برعکس بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ اگر مخاطب ایک سے زیادہ عورتوں کو پسند کرے، اور ان کو بیویاں بنانا چاہے تو اس کے لئے ایسا کرنا جائز ہوگا، لہٰذا ہر اسرائیلی کے لئے بہت سی عورتوں سے شادی کرنا جائز ہوا، اور یہ الفاظ کہ: "اگر کسی مرد کی دو بیویاں ہوں" تو صاف وصریح ہمارے مدّعا پر دلالت کر رہے ہیں، جس کی توضیح کی ضرورت نہیں ہے،

خلاصہ یہ کہ ثابت ہوگیا کہ موسیٰؑ کی شریعت میں کثرتِ ازدواج جائز فعل تھا، اور حرام بالکل نہ تھا، اسی بنا پر جدعون اور داؤد وغیرہم نے جو امتِ موسوی کے نیک اور صالح لوگ تھے، بہت سی شادیاں کیں،

دُوسری بات؛

صحیح واقعہ حضرت زینبؓ کا یہ ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں، اور آپؐ کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہؓ کے نکاح میں تھیں، پھر زیدؓ نے ان کو طلاق دیدی، اور عدت گذرنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح فرمایا، ہم اس سلسلہ میں سورۂ احزاب کی وہ آیتیں جو اس قصہ سے متعلق ہیں مع تفسیر کبیر کی عبارت کے نقل کرتے ہیں:-

واذ تقول للذی انعم اللّٰہ	"اور جب آپؐ اس شخص سے کہہ رہے

علیہ وھو زید انعم اللہ علیہ
بالاسلام وانعمت علیہ
بالتحریر والاعتاق امسك
علیك زوجك ھم زید بطلاق
زینب فقال له النبی صلی اللہ
علیہ وسلم امسك ای لا
تطلقھا واتق اللہ قیل فی
الطلاق وقیل فی الشکوی
من زینب فان زیدا قال
فیھا انھا تتکبر علی بسبب
النسب وعدم الکفاءة و
تخفی فی نفسك ما اللہ مبدیہ
من انك تزید التزوج بزینب
وتخشی الناس من ان یقولوا
اخذ زوجة الغیر اوالابن
واللہ احق ان تخشاہ لیس
اشارة الی ان النبی صلی اللہ

تھے[1] جن پر اللہ نے انعام فرمایا تھا،
یعنی زیدؓ سے جن کو اللہ نے اسلام کی
نعمت دی تھی، اور خود آپؐ نے اس پر
انعام کیا تھا، یعنی آزاد کر دیا تھا، کہ تم
اپنی بیوی کو اپنے پاس روکے رکھو،
واقعہ یہ ہوا تھا کہ حضرت زیدؓ نے
حضرت زینبؓ کو طلاق دینے کا ارادہ
کیا تھا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے اُن سے فرمایا تھا کہ روکے رکھو،
یعنی طلاق نہ دو، اور اللہ سے ڈرو،
بعض نے کہا کہ طلاق دینے کے سلسلے
میں اللہ سے ڈرنا مراد ہے، اور بعض
نے کہا کہ حضرت زیدؓ اکثر حضرت زینبؓ
کی شکایتیں کیا کرتے تھے کہ وہ اپنی
عالی نسبی کی بناء پر تکبر کیا کرتی ہیں، اس
آیت میں انھیں اس شکایت کے سلسلے
میں خدا سے ڈرنے کی تاکید کی گئی ہے

[1] خط کشیدہ الفاظ قرآن کریم کا ترجمہ ہے، اور اس کے آگے امام رازیؒ کی وہ تشریحات ہیں جو انھوں نے تفسیر کبیر میں فرمائی ہیں،

علیہ وسلم خشی الناس و
لم یخش اللہ بل المعنی اللہ
احق ان تخشاہ وحدہ کما
قال تعالیٰ الذین یبلغون
رسالات اللہ ویخشونہ
ولا یخشون احداً الا اللہ
ثم قال تعالیٰ فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ
مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا ای لما
طلقہا زید وانقضت عدتہا
وذلک لان الزوجۃ مادامت
فی نکاح الزوج فھی تدفع
حاجتہ وھو محتاج الیہا
فلم یقض منہا الوطر بالکلیۃ
ولم یستغن وکذلک اذا
کانت فی العدۃ لہ بہا تعلق
لامکان شغل الرحم فلم

اور آپ چھپاتے تھے اپنے دل میں
وہ بات جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا
یعنی زینبؓ سے شادی کا ارادہ، اور
آپ لوگوں سے ڈرتے تھے کہ کہیں وہ
یہ نہ کہنے لگیں کہ رسول اللہؐ نے دوسرے
کی بیوی لے لی ہے، یا یوں کہنے لگیں
کہ بیٹے کی بیوی سے شادی کر لی ہے.[1]
اور اللہ اس بات کا زیادہ حقدار ہے
کہ آپؐ اس سے ڈریں، اس کا یہ مطلب
نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
لوگوں سے ڈرتے تھے، اور اللہ سے
نہیں ڈرتے تھے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ
اللہ تعالیٰ ڈرنے کا تنہا مستحق ہے، یہ ایسا
ہی ہے جیسے دوسری جگہ باری تعالیٰ
نے فرمایا: "وہ لوگ جو اللہ کا پیغام
پہنچاتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں،

[1] واضح رہے کہ حضرت زیدؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا منہ بولا بیٹا بنایا ہوا تھا، اور زمانۂ جاہلیت میں یہ رسم تھی کہ منہ بولے بیٹے کی بیوی کو سگے بیٹے کی بیوی کی طرح حرام سمجھا جاتا تھا،

يقض منها بعد وطره وامّا
اذا طلق وانقضت عدتها
استغنى عنها ولم يبق له معها
تعلق فيقضى منها الوطر وهذا
موافق لما فى الشرع لان
التزوج بزوجة الغير او
بمعتدته لا يجوز فلهذا
قال فلمّا قضى وكذلك قوله
لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ
حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ
إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا. اى اذا
طلقوهن وانقضت عدتهن
وفيه اشارة الى ان التزويج
من النبى صلى الله عليه وسلم
لم يكن لقضاء شهوة النبى
صلى الله عليه وسلم بل لبيان
الشريعة بفعله فان الشرع
يستفاد من فعل النبى صلى الله
عليه وسلم وَكَانَ أَمْرُ اللهِ

اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے“
اس کے بعد باری تعالیٰ فرماتے ہیں،
پس جب زید نے اس (زینب) سے
اپنی حاجت پوری کرلی تو ہم نے اس
کی شادی آپ سے کردی، حاجت پوری
کرنے سے مراد یہ ہے کہ جب انھوں نے
اسے طلاق دیدی، اور عدت گذر گئی،
اس لئے کہ جب تک کوئی بیوی کسی کے
نکاح میں رہتی ہے تو وہ مرد کی حاجت
رفع کرتی رہتی ہے، اور شوہر اس کا
ہر وقت محتاج ہوتا ہے، ایسی صورت
میں مرد عورت سے اپنی حاجت ”پوری“
نہیں کرچکا ہوتا ہے، اور نہ اس سے
مستغنی ہوتا ہے، اسی طرح جبتک
عورت عدت میں ہو تو مرد کو اس کے
ساتھ تھوڑا بہت تعلق رہتا ہے،
اس لئے کہ ممکن ہے عورت کا رحم
اس کے حمل سے مشغول ہو، لہٰذا عدت
کے دوران بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ

مَفْعُوْلًا، ای مقضیًا ماقضاہ کائن ثم بین ان تزوجہ علیہ السلام بہا مع انہ کان مبینًا لشرع مشتمل علیٰ فائدۃ کان خالیًا عن المفاسدؒ	مرد اس سے اپنی ضرورت "پوری" کرچکا ہو، اس کے برعکس جب مرد اسے طلاق دیدے اور عدت بھی گذر جائے تو وہ اس سے مستغنی ہوجاتا ہے، اور اس کے ساتھ کوئی تعلق باقی نہیں

رہتا، اس وقت یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس نے اپنی ضرورت "پوری" کرلی، اور یہ بات شریعت کے بالکل موافق ہے، اس لئے کہ دوسرے کی بیوی یا اس مطلقہ سے جو عدت گذار رہی ہو نکاح جائز نہیں، اسی طرح باری تعالیٰ کا ارشاد: تاکہ مسلمانوں کے لئے اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں کوئی تنگی باقی نہ رہے، جبکہ وہ (منہ بولے بیٹے) ان (بیویوں) سے اپنی حاجت پوری کرچکے ہوں، یعنی جب وہ انھیں طلاق دے چکے ہوں اور عدت بھی گذر گئی ہو، اور اس آیت میں یہ بتلادیا گیا کہ حضرت زینبؓ کی شادی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس لئے نہیں کرائی گئی کہ آپؐ کی کسی نفسانی خواہش کو پورا کرنا مقصود تھا، بلکہ اس لئے کرائی گئی کہ ایک شرعی حکم کو آپؐ کے عمل سے واضح کروایا جائے[1]، اس لئے کہ شریعت کے احکام آپؐ کے افعال سے مستنبط ہوتے ہیں، اور اللہ کا حکم ہونے والا تھا، یعنی مقدر تھا، اور جو بات اللہ مقدر کردے وہ ہوکر رہتی ہے، ساتھ ہی یہ بھی بیان کردیا گیا کہ زینبؓ کے

[1] یعنی یہ شرعی حکم کہ منہ بولے بیٹے کی بیوی سے شادی جائز ہے،

ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ایک حکمِ شرعی بیان کرنے کے علاوہ

ایک اور فائدے پر مشتمل تھا اور اس میں کوئی خرابی نہ تھی ۔

اس بیان سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حضرت زینبؓ اپنے کو نسب کی بناء پر اور کفو نہ ہونے کی وجہ سے زیدؓ سے افضل سمجھتی تھیں، اور اسی وجہ سے آپس میں دونوں کی محبت والفت نہ ہوسکی، اور زیدؓ نے ان کو طلاق دینے کا قصد کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس سے منع کیا، مگر آخر کار انھوں نے طلاق دیدی، پھر جب عدت گذر گئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے نکاح کرلیا، محض اس لئے کہ ایک شرعی حکم کو اپنے فعل سے واضح کیا جائے، نہ کہ قضاءِ شہوت کی غرض سے[1]، اور اسی بات کو

---

[1] ہر معمولی سمجھ بوجھ والا انسان سمجھ سکتا ہے کہ شریعت کا جو حکم عام پھیلے ہوئے تصورات کے خلاف ہو اسے صرف زبان سے کہہ دینا کافی نہیں ہوا کرتا، اگر لوگوں کے ذہن میں کسی فعل کی برائی خواہ مخواہ جم کر بیٹھ گئی ہے تو اس کا ذہن سے نکلنا اُس وقت تک بہت مشکل ہو جب تک کہ کوئی ایسا شخص اس فعل کو کرکے نہ دکھلائے جسے وہ ہر لحاظ سے قابلِ اتباع سمجھتے ہیں، اس کی ایک واضح مثال یہ واقعہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب مشرکینِ مکہ سے صلح ہوئی تو عام مسلمانوں کے دل اس پر مطمئن نہ تھے، وہ جوش جہاد اور عمرہ کے شوق سے سرشار ہونے کے باعث کسی طرح اس بات پر آمادہ نہ ہوتے تھے کہ عمرہ کئے بغیر واپس چلے جائیں، یہاں تک کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو یہ حکم دیا کہ وہ سب اپنا سر منڈواکر احرام کھول دیں تو سب نے یہ حکم سُنا، لیکن کوئی شخص احرام کھولنے کے لئے آگے نہ بڑھا، اُس وقت آپؐ تشویش کے عالم میں حضرت اُمّ سلمہؓ کے پاس تشریف لے گئے، اور جاکر انہیں واقعہ بتلایا تو حضرت ام سلمہؓ نے آپؐ کو بڑا نفسیاتی مشورہ دیا اور کہا کہ آپؐ ایسا کیجئے کہ کسی سے کچھ کہنے کی بجائے کسی نمایاں جگہ بیٹھ کر خود حلق فرمائیے، اور احرام کھول دیجئے، چنانچہ آپؐ نے ایسا ہی کیا، اور آپؐ کا احرام کھولنا تھا کہ تمام صحابہؓ نے یکے بعد دیگرے اپنے احرام کھول ڈالے ۔

اللہ کا حکم نازل ہونے سے قبل لوگوں کی عادت کے پیشِ نظر، آپؐ اپنے دل میں مخفی رکھتے تھے اور اس میں کوئی بھی مضائقہ نہیں ہے، جیسا کہ عنقریب (تیسری بات میں) آپ کو معلوم ہونے والا ہے، اس سلسلے میں بیضاوی میں جو روایت نقل کی گئی ہے، وہ محققین اہلِ حدیث کے نزدیک ضعیف اور ناقابلِ قبول ہے، جس کی تصریح محدث شیخ عبدالحق دھلویؒ نے اپنی بعض تصانیف میں کردی ہیں، نیز شرح مواقف میں ہے کہ

"اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ جب آپؐ نے ان کو دیکھا تو فریفتہ ہوگئے تو یہ اس قسم کی چیز ہے جس سے تحفظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا واجب ہے"۔

تیسری بات:

شرعی امور کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ تمام شریعتوں میں یکساں ہوں، یا تمام قوموں کی عادات اور ان کی مرضی کے مطابق ہوں، پہلی بات تو اس لئے کہ باب ۳ میں اس کے متعلق آپ اس قدر معلوم کرچکے ہیں جس پر اضافہ کی گنجائش نہیں ہے، اور اس میں یہ بھی آپ کو معلوم ہوچکا ہے کہ حضرت سارہؓ ابراہیم علیہ السلام کی علاتی بہن تھیں، اور یعقوب علیہ السلام نے اپنی زوجیت میں دو حقیقی بہنوں کو جمع رکھا، اور موسیٰ علیہ السلام کے والد عمران نے اپنی پھوپی سے نکاح کیا، حالانکہ یہ تینوں قسم کی بیویاں شریعتِ موسوی وعیسوی ومحمدی میں حرام ہیں، اور ان سے تعلق رکھنا زنا کی طرح ناجائز ہے، بالخصوص علاتی بہن اور پھوپی سے نکاح کرنا، اور ہندوستان کے مشرکین کے نزدیک اس قسم کی شادی بدترین فعل سے بھی بدتر ہے، جس کی وجہ سے وہ لوگ ایسے نکاح کرنے والوں پر بے انتہا ملامت کرتے، اور ان کا مذاق اڑاتے ہیں، اور ان کی اولاد کو زنا کی شدید قسم کی طرف منسوب

کرتے ہیں، انجیل لوقا باب ۵ آیت ۲۹ میں ہے :

"اور محصول لینے والوں اور اوروں کا جو اُن کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھے تھے بڑا مجمع تھا، اور فریسی اور ان کے فقیہ اس کے شاگردوں سے یہ کہہ کر بڑبڑانے لگے کہ تم کیوں محصول لینے والوں اور گنہگاروں کے ساتھ کھاتے پیتے ہو؟"

پھر آیت ۳۳ میں ہے کہ :

"اور انھوں نے اس سے کہا کہ یوحنا کے شاگرد اکثر روزے رکھتے اور دعائیں کیا کرتے ہیں، اور اسی طرح فریسیوں کے بھی، مگر تیرے شاگرد کھاتے پیتے ہیں"

دیکھئے! یہودیوں کے فریسی فرقے کے سرکردہ لوگ اور فقیہ حضرت عیسیٰؑ کو اس بات پر ملامت کررہے ہیں کہ وہ محصول لینے والوں اور گنہگاروں کے ساتھ کیوں کھاتے پیتے ہیں؟ اور روزے کیوں نہیں رکھتے؟

اور انجیل لوقا باب ۱۵[1] آیت ۱ میں ہے :

"سب محصول لینے والے اور گنہگار اس کے پاس آتے تھے، تاکہ اس کی باتیں سُنیں، اور فریسی اور فقیہ بڑ بڑا کر کہنے لگے کہ یہ آدمی گنہگاروں سے ملتا اور ان کے ساتھ کھانا کھاتا ہے"

یہاں بھی فریسی حضرت عیسیٰؑ کو گنہگاروں کا ہم پیالہ بننے پر ملامت کرتے ہیں، اور کتاب اعمال باب ۱۱ آیت ۲ میں ہے کہ :

"جب پطرس یروشلیم میں آیا تو مختون اس سے یہ بحث کرنے لگے کہ تو نامختونوں کے پاس گیا، اور ان کے ساتھ کھانا کھایا"

اور انجیل مرقس باب ۲ آیت ۱ میں ہے کہ :

[1] اظہار الحق میں ایسا ہی ہے، لیکن موجودہ ترجمہ میں یہ باب آیت ۱ کی عبارت ہے،

"پھر فریسی اور بعض فقیہ اس کے پاس جمع ہوئے، وہ یروشلیم سے آئے تھے، اور انھوں نے دیکھا کہ اس کے بعض شاگرد ناپاک یعنی بن دھوئے ہاتھوں سے کھانا کھاتے ہیں، کیونکہ فریسی اور سب یہودی بزرگوں کی روایت پر قائم رہنے کے سبب جب تک اپنے ہاتھ خوب دھو نہ لیں نہیں کھاتے اور بازار سے آکر جب تک غسل نہ کر لیں نہیں کھاتے، اور بہت سی باتیں ہیں جو قائم رکھنے کے لئے بزرگوں سے ان کو پہنچی ہیں، جیسے پیالوں اور لوٹوں اور تانبے کے برتنوں کو دھونا، پس فریسیوں اور فقیہوں نے اس سے پوچھا، کیا سبب ہے کہ تیرے شاگرد بزرگوں کی روایت پر نہیں چلتے بلکہ ناپاک ہاتھوں سے کھانا کھاتے ہیں" (آیات ۱ تا ۶)

حالانکہ ہندوستان کے مشرک برہمنوں کے یہاں اس معاملہ میں بڑی سختیاں ہیں، ان کے نزدیک تو اگر کوئی ہندو کسی مسلمان یا یہودی یا عیسائی کے ساتھ کھانا کھالے تو اپنے مذہب سے خارج ہو جاتا ہے،

اور متبنیٰ کی بیوی سے طلاق کے بعد نکاح کرنا مشرکین عرب کے نزدیک بہت ہی قبیح اور برا تھا، اور چونکہ زید بن حارثہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متبنیٰ تھے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زینبؓ سے نکاح کرنے میں ابتداءً مشرکین عوام کے طعن کا اندیشہ تھا، مگر جب خدا نے آپ کو اس کا حکم دیا تو آپ نے شریعت کے بیان اور توضیح کے لئے حضرت زینبؓ سے نکاح فرمالیا، اور پھر مشرکین کے طعن و تشنیع کی کوئی پرواہ نہیں کی،

چوتھی بات؛

فرقۂ پروٹسٹنٹ والے معترضین کو نہ تو شرم وحیا ہے، اور نہ وہ اپنی مقدس کتابوں کے اختلافات اور اغلاط واحکام پر نظر ڈالتے ہیں، جن کے نمونے آپ باب ۱ اور فصل نمبر ۲ و ۳ باب ۲ میں دیکھ چکے ہیں، نہ اپنے پیغمبروں کے گناہ اور ان کے قبیلہ اور ساتھیوں کے جرائم کی طرف نگاہ کرتے ہیں، جن کا علم آپ کو اس فصل کے شروع میں ہوچکا ہے، ہم چاہتے ہیں کہ اس مقام پر بھی توریت میں لکھی ہوئی چند چیزیں پیش کریں، اگرچہ ناظرین کو ان میں سے بہت سی باتوں پر پہلے ہی علم حاصل ہوچکا ہے؛

بائبل کی چند اور خلاف عقل باتیں؛

پہلی مثال؛

کتاب پیدائش باب ۳۰ آیت ۳۷ میں ہے:

"اور یعقوب نے سفیدہ اور بادام اور چنار کی ہری ہری چھڑیاں لیں، اور ان کو چھیل چھیل کر اس طرح گنڈے دار بنا لیا کہ ان چھڑیوں کی سفیدی دکھائی دینے لگی، اور اس نے وہ گنڈے دار چھڑیاں بھیڑ بکریوں کے سامنے حوضوں اور نالیوں میں جہاں وہ پانی پینے آتی تھیں کھڑی کر دیں (اور[1]) جب وہ پانی پینے آئیں سو گابھن (ہو گئیں) اور ان چھڑیوں کے آگے گابھن ہونے کی وجہ سے انھوں نے دھاری دار چتلے اور ابلق[2] بچے دیئے، اور یعقوب نے بھیڑ بکریوں

---

[1] اظہار الحق میں یہاں یہ عبارت ہے: "تاکہ جب وہ پانی پینے آئیں تو گابھن ہو جائیں"۔

[2] یعنی چتلے،

کے ان بچوں کو الگ کیا، اور لابن کی بھیڑ بکریوں کے مُنہ دھاری دار اور کالے بچوں کی طرف پھیر دیئے، اور اس نے اپنے ریوڑوں کو جدا کیا، اور لابن کی بھیڑ بکریوں میں ملنے نہ دیا، اور جب مضبوط بھیڑ بکریاں گابھن ہوتی تھیں تو یعقوب چھڑیوں کو نالیوں میں ان کی آنکھوں کے سامنے رکھ دیتا تھا، تاکہ وہ اُن چھڑیوں کے آگے گابھن ہوں، پر جب بھیڑ بکریاں دُبلی ہوتیں تو وہ ان کو وہاں نہیں رکھتا تھا، سو دُبلی تو لابن کی رہیں، اور مضبوط یعقوب کی ہو گئیں، چنانچہ وہ نہایت بڑھتا گیا، اور اس کے پاس بہت سے ریوڑ اور لونڈیاں اور نوکر چاکر اور اونٹ گدھے ہو گئے" (آیات ۳۷ تا ۴۳)

سُنا آپ نے! آج تک تو یہ سُنا جاتا تھا کہ اولاد رنگ و روپ میں عام طور پر اپنے ماں باپ اور آباء واجداد کے مشابہ اور ان کے ہم رنگ ہوتی ہے، یہ بالکل نیا تجربہ ہے کہ سامنے کھڑی ہوئی لکڑیوں کو دیکھنے کا اثر حاملہ جانور کے بچے پر یہ ہو کہ وہ بھی اس کا ہم رنگ ہو جائے، اس کا تو تصور بھی کوئی عاقل نہیں کر سکتا، اور اگر اس اصول کو مان لیا جائے تو لازم آتا ہے کہ موسم ربیع میں پیدا ہونے والے تمام بچے رنگ کے لحاظ سے سبز ہوں،

دُوسری مثال؛

کتاب احبار باب ۱۳ آیت ۴۶[1] میں ہے کہ:

"اور وہ کپڑا بھی جس میں کوڑھ کی بلا ہو خواہ وہ اُون کا ہو یا کتان کا، اور وہ بلا بھی خواہ کتان یا اُون کے کپڑے کے تانے میں یا اس کے بانے میں ہو، یا وہ

[1] موجودہ ترجمہ میں یہ آیت ۴۷ ہے،

چمڑے میں ہو یا چمڑے کی کسی بنی ہوئی چیز میں ہو، اگر وہ بلا کپڑے میں یا چمڑے میں یا کپڑے کے
کے تانے میں یا بانے میں یا چمڑے کی کسی چیز میں سبزی مائل یا سرخی مائل
رنگ کی ہو تو وہ کوڑھ کی بلا ہے، اور کاہن کو دکھائی جائے اور کاہن اس بلا
کو دیکھے، اور اس چیز کو جس میں وہ بلا ہے سات دن تک بند رکھے، اور ساتویں
دن اس کو دیکھے، اگر وہ بلا کپڑے کے تانے میں یا بانے میں یا چمڑے پر یا چمڑے
کی بنی ہوئی کسی چیز پر پھیل گئی ہو تو وہ کھا جانے والا کوڑھ ہو اور ناپاک ہو،
اور اُس اُون یا کتان کے کپڑے کو جس کے تانے میں یا بانے میں وہ بلا ہے
یا چمڑے کی اس چیز کو جس میں وہ بلا ہے، یا چمڑے کی اس چیز کو جس میں وہ
ہو جلا دے، کیونکہ یہ کھا جانے والا کوڑھ ہے، وہ آگ میں جلایا جائے، اور
اگر کاہن دیکھے کہ وہ بلا کپڑے کے تانے میں یا بانے میں یا چمڑے کی کسی چیز
میں پھیلی ہوئی نظر نہیں آتی، تو کاہن حکم کرے کہ اس چیز کو جس میں وہ بلا ہو
دھوئیں اور وہ پھر اسے اور سات دن تک بند رکھے، اور اس بلا کے دھوئے
جانے کے بعد کاہن پھر اسے ملاحظہ کرے، اور اگر دیکھے کہ اس بلا کا رنگ
نہیں بدلا اور وہ پھیلی بھی نہیں ہے تو وہ ناپاک ہے، تو اس کپڑے کو
آگ میں جلا دینا، کیونکہ وہ کھا جانے والی بلا ہے، خواہ اس کا فساد اندرونی
ہو یا بیرونی، اور اگر کاہن دیکھے کہ دھونے کے بعد اس بلا کی چمک کم
ہو گئی ہے تو وہ اُسے اس کپڑے سے یا چمڑے سے، تانے یا بانے سے پھاڑ کر
نکال پھینکے، اور اگر وہ بلا پھر بھی کپڑے کے تانے یا بانے میں یا چمڑے
کی چیز میں دکھائی دے تو وہ پھوٹ کر نکل رہی ہے، بس تو اس چیز کو

جس میں وہ بلا ہے آگ میں جلا دینا، اور اگر اس کپڑے کے تانے یا بانے میں سے یا چمڑے کی چیز میں سے جسے تونے دھویا ہے وہ بلا جاتی رہے، تو وہ چیز دوبارہ دھوئی جائے اور وہ پاک ٹھہرے گی، اُون یا کتان کے تانے یا بانے میں یا چمڑے کی کسی چیز میں اگر کوڑھ کی بلا ہو تو اسے پاک یا ناپاک قرار دینے کے لئے شرع یہی ہے" (آیات ۴۶ تا ۵۸)

غور کیجئے! یہ احکام کہاں تک عقل کے مطابق ہیں؟ سوائے اس کے کہ ان کو اوہام کا نتیجہ قرار دیا جائے، اور کیا کہا جا سکتا ہے، کیا اس قسم کے بیہودہ وساوس کی بنا پر قیمتی کپڑوں اور چمڑوں کا جلانا مناسب ہو سکتا ہے؟

تیسری مثال:

کتاب احبار باب ۱۴ آیت ۳۴ میں ہے:

"جب تم ملکِ کنعان میں جسے میں تمھاری ملکیت کے لئے دیتا ہوں داخل ہو اور میں تمھارے میراثی ملک کے کسی گھر میں کوڑھ کی بلا بھیجوں تو اس گھر کا مالک جاکر کاہن کو خبر دے کہ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس گھر میں کچھ بلا سی ہے، تب کاہن حکم کرے کہ اس سے پیشتر کہ اس بلا کو دیکھنے کے لئے کاہن وہاں جائے لوگ اس گھر کو خالی کریں، تاکہ جو کچھ گھر میں ہو وہ ناپاک نہ ٹھہرایا جائے، اس کے بعد کاہن گھر دیکھنے کو اندر جائے، اور اس بلا کو ملاحظہ کرے اور اگر دیکھے کہ وہ بلا اس گھر کی دیواروں میں سبزی یا سرخی مائل گہری لکیروں کی صورت میں ہے، اور دیوار میں سطح کے اندر نظر آتی ہے تو کاہن گھر سے باہر نکل کر گھر کے دروازے پر جائے، اور گھر کو سات دن کے لئے بند کردے

اور وہ ساتویں دن پھر آکر اُسے دیکھے، اگر وہ بلا گھر کی دیواروں میں پھیلی ہوئی نظر آئے تو کاہن حکم دے کہ ان پتھروں کو جن میں وہ بلا ہے نکال کر انھیں شہر کے باہر کسی ناپاک جگہ میں پھینک دیں، پھر وہ اس گھر کو اندر ہی اندر چاروں طرف سے کُھرچوائے، اور اُس کُھرچی ہوئی مٹی کو شہر کے باہر کسی ناپاک جگہ میں ڈالیں، اور وہ ان پتھروں کی جگہ اور پتھر لیکر لگائیں، اور کاہن تازہ گارے سے اس گھر کی استرکاری کرائے، اور اگر پتھروں کے نکالے جانے اور اس گھر کے کُھرچے اور استرکاری کرائے جانے کے بعد بھی وہ بلا پھر آجائے اور اس گھر میں پھوٹ نکلے تو کاہن اندر جاکر ملاحظہ کرے، اور اگر دیکھے کہ وہ بلا گھر میں پھیل گئی ہے، تو اس گھر میں کھا جانیوالا کوڑھ ہے، وہ ناپاک ہے، تب وہ اس گھر کو اس کے پتھروں اور لکڑیوں اور اس کی ساری مٹی کو گرادے، اور وہ ان کو شہر کے باہر نکال کر کسی ناپاک جگہ میں لیجائے، ماسوا اس کے اگر کوئی اس گھر کے بند کردیئے جانے کے دنوں میں اس کے اندر داخل ہو تو وہ شام تک ناپاک رہے گا، اور جو کوئی اس گھر میں جائے وہ اپنے کپڑے دھو ڈالے، اور جو کوئی اس گھر میں کچھ کھائے وہ بھی اپنے کپڑے دھوئے، اور اگر کاہن اندر جاکر ملاحظہ کرے اور دیکھے کہ گھر کی استرکاری کے بعد وہ بلا اس گھر میں نہیں پھیلی تو وہ اس گھر کو پاک قرار دے، کیونکہ وہ بلا دُور ہوگئی[1]"　　(آیات ۳۴ تا ۴۸)

---

[1] اس کے بعد کی آیتیں اور بھی زیادہ دلچسپ ہیں، ارشاد ہے:
"اور وہ اس گھر کو پاک قرار دینے کے لئے دو پرندے اور دیودار کی لکڑی اور

یہ احکام بھی سراسر اوہام کا نتیجہ اور ضعیف الاعتقادی کا کرشمہ ہیں، کیا بڑی بڑی عالی شان کوٹھیاں اور قیمتی بلڈنگیں محض اس قسم کے لایعنی اور مہمل وساوس کی وجہ سے گرائے جاسکتے ہیں؟ جو مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ کمزور اور بے اصل ہیں، کیا موجودہ زمانے کے یورپ کے عقلاء اور حکماء اس امر کو مان سکتے ہیں کہ کوئی کپڑا یا چمڑا یا مکان برص کی بیماری میں مبتلا ہو اور اس کا جلانا یا گرانا مناسب ہو؟

چوتھی مثال:

اور کتاب احبار باب ۱۵ آیت ۱۲ میں ہے:

"اور مٹی کے جس برتن کو جریان کا مریض چھوئے وہ توڑ ڈالا جائے، پر چوبی[1] برتن پانی سے دھویا جائے۔"

آگے آیت ۱۶ میں ہے:

"اور اگر کسی مرد کی دھات بہتی ہو تو وہ پانی میں نہائے اور شام تک ناپاک رہے۔"

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) سرخ کپڑا اور زوفا لے، اور وہ ان پرندوں میں سے ایک کو مٹی کے کسی برتن میں بہتے ہوئے پانی پر ذبح کرے، پھر وہ دیودار کی لکڑی اور زوفا اور سرخ کپڑے اور اس زندہ پرندے کو لے کر ان کو اس ذبح کئے ہوئے پرندے کے خون میں اور اس بہتے ہوئے پانی میں غوطہ دے اور سات بار اس گھر پر چھڑکے اور وہ اس پرندے کے خون سے اور بہتے ہوئے پانی اور زندہ پرندے اور دیودار کی لکڑی اور زوفا اور سرخ کپڑے سے اس گھر کو پاک کرے اور اس زندہ پرندے کو شہر کے باہر کھلے میدان میں چھوڑ دے، یوں وہ گھر کے لئے کفارہ دے تو وہ پاک ٹھہریگا" (احبار ۱۴ : ۴۹ تا ۵۳)

[1] اظہار الحق میں "چوبی" کے ساتھ "تانبے" کا بھی تذکرہ ہے، مگر موجودہ ترجمہ میں یہ الفاظ موجود نہیں ہیں۔

اور آیت ۲۳ میں ہے:

"اور اگر اس کا خون اس کے بستر پر یا جس چیز پر وہ بیٹھی ہو اس پر لگا ہوا ہو اور اُس وقت کوئی اس چیز کو چھوئے تو وہ شام تک ناپاک رہے، اور اگر مرد اس کے ساتھ صحبت کرے اور اس کے حیض کا خون اسے لگ جائے تو وہ سات دن تک ناپاک رہے گا، اور ہر ایک بستر جس پر وہ مرد سوئے گا ناپاک ہوگا" (آیات ۲۳ و ۲۴)

غور کیجئے پہلی صورت میں مٹی کے برتن کے توڑنے کا حکم سراسر اضاعتِ مال کا سبب ہے، اور یہ بات بھی سمجھ میں نہیں آتی کہ اس کو ہاتھ لگا دینے سے کوئی چیز اس کے اندر کس طرح داخل ہوگئی؟ اور بالفرض اگر اس میں نجاست اثر کر گئی، تو اس کو پانی سے دھونے کے حکم پر اکتفاء کیوں نہ کیا گیا؟ جس طرح لکڑی اور تانبے کا حکم ہے، دوسرے حکم میں یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ رات تک ناپاک رہے گا، جبکہ سارے بدن کو پانی سے دھو لیا گیا، تیسرے حکم میں بھی اشکال ہے، اس لئے کہ بظاہر چھونے والے کے جسم میں اس کپڑے کو ہاتھ لگانے سے جس پر کوئی حائضہ بیٹھ گئی کوئی چیز کیسے گھس گئی، اور اگر بالفرض گھس گئی تو کپڑوں اور تمام جسم کو دھو لینے کے باوجود اس کے رات تک ناپاک رہنے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟ اور یہ بات حیرت انگیز ہے کہ اگر کوئی شخص بیوی سے صحبت کرے یا احتلام ہو جانے کی وجہ سے جُنبی ہو جائے تو اس پر کپڑوں کا دھونا واجب نہ ہو، بلکہ محض بدن کا دھونا کافی ہو سکتا ہو، اور یہاں محض کپڑوں کو ہاتھ لگانے کے نتیجہ میں اپنے تمام کپڑے ناپاک ہو جائیں، اور چوتھا حکم تو پچھلے تینوں حکموں سے زیادہ

تعجب انگیز ہے، کیونکہ ایک شخص محض حیض کی چیز لگ جانے کی وجہ سے خود حائضہ کے حکم میں ہو جائے، اور جس طرح وہ ایک ہفتہ تک ناپاک رہتی ہے یہ شخص بھی پورا ایک ہفتہ ناپاک رہے، نیز حائضہ اور مستحاضہ کے سلسلے میں ان کے یہاں جو عجیب وغریب سختیاں ہیں ان کا ذکر بھی اسی باب میں موجود ہے،

ان احکام کے پیش نظر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس وقت دنیا میں عیسائیوں سے زیادہ ناپاک اور گندی قوم کوئی دوسری نہیں ہوگی، کیونکہ یہ لوگ اپنے یہاں کی پاکی کے احکام کو قطعاً نظر انداز کئے ہوئے ہیں، اور کوئی عیسائی ان کا قطعی لحاظ نہیں رکھتا،

پانچویں مثال؛

کتاب احبار باب ۱۶ آیت ۷ میں ہے :

"پھر اس[1] دونوں بکروں کو لے کر ان کو خیمۂ اجتماع کے دروازے پر خداوند کے حضور کھڑا کرے، اور ہارون[2] ان دونوں بکریوں پر چٹھیاں ڈالے، ایک چٹھی خداوند کے لئے اور دوسری (عزازیل[3]) کے لئے ہو، اور جس بکرے پر خداوند کے نام کی چٹھی نکلے اسے ہارون لے کر خطا کی قربانی کے لئے چڑھائے، لیکن جس بکرے پر (عزازیل[4]) کے نام کی چٹھی نکلے وہ خداوند کے حضور زندہ کھڑا کیا جائے، تاکہ اس سے کفارہ دیا جائے، اور وہ (عزازیل[5]) کے لئے بیابان میں چھوڑ دیا جائے"

---

[1] ان آیتوں میں کسی گناہ کی تلافی کے لئے قربانی کا طریقہ بیان کیا جا رہا ہے،

[2] یہ موجودہ ترجمے کی عبارت ہے، اظہار الحق میں یہ جملہ اس طرح منقول ہے: "اور ان دونوں بکریوں پر قرعے ڈالے جائیں"۔ اس جملے میں ہارون علیہ السلام کا ذکر نہیں ہے،

[3] [4] [5] تینوں مقامات پر اظہار الحق میں عزازیل کی جگہ عزرائیل کا لفظ لکھا ہے،

یہ حکم بھی عجیب و غریب ہے اور بکری کو عزرائیل[1] کے لئے قربانی بنا کر جنگل میں چھوڑ دینے کا مطلب قطعی سمجھ میں نہیں آتا، یقیناً یہ غیر اللہ کے لئے قربانی ہوئی، ہم نے ہندوستان کے مشرکین کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے بتوں کے نام پر بیلوں کو چھوڑ دیا کرتے ہیں، مگر وہ لوگ ان بیلوں کو بازاروں میں چھوڑتے ہیں، نہ کہ جنگل میں، تاکہ بھوکے پیاسے نہ مرجائیں،

چھٹی مثال،

کتاب استثناء باب ۲۵ آیت ۵ میں ہے،

"اگر کئی بھائی مل کر ساتھ رہتے ہوں، اور ایک ان میں سے بے اولاد مرجائے تو اس مرحوم کی بیوی کسی اجنبی سے بیاہ نہ کرے، بلکہ اس کے شوہر کا بھائی اس کے پاس جا کر (اپنے بھائی کی کھیتی کو قائم کرے[2]) اور اس عورت کا جو پہلا بچہ ہو وہ اس آدمی کے مرحوم بھائی کے نام کا کہلائے، تاکہ اس کا نام اسرائیل میں سے مٹ نہ جائے،

اور اگر وہ آدمی اپنی بھاوج سے بیاہ نہ کرنا چاہے تو اس کی بھاوج پھاٹک پر بزرگوں کے پاس جائے اور کہے میرا دیور اسرائیل میں اپنے بھائی کا نام بحال رکھنے سے انکار کرتا ہے، اور میرے ساتھ دیور کا حق ادا کرنا

---

[1] عزرائیل نہیں، موجودہ تراجم کے مطابق "عزازیل کے نام پر"۔ واضح رہے کہ عزازیل ابلیس کا نام ہے،

[2] یہ "اظہار الحق" میں نقل شدہ عبارت کا ترجمہ ہے، موجودہ اردو ترجمے میں اس کی جگہ یہ جملہ ہے: "اسے بیوی بنالے اور شوہر کے بھائی کا جو حق ہے وہ اس کے ساتھ ادا کرے"۔

نہیں چاہتا، تب اس شہر کے بزرگ اس آدمی کو بلا کر اسے سمجھائیں، اور اگر وہ
اپنی بات پر قائم رہے اور کہے کہ مجھ کو اس سے بیاہ کرنا منظور نہیں تو اس کی
بھاوج بزرگوں کے سامنے اس کے پاس جا کر اُس کے پاؤں سے جوتی اُتارے
اور اس کے مُنہ پر تھوک دے، اور یہ کہے کہ جو آدمی اپنے بھائی کا گھر آباد نہ کرے
اس سے ایسا ہی کیا جائے گا، تب اسرائیلیوں میں اس کا نام یہ پڑ جائے گا کہ
یہ اس شخص کا گھر ہے جس کی جوتی اُتاری گئی تھی" (آیات ۵ تا ۱۰)

یہ حکم بھی نہایت عجیب ہے، کیونکہ مرنے والے کی بیوی ممکن ہے اندھی ہو، یا
کانی ہو، یا لنگڑی ہو، یا بدصورت اور بدشکل ہو، یا پاکدامن نہ ہو، یا اور کسی عیب میں
ملوث ہو تو ایسی عورت کو کوئی کیسے قبول کرسکتا ہے؟ اور یہ بھائی کی کھیتی کی نگرانی
اور دیکھ بھال بھی عجیب ہے، اور اس سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ علماء پروٹسٹنٹ
نے اس حکم کو قطعی چھوڑ دیا، اور یہ فیصلہ کیا کہ "کسی شخص کو اپنے بھائی کی بیوی سے
نکاح کرنا جائز نہیں" جس کی تصریح کتاب الصلاۃ العامۃ، مطبوعہ سنہ ۱۸۴۰ء
کے قرابت و نسب کے باب میں جو انگلستان اور آئرلینڈ کے موجود کنیسہ کے
قوانین اور دینی طریقوں میں سے ہے، حالانکہ محرمات کا بیان انجیل میں قطعی
نہیں پایا جاتا، اور عیسائیوں نے جو کچھ بھی لیا ہے وہ توریت سے لیا ہے،

پانچویں بات:

متشدد آدمی بالخصوص جبکہ اس کا بڑا مقصد ظلم و جور ہو وہ اس قسم کے اعتراضات
مسیحؑ اور ان کے حواریوں پر بھی کرسکتا ہے، انجیل لوقا باب ۷ آیت ۳۳ میں یوں ہے کہ:
"یوحنا بپتسمہ دینے والا نہ تو روٹی کھاتا ہوا آیا، نہ مے پیتا ہوا، اور تم کہتے ہو کہ

اس میں بدروح ہے، ابن آدم کھاتا پیتا آیا، اور تم کہتے ہو کہ دیکھو، کھاؤ، اور شرابی آدمی، محصول لینے والوں اور گنہگاروں کا یار، ....

.... پھر کسی فریسی نے اس سے درخواست کی کہ میرے ساتھ کھانا کھا، پس وہ اس فریسی کے گھر جاکر کھانا کھانے بیٹھا، تو دیکھو ایک بدچلن عورت جو اس شہر کی تھی، یہ جان کر کہ وہ اس فریسی کے گھر میں کھانا کھانے بیٹھا ہے سنگ مرمر کے عطردان میں عطر لائی، اور اس کے پاؤں کے پاس روتی ہوئی پیچھے کھڑی ہوکر اس کے پاؤں آنسوؤں سے بھگونے لگی اور اپنے سر کے بالوں سے ان کو پونچھا، اور اس کے پاؤں بہت چومے، اور ان پر عطر ڈالا، اس کی دعوت کرنے والا... فریسی یہ دیکھ کر اپنے جی میں کہنے لگا کہ اگر یہ شخص نبی ہوتا تو جانتا کہ جو اسے چھوتی ہے وہ کون اور کیسی عورت ہے، کیونکہ بدچلن ہے "

(آیات ۳۳ تا ۳۹)

آگے آیت ۴۴ میں ہے:

" اور اس عورت کی طرف پھر کر اس نے شمعون سے کہا کیا تو اس عورت کو دیکھتا ہے، میں تیرے گھر میں آیا، تو نے میرے پاؤں دھونے کو پانی نہ دیا مگر اس نے میرے پاؤں آنسوؤں سے بھگو دیئے، اور اپنے بالوں سے پونچھے تو نے مجھ کو بوسہ نہ دیا، مگر اس نے جب سے میں آیا ہوں میرے پاؤں چومنا نہ چھوڑا، تو نے میرے سر میں تیل نہ ڈالا، مگر اس نے میرے پاؤں پر عطر ڈالا ہے اسی لئے میں تجھ سے کہتا ہوں کہ اس کے گناہ جو بہت تھے معاف ہوئے کیونکہ اس نے بہت محبت کی، مگر جس کے تھوڑے گناہ معاف ہوئے

وہ تھوڑی محبت کرتا ہے، اور اس عورت سے کہا تیرے گناہ معاف ہوئے؛ اس پر وہ جو اس کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھے تھے اپنے جی میں کہنے لگے کہ یہ کون ہے جو گناہ بھی معاف کرتا ہے؟ مگر اس نے عورت سے کہا تیرے ایمان نے تجھے بچالیا ہے، سلامت چلی جا" (آیات ۴۴ تا ۵۰)

اور انجیل یوحنا باب ۱۱ آیت ۱ میں ہے کہ:

"مریم اور اس کی بہن مرتھا کے گاؤں بیت عنیاہ کا لعزر م ایک آدمی بیمار تھا، یہ وہی مریم تھی جس نے خداوند پر عطر ڈال کر اپنے بالوں سے اس کے پاؤں پونچھے، اسی کا بھائی لعزر بیمار تھا،........ اور لیسوع مرتھا اور اس کی بہن اور لعزر سے محبت رکھتا تھا" (آیت ۱ تا ۵)

اس سے معلوم ہوا کہ وہ مریم جس سے حضرت مسیحؑ کو محبت تھی، اسی نے حضرت مسیحؑ کے پاؤں کو پونچھا تھا، اور انجیل یوحنا باب ۱۳ آیت ۲۱ میں ہے:

"یہ باتیں کہہ کر لیسوع اپنے دل میں گھبرایا، اور یہ گواہی دی کہ میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ تم میں سے ایک شخص مجھے پکڑوائے گا، شاگرد شبہ کر کے کہ وہ کس کی نسبت کہتا ہے، ایک دوسرے کو دیکھنے لگے، اس کے شاگردوں میں سے ایک شخص جس سے لیسوع محبت رکھتا تھا، لیسوع کے سینہ کی طرف جھکا ہوا کھانا کھانے بیٹھا تھا، پس شمعون پطرس نے اس سے اشارہ کر کے کہا کہ بتا تو وہ کس کی نسبت کہتا ہے؟ اس نے اسی طرح لیسوع کی چھاتی کا سہارا لیکر کہا کہ اے خداوند! وہ کون ہے؟"

(آیات ۲۱ تا ۲۵)

اور اسی شاگرد[1] کے بارے میں باب ۱۹ آیت ۲۶ اور باب ۲۰ آیت ۲ و باب ۲۱ آیت ۷، و ۲۰ میں لکھا ہے کہ :

"جس سے یسوع محبت رکھتا تھا"

اور انجیل لوقا باب ۸ آیت ۱ میں ہے :

"تھوڑے عرصہ کے بعد یوں ہوا کہ وہ منادی کرتا اور خدا کی بادشاہی کی خوشخبری سناتا ہوا شہر شہر اور گاؤں گاؤں پھرنے لگا، اور وہ بارہ اس کے ساتھ تھے، اور بعض عورتیں جنھوں نے بُری روحوں اور بیماریوں سے شفاء پائی تھیں یعنی مریم جو مگدلینی کہلاتی تھی جس میں سے سات بدروحیں نکلی تھیں اور یوّنہ ہیرودیس کے دیوان خوزہ کی بیوی اور سوسناہ اور بہتیری اور عورتیں بھی تھیں جو اپنے مال سے ان کی خدمت کرتی تھیں" (آیات ۱ تا ۳)

اور ظاہر ہو کہ شراب ام الخبائث اور خدا کے نزدیک قبیح اور گمراہی اور کفر و ہلاکت کا سبب ہے، جس کا پینا متقیوں کے لئے ہرگز مناسب نہیں ہے، عقل و خرد کو برباد کر دینا اس کے لازمی خواص میں سے ہے، خواہ نبی ہو یا کوئی دوسرا، اسی لئے جب ہارونؑ اور ان کی اولاد نے خیمۂ اجتماع میں خدمت کے لئے داخل ہونا چاہا تو خدا نے ان کے لئے اس کو حرام کر دیا تھا، اور اس کو موت کا سبب قرار دیا، اور اس کی حرمت کو دائمی اور ابدی عہد ان کے لئے بنا دیا، کتاب احبار باب ۱۰ آیت ۸ میں ہے کہ :

"اور خداوند نے ہارونؑ سے کہا کہ تُو... یا تیرے بیٹے مَے یا شراب پی کر

---

[1] یہ شاگرد خود یوحنا ہیں جیسا کہ یوحنا باب ۲۱ کی آخری آیات سے معلوم ہوتا ہے،

کبھی خیمۂ اجتماع کے اندر داخل نہ ہونا، تاکہ تم مر نہ جاؤ، یہ تمھارے لئے نسل در نسل ہمیشہ تک ایک قانون رہے گا"

اور اسی وجہ سے خدا نے منوحہ کی بیوی کو حالتِ حمل میں شراب نوشی اور ہر نشہ آور چیز سے منع کیا تھا، تاکہ اس کا بچہ متقی ہو، اور مسکرات کی گندگی اُس متقی لڑکے میں اثر نہ کرے، اور اس سلسلے میں اس کے خاوند کو بھی سخت تاکید کی تھی، کتاب قضاۃ باب ۱۳ آیت ۴ میں ہے کہ:

"سو خبردار! مے یا نشہ کی چیز نہ پینا، اور نہ کوئی ناپاک چیز کھانا"

اور آیت ۱۳ میں ہے:

"خداوند کے فرشتہ نے منوحہ سے کہا اُن سب چیزوں سے جن کا ذکر میں نے اس عورت سے کیا یہ پرہیز کرے، وہ ایسی کوئی چیز جو تاک سے پیدا ہوتی ہے نہ کھائے اور مے یا نشہ کی چیز نہ پیئے اور نہ کوئی ناپاک چیز کھائے اور جو کچھ میں نے اسے حکم دیا یہ اُسے مانے"

اور اسی لئے جب خدا کے فرشتہ نے زکریا کو یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش کی خوشخبری دی تھی تو یحییٰ کے تقویٰ کا حال یوں بیان کیا تھا کہ وہ نہ شراب پیے گا اور نہ کوئی دوسری نشہ والی چیز انجیل لوقا باب آیت ۱۵ میں ہے کہ:

"کیونکہ وہ خدا کے حضور میں بزرگ ہوگا اور ہرگز نہ مے نہ کوئی اور شراب پیے گا"

اور اسی لئے اشعیاء علیہ السلام نے شراب اور نشہ پینے والوں کی مذمت کی ہے، اور شہادت دی ہے کہ انبیاء اور کاہن شراب پینے کی بدولت گمراہ ہوگئے،

کتاب اشعیاہ باب۵ آیت ۲۲ میں ہے کہ:

"ان پر افسوس جو مے پینے میں زورآور اور شراب ملانے میں پہلوان ہیں"

اور اسی کتاب کے باب۲۸ آیت ۷ میں ہے کہ:

"لیکن یہ بھی مے خواری سے ڈگمگاتے اور نشہ میں لڑکھڑاتے ہیں، کاہن اور نبی بھی نشہ میں چور اور مے میں غرق ہیں، وہ نشہ میں جھومتے ہیں، وہ رؤیا میں خطا کرتے اور عدالت میں لغزش کھاتے ہیں"

اس فصل کے شروع میں آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ نوح علیہ السلام نے شراب پی، اور ان کے ہوش وحواس جاتے رہے، اور اس حالت میں برہنہ بھی ہو گئے، اور لوط علیہ السلام نے شراب پی، اور وہ بھی ہوش وحواس کھو بیٹھے، اور اس حالت میں اپنی دونوں بیٹیوں کے ساتھ وہ شرمناک حرکت کی، جو کبھی کسی شرابی اور کمینہ انسان نے بھی نہ کی ہوگی، انجیل یوحنا باب ۱۳ آیت ۴ میں ہے کہ:

"دسترخوان سے اُٹھ کر کپڑے اتار دیے، اور رومال لے کر اپنی کمر میں باندھا، اس کے بعد برتن میں پانی ڈال کر شاگردوں کے پاؤں دھونے اور جو رومال کمر میں بندھا تھا اس سے پونچھنے شروع کئے"

اس موقع پر ہمارے ظریف وخوش طبع بزرگ نے الزاماً کہا: "یہ بات شبہ میں ڈالتی ہے کہ اس وقت عیسیٰ علیہ السلام پر شراب اپنا پورا تسلط کئے ہوئے تھی، یہاں تک کہ ان کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ میں کیا کر رہا ہوں، اور کیا کرنا چاہئے، کیونکہ پاؤں دھونے کے لئے بھلا کپڑے اتارنے کی کیا ضرورت ہے؟ حضرت سلیمان علیہ السلام نے شراب کی مذمت میں اپنی کتاب کتاب امثال باب۲۳ میں فرمایا ہے کہ:

"جب مے لال لال ہو، جب اس کا عکس جام پر پڑے، اور جب وہ روانی کے ساتھ نیچے اُترے تو اس پر نظر نہ کر، کیونکہ انجام کار وہ سانپ کی طرح کاٹتی اور افعی کی طرح ڈس جاتی ہے۔"

اور اسی طرح نوجوان اجنبی لڑکیوں کا نوجوان مردوں کے ساتھ اختلاط تو بہت ہی خطرناک اور آفت ہے، اور اس حالت میں پاک دامنی کی توقع بہت مشکل ہے، بالخصوص جبکہ وہ مرد نوجوان، غیر شادی شدہ اور شرابی بھی ہو، اور عورت فاحشہ اور محبوبہ بھی ہو، اور ہر وقت اس کے آگے گھومتی پھرتی ہو، اور اپنی جان و مال سے اس کی خدمت کرتی ہو، داؤد علیہ السلام کی مثال سامنے رکھئے کہ محض ایک اُڑتی ہوئی نگاہ ایک اجنبی عورت پر پڑ جانے کا کیسا خطرناک انجام ہوا، حالانکہ ان کے پاس کافی بیویاں تھیں، اور ان کی عمر بھی اُس وقت پچاس سے زیادہ ہو چکی تھی، اسی طرح سلیمان علیہ السلام کا حال بھی پیشِ نظر رکھئے کہ ان کو عورتوں نے کس حد تک مغلوب کر دیا تھا، کہ نبی اور عہدِ جوانی میں نیک و صالح ہونے کے باوجود بڑھاپے میں ان عورتوں نے ان کو مرتد اور بت پرست تک بنا ڈالا، اور جب ان کو اپنے ماں باپ اور بھائی بہن (یعنی امنون و تمر)، اور اپنے بزرگوں رذیل و بیہودہ کے حالات سے پے در پے تجربات حاصل ہوئے، اور خاص طور پر اپنا تجربہ پیش آیا تب انھوں نے اس معاملہ میں سختی اور تشدد کا فی کیا کتاب امثال باب ۵ میں ہے کہ:

"(تو عورت)[1] کے مکر پر کان مت دھر، کیونکہ بیگانہ عورت کے ہونٹوں سے

[1] موجودہ اردو اور انگریزی تراجم میں یہ جملہ موجود نہیں ہے، البتہ کیتھولک بائبل میں یہ جملہ اب تک موجود ہے:

شہد ٹپکتا ہے، اور اس کا منہ تیل سے زیادہ چکنا ہے، پر اس کا انجام ناگدونے کی مانند تلخ اور دو دھاری تلوار کی مانند تیز ہے، اس کے پاؤں موت کی طرف جاتے ہیں، اس کے قدم پاتال تک پہنچتے ہیں، سو اسے زندگی کا ہموار راستہ نہیں ملتا، اس کی راہیں بے ٹھکانہ ہیں، پر وہ بے خبر ہے، اس لئے اے میرے بیٹو میری سنو اور میرے منہ کی باتوں سے برگشتہ نہ ہو، اس عورت سے اپنی راہ دور رکھ اور اس کے گھر کے دروازے کے پاس بھی نہ جا "

(آیات ۳ تا ۸)

پھر آیت ۲۰ میں ہے کہ:

"اے میرے بیٹے! تجھے بیگانہ عورت کیوں فریفتہ کرے؟ اور تو غیر عورت سے کیوں ہم آغوش ہو؟"

اور باب ۶ آیت ۲۴ میں ہے کہ:

"تاکہ تجھ کو بری عورت سے بچائے، یعنی بیگانہ عورت کی زبان کی چاپلوسی سے، تو اپنے دل میں اس کے حسن پر عاشق نہ ہو، اور وہ تجھ کو اپنی پلکوں سے شکار نہ کرے، (کیونکہ چھنال کے سبب سے آدمی ٹکڑے کا محتاج ہو جاتا ہے[1]) اور زانیہ قیمتی جان کا شکار کرتی ہے، کیا ممکن ہے کہ آدمی اپنے سینہ میں آگ رکھے اور اس کے کپڑے نہ جلیں؟ یا کوئی انگاروں پر چلے اور اس کے پاؤں نہ جھلسیں، اور وہ بھی ایسا ہے جو اپنے پڑوسی کی بیوی کے پاس جاتا ہے

[1] یہ موجودہ اردو اور انگریزی ترجموں کی عبارت ہے، اظہار الحق میں اس کی جگہ یہ جملہ لکھا ہے: زانیہ کی قیمت روٹی کا ایک ٹکڑا ہے، کیتھولک بائبل میں بھی یہی جملہ موجود ہے،

جو کوئی اسے چھوئے بے سزا نہ رہے گا" (آیات ۲۴ تا ۲۹)

پھر باب آیت ۲۴ میں ہے:

"سو اب اے بیٹو! ... میری سنو! اور میرے مُنہ کی باتوں پر توجہ کرو تیرا دل اس کی راہوں کی طرف مائل نہ ہو، تُو اس کے راستوں میں گمراہ نہ ہونا، کیونکہ اس نے بہتوں کو زخمی کر کے گرا دیا ہے، بلکہ اس کے مقتول بے شمار ہیں، اس کا گھر پاتال کا راستہ ہے، اور موت کی کوٹھریوں کو جاتا ہے" (آیات ۲۴ تا ۲۷)

آگے باب ۲۳ آیت ۳۳ میں ہے:

"تیری آنکھیں عجیب چیزیں دیکھیں گی، اور تیرے مُنہ سے اُلٹی سیدھی باتیں نکلیں گی. بلکہ تو اس کی مانند ہوگا جو سمندر کے درمیان لیٹ جائے، یا اس کی مانند جو مستول کے سر پر سو رہے"

اسی طرح بے ریش لڑکوں کا اختلاط بڑا خطرناک ہے، بلکہ عورتوں کے اختلاط سے بھی زیادہ خطرناک اور قبیح ہے، جس کی شہادت تجربہ کار لوگوں نے دی ہے، اس کے بعد آپ غور کریں کہ عیسیٰ علیہ السلام جبکہ شراب نوشی میں حدِ اعتدال سے اس قدر آگے نکلے ہوئے تھے کہ خود ان کے معاصرین ان کی نسبت یہ الفاظ کہتے ہیں کہ بہت کھانے والا اور بے انتہا شرابی ہے، پھر آپ کنوارے نیز نوجوان بھی تھے، پھر جب مریمؔ آپ کے قدموں کو اپنے آنسوؤں سے دھوتی ہے، اور جس وقت سے آپ کے پاس آتی ہے برابر آپ کو بوسے دیتی اور چومتی رہتی ہے، اور آپ کے پاؤں کو اپنے سر کے بالوں سے صاف کرتی جاتی ہے، بالخصوص اس حالت میں کہ وہ اس زمانہ میں مشہور فاحشہ اور رنڈی تھی، ایسی حالت میں عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے

بزرگوں یہوداہ، داؤدؑ، سلیمانؑ کے واقعات کو کیسے فراموش کر دیا؟ اور سلیمانؑ کی مذکورہ نصیحتیں کیسے بھول گئے؟ اور کس طرح انھوں نے یہ بات نہ سمجھی کہ عورت کی قیمت تو محض ایک روٹی ہے، اور اس کو ہاتھ لگانے کے بعد بچنا ممکن نہیں ہے، جس طرح بغل میں آگ ہوتے ہوئے کپڑوں کا نہ جلنا غیر ممکن ہے، یا آگ کے انگاروں پر چلنے کے باوجود پاؤں کا نہ جلنا ناممکن ہو، تو پھر آپ نے اس عورت کو ان حرکات کی اجازت کیسے دیدی؟ یہاں تک کہ فریسی کو اعتراض کرنے کی نوبت آئی، اور کیونکر مانا جاسکتا ہے کہ یہ سب کام مقتضائے شہوت کے مطابق نہیں ہو رہے تھے؟ اور ان حرکات کے باوجود آپ نے اس کے گناہ کو کس طرح بخش دیا؟ کیا اس قسم کے افعال و حرکات خدائے پاک و عادل کی شان کے لائق ہو سکتے ہیں؟

اسی بناء پر وہی ظریف بزرگ فرماتے ہیں کہ:

"اس زمانے میں حرام کاری اور زناکاری جائز تھی تو کیا آج کوئی شریف عیسائی اگر اپنے کسی دوست کے یہاں مہمان ہو تو وہ بھرے مجمع میں کسی فاحشہ رنڈی کو اس بات کی اجازت دینے کے لئے تیار ہوگا کہ وہ اس کے پاؤں دھوئے حالانکہ اس سے قبل اس فاحشہ کا اپنے افعال و حرکات سے توبہ کرنا ثابت نہیں"

ادھر مسیحؑ، مریمؑ سے بیحد محبت کرتے اور اپنے بارہ شاگردوں کے ساتھ دورہ کیا کرتے تھے، جن کے ہمراہ بہت سی عورتیں بھی رہتی تھیں، جو اُن کی اپنے اموال سے خدمت کرتیں، ایسی حالت میں تصور نہیں کیا جاسکتا کہ ان کے پاؤں صحیح راستہ سے نہ ڈگمگائے ہوں، اور اس قدر شدید ملاپ اور اختلاط کے باوجود وہ ناشائستہ حرکت سے بچے رہی ہوں، اس کے برعکس اُن کے پھسل جانے کے

امکانات اسی طرح ہیں جس طرح روبن کے پاؤں کو لغزش ہوئی، اور اس نے اپنی سوتیلی ماں سے زنا کرلیا، اسی طرح یہوداہ کے قدم کو لغزش ہوئی، اور اس نے اپنے بیٹے کی بیوی سے زنا کیا، اور داؤدؑ کے پاؤں ڈگمگائے تو اوریا کی بیوی سے زنا کیا، امنون کے قدم لڑکھڑائے تو اپنی بہن سے زنا کیا، اسی لئے وہی ظریف بزرگ فرماتے ہیں کہ:

"اس سے زیادہ عجیب وغریب وہ واقعہ ہے جو لوقا بیان کرتا ہے[1]، کہ عیسیٰؑ مع اپنے شاگردوں کے دیہات میں دورہ کرتے اور ان کے ساتھ عورتیں ہوتیں جن میں مریم نامی مشہور زانیہ اور حرام کار عورت بھی تھی، یہ بات بھی معلوم ہے کہ مشرقی ملکوں میں بالخصوص دیہات میں ہر شخص کے لئے یہ بات ممکن نہیں ہوتی کہ وہ کسی خاص مقام پر اکیلا سوئے، تو لازمی بات ہے کہ یہ اولیاء بھی ان ولیات کے ساتھ سوتے ہوں گے"

اور حواریوں کی لغزش کا احتمال زیادہ قوی ہے، کیونکہ علماء نصاریٰ کے فیصلہ کے مطابق حواری حضرات عروجِ علیٰؑ سے قبل کامل الایمان نہیں تھے، اس لئے ان کے حق میں زناکاری سے محفوظ رہنا کوئی ضروری نہیں،

کیتھولک پادریوں کی شرمناک حرکات،

اور یہ بات کون نہیں دیکھتا کہ کیتھولک فرقے کے بشپ اور ڈیکن صاحبان شادی نہیں کرتے، اور اس چیز کی وجہ سے پاک دامنی کا دعویٰ کرتے ہیں، حالانکہ اس پردے میں وہ حیا سوز

---

[1] لوقا ۸: ۱ مراد ہے، جس کی عبارت پیچھے ص ۱۷۰۵ جلد ہذا پر گذر چکی ہے۔

اور شرمناک حرکتیں کرتے ہیں جو دنیا دار فاسق بھی نہیں کر سکتا، یہاں تک کہ ان کے گرجے زنا اور حرام کاری کے اڈے اور چکلے بنے ہوتے ہیں، کتاب الثلاث عشرہ رسالہ کے رسالہ نمبر ۲ ص ۱۴۴ اور ص ۱۴۵ پر ہے کہ:

"قدیس برنو دوس[1] کہتا ہے کہ: (۱) وعظ نمبر ۶۶ غزل الغزلات عیسائیوں نے گرجوں سے عزت والی شادی اڑا دی، جس میں کوئی گندگی نہ تھی، اور ان کو لڑکوں، ماؤں اور بہنوں کے ساتھ زنا کاری سے بھر دیا، بلکہ ہر نوع کی گندگی سے، اور فاردوس بیلاجوس[1] جو ۱۳۰۰ء میں پرتگالی شہروں کا پادری تھا، کہتا ہے کہ کاش اہل کلیسا پاک دامنی کی نذر نہ مانتے، اور علحدگی کی منت نہ مانتے، بالخصوص اسبانیا کے اہل کلیسا، کیونکہ رعیت کی اولاد کاہنوں کی اولاد سے کچھ ہی زیادہ ہے، اور پادری جان سالٹز برگ[1] پندرہویں صدی میں لکھتا ہے کہ میں نے بہت کم ایسے پادری پائے جو عورتوں کے ساتھ بہت سی نجاست کے عادی نہ ہوں، اور راہب عورتوں کے قیام گاہ زنا کے مخصوص اڈوں کی طرح ملوث ہیں"

عیسائیوں کے اسلاف اور بزرگوں کی یہ شہادتیں ان پادریوں کے دعوئ عصمت کو چاک چاک کرنے کے لئے کافی ہیں، ہم کو اس پر مزید تبصرہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، اس لئے ہم ان کا ذکر چھوڑتے ہیں، ہمارے نزدیک ان عصمت

---

[1] Saint Bernard John Saltzburg Bishop Peleage Belagius

[2] اظہار الحق میں یہ عبارت اسی طرح ہے، ہم اس کا مطلب نہیں سمجھ سکے، اظہار الحق کے انگریزی ترجمہ میں کتاب الثلاث عشرہ رسالہ کا یہ پورا اقتباس ہی موجود نہیں ہے،

کے دعویداروں اور پاکدامنی کے جھوٹے مدّعیوں کا حال ہندو جوگیوں کی طرح ہے۔ جو اسی طرح عصمت وعفت کے مدعی ہیں، اور شادی کرنا مہا پاپ شمار کرتے ہیں، حالانکہ وہ پرلے درجے کے فاسق وفاجر ہوتے ہیں، اور بدکار و بدمعاش امراء کو بھی بدکاری و بدمعاشی میں ان لوگوں نے شکست دیدی ہے،

اس سلسلہ میں ہم کو ایک حکایت یاد آگئی، کہ ایک مسافر چلتے چلتے کسی ہندوستانی گاؤں کے قریب پہنچا، تو اس نے ایک نوجوان لڑکی کو گاؤں سے آتے دیکھا تو اس نے سوال کیا کہ اے لڑکی! تو گاؤں کی بیٹیوں میں سے ہے یا بہوؤں میں سے؟ تو وہ لڑکی کہتی ہے کہ ہوں تو میں بیٹی، لیکن قضاءِ شہوت کے باب میں میں بہوؤں سے زیادہ نفع میں رہتی ہوں، مجھ کو تو خواب میں بھی وہ لطف ولذت نصیب رہتا ہے جو اُن کو قطعی بھی میسّر نہیں،

اس لئے یہ کنوارے رہنے والے پادری بزرگ، شادی شدہ لوگوں سے زیادہ نفع میں رہتے ہیں، غرض منکرین کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام تو شادی سے مطلقاً بے نیاز تھے، رہے ان کے شاگرد تو یا تو وہ بھی عیسیٰؑ کی طرح مطلقاً بے نیاز تھے، یا اس قدر کثیر مفت کی بیویاں ہونے کی وجہ سے ان کو شادی کی ضرورت نہ تھی جیسا کہ کیتھولک اساقفہ اور ڈیکنوں کا حال ہے، یا جو پوزیشن ہندوستانی جوگیوں کی ہے،

اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کا اپنے شاگرد لڑکے سے محبت کرنا محلِ تہمت ہے ان لوگوں کے نزدیک جو اس فعلِ قبیح میں مبتلا رہ چکے ہیں، اسی لئے وہی ... ظریف الطبع بزرگ کہتے ہیں کہ:

"انجیل کا یہ قول کہ پھر اس شاگرد نے یسوع کے سینہ پر تکیہ لگایا، گویا اسکی

پوزیشن اس عورت کی طرح تھی جو اپنے عاشق سے کسی چیز کی طالب ہوتی ہے، اور اس کو اس سلسلے میں غمزہ وعشوہ اور ناز ونخرہ دکھلاتی ہے، اس موقع پر اس قسم کی حرکت اس سے صادر ہوتی ہے "

ہم دوبارہ پھر عرض کرتے ہیں کہ اس (پانچویں بات) میں ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہ محض الزامی طور پر لکھا ہے، ورنہ ہم توبہ کرتے اور پناہ مانگتے ہیں، اس قسم کی شرمناک اور گستاخانہ باتوں سے حاشا وکلاّ، ہم ان میں سے کسی ایک بات کو بھی عیسیٰ علیہ السلام یا ان کے کسی حواری کے حق میں صحیح نہیں سمجھتے، جیسا کہ ہم مقدمۃ الکتاب اور کتاب کے متعدد مواقع پر بار بار تصریح کرتے آئے ہیں،

چھٹی بات،

تفسیر جلالین سورۂ تحریم میں ہے:

من الایمان تحریم الامۃ　　"باندی کو حرام کرلینا بھی ایک قسم کی قسم ہے"

لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ میں نے ماریہؓ کو اپنے اوپر حرام کرلیا ہے، اسی نوع کی قسم ہے،

ساتویں بات،

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام کی نسبت یہ فرمائیں کہ میں ایسا نہیں کروں گا، پھر آپؐ اس کام کو اس لئے کرلیتے ہیں کہ وہ اپنی اصل سے جائز تھا، یا خدا کی جانب سے آپؐ کو اس کے کرنے کا حکم ہوا تو ایسی شکل میں یہ کہنا کسی طرح درست نہیں ہوسکتا کہ آپؐ نے گناہ کیا، بلکہ دوسری صورت میں اگر آپؐ وہ کام نہیں کرتے ہیں تو خدا کے نزدیک نافرمان بنتے ہیں، اور عیسائیوں کے عہد عتیق

کی کتابوں میں اس قسم کی بہت مثالیں خود اللہ کے بارے میں موجود ہیں، چہ جائیکہ انبیاء کے بارے میں جیسا کہ باب۳ قسم ۲ کی مثالوں میں معلوم ہو چکا ہے[1]، اور باب۵ فصل ۳ کے شبہ ۵ میں گذر چکا ہے[2]، عہد جدید میں بھی عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں انجیل متی باب۱۵ میں لکھا ہے کہ ایک کنعانی عورت نے مسیحؑ سے اپنی بیٹی کو شفاء دینے کے لئے فریاد کی، مگر عیسیٰ علیہ السلام نے اس کی درخواست قبول کرنے سے انکار کر دیا، پھر اس نے ایک بہترین جواب دیا جس کو عیسیٰ علیہ السلام نے بھی پسند کیا، اور اس کی بیٹی کے لئے دعاء کر دی اور وہ اچھی ہو گئی[3]، نیز انجیل یوحنا باب۲ میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے ان سے قانائے گلیل کی ایک شادی کے موقع پر درخواست کی کہ پانی کو شراب بنا دیں، تو مسیحؑ نے جواب دیا کہ اے عورت! میرا تیرا کیا واسطہ؟ تو میرے پاس وقت پر نہ آئی، پھر آپ نے خود ہی اس پانی کو شراب بنا دیا[4]،

آٹھویں بات:

اس امر میں کوئی بھی حرج نہیں کہ بعض باتوں کو اولیاء اللہ کے ساتھ مخصوص کر دیا جائے، آپ کو معلوم ہے کہ ہارونؑ اور ان کی اولاد کے ساتھ بہت سے کام مخصوص تھے، مثلاً خیمۂ اجتماع کی خدمت اور اس کے متعلقہ کام، اور یہ امور لادی

---

[1] ان تمام مثالوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا کہ میں فلاں کام نہیں کروں گا، لیکن پھر کسی وجہ سے وہی کام کر لیا (دیکھئے کتاب ہذا، ص ۸۳۸ جلد دوم)،

[2] دیکھئے ص ۱۱۹۹ جلد ہذا،

[3] متی ۱۵: ۲۱ تا ۲۸،

[4] یوحنا ۲: ۲ تا ۱۲،

کی دوسری اولاد کے لئے قطعی جائز نہ تھے، چہ جائیکہ دوسرے اسرائیلیوں کے لئے،
اب مذکورہ آٹھ باتوں کے ذہن نشین کر لینے کے بعد عیسائیوں کے پانچوں اعتراضات کے جوابات آپ پر منکشف ہو گئے ہوں گے،

مگر ہم کو ان معاندین کی اس بے انصافی پر رہ رہ کر تعجب ہوتا ہے کہ یہ لوگ اگر کسی دوسری شریعت میں ایسی بات دیکھتے ہیں جو اُن کے خیال میں قبیح اور بُری ہوتی ہے تو یا تو یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ حکم خدائے پاک حکیم وعادل کا نہیں ہو سکتا، یا پھر یہ کہتے ہیں کہ یہ چیز منصبِ نبوّت کے لائق نہیں ہے، اگرچہ اُن کی شریعت میں کوئی حکم یا فعل اس سے بھی زیادہ قبیح موجود ہو جو ان کے نزدیک خدا کی طرف سے بھی ہو اور منصبِ نبوّت کے بھی لائق ہے، اس سے بڑھ کر ہٹ دھرمی اور بے جا تعصب اور کیا ہوگا کہ حزقیال علیہ السلام کو خدا کا یہ حکم دینا کہ اسرائیل اور یہوداہ کی اولاد کے گناہ اپنے اوپر لادے اور ۳۹۰ سال تک متواتر ایک روٹی کو انسان کی نجاست سے پکا کر کھاتے رہیں[1]، اسی طرح اشعیاء علیہ السلام کو خدا کا یہ حکم کرنا کہ تین سال تک برابر عورتوں اور مردوں کے بھرے مجمع میں بقائمی ہوش وحواس برہنہ پھرتے رہیں[2]، اسی طرح ہوشع علیہ السلام کو خدا کا یہ حکم دینا کہ کسی زانیہ فاجرہ حرام کار عورت کو بیوی بناؤ، اور زنا کی اولاد حاصل کرو، نیز ایک ایسی فاسقہ

---

[1] "اور تو جَو کے پھلکے کھانا اور تو ان کی آنکھوں کے سامنے انسان کی نجاست سے اس کو پکانا" (حزقی ایل ۴: ۱۲) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب ہذا، ص ۲۴۲ ج ۲،

[2] "میرا بندہ یسعیاہ تین برس تک برہنہ اور ننگے پاؤں پھرا کیا"، (یسعیاہ ۲۰: ۳)

فاحشہ عورت سے عشق کرو، جو دوسرے کی منکوحہ اور محبوبہ ہو[۱]، وغیرہ وغیرہ،

یہ تمام امور عیسائیوں کے نزدیک خدائے پاک و عادل و حکیم کے جاری کردہ بھی ہیں اور ان مقدس پیغمبروں کی شانِ نبوت کے لائق بھی ہیں، اور ان شرمناک افعال میں ان کو کوئی برائی دکھائی نہیں دیتی، مگر حضرت زینبؓ کے نکاح کا اپنے شوہر سے باقاعدہ طلاق پانے اور عدت گذارنے کے بعد جائز ہونا نہ خدا کی طرف سے ہو سکتا ہے اور نہ یہ فعل شانِ نبوت کے لائق ہے،

اسی طرح عیسائیوں کی نظر میں یعقوب علیہ السلام جو توریت کی نص کے مطابق خدا کے نوجوان بیٹے ہیں، راحیل سے عشقبازی کرنے اور اس کے باپ کی اس لالچ میں چودہ سال مسلسل خدمت کرنے، اور چار عورتوں سے مزید شادی کرنے اور دو حقیقی بہنوں کو اکٹھا بیوی بنانے کے باوجود نبوت کے بلند مقام سے نہیں گرتے،

اسی طرح داؤد علیہ السلام، جو زبور کی نص کے مطابق خدا کے دوسرے نوجوان بیٹے ہیں، اوریا کی بیوی سے زنا کرنے کے باوجود ان کی نبوت پر کوئی حرف نہیں آتا، حالانکہ پہلے سے ان کی بہت سی بیویاں تھیں، دبلکہ صحیح معنی میں یہ سب عورتیں خدا کی بخشی ہوئی اور اس کی رضا سے ملی ہوئی تھیں، اور داؤد علیہ السلام اس لائق تھے کہ خدا ان کی شان میں یہ کہتا ہے کہ اگر یہ عورتیں تیرے نزدیک کم ہیں تو مجھ سے کہہ میں اُس قدر اور دیدوں گا، اور اس پر کثرتِ ازدواج کی وجہ سے کوئی عتاب نہیں کیا جاتا، بلکہ اُن پر بھی کوئی ملامت نہیں کی جاتی کہ دوسرے کی بیوی سے زنا کیوں کیا؟ اور اس

---

[۱] "جا ایک بدکار بیوی اور بدکاری کی اولاد اپنے لئے لے"۔ (ہوسیع ۱:۲) اور "جا، اس عورت سے جو اپنے یار کی پیاری اور بدکار ہو، محبت رکھ" (ایضاً ۳:۱)،

غریب کو حیلہ سے کیوں مروایا ؟))،

اسی طرح سلیمان علیہ السلام، جو کتبِ مقدسہ کی شہادت کے مطابق خدا کے بیٹے ہیں، باوجود ایک ہزار بیویاں اور باندیاں رکھنے کے آخر عمر میں مُرتد ہوجانے اور بت پرستی کرنے کے منصبِ نبوّت سے نیچے نہیں گرتے! بلکہ بدستور مسلم النبوت رہتے ہیں، اور ان کی تینوں کتابیں یعنی امثال، جامعہ اور نشید الانشاد خدا کی کتابوں کا درجہ پاتی ہیں،

اسی طرح لوط علیہ السلام اپنی دونوں بیٹیوں سے زنا کرنے کے باوجود بدستور منصبِ نبوّت پر فائز رہتے ہیں، آخر میں خدا کے اکلوتے ... اور چہیتے فرزند اور ان کے مقدس حواری فاحشہ زانیہ سے اور بعض شاگردوں سے محبت کرنے اور مشرقی شہروں میں ان کے ساتھ گھومنے پھرنے کے باوجود نہ صرف یہ کہ منصبِ نبوّت سے نہیں گرتے، بلکہ باوجود اس شدید میل ملاپ اور بے تکلفی کے ساتھ خلا ملا کرنے اور شراب نوشی کے اُن پر کچھ بھی اتہام نہیں لگایا جاتا،

دوسری جانب محمد صلی اللہ علیہ وسلم محض کثرتِ ازدواج اور زینبؓ سے شادی کرنے اور ایک باندی کو حرام کرنے کے بعد اس کو حلال کرنے پر منصبِ نبوّت سے ان کے نزدیک گرنے کے لائق ہوجاتے ہیں،

غالباً منشاء اس اختلاف کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک چونکہ خدائے تعالیٰ یکتا اور حقیقتاً واحد ہیں، اپنی ذات میں کسی اعتبار سے بھی کثرت کی گنجائش نہیں رکھتے، اس لئے ان کی مقدس وپاک ذات کسی ایک ناشائستہ اور غیر مناسب فعل کی متحمل نہیں ہے، اس کے برعکس عیسائیوں کے نزدیک چونکہ

خدا کی ذات ایسے تین اقنوم پر مشتمل ہے جن میں ہر ایک پورے طور پر الوہیت اور خدائی صفات سے متصف ہونے کے ساتھ ایک دوسرے سے حقیقتاً امتیاز بھی رکھتے ہیں، اس لئے کسی ناشائستہ اور غیر مناسب فعل کی گنجائش اس کے اندر موجود ہی، کیونکہ حقیقی امتیاز کی صورت میں تعدد اور کثرت لازم ہے، اگرچہ وہ لوگ ظاہر میں اس کا اقرار نہیں کرتے ہیں، چنانچہ باب ۴ میں آپ کو معلوم ہو چکا ہے، اور تین بہر صورت ایک سے زیادہ ہوتے ہیں، شاید عیسائیوں کے نزدیک ان کا خدا مسلمانوں کے خدا سے زیادہ طاقتور ہے،

اسی طرح کسی گناہ اور معصیت سے معصوم ہونا حتیٰ کہ شرک سے بھی، اور گوسالہ پرستی اور بُت پرستی اور زناکاری اور چوری اور جھوٹ سے خواہ بسلسلۂ تبلیغ ہو، یا کسی دوسرے طور پر، عیسائیوں کے نزدیک نبوت کی شرائط اور لوازمات میں سے نہیں ہے، اس لئے نبوّت کا دائرہ عیسائیوں کے یہاں مسلمانوں کے نزدیک نبوّت کے دائرے سے بہت زیادہ وسیع ہے،

ناممکن ہی یہ وجہ ہو کہ یعقوبؑ، داؤدؑ، سلیمانؑ اور عیسیٰؑ چونکہ خدا کے بیٹے تھے اس لئے ان کو یہ حق تھا کہ اپنے باپ کی سلطنت میں جو چاہیں کریں، بخلاف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے، کیونکہ وہ خدا کے بندے اور اس کے بندے کے بیٹے تھے، اس لئے ان کو اپنے آقا اور مالک کی سلطنت میں اپنی مرضی سے کچھ کرنے کا حق نہیں ہو سکتا تھا، اس بے جا تعصب اور ہٹ دھرمی اور دھاندلی سے خدا کی پناہ؛

عیسائیوں کا اسلام پر چوتھا اعتراض آپؐ کے گناہ[1]

چوتھا اعتراض یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خود نعوذ باللہ گنہگار اور عاصی ہیں، اور کسی گنہگار کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ دوسرے گنہگاروں کی سفارش کرے، صغریٰ کی دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ سورۂ مؤمن میں کہا گیا ہے کہ:

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِکَ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ بِالْعَشِیِّ وَالْاِبْکَارِ،

"پس آپؐ صبر کیجئے، بلاشبہ اللہ کا وعدہ سچا ہے، اور آپؐ اپنے گناہ کی مغفرت طلب کیجئے اور صبح و شام اپنے پروردگار کی حمد اور پاکی بیان کیجئے"

اسی طرح سورۂ محمدؐ میں ہے:

فَاعْلَمْ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِکَ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ،

"پس جان لیجئے کہ واقعہ یہی ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور اپنے اور مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی مغفرت طلب کیجئے"

اور سورۂ فتح میں ہے:

اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا، لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ،

"بلاشبہ ہم نے آپؐ کو فتح مبین عطا کی ہے، تاکہ آپؐ کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کر دے"

---

[1] یعنی معاذ اللہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گناہوں کے سرزد ہونے کی،

اور حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا منقول ہے کہ:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ، اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَ اَنْتَ الْمُؤَخِّرُ، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ،	"اے اللہ! میرے اگلے اور پچھلے، پوشیدہ اور علانیہ تمام گناہ معاف فرما دیجئے، نیز وہ گناہ جو مجھ سے زیادہ آپ کو معلوم ہیں، آپ ہی آگے کرنے والے ہیں اور آپ ہی پیچھے کرنے والے، آپکے سوا کوئی معبود نہیں"

جواب یہ ہے کہ صغریٰ، کبریٰ دونوں غلط ہیں، اس لئے نتیجہ یقیناً غلط اور جھوٹا ہے، ہم ان دونوں کے بطلان کے لئے پانچ چیزیں تمہید کے طور پر عرض کرتے ہیں:

پہلی بات یہ بات ذہن نشین کرنے کے لائق ہے کہ خدا تعالیٰ رب اور خالق ہے، اور مخلوق سب کی سب اس کے زیر تربیت اور اس کی پیدا کردہ ہے، اس لئے وہ تمام چیزیں جو رب و خالق کی طرف سے بندۂ مربوب و مخلوق کے حق میں صادر ہوں، خواہ خطاب ہو یا عتاب، یا طلب برتری وغیرہ سب اپنے موقع اور محل کے مطابق ہیں، اور اس کی مالکیت اور خالقیت کا اقتضاء ہیں، اسی طرح وہ تمام چیزیں جو بندوں کی جانب سے صادر ہوں، خواہ وہ دعائیں ہوں، التجائیں ہوں، رونا گڑگڑانا ہو وہ ٹھیک اپنے موقع اور محل پر ہیں، اور اس کی مخلوقیت اور بندگی کا مقتضیٰ ہیں، اور انبیاء اور پیغمبر بھی خدا کے بندے اور اس کے مخلص ہیں، اس لئے وہ بھی ان کاموں کے سب سے زیادہ

مستحق ہیں، اور اس قسم کے تمام مواقع پر اللہ کے کلام کو معنیٰ حقیقی پر محمول کرنا یا انبیاء و پیغمبروں کی دعاؤں میں اس کے حقیقی معنی مراد لینا خطا اور گمراہی ہے، جس کے شواھد دونوں عہد کی کتابوں میں بالخصوص زبور میں بے شمار ہیں، نمونے کے طور پر ہم ان میں سے کچھ نقل کرتے ہیں:

پہلی مثال؛

انجیل مرقس کے باب ۱ اور انجیل لوقا کے باب ۱۸ آیت ۱۹ میں ہے:

"پھر کسی سردار نے اس سے یہ سوال کیا کہ اے نیک استاد! میں کیا کروں، تاکہ ہمیشہ کی زندگی کا وارث بنوں؟ یسوع نے اس سے کہا، تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے؟ کوئی نیک نہیں، مگر ایک یعنی خدا"

دوسری مثال؛

زبور ۲۲ آیت ۱ میں ہے:

"اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟ تو میری مدد، اور میرے نالہ و فریاد سے کیوں دور رہتا ہے؟ اے میرے خدا میں دن کو پکارتا ہوں، پر تو جواب نہیں دیتا، اور رات کو بھی (اور تو میری پرواہ[2] نہیں کرتا)

چونکہ عیسائی حضرات کے دعوے کے مطابق ان آیات کا تعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام

---

[1] موجودہ تراجم میں یہ آیت ۱۸ ہے، یہاں انجیل لوقا کے الفاظ نقل کئے گئے ہیں، مرقس ۱۰: ۱۷ میں یہی واقعہ لفظوں کے معمولی اختلاف کے ساتھ موجود ہے،

[2] یہ اظہار الحق میں نقل شدہ عربی ترجمے کا ترجمہ ہے، عربی الفاظ یہ ہیں: "فلم تحفل بی" لیکن موجودہ ترجمہ میں اس کی جگہ یہ جملہ ہے: "اور خاموش نہیں ہوتا"۔

سے ہے، اس لئے یہ کلام کرنے والے شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں،

تیسری مثال؛

انجیل متی باب ۲۷ آیت ۴۶ میں ہے:

"اور تیسرے پہر کے قریب یسوع نے بڑی آواز سے چلا کر کہا، ایلی، ایلی، لما شبقتنی؟ یعنی اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟"

چوتھی مثال؛

انجیل مرقس باب آیت ۴ میں ہے:

"یوحنا آیا اور بیابان میں بپتسمہ دیتا اور گناہوں کی معافی کے لئے توبہ کے بپتسمہ کی منادی کرتا تھا، اور یہودیہ کے ملک کے سب لوگ اور یروشلیم کے سب رہنے والے نکل کر اس کے پاس گئے، اور انھوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کرکے دریائے یردن میں اس سے بپتسمہ لیا"

یہ بپتسمہ گناہوں کی معافی کے لئے تھا، جیسے کہ مرقس نے چوتھی اور پانچویں آیت میں تصریح کی ہے، نیز انجیل لوقا باب۳ آیت ۳ میں ہے۔

"اور وہ یردن کے سارے گرد و نواح میں جاکر گناہوں کی معافی کے لئے توبہ کے بپتسمہ کی منادی کرنے لگا"

اور انجیل متی باب۳ آیت ۱۱ میں ہے:

"میں تو تم کو توبہ کے لئے پانی سے بپتسمہ دیتا ہوں"

اور کتاب اعمال باب ۱۳ آیت ۲۴ میں ہے:

"جس کے آنے سے پہلے یوحنا نے اسرائیل کی تمام امت کے سامنے توبہ کے بپتسمہ

کی منادی کی ۔"

اور کتاب اعمال باب ۱۹ آیت ۴ میں ہے:

"پولس نے کہا یوحنا نے لوگوں کو یہ کہہ کر توبہ کا بپتسمہ دیا کہ .... الخ"

یہ تمام آیتیں اس امر پر دلالت کر رہی ہیں کہ یہ بپتسمہ توبہ کا بپتسمہ تھا، اور گناہوں کی بخشش کے لئے انجام دیا گیا تھا، پھر جب تسلیم کر لیا جائے کہ یحییٰ علیہ السلام نے عیسیٰؑ کو اس پانی میں غسل دیا تھا، تو یہ بھی تسلیم کرنا ضروری ہوگا کہ دونوں نے اپنے گناہ کا بھی اعتراف کیا، کیونکہ اس غسل کی حقیقت اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔

پانچویں مثال:

انجیل متی باب[۱] میں وہ دعا ذکر کی گئی ہے جسے کثرت سے مانگنے کی تلقین حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے شاگردوں کو کی تھی، اس میں یہ الفاظ بھی ہیں:

"جس طرح ہم نے اپنے (گنہگاروں[۲] کو معاف کیا ہے تو بھی ہمارے گناہ معاف کر) اور ہمیں آزمائش میں نہ لا، بلکہ برائی سے بچا۔"

اور ظاہر یہی ہے کہ جس دعا کی تعلیم عیسیٰؑ اپنے شاگردوں کو دے رہے ہیں خود بھی یہی نماز پڑھا کرتے ہوں گے، انجیل کے کسی مقام سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ

---

[۱] آیات ۱۲ و ۱۳۔

[۲] اظہار الحق میں یہ جملہ اسی طرح ہے، موجودہ عربی ترجمہ میں بھی بعینہ وہ عبارت ہے، جو اظہار الحق میں نقل کی گئی ہے، کیتھولک بائبل اور جدید انگریزی ترجمہ کا مفہوم بھی یہی ہے، لیکن موجودہ اردو ترجمہ اور قدیم انگریزی ترجمہ میں اس کی جگہ یہ جملہ ہے: "اور جس طرح ہم نے اپنے قرضداروں کو معاف کیا ہے تو بھی ہمارے قرض ہمیں معاف کر۔"

یہ نماز خود نہیں پڑھا کرتے تھے، (دوسری بات میں) آپ کو عنقریب معلوم ہو جائیگا کہ عیسیٰ علیہ السلام بہت کثرت سے نماز پڑھتے تھے، پھر لازمی بات ہو کہ ان الفاظ کے ساتھ انھوں نے ہزاروں مرتبہ دعا کی ہو گی کہ "ہمارے گناہوں کو معاف کر" اور گناہوں سے معصوم ہونا عیسائیوں کے نزدیک اگرچہ نبوّت کے شرائط اور اس کے لوازمات میں سے نہیں ہے، مگر وہ اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی انسانی حیثیت میں بھی معصوم تھے، اور اس لحاظ سے بھی عیسائیوں کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام صالح اور اللہ کے مقبول بندے ہیں،

اب ہمارا سوال یہ ہے کہ کہ پھر عیسیٰ علیہ السلام کے مندرجہ ذیل جملے بائبل میں منقول ہیں کہ:

۱۔ تو مجھ کو نیک کیوں کہتا ہے

۲۔ اے میرے معبود! تو نے مجھ کو کیوں چھوڑ دیا؟

۳۔ تو میری مدد اور میرے نالہ و فریاد سے کیوں دُور رہتا ہے؟

۴۔ میں تجھ کو دن میں پکارتا ہوں مگر تو نہیں سنتا،

۵۔ پانی میں غسل دیئے جانے کے وقت توبہ کے الفاظ اور گناہوں کا اعتراف،

۶۔ الفاظ "ہمارے گناہوں کو معاف کر"

عیسائی حضرات ان جملوں کو حقیقی ظاہری معنی پر کسی طرح بھی محمول نہیں کر سکتے، ورنہ لازم آئے گا کہ وہ نہ صالح تھے اور نہ مقبول، بلکہ اللہ کے متروک اور نادانی کی باتوں کی وجہ سے رہائی سے دُور تھے، اُن کی دُعاء قبول نہیں ہوتی تھی مجرم اور گنہگار تھے، لامحالہ یہی کہنا پڑے گا کہ یہ عاجزی اور گڑگڑانا ناسوتی لحاظ سے

مخلوقیت اور بندگی کا تقاضا تھا،

زبور نمبر ۵۳ آیت ۳[ل۱] میں ہے:

"خدا نے آسمان پر سے بنی آدم پر نگاہ کی، تاکہ دیکھے کہ کوئی دانشمند، کوئی خدا کا طالب ہے یا نہیں؟ وہ سب کے سب پھر گئے ہیں، وہ باہم نجس ہوگئے، کوئی نیکوکار نہیں، ایک بھی نہیں"

اور کتاب یسعیاہ باب ۵۹ آیت ۹ میں ہے:

"اس لئے انصاف ہم سے دور ہے، اور صداقت ہمارے نزدیک نہیں آتی، ہم نور کا انتظار کرتے ہیں پر دیکھو تاریکی ہے، اور روشنی کا، پر اندھیرے میں چلتے ہیں"

آگے آیت نمبر ۱۲ میں ہے:

"کیونکہ ہماری خطائیں تیرے حضور بہت ہیں، اور ہمارے گناہ ہم پر گواہی دیتے ہیں، کیونکہ ہماری خطائیں ہمارے ساتھ ہیں، اور ہم اپنی بدکرداری کو جانتے ہیں، خداوند کا انکار کیا، اور اپنے خدا کی پیروی سے برگشتہ ہوگئے، ہم نے ظلم اور سرکشی کی باتیں کیں، اور دل میں باطل تصور کر کے دروغ گوئی کی"

(آیات ۱۲ تا ۱۳)

اور یسعیاہ باب ۶۴ آیت ۶ میں ہے:

"اور ہم تو سب کے سب ایسے ہیں جیسے ناپاک چیز، اور ہماری تمام

ل۱ موجودہ ترجمہ میں یہ آیت ۲ ہے،

راست بازی (ناپاک لباس) کی مانند ہے، اور ہم سب پتے کی طرح کملا جاتے ہیں، اور ہماری بدکرداری آندھی کی مانند ہم کو اڑا لے جاتی ہے، اور کوئی نہیں جو تیرا نام لے، جو اپنے آپ کو آمادہ کرے کہ تجھ سے لپٹا رہے، کیونکہ ہماری بدکرداری کے سبب سے تُو ہم سے رُوپوش ہوا، اور ہم کو پگھلا ڈالا" (آیات ۶ و ۷)

اس میں کوئی بھی شک نہیں کہ داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں بکثرت نیک لوگ موجود تھے، مثلاً ناتن پیغمبر وغیرہ، اور اگر ہم یہ تسلیم بھی کرلیں کہ پیغمبر حضرات عیسائیوں کے نزدیک معصوم نہیں ہوتے، مگر اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ وہ زبور مذکور کی آیت نمبر ۴ کے کسی طرح بھی مصداق نہیں ہوسکتے[۲]،

اشعیاہ علیہ السلام کی دونوں عبارتوں میں جمع متکلم کے صیغے استعمال ہوئے ہیں، اور اشعیاہ وغیرہ بھی ان کے زمانے کے انبیاء اور صلحاء میں سے ہیں، اگرچہ وہ معصوم نہ ہوں، لیکن یقیناً یہ حضرات ان اوصاف کے مصداق ہرگز نہیں ہوسکتے، جن کی تصریح دونوں عبارتوں میں کی گئی ہے، اس لئے زبور کی عبارت بھی اور یہ دونوں عبارتیں بھی اپنے حقیقی ظاہری معنی پر محمول نہیں ہوسکتیں، بلکہ یہ مراد لینا ضروری ہے کہ یہ تمام الفاظ عاجزی اور تضرّع کو ظاہر کرنے کے لئے استعمال کئے گئے ہیں، اسی طرح کے الفاظ کتاب دانی ایل باب ۹ میں اور نوحہ یرمیاہ کے باب ۳ و ۵ میں پطرس کے پہلے خط کے باب ۴ میں بھی موجود ہیں،

---

[۱] یہ موجودہ اردو ترجمہ کی عبارت ہے، اظہار الحق میں قوسین کی جگہ یہ الفاظ ہیں، "حائضہ عورت کے کپڑے"

[۲] یعنی ان الفاظ کے کہ: "وہ باہم نجس ہوگئے، کوئی نیکوکار نہیں، ایک بھی نہیں"۔ (زبور ۵۳: ۳)

دوسری بات

انبیاء علیہم السلام کے بہت سے افعال محض امت کی تعلیم وارشاد کے لئے ہوتے ہیں، تاکہ ان کی پیروی کی جائے ورنہ یہ حضرات اپنی ذات کے لئے ان کاموں کے قطعی محتاج نہیں ہوتے، چنانچہ انجیل متی باب ۴ میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چالیس دن رات روزے رکھے[1] اور انجیل مرقس باب اوّل آیت ۳۵ میں ہے:

"اور صبح ہی دن نکلنے سے بہت پہلے وہ اُٹھ کر نکلا اور ایک ویران جگہ میں گیا، اور وہاں دعا کی"

اور انجیل لوقا باب ۵ آیت ۱۶ میں ہے:

"اور ان دنوں میں وہ پہاڑ کی طرف گیا، تاکہ دعا کرے اور ساری رات اللہ سے دعا کرنے میں گذاری"[2]۔

سوال یہ ہے کہ جب عیسیٰ مسیحی حضرات کے نزدیک ذاتِ خداوندی کے ساتھ متحد ہیں، تو آپ کو یہ شدید تکالیف برداشت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ ماننا پڑے گا کہ یہ سب کام اُمت کی تعلیم کے لئے کئے جاتے تھے،

تیسری بات

جو الفاظ کتبِ شرعیہ میں استعمال کئے جاتے ہیں، مثلاً نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، نکاح، طلاق وغیرہ وغیرہ ان کو جب تک کوئی مانع موجود نہ ہو ان کے شرعی معانی پر محمول کرنا ضروری ہے، اس قانون کے

---

[1] "اور چالیس دن اور چالیس رات فاقہ کرکے آخر کو اُسے بھوک لگی"۔ (متی ۴: ۲)

[2] اظہار الحق میں یہ عبارت اسی طرح منقول ہے، مگر ہمارے پاس جتنے قدیم وجدید تراجم ہیں ان سب میں اس کی جگہ صرف یہ جملہ ہے: "مگر وہ جنگلوں میں الگ جاکر دعا کیا کرتا تھا"

تحت جب لفظ "گناہ" جو ایک شرعی اصطلاح ہے انبیاء علیہم السلام کے حق میں استعمال کیا جائے گا، تو اس کے معانی صرف لغزش کے ہوں گے، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کوئی معصوم ہستی کسی عبادت یا جائز کام کا ارادہ کرے مگر بلا قصد وارادہ اور بے شعوری سے محض اس بناء پر گناہ میں ملوث ہو جائے کہ وہ عبادت یا جائز فعل کسی گناہ کے ساتھ قریب اور متصل تھا، اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے ایک گذرنے والا جس کا مقصود راستہ کو قطع کرنا ہوتا ہے مگر بلا قصد وارادہ اس کا پاؤں ٹھیک چلتے چلتے کسی کیچڑ یا دلدل میں پھسل جائے، یا کسی ایسے پتھر سے ٹھوکر کھا کر گر پڑے جو سرِ راہ پڑا ہوا ہو، یا پھر ان بزرگوں کے حق میں گناہ سے مراد یہ ہوتا ہے کہ انھوں نے ایک ایسا کام کیا جو اُن کے شایانِ شان نہ تھا،

چوتھی بات مجاز کا استعمال باری تعالیٰ کے اور انبیاء علیہم السلام کے کلام میں بے شمار ہے، چنانچہ مقدمۃ الکتاب میں بڑی وضاحت سے آپ کو معلوم ہو چکا ہے، نیز باب ۵ فصل ۳ شبہ ۳ کے جواب میں یہ بات آپ معلوم کر چکے ہیں کہ کتبِ مقدسہ میں جا بجا کثرت سے مضاف[۱] محذوف ہوتا ہے،

پانچویں بات دُعاء کا مقصد کبھی کچھ مانگنے کی بجائے محض اظہارِ بندگی ہوتا ہے، مثلاً باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

رَبَّنَا وَ اٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ،	"اے ہمارے پروردگار! اور ہمیں وہ چیز عطا کیجئے جن کا آپ نے اپنے رسولوں کی زبانی ہم سے وعدہ فرمایا ہے"

---

[۱] دیکھئے کتاب ہذا، ص ۱۱۹۵ جلد ہذا۔

اس لئے کہ خدا نے جن چیزوں کے دینے کا وعدہ فرمالیا ان کا دینا واجب اور ضروری ہے، لیکن اس کے باوجود ہم کو اس کے مانگنے کا حکم دیا جارہا ہے، یا جس طرح اس آیت میں ہے کہ:

رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ،	اے پروردگار حق کا فیصلہ کیجئے ،

حالانکہ ہم کو یقینی طور پر معلوم ہے کہ باری تعالیٰ ہمیشہ حق کے مطابق ہی فیصلہ اور حکم کرتے ہیں،

اب جبکہ آپ یہ پانچوں باتیں سمجھ گئے تو سنئے کہ استغفار کے معنی ہیں "مغفرت طلب کرنا" اور "مغفرت کا مطلب ہے کسی قبیح فعل پر پردہ ڈال دینا" اس پردہ کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں، ایک تو یہ کہ اس فعل قبیح سے بچایا جائے، اس لئے کہ جو شخص معصوم ہوگیا یقیناً اس کی قبیح خواہشات پر پردہ پڑگیا،

دوسری صورت یہ ہے کہ اس فعل قبیح کے موجود ہونے کے بعد اس پر پردہ ڈالا جائے، لہٰذا پہلی دو آیتوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں مغفرت پہلی صورت کے مطابق ہے[1]، اور دوسری آیت میں مؤمنین کے بارے میں دوسری قسم کی مغفرت مراد ہے، دوسری آیت کی تفسیر کے ذیل میں امام فخرالدین رازیؒ فرماتے ہیں کہ:

وفی هٰذه الآية لطيفة وهی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم	"اس آیت میں ایک لطیف بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

[1] یعنی آپ کی مغفرت کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو گناہوں سے محفوظ رکھا جائے، یہ مطلب نہیں کہ پہلے آپ سے گناہ سرزد ہو، اور پھر اُسے معاف کیا جائے،

له احوال ثلاثة، حال مع الله وحال مع نفسه وحال مع غيره، فامّا مع الله فوحّد وامّا مع نفسك فاستغفر لذنبك واطلب لعصمة من الله، واما مع المؤمنين فاستغفر لهم واطلب الغفران لهم من اللهِ،	تین احوال ہیں، ایک اللہ کے ساتھ، دوسرے اپنے نفس کے ساتھ، تیسرے دوسروں کے ساتھ، جہاں تک اللہ کے ساتھ والی حیثیت کا تعلق ہے اس کے بارے میں اس آیت میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی یکتائی بیان کیجئے، اور اپنے نفس کے بارے میں یہ کہا گیا ہو کہ اپنی مغفرت طلب کیجئے، اور اللہ سے اپنے لئے

عصمت مانگئے، اور مؤمنین کے لئے ارشاد ہو کہ اللہ سے مغفرت طلب کیجئے ۔

اور یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ دونوں آیتوں میں استغفار کا حکم دینے سے مقصود محض اظہارِ بندگی اور عبدیت ہے، جیساکہ آیت رَبَّنَا وَ اٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ اور رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ میں ابھی پانچویں بات میں معلوم ہو چکا ہے،

یا اس حکم دینے کا مقصد یہ ہے کہ آپؐ کی امّت میں استغفار کی سنت جاری ہو، لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار محض امّت کی تعلیم کے لئے تھا،

تفسیر جلالین میں دوسری آیت کی تفسیر کے ذیل میں لکھا ہے کہ:

قيل له ذلك مع عصمته ليستن به امته	"آپ کے معصوم ہونے کے باوجود آپ سے یہ بات اس لئے کہی گئی ہو کہ امت آپ کی اتباع کرے"

یا یہ کہا جائے کہ دونوں آیتوں میں مضاف محذوف ہو، اور پہلی آیت کی تقدیر یہ ہو کہ فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِ اُمَّتِكَ[1]،

اور دوسری آیت کی تقدیر یوں ہوگی کہ فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِ اَهْلِ بَيْتِكَ وَلِذَنْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ الَّذِيْنَ لَيْسُوْا مِنْ اَهْلِ بَيْتِكَ[2]، لہٰذا مومنین و مومنات کا ذکر بھی کچھ مستبعد نہیں ہوگا[3]، اور امر چہارم میں یہ بات آپ کو معلوم ہو چکی ہے کہ مضاف کا حذف ہونا عیسائیوں کی کتابوں میں بکثرت شائع ہے، یا دونوں آیتوں میں ذنب سے مراد لغزش یا ترکِ افضل ہے،

ہم نے بعض دوستوں سے یہ واقعہ سُنا کہ فرقہ پروٹسٹنٹ کے ایک بوڑھے

---

[1] یعنی "پس آپؐ صبر کیجئے، بلاشبہ اللہ کا وعدہ سچا ہے، اور آپؐ اپنی امت کے گناہ کی مغفرت طلب کیجئے"

[2] یعنی "جان لیجئے کہ واقعہ یہ ہو کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور آپؐ اپنے گھر والوں کے گناہ کی مغفرت طلب کیجئے، اور ان مسلمان مردوں اور عورتوں کی مغفرت طلب کیجئے جو آپؐ کے اہلِ بیت میں سے نہیں ہیں"

[3] اس جملے کے ذریعے مصنفؒ ایک اعتراض کا جواب دے رہے ہیں، کہا جا سکتا تھا کہ پہلی آیت میں تو "آپؐ کے گناہ" سے مراد "آپؐ کی امت کا گناہ" لے لیا گیا ہے، لیکن دوسری آیت میں تو آپؐ کے گناہ کا الگ ذکر ہو، اور مؤمنین و مؤمنات کے گناہوں کا الگ، وہاں "آپؐ کے گناہ" سے مراد "آپؐ کی امت کے گناہ" کیسے لیا جا سکتا ہو؟ اس کا جواب مصنفؒ نے دیا کہ دوسری آیت میں "آپؐ کے گناہ" سے مراد "آپؐ کے گھر والوں کا گناہ" ہو، اور مؤمنین و مؤمنات سے مراد غیر اہلِ بیت مسلمان ہیں،

پادری نے اس توجیہہ پر اپنی ایک جدید تالیف میں اعتراض کیا اور کہا کہ ہم مان لیتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی گناہ صادر نہیں ہوا، سوائے ترکِ اولیٰ کے، مگر ترکِ اولیٰ بھی کلام اللہ کے فیصلہ کے بموجب یعنی توریت و انجیل کے حکم کی بناء پر گناہ ہے، اس لئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ گنہگار ہوئے یعقوبؑ نے اپنے خط کے باب۴ آیت ۱۷ میں فرمایا ہے کہ:

"پس جو کوئی بھلائی کرنا جانتا ہے اور نہیں کرتا، یہ اس کے لئے گناہ ہے"

اس کے جواب میں سوائے اس کے اور کیا کہا جائے کہ یہ اعتراض درحقیقت حد سے زیادہ گذری ہوئی عمر کا تقاضہ ہے، اس لئے کہ یہ ایک موٹی سی بات ہے کہ شراب نہ پینا ایک نیک عمل ہے، چنانچہ یحییٰ علیہ السلام کی مدح اور تعریف حق تعالیٰ نے اسی بنیاد پر کی ہے، اور انبیاء علیہم السلام نے اس سلسلہ میں جو کچھ فرمایا ہے وہ سب کو معلوم ہے، اسی طرح اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ایک فاحشہ زانیہ رنڈی کو بھرے مجمع میں پاؤں دھونے اور ان کو اپنے سر کے بالوں سے صاف کرنے کی اجازت نہ دینا ایک اچھا فعل تھا،

اسی طرح اجنبی اور بیگانی نوجوان عورتوں سے حد سے زیادہ بے تکلفی اور خلاملا نہ رکھنا اور مشرقی شہروں میں ان کو ساتھ ساتھ لئے ہوئے نہ گھومنا ایک نیک عمل تھا، بالخصوص جبکہ بے تکلفی برتنے والا شخص خود بھی ان کی طرح نوجوان اور کنوارا ہو، لیکن اس کے باوجود عیسیٰ علیہ السلام نے یہ نیک عمل نہیں کئے،... یہاں تک کہ مخالفین نے بھی اس سلسلہ میں ان پر طعن کیا، جیسا کہ تیسرے اعتراض کے جواب میں آپ کو اچھی طرح معلوم ہو چکا ہے، لہٰذا ان بوڑھے پادری صاحب

کے قول کے بموجب لازم آتا ہے کہ ان کا خدا بھی گنہگار تھا،

مزید ار بات یہ ہے کہ "دیوانہ بکارِ خویش ہشیار" کے بموجب ان سن رسیدہ پادری صاحب نے اپنے کلام میں توریت کا بھی حوالہ دے کر عوام کو مغالطہ میں ڈالنا چاہا ہے، حالانکہ توریت میں یہ حکم موجود ہی نہیں ہے، پھر ان پادری صاحب نے سوائے یعقوب کے خط کے اس کی کوئی سند بھی پیش نہیں کی، جو فرقہ پروٹسٹنٹ کے بڑے بڑے علماء کی رائے کی بناء پر کوئی الہامی کتاب نہیں ہے، بالخصوص اس کے امام و مقتدا جناب لوتھر کی تحقیق کے مطابق، چنانچہ باب فصل ۴ سے آپ کو معلوم ہو چکا ہے[1]، اس لئے یعقوبؑ کا کلام ان علماء پر کوئی حجت نہیں ہو سکتا، اس لئے اس کا اعتراض یقیناً لغو اور واہیات ہے،

رہی تیسری آیت سو اس میں یا تو مضاف محذوف ہے، یا گناہ سے مراد ترک افضل ہے، یا غفران سے مراد عصمت ہے، امام سبکیؒ اور ابن عطیہؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت کا مقصد نہ تو گناہ کے صدور کو ثابت کرنا ہے، نہ اس کا بخشنا، بلکہ مقصد صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اعزاز و اکرام ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ کے شروع میں آپ کی عظمت و احسان کا اظہار فرمایا، چنانچہ پہلے فتح کی بشارت دی، پھر اس فتح کا مقصد مغفرت اور تکمیلِ نعمت، صراطِ مستقیم کی ہدایت اور نصر عزیز کو قرار دیا، پھر اگر ایسے موقع پر کسی گناہ کا آپ سے صادر ہونا مان لیا جائے تو یقیناً کلام کی بلاغت میں مخل ہوگا، کیونکہ اس کا

---

[1] دیکھئے کتاب ہذا، ص ۵۵۴ ج ۱)

مقتضا تکریم و تعظیم ہے، جس طرح ایک آقا جب اپنے کسی خادم سے راضی اور خوش ہوتا ہے تو کبھی اس کے اکرام اور اپنی خوشنودی کے اظہار کے لئے کہا کرتا ہو کہ دیکھو میں نے تمھاری سب اگلی پچھلی خطاؤں کو معاف کیا، میں ان پر کوئی مواخذہ نہیں کروں گا، حالانکہ اس خادم سے کبھی کوئی خطا صادر نہیں ہوئی،

رہی وہ دعا، جو حدیث میں مذکور ہے، سو اس کی توجیہ یہ ہے کہ چونکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے یہاں ساری مخلوق سے زیادہ بلند مرتبہ تھے، اور خدا کی معرفت میں سب سے زیادہ کامل تھے، اور غیر اللہ کے تصور سے خالی الذہن ہونے کی صورت میں آپ کی حالت پورے طور پر اپنے خدا کی جانب متوجہ ہونے کی تھی جو بمقابلہ دوسرے احوال کے آپ کی بلند ترین حالت ہے، اس لئے آپ غیر اللہ کی طرف توجہ کرنے کو خواہ وہ کتنی ہی ضروری کیوں نہ ہو اپنے لئے نقص اور انحطاط خیال فرماتے تھے، اس لئے آپ اس نقص سے مغفرت کے طلبگار ہوتے تھے، تاکہ بلند مقام حاصل ہوسکے، لہذا آپ کے نزدیک غیر اللہ کے ساتھ یہ ضروری مشغولیت بھی بمنزلہ اس گناہ کے تھی جس سے استغفار کرنا اپنے بلند مرتبہ کے پیشِ نظر ضروری تھا،

یا پھر یہ بات تھی کہ آپ سے اس قسم کی دُعاؤں کا صدور محض اظہارِ بندگی اور عبودیت کے طور پر تھا، بالکل اسی طرح جس طرح عیسیٰ علیہ السلام نے اسی غرض سے اپنی ذات سے نیکی کی نفی کی، اور خطاؤں کا اعتراف فرمایا، اور بارہا ان الفاظ اور عنوان سے دُعا مانگی "ہمارے گناہ معاف فرما" اور یہ جملے زبان پر لائے کہ:-

۱۔ اے میرے معبود! تو نے مجھ کو کیوں چھوڑ دیا؟[1]

۲۔ تو میری مدد اور نالہ و فریاد سے کیوں دُور رہتا ہے؟

۳۔ اے میرے خدا! میں دن میں آپ کو پکارتا ہوں پر تو جواب نہیں دیتا،[2]

یا یہ دعا محض اظہارِ بندگی کے لئے تھی جیسا کہ پانچویں بات میں معلوم ہو چکا ہے، یا پھر تعلیم اُمت کے لئے تھی، یا گناہ سے مراد لغزش اور ترک اولیٰ ہے، جیسا کہ امر سوم میں معلوم ہو چکا، پس بہرصورت یہ اعتراض واقع نہیں ہو سکتا، یہ پانچوں توجیہات سب کی سب یا ان میں کوئی ایک ان تمام احادیث میں بھی جاری ہو سکتی ہیں جو حدیث مذکور کی طرح ہیں،

اب چونکہ ان آیتوں اور حدیثوں سے جن کی آڑ لے کر معترض نے اعتراض کیا ہے یہ ثابت نہیں ہو سکا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم گنہگار تھے، اس لئے معترض کی دلیل کا صغریٰ باطل اور کاذب ہو گیا، رہا کبریٰ[3] کا کاذب اور غلط ہونا وہ اس لئے کہ اس کا کلیہ قاعدہ ہونا ناقابلِ تسلیم اور ممنوع ہے، کیونکہ معترض اس کو یا تو عیسائی نظریہ سے ثابت کرے گا، یا برہانِ عقلی سے، یا دلیل نقلی سے، پہلی صورت ہمارے خلاف اسی طرح حجت نہیں جس طرح ان کے اکثر نظریات حجت نہیں جیسا کہ آپ کو باب ۳ کے فصل نمبر ۲ میں معلوم ہو چکا ہے، اور اگر دوسری صورت ہے تو عیسائیوں کے ذمہ اس دلیل عقلی کا بیان کرنا واجب ہے، اس کے بعد ہم اس کے مقدمات پر غور کریں گے، لیکن ان کے لئے کوئی عقلی دلیل پیش کرنا ممکن ہی

---

[1] متی ۲۷: ۴۶، زبور ۲۲: ۱، [2] زبور ۲۲: ۲

[3] یعنی یہ بات کہ کسی گنہگار کے لئے دوسرے گنہگاروں کی سفارش کرنا ممکن نہیں ہے،

کہاں ہے؟ اور یہ بات تو ذرا بھی مستبعد نہیں کہ باری تعالیٰ کسی بندے کے گناہ بلا واسطہ اپنے فضل سے بخش دے، پھر دوسروں کے حق میں اس کی سفارش بھی قبول فرمالے، اس کے علاوہ یہ چیز بھی قابلِ غور ہے کہ کسی گناہ کی قباحت عقلاً اسی وقت تک رہتی ہے جب تک وہ معاف نہیں کیا جاتا، معاف ہو جانے کے بعد اس کی قباحت باقی نہیں رہ سکتی، اس تیسری آیت میں جس کو عیسائیوں نے اپنے خیالِ فاسد میں گناہ کے اثبات کے لئے پیش کیا ہے تصریح موجود ہے، یعنی فرمایا

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ،	"تاکہ اللہ آپ کے اگلے اور پچھلے (سب) گناہ معاف کر دے"

پھر اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اگلے پچھلے گناہ اس دنیا ہی میں بخش دیئے گئے تو اب کوئی ایسی بات تو باقی نہیں رہی جو دارِ آخرت میں دوسروں کی سفارش کرنے سے مانع ہو، اور اگر تیسری صورت ہے تو یقیناً غلط ہے، اس لئے کہ یہ بات تو آپ بھی جانتے ہیں کہ بنی اسرائیل نے جب بچھڑے کی پوجا کی تو خدا کا ارادہ ہوا کہ سب کو ہلاک کر دے، مگر موسیٰ علیہ السلام نے ان کی سفارش کی، خدا نے اس سفارش کو قبول فرمایا، اور سب کو ہلاک نہیں کیا، جس کی تصریح کتاب خروج باب ۳۲ میں ہے،

پھر خدا نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ بنی اسرائیل کو لے کر ملکِ کنعان جائیں، مگر میں تمھارے ساتھ نہیں جاؤں گا، پھر موسیٰ علیہ السلام نے سفارش کی، اور اللہ نے ان کی سفارش قبول فرمائی، اور کہا کہ میں تمھارے ہمراہ جاؤں گا، جس کی تصریح کتاب خروج باب ۳۳ میں ہے، پھر جب بنی اسرائیل نے

نافرمانی کی، تو خدا نے دوبارہ ان کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا، تو موسیٰؑ اور ہارونؑ دونوں نے سفارش کی، خدا نے پھر ان دونوں کی سفارش کو قبول فرمایا، پھر جب انھوں نے دوبارہ نافرمانی کی، تو خدا نے اُن پر سانپ چھوڑ دیئے، جو اُن کو کاٹتے اور ڈستے تھے، پھر وہ لوگ موسیٰؑ کے پاس سفارش کی درخواست لیکر آئے، چنانچہ انھوں نے پھر سفارش کی، اور خدا نے ان کی سفارش قبول کی، چنانچہ اس کی تصریح کتاب عدد باب ۲۱ اور باب ۱۶ میں موجود ہے، اب کسی قسم کا کوئی استحالہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت شفیع المذنبین ہونے میں باقی نہیں رہا،

الٰہی: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام محمود عطا فرما، جس کا آپ نے اُن سے وعدہ کیا ہے، اور ہم کو قیامت کے دن آپؐ کی سفارش نصیب کر؛؛

یہ آخری باب ہے، میں نے اس کتاب کی تالیف کی ابتداء ماہ رجب سنہ ۱۲۸۰ھ کی ۱۶ر تاریخ کو کی، اور سالِ مذکور کے آخر ذی الحجہ میں اس سے فراغت پائی، والحمد للہ رب العالمین،

اس کتاب کے ختم کی تاریخ "تائید الحق برحمت اللہ" ہے،
۱۲۸۰ھ

میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں ایسے حاسد سے جو مجالس سے سوائے بُرائی کے کچھ حاصل نہیں کرتا، اور فرشتوں سے لعنت کے سوا اور مخلوق سے سوائے رنج و غم کے، اور نزع کے وقت سوائے شدت کے اور خوف کے، اور موقفِ حساب میں سوائے رسوائی کے اور عذاب کے، میں اپنا معاملہ لطیف و خبیر کے

سپرد کرتا ہوں، وہی بہترین کارساز و مددگار ہے، اور پوری عاجزی اور گڑگڑاہٹ کے ساتھ یوں عرض کرتا ہوں: اے ہمارے پروردگار: ہماری بھول یا غلطی پر ہم سے مواخذہ مت کیجئے، اے ہمارے پروردگار: ہم پر ایسی مشقت والا حکم نہ ڈالئے جس طرح ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا، اے ہمارے پروردگار! اور جن کاموں کے کرنے کی ہم میں سکت نہیں اس کا بوجھ ہم پر نہ ڈالئے، اور ہماری خطاؤں سے درگذر فرمائیے، اور ہماری بخشش کیجئے، اور ہم پر رحم فرمائیے، آپ ہمارے آقا ہیں، پس ہم کو ظالم لوگوں پر کامیابی اور غلبہ عطا فرمائیے ❊

جلد سوم تمام شد

جمادی الاول ۱۳۹۰ھ مطابق جولائی ۱۹۷۰ء

سید دلشاد حسین کاظمی تحریر نمود بروز جمعہ

افضل پرکس

اشاریہ

مرتبہ

محمد تقی عثمانی

اشارات

اس اشاریہ کے شروع میں توان اصطلاحات کی فہرست دی گئی ہے، جن کی تشریح مقدمہ، کتاب، یا اس کے حواشی میں آئی ہے، اس کے بعد عام مفصل اشاریہ ہے، اس اشاریہ میں مندرجہ ذیل امور کی رعایت ہے:

① جن ناموں کا تعارف حاشیہ پر ہے، ان کے متعلقہ صفحات پر علامت "ت" بنی ہوئی ہے،
② جو نام متن کے بجائے حاشیہ میں آئے ہیں، ان کے متعلقہ صفحہ پر خط کھینچ دیا گیا ہے،
③ حضرت مسیح علیہ السلام کا اسم گرامی چونکہ تقریباً ہر صفحے پر آیا ہے، اس لئے اسے اشاریہ میں شامل نہیں کیا گیا،
④ بائبل کی کتابوں کا نام کتاب میں جہاں حوالے کے طور پر آیا ہے، اسے اساریہ میں شامل نہیں کیا گیا، صرف اُن صفحات کا حوالہ اشاریہ میں دیا گیا ہے جن میں ان کتابوں کو موضوع بنا کر ان کے بارے میں کوئی بات کہی گئی ہے،
⑤ کتابوں کے اشاریہ میں انگریزی کتابوں کا نام بھی آسانی کی خاطر اردو رسم الخط میں درج کر دیا گیا ہے۔
⑥ تینوں جلدوں کے صرف سلسلہ وار صفحات کے نمبر دیئے گئے ہیں، جو دوسری اور تیسری جلد میں ہر صفحے کے نیچے لکھے ہوئے ہیں،

مصطلحات کی فہرست

جن کی تشریح کتاب کے حواشی وغیرہ میں کی گئی ہے،

عام علمی اصطلاحات

کلیسائی اصطلاحات

انسانوں کے نام

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

الف

ب

پ

ت

ٹ

ث

ج

د

ذ

ڈ

ر

ز

ش

ط

ع

ف

گ

م

ن

مقامات

کتابیں